افغانستان میں اقبال شناسی کی روایت

ڈاکٹر عبد الرؤف رفیقی

ڈاکٹر عبدالرؤف رفیقی

اقبال اکادمی پاکستان

ناشر

پروفیسر ڈاکٹر بصیرہ عنبرین

ناظم

اقبال اکادمی پاکستان

حکومت پاکستان

قومی ورثہ وثقافت ڈویژن

چھٹی منزل، ایوان اقبال، ایجرٹن روڈ، لاہور

Tel: [+92-42] 36314510, 99203573
Fax: [+92-42] 36314496
Email: info@iap.gov.pk
Website: www.allamaiqbal.com

ISBN: 978-969-416-569-1

طبع اول	:	۲۰۲۲ء
تعداد	:	۵۰۰
قیمت	:	۱۵۸۰/- روپے
مطبع	:	ایچ آئی ٹریڈرز، لاہور

محل فروخت: گراؤنڈ فلور، ایوان اقبال، ایجرٹن روڈ، لاہور

فہرست

ابتدائیہ ۹

باب اول: اقبال کی افغان دوستی ۱۵

اقبال کی افغان دوستی ۱۵

(ا) افغانستان کا مختصر تاریخی جائزہ ۱۵

کلامِ اقبال میں مشاہیر افاغنہ کا تذکرہ ۱۹

۱- احمد شاہ ابدالیؒ ۱۹

۲- مولانا جلال الدین بلخی رومیؒ ۲۱

۳- سید جمال الدین افغانیؒ ۲۶

۴- حکیم سنائیؒ ۲۷

۵- خوشحال خان خٹک ۳۰

۶- سلطان محمود غزنویؒ ۳۱

۷- شیر شاہ سوریؒ ۳۵

۸- علی ہجویری حضرت داتا گنج بخشؒ ۳۶

۹- امام فخر الدین رازیؒ ۳۹

۱۰- محمد نور الدین جامیؒ ۴۱

کلامِ اقبال میں معاصر افغانی شخصیات کا تذکرہ ۴۲

۱- غازی امان اللہ خان ۴۲

۲- اعلیٰ حضرت محمد نادر شاہ شہید ۴۷

۳- اعلیٰ حضرت المتوکل علی اللہ محمد ظاہر شاہ ۵۱

اقبال کے افغانوں سے وابستہ توقعات ۵۴

مکتوباتِ اقبال میں افغان، افغانستان اور پشتو زبان کا تذکرہ ۵۸

ماٴخذات باب اول ۶۳

باب دوم: افغانوں کی اقبال دوستی ۶۹

اقبال سے افغانوں کے مراسم ۶۹

علامہ اقبال کا سفر افغانستان ۱۱۰

کابل میں اعلیٰ تعلیم کے لیے یونیورسٹی کے قیام کی ضرورت ۱۱۱

ڈاکٹر اقبال کی روانگی کابل ۱۱۷

افغانوں کی پذیرائی ۱۴۳

ماٴخذات باب دوم ۱۴۴

باب سوم: افغانستان میں اقبال شناسی کی روایت کا آغاز ۱۵۱

(الف) افغانستان کے پہلے اقبال شناس ۱۵۱

(ب) افغانستان میں اقبال شناسی ۱۵۳

از آغاز تا وفات اقبالؒ ۲۱/ اپریل ۱۹۳۸ء ۱۵۳

(ج) افغانستان میں پہلا اقبال ڈے اور دیگر تقاریبِ اقبال ۱۷۹

(د) افغانستان میں اقبالیاتی کتب کا مختصر تحقیقی جائزہ ۱۸۲

۱- پښتانه د علامه اقبال په نظر کې- (پشتو) از عبد اللہ بختانی خدمتگار ۱۸۲

۲- آثار اردوی اقبال (جلد اول فارسی) از عبد الہادی داویؔ ۱۸۴

۳- ”افغانستان و اقبال“ ۲۱۰

۴- ”یارِ آشنا“ ۲۱۳

۵- ”از سنائی تا مولانا و اقبال“ ۲۱۵

۶- ”لالی ریختہ“ ۲۱۵

۷- ”معنی عشق نزد اقبال“ ۲۱۸

۸- افغانستان از زبان علامہ اقبال ۲۱۷

۹- علامہ اقبال در ادب فارسی و فرہنگ افغانستان ۲۱۷

۱۰- اکسیر خودی ـــ جوہر پیام علامہ اقبال ۲۲۰

(ب) افغانستان میں اقبال شناسی کے چند دیگر مصادر ۲۲۵
اقبال اور افغانستان ۲۲۵
سیر اقبال شناسی در افغانستان ۲۲۶
اقبال، افغان اور افغانستان (اردو، فارسی، پشتو، انگریزی)........................... ۲۲۸
مأخذات باب سوم ۲۳۲
باب چہارم: افغانستان میں اقبال شناسی کا ارتقا ۲۳۷
پہلا دور: ۲۲/ اپریل ۱۹۳۸ء تا ۱۹۵۰ء ۲۳۷
دوسرا دور: 1951 تا ۱۹۷۷ء ۲۵۲
تیسرا دور: ۱۹۷۸ء تا ۲۰۱۰ء ۲۷۷
مأخذات باب چہارم ۳۰۵
باب پنجم: افغانستان کے پشتون اقبال شناس ۳۱۵
احمد صمیمؔ ۳۱۵
احمد علی خان درانی ۳۱۸
حبیب اللہ رفیع ۳۱۹
خلیل اللہ خلیلیؔ ۳۲۲
سرور خان گویاؔ ۳۴۱
عبد الباری شہرت ننگیال ۳۴۶
عبد الحئ حبیبیؔ ۳۴۹
عبد الرحمٰن پژواکؔ ۳۶۴
عبد الرؤف بینواؔ ۳۶۷
سر محقق عبد اللہ بختانی خدمتگار ۳۷۲
عبد الہادی داوی پریشانؔ ۳۷۷
عزیز الدین وکیلی پوپلزائی ۳۸۱
غلام دستگیر خان مہمندؔ ۳۸۲

قیام الدین خادمؔ ۳۸۳
گل باچا الفتؔ ۳۹۰
محمد رحیم الہامؔ ۳۹۳
ڈاکٹر محمد صادق فطرتؔ "ناشناس" ۳۹۷
مآخذات باب پنجم ۳۹۸
باب ششم: افغانستان کے فارسی گو اقبال شناس ۴۰۵
ڈاکٹر اسد اللہ محقق ۴۰۵
آقائی حیدری وجودی ۴۰۵
رحمت اللہ منطقی ۴۰۶
ڈاکٹر سعید ۴۰۷
صلاح الدین سلجوقیؔ ۴۰۷
صدیق رہپوؔ ۴۲۰
صوفی عبد الحق بیتابؔ (ملک الشعرا) ۴۲۱
قاری عبد اللہ (ملک الشعرا) ۴۲۴
عزیز اللہ مجددی ۴۳۰
غلام جیلانی اعظمیؔ ۴۳۱
پروفیسر غلام حسن مجددیؔ ۴۳۱
غلام ربانی ادیب ۴۳۲
غلام رضا مائل ہرویؔ ۴۳۳
محمد ابراہیم خلیلؔ ۴۳۶
محمد قاسم رشتیاؔ ۴۴۰
میر بہادر واصفی ۴۴۱
مآخذات باب ششم ۴۴۳
باب ہفتم: افغانستان میں مقالاتِ اقبال کے مشمولات ۴۴۷

مقالہ نمبر۱: پیامِ مشرق از عبدالہادی داوی ۴۴۷
مقالہ نمبر۲: دکتور اقبال از سرور خان گویا ۴۵۴
مقالہ نمبر۳: علامہ اقبال از احمد علی خان درانی ۴۵۶
مقالہ نمبر۴: تنزل وانحطاط اسلام از محمد سکندر خان ۴۶۲
مقالہ نمبر۵: تقریظ بر مسافر از سرور خان گویا ۴۶۵
مقالہ نمبر۶: وفات اقبال شاعر و فیلسوف شہیر از سید قاسم رشتیا ۴۶۸
مقالہ نمبر۷: اقبال و افغانستان از غلام جیلانی اعظمی ۴۶۸
مقالہ نمبر۸: اقبال (آریانا دائرۃ المعارف) از عبدالرزاق فراھی ۴۷۲
مقالہ نمبر۹: افغانستان و اقبال از سرور خان گویا ۴۷۶
مقالہ نمبر۱۰: د خوشحال او اقبال د اشعارو ځني مشترکه خواوی (خوشحال اور اقبال کے اشعار کے چند مشترک پہلو) از عبداللہ بختانی خدمتگار ۴۸۱
مقالہ نمبر۱۱: فلسفۂ اقبال از پروفیسر ڈاکٹر غلام حسن مجددی ۴۸۸
مقالہ نمبر۱۲: د علامہ اقبال پہ باب از پروفیسر عبدالشکور رشاد ۴۹۲
مقالہ نمبر۱۳: د ختیځ ستر شاعر (مشرق کا عظیم شاعر) از سو بمن ۴۹۶
مقالہ نمبر۱۴: اقبال و افغانستان از دکتور حق شناس ۵۰۰
مقالہ نمبر۱۵: بزرگداشت اقبال بزرگ از دکتور سید خلیل اللہ ہاشمیان ۵۰۴
مقالہ نمبر۱۶: امروز زدائی فردا از نائل لاجورد بنشہری ۵۰۹
مقالہ نمبر۱۷: افغانستان در آئینہ قرآن از احمد جان امینی ۵۱۳
مقالہ نمبر۱۸: ساعتی در خدمت علامہ اقبال از سید قاسم رشتیا ۵۱۶
مقالہ نمبر۱۹: قلب آسیا گذرگاہ و نظر گاہ علامہ اقبال از سر محقق عبداللہ بختانی خدمتگار ..۵۲۱
مقالہ نمبر۲۰: اقبال د خوشحال ربنتیني مینه وال از محمد آصف صمیم ۵۲۵
مآخذات باب ہفتم ۵۳۰
کتابیات **۵۳۷**
(الف) اردو ۵۳۷

(ب) پشتو کتب ۵۴۰
(ج) فارسی کتب ۵۴۴
(د) رسائل، مجلات ۵۴۷
(و) اخبارات ۵۵۲
(ھ) غیر مطبوعہ کتب ۵۵۲
(خ) غیر مطبوعہ مقالات ۵۵۲
(و) مکتوبات ۵۵۳
(ز) انٹرویو ۵۵۳

جدولات

جدول نمبر۱: حضرت علامہ سے ملاقات کرنے والے افغان ادبا، شعرا اور دانشور ۵۵۵
جدول نمبر۲: اقبال سے ملاقات کرنے والے افغان خواص، زعما، اربابِ اختیار اور دیگر حضرات ۵۵۷
جدول نمبر۳: افغانستان کے پشتون اقبال شناس ۵۶۱
جدول نمبر۴: افغانستان کے فارسی گو اقبال شناس ۵۶۳
جدول نمبر۵: مجلّہ کابل کی اقبالیاتی خدمات ۵۶۶
جدول نمبر۶: دیگر مطبوعات کے اقبالیاتی خدمات (نثری) ۵۷۰
جدول نمبر۷(الف): افغانستان میں اقبال کو منظوم خراجِ تحسین (فارسی) ۵۷۳
جدول نمبر۷(ب): افغانستان میں اقبال کو منظوم خراجِ تحسین (پشتو) ۵۷۵
جدول نمبر۸: علامہ کا سفر افغانستان ۵۷۶
جدول نمبر۹ (الف): افغانستان میں اقبالیاتی کتب ۵۷۹
جدول نمبر۹ (ب): افغانستان سے باہر افغانستان میں اقبال شناسی کے اہم مصادر ۵۸۱

ابتدائیہ

افغانستان سے متعلق حضرت علامہ کے گراں قدر منظوم افکار حصہ تاریخ بن چکے ہیں۔ یہ والہانہ اور عقیدت مندانہ افکار افغانستان اور افغانوں سے علامہ کی محبت اور توقع کے مظہر ہیں۔ انھی افکار اور خیالات کے جائزے سے متعلق افغانستان اور اقبال کے حوالے سے اربابِ علم و دانش کی متعدد تحریریں موجود ہیں۔ جن میں سے درج ذیل خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں:

۱۔ "پښتانه د علامه اقبال په نظر کښې" (افغان اقبال کی نظر میں) از سر محقق عبداللہ بختانی مطبع دولتی کابل ۱۳۳۵ھ ش

۲۔ "اقبال افغانستان میں" از ڈاکٹر محمد ریاض، ماہنامہ المعارف لاہور مئی ۱۹۷۷ء

۳۔ "اقبال و افغانستان" غلام جیلانی اعظمی، مطبوعہ مجلّہ کابل مئی جون ۱۹۳۸ء

۴۔ اقبال اور افغان از میر عبدالصمد، یونیورسٹی بک ایجنسی پشاور

۵۔ *Iqbal & The Afghans* از ڈاکٹر ظہور احمد اعوان، مقالہ پی ایچ ڈی ایریا سٹڈی سنٹر پشاور یونیورسٹی

۶۔ "اقبال اور افغانستان" از اکرام اللہ شاہد، مقالہ ایم فل، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی اسلام آباد ۱۹۹۸ء

۷۔ "پشتو شاعری پر اقبال کے اثرات" از عبدالروف رفیقی مقالہ ایم فل علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی اسلام آباد ۲۰۰۰ء

البتہ افغانستان میں اقبال شناسی کے حوالے سے تحقیقات نہ ہونے کے برابر ہیں۔ اس موضوع پر صرف ایک ہی مقالہ افغانستان اور ایران میں اقبال پر مقالات اور

کتب (مطبوعہ اقبال ممدوح عالم، مرتبہ ڈاکٹر سلیم، اختر مطبوعہ بزم اقبال لاہور ۱۹۷۷ء) میں ڈاکٹر ریاض مرحوم نے بعض ابتدائی کام کی نشاندہی کی ہے۔ اس کے علاوہ افغانستان میں صدیق رھپو نے افغانستان و اقبال کے نام سے ایک کتاب شائع کی جس میں افغانستان میں علامہ پر لکھی جانے والی بعض تحریرات کو یکجا کیا گیا ہے۔

اس وقت جب دنیا کے گوشے گوشے میں اقبال شناسی کے حوالے سے منظم تحقیقات ہورہی ہیں اور اقبالیات ایک مستقل موضوع بن گئی ہے۔ تو گویا اقبال کے محبوب دیار اور ان کے باسیوں کے لیے اپنے اس مربی و محسن کی خدمات سے بے خبر ہونا کیسے ممکن تھا انھی نکات کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے افغانستان میں اقبال شناسی کی روایت پر اس مقالے میں تحقیق کی گئی ہے۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ افغانستان میں اقبال شناسی کی ابتداحیاتِ اقبال ہی میں ہو چکی تھی۔ مگر یہ بھی ایک تلخ حقیقت ہے کہ گذشتہ ڈھائی دھائیوں کے دوران افغانستان میں مسلسل جنگ نے دیگر شعبوں کی طرح وہاں اقبال شناسی کو بھی کافی نقصان پہنچایا ہے۔ مقالے کے لکھنے کے دوران مجھے کافی دقتوں کا سامنا کرنا پڑا۔ مگر الحمدللہ تقریباً پچانوے فیصد مأخذات میری ذاتی لائبریری میں موجود تھے بقیہ پانچ فیصد مأخذات کے حصول کے لیے میں جن صعوبتوں سے گزرا ہوں اس کا اندازہ تحقیق کے پُر پیچ راہوں سے آشنا ارباب تحقیق ہی کر سکتے ہیں۔

مقالے کا پہلا باب ''اقبال کی افغان دوستی'' کے حوالے سے ہے۔ اقبال کی افغان دوستی کے سلسلے میں پہلے افغانستان کا مختصر تاریخی جائزہ پیش کیا گیا ہے۔ پھر کلامِ اقبال میں مشاہیر افاغنہ کے تذکرے پر تحقیق کی گئی ہے۔ ان مشاہیر میں احمد شاہ ابدالی، جلال الدین بلخی رومیؒ، سید جمال الدین افغانی، حکیم سنائی غزنویؒ، خوشحال خان خٹک، سلطان محمود غزنوی، شیر شاہ سوری، علی ہجویری، فخر الدین رازی اور محمد نورالدین جامیؒ شامل ہیں۔ اور ان کے ناموں کی ترتیب حروفِ تہجی کے اعتبار سے ہے۔ اس کے علاوہ معاصر افغان شخصیات میں غازی امان اللہ خان اعلیحضرت محمد نادر شاہ اور المتوکل علی اللہ محمد ظاہر شاہ پر کلامِ اقبال میں ان کے تذکرے کی روشنی میں تحقیق کی گئی ہے۔

باب دوم ''افغانوں کی اقبال دوستی'' میں حضرت علامہ سے افغانوں کے مراسم، علامہ کا سفر افغانستان اور افغانوں کی پذیرائی کے حوالے سے تحقیق کی گئی ہے۔

باب سوم میں افغانستان میں اقبال شناسی کی روایت کے آغاز پر تحقیق موجود ہے۔ اس باب کے ضمنی عنوانات کے تحت افغانستان کے ابتدائی اقبال شناسوں پر تحقیق کی گئی ہے۔ اس کے علاوہ افغانستان میں حضرت علامہ کی شخصیت، فکر اور فن کے حوالے سے لکھی جانے والی مطبوعہ کتابوں پر تحقیق کی گئی ہے۔

باب چہارم افغانستان میں اقبال شناسی کے ارتقا سے متعلق ہے۔ اس ارتقائی سفر کو مزید تین ادوار میں تقسیم کیا گیا ہے۔ ان ادوار کی تقسیم مختلف ترجیحات کی بنیاد پر کی گئی ہے۔ جن میں پہلا دور بعد از وفات حضرت علامہ ۲۲ اپریل ۱۹۳۸ء تا ۱۹۵۰ء ہے۔ دوسرا دور ۱۹۵۰ء تا ۱۹۷۷ء ہے جس میں علامہ کے صد سالہ جشن ولادت کی تقریبات ہوئی تھیں۔ تیسرا دور ۱۹۷۸ء سے شروع ہو کر ۲۰۰۳ء (تادمِ تحقیق) پر مشتمل ہے۔ ۱۹۷۸ء میں افغانستان ایک خونیں انقلاب سے دوچار ہوتا ہے۔ مختلف جہادی تنظیمیں افغانستان میں روسی فوجوں کو پسپائی پر مجبور کر دیتی ہیں۔ قندھار و غزنیں کے کوہساروں اور بیابانوں سے بلند ہونے والی تکبیر کی ان صداؤں نے کریملن کے غرور کو خاک میں ملا دیا۔ وسطی ایشیائی ریاستوں کو اسی طفیل ایک بار پھر پروردگار نے نعمتِ آزادی سے سرفراز فرمایا۔ اس دوران افغان جہاد اور ان کے محرکات میں فکرِ اقبال کے اثرات پر بھی تحقیق کی گئی ہے۔

باب پنجم افغانستان میں پشتون اقبال شناسوں کے تعارف اور ان کی اقبالیاتی خدمات سے متعلق ہے جو حروف تہجی کے لحاظ سے ترتیب دیے گئے ہیں۔ ان میں سردار احمد علی خان درانی، حبیب اللہ رفیع، خلیل اللہ خلیلی، عبدالباری شہرت ننگیال، علامہ عبدالحئ حبیبی، عبدالرحمٰن پژواک، عبدالروف بینوا، سرمحقق عبداللہ بختانی، خدمتگار، عبدالہادی داوی پریشان، عزیز الدین وکیلی پوپلزئی، غلام دستگیر خان مہمند، قیام الدین خادم، گل باچا الفت، محمد رحیم الہام اور ڈاکٹر محمد صادق فطرت ناشناس شامل ہیں۔

باب ششم میں افغانستان کے فارسی گو اقبال شناسوں اور ان کی اقبالیاتی خدمات پر تحقیق پیش کی گئی ہے۔ یہاں بھی حروفِ تہجی کی ترتیب کو مدِ نظر رکھا گیا ہے۔ اور ان اقبال شناسوں میں سرور خان گویا، صلاح الدین سلجوقی، صدیق رھپو، صوفی عبدالحق بیتاب ملک

الشعرا، قاری عبداللہ ملک الشعرا، غلام جیلانی اعظمی، پروفیسر غلام حسن مجددی، غلام رضامائل ہروی، محمد ابراہیم خلیل اور سید محمد قاسم رشتیا شامل ہیں۔

باب ہفتم افغانستان میں مقالات اقبال کے مشمولات پر تحقیق کی گئی ہے ۔ ان افغانستان میں حضرت علامہ کے فکر و فن اور شخصیت کے مختلف پہلوؤں سے متعلق بیس منتخب مقالات کے مشمولات و مباحث پر تحقیق موجود ہے ان مقالات کا انتخاب ان کے معیار اور ان کے مباحث و مشمولات کی بنیاد پر کیا گیا ہے۔

اس کے علاوہ مقالے میں سات عدد جدول بھی دیے گئے ہیں جن میں جدید ترین سائنسی تحقیقی اصولوں کے تحت نہایت اختصار کے ساتھ مقالے کے مختلف ابواب کی سمری پیش کی گئی ہے۔

تحقیق کے آخر میں مقالے کے مختلف مشمولات سے منطق نادر و نایاب مأخذات کے بعض متعلقہ حصہ جات کے عکوس بھی منسلک کیے گئے ہیں جن سے مقالے کے استناوی اہمیت میں اضافہ مقصود ہے۔

اب جبکہ اس تحقیق کی تکمیل ۲۰۰۳ء ہوئی تھی اور اشاعت ۲۰۲۱ء میں ہو رہی ہے جبکہ ۲۰۰۳ء تا ۲۰۱۰ء عرصہ سات سال کے دوران موضوع سے متعلق ہونے والے کام کا احاطہ کیا گیا ہے۔ ان سات سالوں میں اس موضوع سے متعلق درج ذیل کتب شائع ہوئی ہیں:

- اقبال اور افغانستان از اکرام اللہ شاہد ادارہ اشاعت مدارالعلوم مردان نومبر ۲۰۰۲ء
- سیراقبال شناسی در افغانستان از ڈاکٹر عبدالروف رفیقی مطبوعہ اقبال اکادمی پاکستان ۲۰۰۴ء
- اقبال افغان اور افغانستان از محمد اکرام چغتائی۔ سنگ میل پبلی کیشنز لاہور ۲۰۰۴ء
- علامہ اقبال در ادب فارسی و فرہنگ افغانستان از دکتر اسد اللہ محقق مرکز تحقیقات فارسی ایران و پاکستان اسلام آباد ۲۰۰۵ء

- یار آشنا پیوند علامہ اقبال با افغانستان از خلیل اللہ خلیلی پیش گفتار و حواشی عارف نوشاہی۔ کتابخانہ استاد خلیل اللہ خلیلی انستیتوت شرق شناسی و میراث خطی اکادمی علوم جمہوری تاجیکستان دوشنبہ ۲۰۱۰ء
- اکسیر خودی جوہر پیام علامہ اقبال از داکتر سعید انجمن حمایت از انکشافات اجتماعی۔ مطبوعہ فجر موسۃ نشراتی صبا کابل ۱۳۸۹ھ ش

لہٰذا ان مصادر کو بھی بعد از تکمیل اس تحقیق میں شامل کیا ہے اور جہاں ضروری سمجھا گیا وہاں ان مصادر سے استفادہ کیا گیا تاکہ مقالہ اپ ڈیٹ رہے لہٰذا محققین اور ناقدین حضرات سے اس امر کو بھی ملحوظ خاطر رکھنے کی استدعا ہے۔

تحقیقی مقالہ "افغانستان میں اقبال شناسی کی روایت" کی تسوید کے دوران مختلف احباب نے علمی و تحقیقی تعاون فرمایا۔ جس کے لیے میں ان سب حضرات کا شکر گزار ہوں۔ ان حضرات میں اسلام آباد، پشاور اور کراچی کے وہ کرم فرما شامل ہیں جن کو میں وقتاً فوقتاً علمی معاونت کی زحمت دیتا رہا۔ ان تمام حضرات نے تحقیق کی پُرپیچ راہوں کو مسلسل حوصلے اور رہنمائی سے میرے لیے سہل بنایا۔

ان کے علاوہ محمد ظاہر خرک قندھار، آصف صمیم ننگرہار جلال آباد، جناب ڈاکٹر عارف نوشاہی اسلام آباد، جناب اکرام اللہ شاہدؔ مردان، جناب میاں وکیل شاہ فقیر خیل ساول ڈھیر مردان، غلام رسول بلوچؔ لائبریرین گورنمنٹ کالج چمن، چودھری محمد طاہر چمن، جناب عیسیٰ کریمیؔ ڈائریکٹر خانہ فرہنگ ایران کوئٹہ، نے وقتاً فوقتاً حصولِ مواد میں کافی مدد فرمائی ہے۔ اس کے لیے ان سب حضرات کا سپاس گزار ہوں۔ جناب حمد اللہ صحافؔ کا خاص طور پر تہہ دل سے مشکور ہوں جن کے غنی کتب خانے سے مجھے استفادہ کرنے کا موقع میسر ہوا۔

رفیقۂ حیات رحمت اچکزئی کا ذکر کرنا چاہتا ہوں جن کا تعاون اس تحقیقی کام کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے میں شامل رہا۔

پروردگار سے علمی دنیا کے لیے اس کاوش میں کمی بیشی و تقصیرات کے لیے عفو اور سعی کو مشکور فرمانے کا خواستگار ہوں۔

ڈاکٹر عبدالرؤف رفیقی
ادارہ تحقیقات ڈاکٹر رفیقی کاسی روڈ کوئٹہ
۸/ ستمبر ۲۰۲۰ء

باب اول

اقبال کی افغان دوستی

اقبال کی افغان دوستی

(ا)افغانستان کا مختصر تاریخی جائزہ

افغانستان ۲۹ درجے ۳۰ دقیقے اور ۳۸ درجے ۳۰ دقیقے طول البلد شمالی اور ۶۱ درجے اور ۷۵ درجے عرض البلد مشرق کے درمیان واقع ہے۔[1]

افغانستان کا رقبہ آٹھ سو مربع کلومیٹر ہے[2] جو زیادہ تر کوہستانی سلسلوں پر مشتمل ہے۔ معروف کوہستانی سلسلہ کوہِ ہندوکش شمال مشرق سے جنوب مغرب کی طرف تقریباً چھ سو کلومیٹر تک پھیلا ہوا ہے۔ جبکہ اسی کوہستانی سلسلے کا عرض سو کلومیٹر تک پہنچتا ہے۔ افغانستان کے اکثر دریا اسی کوہستانی سلسلے سے نکلتے ہیں۔ افغانستان کے شمال میں وسطی ایشیائی مسلم ریاستیں۔ تاجکستان، ازبکستان اور ترکمانستان جبکہ مغربی جانب ایران اور جنوب مشرق میں پاکستان واقع ہے۔ اسی طرح شمال مشرق کی طرف سے ایک پٹی واخان کے ذریعے چین اور پاکستان کے شمالی علاقہ جات سے ملتی ہے۔

شمال مشرق تا جنوب مغرب رقبہ ۱۳۵۰ کلومیٹر جبکہ عرض شمال تا جنوب نو سو کلومیٹر بنتا ہے،۔ افغانستان کی جنوبی سرحد بحیرہ عرب سے ۴۵۰ کلومیٹر کے فاصلے پر واقع ہے۔[3]

افغانستان ایک قدیم تاریخی مملکت ہے۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ ''قدیم وسط ایشیا سے ہندوستان آنے کا صرف ایک ہی زمینی راستہ تھا جو افغانستان کی شمال مغربی سرحدوں سے گزرتا ہے۔ عظیم ہمالیائی سلسلے کو پار کرکے اگرچہ چین کی حملہ آور فوجیں ضرور ہندوستان آئیں۔ کبھی کبھی ان غیر متعین اور دشوار گزار راہوں سے منگول اور تاتار نسلوں کے لوٹ

مار کرنے والے گروہ بھی ہندوستان کے علاقوں میں گھس آتے تھے اس کے باوجود یہ پہاڑی علاقے تاریخ میں کسی بھی مرحلے پر باہر سے آنے والوں کے لیے باقاعدہ اور مستقل گزر گاہ نہیں بن سکے۔[۴] عظیم ہمالیہ کے ان سلسلوں نے بہر حال مشرق کی طرف سے آنے والے تاتاری قبائل اور ان جیسے حملہ آوروں کو ہمیشہ ہندوستان میں آنے سے روکے رکھا۔ عربوں کو چھوڑ کر جو سمندری راستوں سے ہندوستان میں داخل ہوئے تھے۔ آریا، ترک، تاتار، منگول، افغان، ستھین (Scythian) ان سے ملتے جلتے گروہ اور ایران اور توران کے حکمران، خراسان، ہرات قندھار، بلخ، دریائے کابل کے ذریعے اور ان علاقوں سے جنھیں اب ہم برطانوی بلوچستان کہتے ہیں، ہندوستان آئے تھے۔[۵]

قدیم آریائی دور کا ایک اہم شہر بلخ جو ہزاروں سال قبل آریائی بادشاہوں کا مرکز تھا افغانستان میں واقع ہے۔ بلخ ہی اتنا متمدن تھا جو بعد از اسلام "ام البلاد" مشہور ہوا۔[۶] یہ وہی بلخ ہے جس میں علامہ کے مرشد جلال الدین بلخی رومی پیدا ہوئے جو مرید ہندی کے روحانی مرشد ٹھہرے۔

بلخ پر کشتاسب کے حامیوں کے قبضے سے افغانستان میں زردشت دور کا آغاز ہوتا ہے۔ پانچ سو قبل از مسیح کی اس مذہبی تحریک نے عوام کے ذہنوں سے فرسودہ خیالات کا صفایا کیا۔ اس تبدیلی نے ان لوگوں کو نئی فکری روش سے آشنا کر دیا۔

آریانا (قدیم افغانستان کا نام) میں تہذیب اقوام کے آریائی وزردشتی دور کے بعد آسوریوں اور ہخامنشیوں کا دور شروع ہوتا ہے۔ سیروس کبیر (۵۴۹ - ۵۲۹ ق م) اور داریوش (۵۲۲ - ۴۸۵ق م) نے آریانا کی سرزمین کو دو حصوں قندھار اور باختر میں تقسیم کیا۔ اس کے بعد یہ علاقہ سکندر اعظم کی یلغار کا شکار ہوا۔ یہ سرزمین یونانی تہذیب و زبان سے بھی آشنا ہوئی ہے۔ اشوکا مذہب بودھائی اکثر مشرقی علاقوں میں ترقی کرتا ہے۔[۷]

۱۲۰ قبل از مسیح میں کوشانیوں کے دوسرے دور کا عروج ہوتا ہے۔ کانیکشا سلطنت آریا کے تخت و تاج کا وارث بنتا ہے۔ کاپیسا یا موجودہ بگرام اس دور کے اہم تجارتی مراکز میں شمار ہوتا ہے۔ جو چین اور ہندوستان کے سنگم پر واقع ہے۔

بدھ مت مذہب کو ترقی ملتی ہے اور اس دور کے یادگار ۱۷۵ فٹ اور ۱۱۵ فٹ بلند بودھائی مجسمے تعمیر ہوتے ہیں۔ جو تقریباً دو ہزار سال بعد ۲۰۰۱ء میں افغانستان میں طالبان حکومت کے ہاتھوں مسمار ہوئے۔

بدھائی دور کے بعد افغانستان میں اسلامی دور کا آغاز ہوتا ہے۔ روم و فارس کی فوجیں اسلامی جہادی لشکروں سے شکست کھاتی ہیں۔ نویں صدی عیسوی میں جنوبی ہندوکش کے راستے اسلام بڑی کامرانی سے افغانستان میں داخل ہوتا ہے اور افغانستان سے ہوتا ہوا ہندوستان کا رُخ کرتا ہے۔ طاہر ہراتی اور یعقوب لیث صفاری زابلی کے ذریعے ۸۷۱ء میں کابل اسلامی سلطنت کے زیرِ نگین آتا ہے۔ طاہر ہراتی بغداد اور دیگر عربی خطوں کا رُخ کرتا ہے اور خراسان اسلامی سلطنت کا مرکز بن جاتا ہے۔ ۲۰۶ھ میں طاہر افغانستان کو عباس خلیفہ کے حوالے کر دیتا ہے۔ یہاں سے افغانستان میں سامانیوں کا دور شروع ہوتا ہے جس کے جد امجد کا نام سامان خدا تھا۔ اموی دور میں بلخ میں یہ حکمران رہا۔ خراسان میں ان کے بیٹوں نے فتنہ انگیزوں کی سرکوبی کر کے عباسی خلیفہ مامون کا اعتماد حاصل کیا۔ علمی خدمات انجام دینے والا یہ خاندان تقریباً ایک سو دو سال تک حکمران رہا۔[۸]

عباسی دور میں افغانستان میں زبردست ترقی ہوتی ہے۔ اقتصادیات، زراعت، صنعت، تجارت، مسکوکات، انتظامی امور، جدید انتظامی ڈھانچہ وجود پاتا ہے۔ جبکہ مساجد کی تعمیر علم و ادب، فکر و فرہنگ میں بھی اضافے ہوتے ہیں۔[۹]

اس کے بعد افغانستان میں غزنویوں کے درخشان اسلامی دور کا آغاز ہوتا ہے۔ جو ۳۵۱ھ ق سے ۵۸۳ھ ق تک رہتا ہے۔ سلطان محمود غزنوی خطبہ سے خلیفہ بغداد کا نام حذف کر کے اپنا نام شامل کرتا ہے۔ البیرونی، ابنِ سینا، ابوالفتح بستی، ثعالبی، عبدالجبار العتبی، ابونصر مشکان، ابوالفضل بیہقی، نصر اللہ صاحب کلیلہ و دمنہ اور عبدالحئی گردیزی وغیرہ، اس دور کے مشاہیر اربابِ علم و ادب تھے اور ابوالحسن ہجویری غزنویؒ کی کشف المحجوب اس دور کی یادگار ہے۔[۱۰]

آریانا کی سرحدیں اصفہان و ہمدان کے علاوہ ہندوستان تک پھیلیں۔ محمود نے اسلام کے احیا و سربلندی کے لیے ہندوستان پر سترہ حملے کیے۔ اس کے بعد آریانا میں غوریوں کے

اقتدار کا سورج طلوع ہوتا ہے۔ ۱۲۳۳ء میں افغانستان میں آخری غوری سلطان کی ہلاکت مغلوں کے ہاتھوں ہوئی ہے۔ تیموریوں کے دور کا آغاز ہوتا ہے۔ دسویں صدی ہجری کے اوائل میں کابل میں بابر کی حکومت ہوئی ہے۔ ۹۳۲ھ میں بابر ہندوستان کا رُخ کرتا ہے وہاں لودھی افغانوں کی سلطنت کو تاراج کرکے اپنی حکمرانی کا اعلان کرتا ہے۔ اس سلسلے کی کڑی شیر شاہ سوری کی سخت کوششوں اور کٹھن جدوجہد کے بعد دوبارہ ہندوستان میں افغان حکمرانی تک پہنچتی ہے۔ لیکن آہستہ آہستہ افغان کمزور ہوتے رہے اور صفویوں نے آریانا پر قبضہ جمایا۔ صفویوں کے مقابلے میں ایک مدبر افغان شخصیت میرویس خان نیکہ نبرد آزما ہوتا ہے۔ صفویوں کو شکست دے کر افغانستان میں ہوتکیوں کی حکومت کا دور شروع ہوتا ہے۔ نادر شاہ افشار کی ہلاکت کے بعد ۱۱۶۰ھ ق میں احمد شاہ درانی افغانستان کا بادشاہ بن جاتا ہے۔[۱۱]

احمد شاہ درانی حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کی درخواست پر اسلام کی سربلندی اور مسلمانوں کے تعاون کے سلسلے میں ہندوستان پر حملہ آور ہوتے ہیں۔ قندھار سے ہوتے ہوئے لاہور تا دہلی افغان حکومت کی داغ بیل ڈالتا ہے۔ اس نکتے کی طرف حضرت علامہ نے یوں اشارہ کیا ہے:

جس کے دم سے دلی و لاہور ہم پہلو ہوئے
آہ، اے اقبال! وہ بلبل بھی اب خاموش ہے[۱۲]

احمد شاہ ابدالی نے ۲۵ سال تک برسرِ اقتدار رہنے کے بعد زمامِ حکومت اپنے بیٹے تیمور شاہ درانی کے حوالے کر دی۔ احمد شاہ درانی کے گھرانے کے پاس تقریباً سو سال تک افغانستان کے تخت و تاج کا اختیار رہا۔ اس کے بعد محمد زئی خاندان کی حکمرانی شروع ہوئی۔ امیر دوست محمد خان، امیر شیر علی خان، امیر عبدالرحمٰن خان، امیر حبیب اللہ خان، امیر امان اللہ خان، اعلیٰ حضرت محمد نادر شاہ شہید اور المتوکل علی اللہ محمد ظاہر شاہ افغانستان کے سربراہانِ حکومت رہے۔[۱۳]

افغانستان میں محمد زئی خاندان کا آخری حکمران سردار محمد داؤد خان تھا جو تادمِ مرگ مادرِ وطن کی نگہبانی کرتا رہا۔ ۲۷/ اپریل ۱۹۷۸ء کو ان کی شہادت کے بعد روس نواز پیپلز ڈیموکریٹک پارٹی آف افغانستان نے نور محمد ترکئی کی سربراہی میں زمامِ حکومت سنبھالی۔[۱۴]

۸/ اور ۹/ اکتوبر ۱۹۷۹ء کی درمیانی شب پولیٹیکل بیورو کے حکم سے نور محمد ترکئی ہلاک کر دیے گئے۔ ۱۶/ ستمبر ۱۹۷۹ء کو حفیظ اللہ امین برسرِ اقتدار آئے مگر ۲۷/ دسمبر ۱۹۷۹ء کو انھیں زخمی ہونے کے بعد پھانسی دی گئی۔ اس روز روس کے وفادار کمیونسٹ افغان رہنما ببرک کارمل کو اقتدار سونپا گیا۔ جن کے دورِ حکومت میں ۲۴ اور ۲۷/ دسمبر ۱۹۷۹ء کے درمیانی عرصہ میں سوویت فوجی افغانستان میں داخل ہوئے۔[15] روسیوں کے خلاف افغانستان میں جہاد کا اعلان کیا گیا۔ لاکھوں افغان مہاجر ہوئے۔ ہزاروں شہدا نے قربانیاں دیں۔ ببرک کارمل کے بعد ڈاکٹر نجیب اللہ برسرِ اقتدار آئے جنھیں ۱۹۹۸ء میں طالبان حکومت کے وجود میں آنے کے بعد کابل میں پھانسی دی گئی۔ چھ سال تک طالبان برسرِ اقتدار رہے۔ ۲۰۰۱ء میں یہاں ایک اور سپر پاور امریکہ نے روس کے انجام کے عبرت سے بے خبر ہو کر حملہ کیا۔ طالبان حکومت کے سقوط کے بعد اپنے من پسند حکومت کو تشکیل دیا جس کے سربراہ حامد کرزئی تھے۔

کلامِ اقبال میں مشاہیر افاغنہ کا تذکرہ

علامہ چونکہ افغان قوم سے خاصے متاثر تھے چنانچہ ان کے کلام میں جابجا افغان مشاہیر کے لیے توصیفی و تعریفی نکات ملتے ہیں۔ ذیل میں حروفِ تہجی کی ترتیب سے ان مشاہیر افاغنہ کا مختصر سوانحی تذکرہ اور ان سے منسوب پہلے اقبال کا اردو کلام اور بعد میں فارسی کلام درج کیا جاتا ہے۔

۱-احمد شاہ ابدالیؒ

نام: احمد خان مشہور بہ احمد شاہ درانی ابدالی

ولدیت: زمان خان سدوزئی

تاریخ و مقامِ پیدائش: ۱۱۳۵ھ ق / ۱۷۲۳ء ہرات / ملتان

وفات تاریخ و مقام: ۲۰ رجب المرجب ۱۱۸۶ھ ق بمقام توبہ اچکزی درہ کوژک ضلع قلعہ عبد اللہ تدفین بمقام قندھار۔

دورانیہ حکومت: ۲۵ سال و فاتح پانی پت

آثار و تالیفات

(۱) دیوان احمد شاہ ابدالی (پشتو) مطبوعہ قندھار، کابل، پشاور، کوئٹہ۔

(۲) علم گنج (موضوع تصوف)۔

(۳) احمد شاہ بابا کے فارسی و عربی اشعار۔[۱۶]

کلام اقبال میں تذکرہ احمد شاہ ابدالی

مرد ابدالی وجودش آیتی ۔ داد افغان را اساس ملتی
آن شہیدان محبت را امام ۔ آبروی ہند و چین و روم و شام
نامش از خورشید و مہ تابندہ تر ۔ خاکِ قبرش از من و تو زندہ تر
عشق رازی بود بر صحرا نہاد ۔ تو ندانی جاں چہ مشتاقانہ داد
از نگاہِ خواجۂ بدر و حنین ۔ فقر و سلطان وارثِ جذبِ حسین[۱۷]

آں جوان کو سلطنت ہا آفرید ۔ باز در کوہ و قفارِ خود رمید
آتشی در کوہ سارش برفروخت ۔ خوش عیار آمد برون یا پاک سوخت[۱۸]

درنہادِ ما تب و تاب از دل است ۔ خاک رابیداری وخواب از دل است
تن زمرگِ دل دگرگوں می شود ۔ در مساماتش عرق خون می شود
از فسادِ دل بدن ہیچ است ہیچ ۔ دیدہ بردل بند و جز بردل مپیچ
آسیا یک پیکر آب و گل است ۔ ملتِ افغان درآن پیکر دل است
از فسادِ او فسادِ آسیا ۔ در کشادِ او کشادِ آسیا
تادل آزاد است آزاداست تن ۔ ورنہ کاہے در رہ باد است تن
ہمچو تن پابندِ آئین است دل ۔ مردہ از کین زندہ از دین است دل

قوتِ دیں از مقامِ وحدت است
وحدت از مشہود گردد ملت است[۱۹]

بر مزار حضرت احمد شاہ بابا علیہ الرحمۃ

موسس ملتِ افغانیہ

تربتِ آں خسرو روشن ضمیر — از ضمیرش ملتی صورت پذیر
گنبدِ او را حرم داند سپہر — با فروغ از طوفِ او سیمائی مہر
مثلِ فاتح آن امیر صف شکن — سکۂ زد ھم باقلیم سخن
ملتی را داد ذوقِ جستجو — قدسیاں تسبیح خواں برخاکِ او
از دل و دست، گہر ریزی کہ داشت — سلطنت ہا بر دو بی پروا گذاشت
نکتہ سنج و عارف و شمشیرزن — روحِ پاکش بامن آمد در سخن
گفت می دانم مقام تو کجاست — نغمۂ تو خاکیاں را کیمیاست
خشت و سنگ از فیض تو دارائے دل — روشن از گفتارِ تو سینای دل
پیشِ ما ای آشنای کوی دوست — یک نفس بنشین کہ داری بوی دوست
اے خوش آں کو از خودی آئینہ ساخت — وندر آن آئینہ عالم را شناخت
پیر گردید این زمین و این سپہر — ماہ کور از کور چشمیہائی مہر
گرمیِ ہنگامۂ می بایدش — تا نخستین رنگ و بو باز آیدش
بندۂ مومن سرافیلی کند — بانگِ او ہر کہنہ را برھم زند
اے ترا حق داد جانِ ناشکیب — تو ز سرِّ ملک و دیں داری نصیب

فاش گو باپورِ نادر فاش گوی
باطنِ خود را بہ ظاہر فاش گوے[20]

از تو ای سرمایۂ فتح و ظفر — تختِ احمد شاہ را شانی دگر[21]

۲۔مولانا جلال الدین بلخی رومیؒ

نام: جلال الدین محمد، ترکی میں مولانا اور ایران میں مولوی سے مشہور ہیں۔[22]

ولدیت: بہاؤ الدین سلطان العلما

تاریخ و مقامِ پیدائش: ۶۰۴ھ / ۱۲۰۷ء بمقام بلخ

تاریخ و مقام وفات: ۵ جمادی الآخر ۶۷۲ھ / ۱۷ر دسمبر ۱۲۷۳ء بمقام قونیہ

آثار و تالیفات

(۱) دیوان، فارسی و ترکی اشعار غزلیات و رباعیات۔

(۲) مثنوی معنوی۔ چھ دفاتر پر مشتمل اخلاقی منظوم تصنیف۔

(۳) فیہ مافیہ۔ مولانا کے اقوال کا مجموعہ، عنوان ابن العربی کے ایک شعر سے ماخوذ۔

(۴) مواعظ مجالس سبعہ۔ مولاناتک مے اغودو دور دوزلتن احمد رمزی آقیوزق۔

(۵) مکتوبات۔[۲۳]

کلامِ اقبال میں علامہ کے روحانی مرشد رومیؒ کا تذکرہ

جولاں گہ سکندر رومی تھا ایشیا

گردوں سے بھی بلندتر اس کا مقام تھا[۲۴]

گفت رومی ہر بنائے کہنہ کآباداں کنند

می ندانی اول آں بنیاد را ویراں کنند[۲۵]

نہ اٹھا پھر کوئی رومی عجم کے لالہ زاروں سے

وہی آب و گلِ ایراں، وہی تبریز ہے ساقی[۲۶]

اسی کشمکش میں گزریں مری زندگی کی راتیں

کبھی سوز و سازِ رومی، کبھی پیچ و تابِ رازی[۲۷]

علاج آتشِ رومی کے سوز میں ہے ترا

تری خرد پہ ہے غالب فرنگیوں کا فسوں![۲۸]

صحبتِ پیرِ روم سے مجھ پہ ہوا یہ راز فاش
لاکھ حکیم سر بجیب، ایک کلیم سر بکف![۲۹]

عطار ہو، رومی ہو، رازی ہو، غزالی ہو
کچھ ہاتھ نہیں آتا بے آہِ سحر گاہی![۳۰]

یا حیرتِ فارابی، یا تاب و تبِ رومی
یا فکرِ حکیمانہ، یا جذبِ کلیمانہ[۳۱]

نے مُہرہ باقی، نے مہرہ بازی
جیتا ہے رومی، ہارا ہے رازی[۳۲]

ملتِ رومی نژاد کہنہ پرستی سے پیر
لذتِ تجدید سے وہ بھی ہوئی پھر جواں[۳۳]

بالِ جبریل کی نظم پیر و مرید میں مولانا رومی اور اقبال کا طویل مکالمہ[۳۴]

ہم خوگرِ محسوس ہیں ساحل کے خریدار
اک بحرِ پُر آشوب و پُراسرار ہے رومی!

تو بھی ہے اسی قافلۂ شوق میں اقبال!
جس قافلۂ شوق کا سالار ہے رومی

اس عصر کو بھی اس نے دیا ہے کوئی پیغام؟
کہتے ہیں چراغِ راہِ احرار ہے رومی[۳۵]

جبکہ فارسی کلام میں علامہ نے مولانا روم کو پیرِ روم، پیرِ حق سرشت، پیرِ یزدانی، پیر عجم، مرشد روم وغیرہ القابات سے یاد فرمایا ہے۔ ۷۶ صفحات پر کلیات اقبال فارسی میں مولانا کا تذکرہ آیا ہے۔ بعض درج ذیل ہیں:

پیر رومی خاک را اکسیر کرد
از غبارم جلوہ ہا تعمیر کرد[۳۶]

ذرہ کشت و آفتاب انبار کرد
خرمن از صد رومی و عطار کرد[۳۷]

مرشدِ رومی چہ خوش فرمودہ است
آنکہ ہم در قطرہ اش آسودہ است[۳۸]

مرشدِ رومی حکیم پاک زاد
سرِّ مرگ و زندگی بر ما کشاد[۳۹]

بوعلی اندر غبارِ ناقہ گم
دستِ رومی پردۂ محمل گرفت

این فروتر رفت و تا گوہر رسید
آں بگردابے چو خس منزل گرفت

حق اگر سوزی ندارد حکمت است
شعر میگردد چو سوز از دل گرفت[۴۰]

شراری جستۂ گیر از درونم
کہ من مانندِ رومی گرم خونم[۴۱]

رازِ معنی مرشدِ رومی کشود
فکرِ من بر آستانش در سجود[۴۲]

روحِ رومیؒ پردہ ہا را بر درید
از پسِ کہٴ پارہ ئی آمد پدید![۴۳]

رومی آں عشق و محبت را دلیل
تشنہ کاماں را کلامش سلسبیل[۴۴]

پیر رومی مرشد روشن ضمیر
کاروان عشق و مستی را امیر[۴۵]

نکتہ ہا از پیرِ روم آموختم
خویش را درحرف او وا سوختم[۴۶]

عطا کن شورِرومی ، سوزِ خسرو
عطا کن صدق و اخلاصِ سنائی

چناں با بندگی درساختم من
نہ گیرم گر مرا بخشے خدائی[۴۷]

چورومی در حرم دادم اذاں من
از و آموختم اسرارِ جاں من

بہ دورِ فتنہٴ عصرِ کہن او
بہ دورِ فتنہٴ عصرِ رواں من[۴۸]

۳-سید جمال الدین افغانیؒ

نام: سید جمال الدین افغانی

ولدیت: سید صفدر

تاریخ ومقامِ پیدائش: اسعد آباد کنڑ ننگرہار افغانستان ۱۲۵۴ھ ق / ۱۸۳۹ء

تاریخ ومقامِ وفات: استنبول ترکی ۵ شوال ۱۳۱۴ھ ق / ۹/مارچ ۱۸۹۷ء

آثار و تالیفات

(۱) "الرد علی الدھریین"۔ محمد عبدہ نے فارسی سے عربی میں ترجمہ کیا۔

(۲) العروۃ الوثقیٰ۔ پیرس سے آپ کا جریدہ جس کے ۱۸ شمارے شائع ہوئے۔

(۳) تتیمۃ البیان فی تاریخ الافغان

(۴) ضیاء الخافقین۔ مقالات

(۵) "مصر" اور التجارہ جرائد میں آپ کے مطبوعہ مقالات

(٦) فرانس کے جریدے "الدیبا" میں آپ کا مقالہ

(۷) مکتوبات وغیرہ [۴۹]

سید جمال الدین افغانی۔ پان اسلام ازم نظریئے کا بانی، عالمگیر اسلامی سیاسی وحدت کا علم بردار، علامہ اقبال کا سیاسی پیشرو۔

کلامِ اقبال میں سید جمال الدین افغانیؒ کا تذکرہ

جاوید نامہ میں فلک عطارد پر پیر رومی کی رہنمائی میں زیارتِ ارواح جمال الدین افغانی وسعید حلیم پاشا نہایت اہمیت کی حامل ہے۔ ۲۴ صفحات پر مشتمل اس پوری نظم کا حوالہ باعثِ طوالت ہوگا۔ البتہ چیدہ چیدہ اشعار درج ذیل ہیں:

رفتم و دیدم دو مرد اندر قیام — مقتدی تاتار و افغانی امام

پیر رومی ہر زمان اندر حضور — طلعتش برتافت از ذوق و سرور

گفت "مشرق زین دو کس بہتر نزاد — ناخنِ شان عقدہ ہائے ما کشاد

سید السادات مولانا جمال — زندہ از گفتارِ او سنگ و سفال

ترک سالار آں حلیم دردمند — فکرِ او مثلِ مقامِ او بلند

با چنین مردان دو رکعت طاعت است
ورنہ آں کاری کہ مزدش جنت است"[۵۰]

زندہ رود! از خاکدان ما بگوی — از زمین و آسمان ما بگوی

خاکی و چون قدسیاں روشن بصر — از مسلمانان بدہ ما را خبر[۵۱]

افغانی (دین ووطن)

لُردِ مغرب آں سراپا مکر و فن — اہل دین را داد تعلیم وطن

او بفکر مرکز و تو در نفاق — بگذر از شام و فلسطین و عراق

تو اگر داری تمیز خوب و زشت — دل نہ بندی با کلوخ و سنگ و خشت

چیست دیں برخاستن از روی خاک — تاز خود آگاہ گردد جان پاک

می نگنجد آنکہ گفت اللہ ھُو — در حدودِ ایں نظامِ چار سُو

پرِ کہ از خاک و بر خیزد زخاک — حیف اگر در خاک مرد جان پاک

گرچہ آدم بردمید از آب و گِل — رنگ و نم چوں گُل کشید از آب و گِل

حیف اگر در آب و گل غلطد مدام — حیف اگر برتر نپرد زین مقام

گفت تن در شو بخاکِ رہگذر — گفت جان پہنای عالم را نگر!

جاں نگنجد در جہات اے ہوشمند — مردِ حُر بیگانہ از ہر قید و بند

حُر ز خاکِ تیرہ آید در خروش
زانکہ از بازاں نیاید کارِ مُوش[۵۲]

۴۔ حکیم سنائیؒ

نام، کنیت ولقب: ابو المجد مجدود بن آدم سنائی غزنوی

ولدیت: آدم سنائی غزنوی

تاریخ و مقامِ پیدائش: حدود ۴۶۴ھ ق / ۱۰۷۱ء غزنین

تاریخ و مقامِ وفات: حدود ۵۴۵ھ ق / ۱۱۵۰ء غزنین[۵۳]

آثار و تالیفات

(۱) مثنوی حدیقة الحقیقه باالہی نامه یا فخری نامه۔

(۲) دیوان حکیم سنائی۔ مشتمل قصائد، غزلیات، مقطعات، رباعیات وغیرہ۔

(۳) سیرالعباد الی المعاد۔

(۴) کارنامه بلخ یا (مطائیه نامه)۔

(۵) تحریمة القلم۔

(۶) مجموعہ نامہ ہائی او۔

سنائی سے منسوب آثار

(۱) مثنوی بہرام و بهرور یا ارم نامه۔

(۲) مثنوی طریق التحقیق۔

(۳) عشقنامه۔

(۴) مثنوی عقل نامه۔

(۵) مثنوی سنائی آباد۔[۵۴]

کلامِ اقبال میں تذکرہ سنائیؔ

اقبال نومبر ۱۹۳۳ء میں سفر غزنی کے دوران زیارت حکیم سنائی سے مستفیض ہوئے۔ بالِ جبریل میں ان کے مشہور قصیدے کے تتبع میں ایک طویل غزل لکھی[۵۵] جو سنائی سے عقیدت کی آئینہ دار ہے۔ سنائی کے اس قصیدے کا مطلع و مقطع درج ذیل ہے:

مکن در جسم و جان منزل کہ این دون است و آن والا
قدم زین هر دو بیرون نہ نہ اینجا باش و نی آنجا

بهرجه از اولیا گوندار زفتی و وفقنی
بهجه از انبیا گویند امنا و صدقنا[۵۶]

اقبال کا مطلع و مقطع درج ذیل ہے:

سما سکتا نہیں پہنائے فطرت میں مرا سودا
غلط تھا اے جنوں شاید ترا اندازۂ صحرا!

سنائی کے ادب سے میں نے غواصی نہ کی ورنہ
ابھی اس بحر میں باقی ہیں لاکھوں لولوے لالا! ۵۷

سفر بہ غزنی و زیارتِ مزار حکیم سنائی

آہ غزنی آں حریمِ علم و فن
مرغزارِ شیر مردان کہن

دولتِ محمود را زیبا عروس
از حنابندانِ او دانائی طوس

خفتہ در خاکش حکیم غزنوی
از نوای او دل مردان قوی

آں "حکیمِ غیب" آن صاحب مقام
"ترک جوش" رومی از ذکرش تمام

من ز "پیدا" او ز 'پنہاں' در سرور
ہر دو را سرمایہ از ذوقِ حضور

او نقاب از چہرۂ ایمان کشود
فکرِ من تقدیرِ مومن وا نمود

ہر دو را از حکمتِ قرآن سبق
او ز حق گوید من از مردانِ حق

در فضای مرقدِ او سوختم
تا متاع نالہ ئی اندوختم

گفتم ای بینندۂ اسرار جان
بر تو روشن این جہاں و آن جہان

عصرِ ما وارفتۂ آب و گل است
اہلِ حق را مشکل اندر مشکل است

مومن از فرنگیان دید آنچہ دید
فتنہ ہا اندر حرم آمد پدید

تا نگاہِ او ادب از دل نخورد
چشمِ او را جلوۂ افرنگ برد

اے حکیمِ غیب امام عارفان
پختہ از فیضِ تو خامِ عارفان

آنچہ اندر پردۂ غیب است گوی
بو کہ آبِ رفتہ باز آید بجوی ۵۸

اس کے بعد ۳۰ ابیات میں حکیم سنائی کا جواب ''روحِ حکیم سنائی از بہشت بریں جواب می دہد'' زینتِ مثنوی مسافر ہے:

عطا کن شورِ رومے، سوزِ خسرو عطا کن صدق و اخلاص سنائی
چناں بابندگی در ساختم من نہ گیرم گر مرا بخشی خدائی[۵۹]

مئے روشن ز تاکِ من فرو ریخت خوشا مردی کہ دردامانم آویخت
نصیب از آتشی دارم کہ اول سنائی از دلِ رومی بر انگیخت[۶۰]

۵-خوشحال خان خٹک

نام: خوشحال خان خٹک

ولدیت: شہباز خان خٹک

تاریخ و مقامِ پیدائش: ربیع الثانی ۱۰۲۲ھ ق / مئی جون ۱۶۱۳ء اکوڑہ ضلع نوشہرہ

تاریخ و مقامِ وفات: ۲۸ ربیع الثانی ۱۱۰۰ھ ق / فروری ۱۶۸۹ء ڈمبرہ تیراہ

آثار و تالیفات

(۱) دیوان خوشحال خان خٹک (پشتو و فارسی)۔

(۲) باز نامہ۔ باز سے متعلق ان کی افزائش نسل، شکار، بیماریوں اور علاج سے متعلقہ۔

(۳) هدایه۔ مشہور فقہی کتاب کا پشتو ترجمہ۔

(۴) آئینہ۔ فقہی کتاب کا پشتو ترجمہ۔

(۵) فضل نامہ۔ منظوم، فقہی و دیگر مذہبی امور۔

(۶) سوات نامہ۔ سوات کی منظوم تاریخ۔

(۷) طب نامہ۔ منظوم طبی اصول۔

(۸) فرخنامہ۔ تلوار اور قلم کا مناظرہ۔

(۹) فراقنامہ۔ قید کے زمانے کا منظوم اثر۔

(۱۰) دستار نامہ۔ قبائلی سرداری اور رہبری کے اصولوں سے متعلق نثری اثر،

(۱۱) بیاض۔ منثور سوانحی و خاندانی تذکرہ۔

(۱۲) زنخیری۔ پشتو شارٹ ہینڈ[۶۱]

کلامِ اقبال میں تذکرہ خوشحال خان خٹک

خوشحال خان کی وصیت

قبائل ہوں ملت کی وحدت میں گم — کہ ہو نام افغانیوں کا بلند

محبت مجھے ان جوانوں سے ہے — ستاروں پہ جو ڈالتے ہیں کمند!

مغل سے کسی طرح کمتر نہیں — کہستان کا یہ بچۂ ارجمند

کہوں تجھ سے اے ہم نشیں دل کی بات — وہ مدفن ہے خوشحالؔ خان کو پسند

اڑ کر نہ لائے جہاں بادِ کوہ

مغل شہسواروں کی گردِ سمند[۶۲]

خوش سرود آں شاعرِ افغان شناس — آنکہ بیند، باز گوید بے ہراس!

آں حکیمِ ملت افغانیان — آن طبیبِ علتِ افغانیان!

رازِ قومی دید و بے باکانہ گفت — حرفِ حق با شوخیٔ رندانہ گفت!

"اشترے یابد اگر افغانِ حُر

یا براق و ساز و با انبارِ دُر

ہمتِ دونش ازاں انبارِ دُر

می شود خوشنود بازنگِ شتر"![۶۳]

۶۔ سلطان محمود غزنویؒ

نام، لقب و کنیت: یمین الدولۃ امین الدولۃ ابو القاسم محمود بن ابو منصور سبکتگین غزنوی

ولدیت: ابو منصور سبکتگین غزنوی

تاریخ و مقامِ پیدائش: ۱۰ محرم الحرام ۳۶۱ھ ق / ۲؍ نومبر ۹۷۱ء غزنہ

تاریخ و مقامِ وفات: ۲۳ ربیع الثانی ۴۲۱ھ ق / ۳۰ اپریل ۱۰۳۰ء غزنہ[۶۴]

وجۂ شہرت: فاتح سومنات، ہندوستان پر سترہ حملے اور معروف مسلمان فرمانروا۔

کلامِ اقبال میں تذکرہ سلطان محمود غزنوی

سن اے طلب گارِ دردِ پہلو! میں ناز ہوں تو نیاز ہو جا
میں غزنوی سومناتِ دل کا ہوں تو سراپا ایاز ہو جا[۶۵]

آگیا عین لڑائی میں اگر وقتِ نماز
قبلہ رو ہو کے زمیں بوس ہوئی قومِ حجاز

ایک ہی صف میں کھڑے ہو گئے محمود و ایاز
نہ کوئی بندہ رہا اور نہ کوئی بندہ نواز

بندہ و صاحب و محتاج و غنی ایک ہوئے!
تیری سرکار میں پہنچے تو سبھی ایک ہوئے![۶۶]

درِ حکام بھی ہے تجھ کو مقامِ محمود
پالسی بھی تری پیچیدہ تر از زلفِ ایاز[۶۷]

جادوئے محمود کی تاثیر سے چشمِ ایاز
دیکھتی ہے حلقۂ گردن میں سازِ دلبری[۶۸]

کوئی دیکھے تو میری نَے نوازی
نفس ہندی، مقامِ نغمہ تازی!

نگہ آلودۂ اندازِ افرنگ!
طبیعت غزنوی قسمت ایازی![۶۹]

کیا نہیں اور غزنوی کارگہِ حیات میں
بیٹھے ہیں کب سے منتظر اہلِ حرم کے سومنات![۴۰]

فرو فالِ محمود سے درگزر
خودی کو نگہ رکھ، ایازی نہ کر[۴۱]

وہ کچھ اور شے ہے، محبت نہیں ہے
سکھاتی ہے جو غزنوی کو ایازی![۴۲]

چوں زیاں پیرایہ بندد سود را
می کند مذموم ہر محمود را[۴۳]

جملہ عالم ساجد و مسجود عشق
سومناتِ عقل را محمود عشق[۴۴]

مملکت را دینِ او معبود ساخت
فکرِ او مذموم را محمود ساخت[۴۵]

برہمنے بہ غزنوی گفت کرامتم نگر
تو کہ صنم شکستۂ بندہ شدی ایاز را[۴۶]

بمتاعِ خود چہ نازی کہ بہ شہر دردمندان
دلِ غزنوی نیرزد بہ تبسم ایازے[۴۷]

محمودِ غزنوی کہ صنم خانہ ہا شکست
زُناری بتانِ صنم خانۂ دل است[۴۸]

یکے کار فرما، یکے کار ساز
نیاید ز محمود کارِ ایاز[۷۹]

ایں خراباتِ فرنگ است و ز تاثیر مئیش
آنچہ مذموم شمارند نماید محمود[۸۰]

من بسیمائے غلامان فرِّ سلطان دیدہ ام
شعلۂ محمود از خامِ ایاز آید بروں![۸۱]

کسے این معنیٔ نازک نداند جز ایاز اینجا
کہ مہر غزنوی افزوں کند دردِ ایازی را[۸۲]

کافری را پختہ تر سازد شکستِ سومنات
گرمیِ بتخانہ ہنگامۂ محمود نے[۸۳]

چہ گوئیمت کہ چہ بودی چہ کردئی چہ شدی
کہ خوں کند جگرم را ایازئ محمود[۸۴]

بطرزِ دیگر از مقصود گفتم
جوابِ نامۂ محمود گفتم[۸۵]

آہ غزنی آں حریم علم و فن
مرغزارِ شیر مردانِ کہن

دولتِ محمود را زیبا عروس
از حنا بندانِ او دانائے طوس[۸۶]

بر مزارِ سلطان محمود علیہ الرحمۃ

خیزد از دل نالہ ہا بے اختیار
آہ! آں شہرے کہ این جابود پار

آں دیار و کاخ و کو ویرانہ ایست
آں شکوہ و فال و فر افسانہ ایست

گنبدے! در طوفِ او چرخِ بریں
تربتِ سلطان محمود است ایں!

آنکہ چوں کودک لب از کوثر بشست
گفت در گہوارہ نامِ او نخست!

برقِ سوزاں تیغ بے زنہارِ او
دشت و در لرزندہ از یلغارِ او

زیر گردوں آیت اللہ رائتش
قدسیاں قرآن سرا بر تربتش

شوخیٔ فکرم مرا از من ربود
تانبودم درجہاں دیر و زود

رخ نمود از سینہ ام آں آفتاب
پردگیہا از فروغش بے حجاب

مہر گردوں از جلالش در رکوع
از شعاعش دوش می گردد طلوع

وارہیدم از جہاں چشم و گوش
فاش چوں امروز دیدم صبح دوش

شہر غزنین! یک بہشتِ رنگ و بو
آبجو ہا نغمہ خواں در کاخ و کو

قصر ہائے او قطار اندر قطار
آسماں باقبۂ ہایش ہم کنار

نکتہ سنجِ طوسؔ را دیدم ببزم
لشکرِ محمودؔ را دیدم برزم

آں ہمہ مشتاقی و سوز و سرور
در سخن چوں رند بے پروا جسور

تخمِ اشکے اندراں ویرانہ کاشت
گفتگوہا باخدائے خویش داشت

تانبودم بے خبر از رازِ او
سوختم از گرمیٔ آوازِ او[۸۷]

۷-شیر شاہ سوریؔ

نام ولقب: فریدالدین خان شیر شاہ سوری

ولدیت: حسن خان

تاریخ ومقامِ پیدائش: بہار سہسرام

تاریخ ومقامِ وفات: ۲۲ر مئی ۱۵۴۵ء کانجر[۸۸]

وجہِ شہرت: سوری افغان خاندان کا بانی، ہندوستان کا حکمران اور جدید مواصلاتی نظام کا بانی۔

کلامِ اقبال میں تذکرہ شیر شاہ سوریؒ

یہ نکتہ خوب کہا شیر شاہ سوری نے کہ امتیازِ قبائل تمام تر خواری
عزیز ہے انھیں نامِ وزیری و محسود ابھی یہ خلعتِ افغانیت سے ہیں عاری
ہزار پارہ ہے کہسار کی مسلمانی کہ ہر قبیلہ ہے اپنے بتوں کا زناری
وہی حرم ہے وہی اعتبارِ لات و منات
خدا نصیب کرے تجھ کو ضربتِ کاری! [۸۹]

یک زمان با رفتگان صحبت گزیں صنعتِ آزاد مرداں ہم بہ بیں
خیز و کار ایبکؒ و سوریؒ نگر وانما چشمے اگر داری جگر
خویش را از خود بروں آوردہ اند ایں چنیں خود را تماشا کردہ اند
سنگ ہا با سنگ ہا پیوستہ اند روزگارے را بآنے بستہ اند
دیدنِ او پختہ تر سازد ترا در جہاں دیگر اندازد ترا
نقش سوئے نقشگر می آورد از ضمیرِ او خبر می آورد
ہمت مردانہ و طبعِ بلند در دلِ سنگ ایں دو لعل ارجمند
سجدہ گاہِ کیست ایں از من مپرس بے خبر! رودادِ جاں از تن مپرس
وائے من از خویشتن اندر حجاب از فراتِ زندگی ناخوردہ آب
وائے من از بیخ و بُن برکندۂ از مقامِ خویش دور افگندۂ
محکمی ہا از یقینِ محکم است وائے من شاخِ یقینم بے نم است
در من آں نیروے الا اللہ نیست
سجدہ ام شایانِ این درگاہ نیست [۹۰]

۸۔ علی ہجویری حضرت داتا گنج بخشؒ

نام و کنیت: شیخ علی ہجویریؒ ابوالحسن الجلابی الغزنوی ثم الہجویری

ولدیت: عثمان ابنِ علی یا بو علی

تاریخ و مقامِ پیدائش: حدود ۴۰۰ھ / ۱۰۱۰ء ہجویر غزنی

تاریخ و مقامِ وفات: حدود ۴۵۶ھ یا ۴۶۴ھ لاہور

آثار

(۱) کشف المحجوب۔

(۲) دیوان۔

(۳) منہاج الدین۔

(۴) اہلِ صفہ۔

(۵) منصور حلاج۔

(۶) رسالۃ اسرار الخرق والمؤنات۔

(۷) کتاب فناو بقا۔

(۸) کتاب الابیان لاہل العیان۔[91]

(۹) بحرالقلوب۔

(۱۰) الرعایۃ لحقوق اللہ۔

کلامِ اقبال میں علی ہجویریؒ کا تذکرہ

حکایتِ نوجوانے از مرو کہ پیشِ حضرت سید مخدوم علی ہجویریؒ آمدہ از ستمِ اعدا فریاد کرد

سید ہجویر مخدوم اُمم — مرقدِ او پیر سنجر را حرم

بند ہائے کوہسار آساں گسیخت — در زمینِ ہند تخم سجدہ ریخت

عہدِ فاروق از جمالش تازہ شد — حق ز حرف او بلند آوارہ شد

پاسبانِ عزت اُم الکتاب — از نگاہش خانۂ باطل خراب

خاکِ پنجاب از دمِ او زندہ گشت — صبح ما از مہر او تابندہ گشت

عاشق و ہم قاصدِ طیار عشق — از جبینش آشکار اسرارِ عشق

داشتے از کمالش سر کنم — گلشنے در غنچۂ مضمر کنم

نوجوانے قامتش بالا چو سرو — واردِ لاہور شد از شہر مرو

رفت پیشِ سید والا جناب — تار باید ظلمتش را آفتاب

گفت محصورِ صفِ اعداستم — درمیانِ سنگہا میناستم

بامن آموز اے شہِ گردوں مکان — زندگی کردی میانِ دشمنان

پیرِ دانائے کہ در ذاتش جمال — بستہ پیمانِ محبت با جلال

گفت اے نامحرم از راہِ حیات — غافل از انجام و آغاز حیات

فارغ از اندیشۂ اغیار شو — قوتِ خوابیدۂ بیدار شو

سنگ چوں بر خود گمانِ شیشہ کرد — شیشہ گردید و شکستن پیشہ کرد

ناتواں خود را اگر رہرو شمرد — نقد جانِ خویش با رہزن سپرد

تاکجا خود را شماری ماء و طیں — از گلِ خود شعلۂ طور آفریں

بہ عزیزاں سرگراں بودن چرا — شکوہ سنج دشمناں بودن چرا

راست میگویم عدو ہم یار تست — ہستیِ او رونقِ بازار تست

ہر کہ دانائے مقاماتِ خودی است — فضلِ حق داند اگر دشمن قوی است

کشتِ انسان را عدو باشد سحاب — ممکناتش را بر انگیزد زخواب

سنگ رہ گردد فسانِ تیغِ عزم — قطعِ منزل امتحانِ تیغِ عزم

مثلِ حیواں خوردن آسودن چہ سود — گر بخود محکم نہ بودن چہ سود

خویش راچوں از خودی محکم کنی — تو اگر خواہی جہاں برہم کنی

گرفنا خواہی از خود آزاد شو — گر بقا خواہی بخود آباد شو

چیست مردن ازخودی غافل شدن — تو چہ پنداری فراق جان و تن؟

درخودی کن صورتِ یوسف مقام — از اسیری تا شہنشاہی خرام

از خودی اندیش و مردِ کار شو — مردِ حق شو حاصلِ اسرار شو

شرحِ راز از داستانہا می کنم — غنچہ از زورِ نفس وا می کنم

”خوشتر آں باشد کہ سرِّ دلبران
گفتہ آید در حدیثِ دیگران“[۹۲]

۹۔ امام فخر الدین رازیؒ

نام، کنیت ولقب: محمد ابو عبد اللہ ابو الفضل فخر الدین الرازی

ولدیت: ابو القاسم ضیاء الدین

تاریخ ومقامِ پیدائش: ۲۵ رمضان ۵۴۳ھ یا ۵۴۴ھ بمقام رے

تاریخ ومقامِ وفات: ۶۰۶ھ ق بمقام ہرات[۹۳]

آثار

(۱) تفسیر کبیر (مفاتیح الغیب)۔

(۲) اسرار التنزیل و انوار التاویل۔

(۳) تفسیر سورۃ الفاتحہ۔

(۴) تفسیر سورۃ البقرہ۔

(۵) تفسیر سورۃ الاخلاص۔

(۶) لوامع البنات۔

(۷) محصل۔

(۸) معالح۔

(۹) الاربعین فی اصول الدین۔

(۱۰) الحمسین فی اصول الدین۔

(۱۱) نہایۃ العقول۔

(۱۲) کتاب القضاء والقدر۔

(۱۳) اساس التقدیس۔

(۱۴) الطائف الغیاثیہ۔

(۱۵) عصمۃ الانبیاء۔

(۱۶) مطالب العالیہ۔

(۱۷) رسالہ فی النبوت۔

(۱۸) الریاض المؤنقۃ

(۱۹) کتاب الملل و النحل۔

(۲۰) عقیل الحق۔

(۲۱) کتاب الزیدہ وغیرہ آثار کی تعداد ۸۰۔ [۹۴]

کلامِ اقبال میں امام رازیؒ کا تذکرہ

اسی کشمکش میں گزریں مری زندگی کی راتیں
کبھی سوز و سازِ رومیؔ کبھی پیچ و تابِ رازی! [۹۵]

علاجِ ضعفِ یقیں ان سے ہو نہیں سکتا
غریب اگرچہ ہیں رازی کے نکتہ ہائے دقیق! [۹۶]

عطارؔ ہو رومیؔ ہو رازیؔ ہو غزالیؔ ہو　　کچھ ہاتھ نہیں آتا بے آہِ سحر گاہی! [۹۷]

نے مُہرہ باقی، نے مُہرہ بازی　　جیتا ہے رومیؔ ہارا ہے رازیؔ! [۹۸]

تیرے ضمیر پہ جب تک نہ ہو نزولِ کتاب
گرہ کشا ہے نہ رازیؔ نہ صاحبِ کشّاف [۹۹]

جمالِ عشق و مستی نے نوازی　　جلالِ عشق و مستی بے نیازی
کمالِ عشق و مستی ظرفِ حیدر　　زوالِ عشق و مستی حرفِ رازی! [۱۰۰]

ذوقِ جعفر، کاوش رازی نماند　　آبروئے ملتِ تازی نماند [۱۰۱]

ز رازی معنئ قرآن چہ پرسی　　ضمیر ما بآیاتش دلیل است

خرد آتش فروزد، دل بسوزد ہمیں تفسیرِ نمرود خلیل است[۱۰۲]

بہر نرخے کہ ایں کالا بگیری سودمند افتد
بزورِ بازوئے حیدرؓ بدہ ادراک رازیؒ را[۱۰۳]

دراں عالم کہ جزو از کل فزون است
قیاسِ رازیؒ و طوسیؒ جنون است[۱۰۴]

ترسم کہ تو مے دانی ز ورق بسراب اندر
زادی بہ حجاب اندر میری بہ حجاب اندر
چوں سُرمۂ رازیؒ را از دیدہ فروشستم
تقدیرِ امم دیدم پنہاں بکتاب اندر[۱۰۵]

ز رازی حکمتِ قرآن بیاموز چراغے از چراغِ او بر افروز
ولے ایں نکتہ را از من فرا گیر کہ نتواں زیستن بے مستی و سوز[۱۰۶]

خرد بیگانۂ ذوقِ یقین است قمارِ علم و حکمت بد نشین است
دو صد بوحامدؒ و رازی نیرزد بنا دانے کہ چشمش راہ بین است[۱۰۷]

۱۰- محمد نورالدین جامیؒ

نام: محمد نورالدین عبدالرحمٰن جامیؒ

ولدیت: نظام الدین احمد دشتی بن شمس الدین محمد

تاریخ و مقامِ پیدائش: ۲۳ شعبان ۸۱۷ھ خرجرد جام (خراسان)

تاریخ و مقامِ وفات: ۱۸ محرم الحرام ۸۹۸ھ / ۹ر نومبر ۱۴۹۲ء ہرات

آثار

ہفت اورنگ جامی، شواہد نوبت، اشعۃ اللمعات، شرح فصوص الحکم، لوامع، لوائح، مناقب خواجہ عبداللہ انصاری، شرح لا اِلٰہَ اِلاّ اللہ،

تحفة الاحرار، سجة الاحرار، رسالہ کبیر، نفحات الانس، وغیرہ۔ آثار کی تعداد ۴۹ بتائی جاتی ہے۔[108]

کلامِ اقبال میں تذکرہ مولانا جامیؒ

نایاب نہیں متاعِ گفتار صد انوری و ہزار جامی[109]

خاکِ یثرب از دو عالم خوشتر است اے خنک شہرے کہ آنجا دلبر است

کشتۂ انداز ملا جامیم نظم و نثرِ او علاجِ خامیم

شعر لب ریز معانی گفتہ است در ثنائے خواجہ گوہر خفتہ است

"نسخۂ کونین را دیباچہ اوست
جملہ عالم بندگان و خواجہ اوست"[110]

گہے شعرِ عراقیؒ را بخوانم گہے جامیؒ زند آتش بجانم

ندانم گرچہ آہنگِ عرب را شریکِ نغمہ ہائے ساربانم[111]

مرا از منطق آید بوے خامی دلیلِ او دلیلِ ناتمامی!

برویم بستہ درہا را کشاید دو بیت از پیرِ رومیؒ یا ز جامیؒ[112]

کلامِ اقبال میں معاصر افغانی شخصیات کا تذکرہ

۱-غازی امان اللہ خان

نام: اعلیٰ حضرت غازی امان اللہ خان

ولدیت: امیر حبیب اللہ خان

تاریخ و مقامِ پیدائش: جمعرات ۵ ذیقعدہ ۱۳۰۹ھ ق / ۱۸۹۱ء / ۱۳ دلو ۱۲۷۰ھ ش پغمان[113]

تاریخ و مقامِ وفات: سوموار ۱۳۸۰ھ ق / ۲۵/اپریل ۱۹۶۰ء / ۵ ثور ۱۳۳۹ھ ش زوریخ اٹلی

وجۂ شہرت: افغانستان کا فرمانروا اور استقلالِ افغانستان کا مؤسس

کلامِ اقبال میں تذکرہ غازی امان اللہ خان

پیشکش پیامِ مشرق

بحضور اعلیٰ حضرت امیر امان اللہ خان فرمانروائے دولت مستقلہ افغانستان خلد اللہ ملکہ و اجلالہ۔

اے امیرِ کامگار اے شہریار — نوجوان و مثلِ پیراں پختہ کار
چشمِ تو از پردگیہا محرم است — دل میانِ سینہ ات جامِ جم است
عزمِ تو پایندہ چوں کہسارِ تو — حزمِ تو آساں کند دشوارِ تو
ہمت تو چوں خیالِ من بلند — ملتِ صد پارہ را شیرازہ بند
ہدیہ از شاہنشہاں داری بسے — لعل و یاقوتِ گراں داری بسے

اے امیر، ابن امیر، ابنِ امیر
ہدیۂ از بے نوائے ہم پذیر!

تا مرا رمزِ حیات آموختند — آتشے در پیکرم افروختند
یک نوائے سینہ تاب آوردہ ام — عشق را عہد شباب آوردہ ام
پیرِ مغرب شاعرِ المانوی — آں قتیلِ شیوہ ہاے پہلوی
بست نقشِ شاہدانِ شوخ و شنگ — دادِ مشرق را سلامے از فرنگ
در جوابش گفتہ ام پیغامِ شرق — ماہ تابے ریختم بر شامِ شرق
تا شناسائے خودم، خود بیں نیم — باتو گویم او کہ بود و من کیم
او ز افرنگی جواناں مثلِ برق — شعلۂ من از دمِ پیرانِ شرق
او چمن زادے، چمن پروردۂ — من دمیدم از زمین مردۂ
او چو بلبل در چمن "فردوسِ گوش" — من بصحرا چوں جرس گرمِ خروش

ہر دو دانائے ضمیرِ کائنات — ہر دو پیغامِ حیات اندر ممات

ہر دو خنجر صبح خند، آئینہ فام — او برہنہ، من ہنوز اندر نیام

ہر دو گوہر ارجمند و تاب دار — زادۂ دریاے ناپیدا کنار

او ز شوخی در تہِ قلزم تپید — تا گریبانِ صدف را بر درید

من بہ آغوشِ صدف تابم ہنوز — در ضمیرِ بحر نایابم ہنوز

آشنائے من ز من بیگانہ رفت — از خُمستانم تہی پیمانہ رفت

من شکوہِ خسروی او را دھم — تخت کسریٰ زیر پائے او نہم

او حدیثِ دلبری خواہد ز من — رنگ و آب شاعری خواہد ز من

کم نظر بیتابیٔ جانم ندید — آشکارم دید و پنہانم ندید

فطرتِ من عشق را در بر گرفت — صحبتِ خاشاک و آتش در گرفت

حق رموزِ ملک و دین بر من کشود — نقشِ غیر از پردۂ چشمم ربود

برگِ گل رنگین ز مضمونِ من است — مصرعِ من قطرۂ خونِ من است

تا نہ پنداری سخن دیوانگیست — در کمالِ ایں جنوں فرزانگیست

از ہنر سرمایہ دارم کردہ اند — در دیارِ ہند خوارم کردہ اند

لالہ و گل از نوایم بے نصیب — طائرم در گلستانِ خود غریب!

بسکہ گردوں سفلہ و دوں پرور است
وائے بر مردے کہ صاحب جوہر است

دیدۂ اے خسروِ کیواں جناب — آفتاب ما توارت بالحجاب!

ابطحی در دشتِ خویش از راہِ رفت — از دمِ او سوزِ اِلاّ اللہ رفت

مصریاں افتادہ در گردابِ نیل — سست رگ تورانیانِ ژندہ پیل

آلِ عثماں در شکنجِ روزگار — مشرق و مغرب زخونش لالہ زار

عشق را آئینِ سلمانی نماند — خاکِ ایراں ماند و ایرانی نماند

سوز و سازِ زندگی رفت از گِلش — آں کہن آتش فسرد اندر دلش

مسلمِ ہندی شکم را بندۂ — خود فروشے، دل زدیں برکندۂ

در مسلماں شانِ محبوبی نماند
خالدؓ و فاروقؓ و ایوبیؒ نماند

اے ترا فطرتِ ضمیر پاک داد — از غمِ دیں سینۂ صد چاک داد

تازہ کن آئینِ صدیقؓ و عمرؓ — چون صبا بر لالۂ صحرا گذر

ملتِ آوارۂ کوہ و دمن — در رگِ او خونِ شیراں موجزن

زیرک و روئیں تن و روشن جبیں — چشمِ او چوں جرّہ بازاں تیز بیں

قسمتِ خود از جہاں نایافتہ — کوکبِ تقدیر او ناتافتہ

در قہستاں خلوتے ورزیدۂ — رستخیزِ زندگی نادیدۂ

جانِ تو بر محنتِ پیہم صبور — کوش در تہذیبِ افغانِ غیور

تاز صدیقانِ این اُمت شوی
بہرِ دیں سرمایۂ قوت شوی

زندگی جہد است و استحقاق نیست — جز بعلمِ انفس و آفاق نیست

گفت حکمت را خدا خیرِ کثیر — ہر کجا ایں خیر را بینی بگیر

سیدِ کل، صاحبِ ام الکتاب — پردگیہا بر ضمیرش بے حجاب

گرچہ عینِ ذات را بے پردہ دید — رَبِّ زِدْنی از زبانِ او چکید

علم اشیا علم الاسماستے — ہم عصا و ہم یدِ بیضاستے

علم اشیا داد مغرب را فروغ — حکمتِ او ماست می بندد ز دوغ

جانِ ما را لذتِ احساس نیست — خاکِ رہ جُز ریزۂ الماس نیست

علم و دولت نظمِ کارِ ملت است — علم و دولت اعتبارِ ملت است

آں یکے از سینۂ احرار گیر — واں دگر از سینۂ کہسار گیر

دشنہ زن در پیکرِ ایں کائنات — در شکم دارد گہر چوں سومنات

لعلِ ناب اندر بدخشانِ تو ہست
برقِ سینا در قہستانِ تو ہست

کشورِ محکم اساسے بایدت؟ دیدۂ مردم شناسے بایدت

اے بسا آدم کہ ابلیسی کند اے بسا شیطان کہ ادریسی کند

رنگ او نیرنگ و بودِ او نمود اندرونِ او چو داغِ لالہ دود

پاکباز و کعبتین او دغل ریمن وغدر ونفاق اندر بغل

درنگر اے خسرو صاحب نظر نیست ہر سنگے کہ می تابد گہر

مرشدِ رومی حکیم پاک زاد سِرّ مرگ و زندگی بر ما کشاد

"ہر ہلاکِ امتِ پیش کہ بود
زانکہ بر جندل گماں بردند عود"

سروری در دین ماخدمت گری است عدلِ فاروقیؓ و فقرِ حیدریؓ است

در ہجوم کار ہائے ملک و دیں بادلِ خودیک نفس خلوت گزیں

ہر کہ یک دم در کمین خود نشست ہیچ نخچیر از کمندِ او نجست

در قبائے خسروی درویش زی دیدہ بیدار و خدا اندیش زی

قائدِ ملتؒ شہنشاہِ مرادؒ تیغِ او را برق و تندر خانہ زاد

ہم فقیرے، ہم شہہ گردوں فرے اردشیرےؒ باروانِ بوذرےؒ

غرق بودش در زرہ بالا وَ دوش درمیانِ سینہ دل موئینہ پوش

آہ مسلماناں کہ میری کردہ اند در شہنشاہی فقیری کردہ اند

در امارت فقر را افزودہ اند مثلِ سلمانؓ در مدائن بودہ اند

حکمرانے بود و سامانے نداشت دستِ او جز تیغ و قرآنے نداشت

ہر کہ عشق مصطفی سامانِ اوست بحر و بر در گوشۂ دامانِ اوست

سوزِ صدیقؓ و علیؓ از حق طلب ذرۂ عشقِ نبیؐ از حق طلب

زانکہ ملت راحیات از عشقِ اوست برگ و سازِ کائنات از عشقِ اوست

جلوۂ بے پردۂ او وا نمود جوہر پنہاں کہ بود اندر وجود

روح را جز عشق او آرام نیست عشقِ اوروزیست کُو را شام نیست

خیز و اندر گردش آور جامِ عشق
در قہستان تازہ کن پیغامِ عشق[۱۱۴]

۲-اعلیٰ حضرت محمد نادر شاہ شہید

نام: محمد نادر شاہ غازی

تاریخ و مقامِ پیدائش: ۲۱ حمل ۱۲۶۲ھ ش / ۹ اپریل ۱۸۸۳ء

تاریخ و مقامِ وفات: ۱۶ عقرب ۱۳۱۲ھ ش / باغِ دلکشا کابل

وجۂ شہرت: سقوی انقلاب کے بعد افغانستان کا بادشاہ

مدتِ حکومت: چار سال ۲۳ دن۔[۱۱۵]

کلامِ اقبال میں تذکرہ محمد نادر شاہ غازی

حضورِ حق سے چلا لے کے لولوے لالا
وہ ابر جس سے رگِ گل ہے مثلِ تارِ نفس!
بہشت راہ میں دیکھا تو ہوگیا بے تاب
عجب مقام ہے جی چاہتا ہے جاؤں برس
صدا بہشت سے آئی کہ منتظر ہے ترا
ہرات و کابل و غزنی کا سبزۂ نورس!
سر شکِ دیدۂ نادرؔ بہ داغِ لالہ فشاں
چناں کہ آتشِ او را دگر فرو نہ نشاں[۱۱۶]

(آں سوئے افلاک)

حرکت بہ کاخِ سلاطین مشرق

نادر، ابدالی، سلطان شہید

خسروانِ مشرق اندر انجمن — سطوتِ ایرانؔ و افغانؔ و دکنؔ
نادرؔ آں دانائے رمزِ اتحاد — با مسلمان داد پیغامِ وداد[۱۱۷]

نادرؒ

خوش بیا اے نکتہ سنج خاوری
اے کہ می زیبد ترا حرفِ دری
محرمِ رازیم با ما راز گوے
آنچہ میدانی ز ایراں باز گوے[۱۱۸]

ابدالیؒ

آنچہ بر تقدیر مشرق قادر است
عزم و حزم پہلویؒ و نادرؒ است
پہلویؒ آں وارثِ تختِ قباد
ناخنِ او عقدۂ ایران کشاد
نادر آں سرمایۂ درانیاں
آں نظامِ ملت افغانیان
از غمِ دین و وطن زار و زبوں
لشکرش از کوہسار آمد بروں
ہم سپاہی، ہم سپہ گر، ہم امیر
باعدو فولاد و بایاران حریر!
من فداے آنکہ خود را دیدہ است
عصرِ حاضر رانکو سنجیدہ است!

غریباں را شیوہ ہاے ساحری است
تکیہ جز برخویش کردن کافری است[۱۱۹]

فردوس بریں میں سلطان شہید اور زندہ رود کے طویل مکالمے کے بعد سلطان شہید کا پیغام ”بنام رود کاویری حقیقت حیات و مرگ شہادت“ کے نام سے طویل نظم موجود ہے۔[۱۲۰]

۱۹۳۳ء میں اعلیٰ حضرت محمد نادر شاہ غازی کی دعوت پر علامہ افغانستان تشریف لے گئے۔ وہاں کے تاثرات و کیفیات کو مثنوی مسافر میں بیان کیا جہاں جا بجا نادر شاہ غازی کا تذکرہ ملتا ہے:

نادرِ افغاںؒ شہِ درویش خو
رحمتِ حق بر روانِ پاکِ او
کارِ ملت محکم از تدبیر او
حافظِ دین مبین شمشیر او
چوں ابوذرؓ خود گداز اندر نماز
ضربتش ہنگامِ کیں خارا گداز!
عہدِ صدیقؓ از جمالش تازہ شد!
عہدِ فاروقؓ از جلالش تازہ شد!
از غمِ دیں در دلش چوں لالہ داغ
در شبِ خاور وجودِ او چراغ!

در نگاہش مستیٔ اربابِ ذوق — جوہرِ جانش سراپا جذب و شوق
خسروی شمشیر و درویشی نگہ — ہر دو گوہر از محیطِ لَا اِلٰہ!
فقر و شاہی وارداتِ مصطفیٰ ست — این تجلیہاے ذاتِ مصطفیٰ ست!
ایں دو قوت از وجودِ مومن است — ایں قیام و آں سجودِ مومن است
فقر سوز و درد و داغ و آرزوست — فقر را درخوں تپیدن آبروست
فقرِ نادرؒ آخر اندر خوں تپید — آفریں بر فقرِ آں مرد شہید!
اے صبا اے رہ نوردِ تیز گام — در طوافِ مرقدش نرمک خرام
شاہ در خواب است پا آہستہ نہ — غنچہ را آہستہ تر بکشا گرہ
از حضورِ او مرا فرماں رسید — آنکہ جانِ تازہ در خاکم دمید
"سوختم از گرمیٔ آوازِ تو — اے خوش آں قومے کہ داند رازِ تو
از غمِ تو ملتِ ما آشناست — می شناسیم ایں نواہا از کجاست
اے باآغوشِ سحابِ ما چو برق — روشن و تابندہ از نورِ تو شرق
یک زماں در کوہسار ما درخش — عشق را باز آں تب و تابے بہ بخش
تا کجا در بند بندہا باشی اسیر — تو کلیمی راہِ سینائے بگیر!"
طے نمودم باغ و راغ و دشت و در — چوں صبا بگذشتم از کوہ و کمر[121]

مسافر وارد می شود بہ شہر کابل و حاضر می شود بحضورِ اعلیٰ حضرت شہیدؒ

شہر کابل! خطۂ جنت نظیر — آبِ حیواں از رگِ تاکش بگیر!

قصرِ سلطانی کہ نامش دلکشاست — زائراں را گردِ راہش کیمیاست
شاہ را دیدم دراں کاخِ بلند — پیشِ سلطانے، فقیرے درد مند
خُلقِ او اقلیمِ دلہا را کشود — رسم و آئینِ ملوک آنجا نہ بود
من حضورِ آں شہِ والا گہر — بے نوا مردے بدربارِ عمرؓ
جانم از سوزِ کلامش در گداز — دستِ او بوسیدم از راہِ نیاز
بادشاہے خوش کلام و سادہ پوش — سخت کوش و نرم خوے و گرم جوش

صدق و اخلاص از نگاہش آشکار　　دین و دولت از وجودش استوار
خاکی و از نوریاں پاکیزہ تر　　از مقامِ فقر و شاہی باخبر
در نگاہش روزگار شرق و غرب　　حکمتِ او رازدارِ شرق و غرب
شہریارے چوں حکیمان نکتہ دان　　رازدانِ مدوجزرِ امتاں
پردہ ہا از طلعتِ معنی کشود　　نکتہ ہاے ملک و دیں را وا نمود
گفت ازاں آتش کہ داری دربدن　　من ترا دانم عزیزِ خویشتن
ہر کہ او را از محبت رنگ و بوست　　در نگاہم ہاشمؔ و محمودؔ اوست
در حضورِ آں مسلمانِ کریم　　ہدیہ آوردم ز قرآنِ عظیم
گفتم ایں سرمایۂ اہلِ حق است　　در ضمیر او حیاتِ مطلق است
اندر و ہر ابتدا را انتہاست　　حیدرؓ از نیروے او خیبر کشاست
نشۂ حرفم بخونِ او دوید　　دانہ دانہ اشک از چشمش چکید
گفت ”نادرؔ در جہاں بے چارہ بود　　از غمِ دین و وطن آوارہ بود
کوہ و دشت از اضطرابم بے خبر　　از غمانِ بے حسابم بے خبر
نالہ بابانگِ ہزار آمیختم　　اشک باجوے بہار آمیختم

غیر قرآن غمگسارِ من نہ بود
قوتش ہر باب را برمن کشود“

گفتگو بے خسرو والا نژاد　　باز بامن جذبۂ سرشار داد
وقتِ عصر آمد صدائے الصلوٰت　　آں کہ مومن راکند پاک از جہات
انتہائے عاشقان سوز و گداز　　کردم اندر اقتدائے او نماز

راز ہائے آں قیام و آں سجود
جُز بزمِ محرماں نتواں کشود[۱۲۲]

بر مزارِ حضرت احمد شاہ بابا علیہ الرحمۃ مؤسسِ ملت افغانیہ

فاش گو با پورِ نادر فاش گوے
باطنِ خود رابہ ظاہر فاش گوے[۱۲۳]

۳۔اعلیٰ حضرت المتوکل علی اللہ محمد ظاہر شاہ

نام ولقب: المتوکل علی اللہ محمد ظاہر شاہ

ولدیت: اعلیٰ حضرت محمد نادر شاہ غازی

تاریخ ومقامِ ولادت: ۲۲ میزان ۱۲۹۳ھ ش / ۱۹۱۴ء[۱۲۴]

تاریخ وفات: ۲۳ر جولائی ۲۰۰۷ء تدفین کابل

اعلیٰ حضرت محمد نادر شاہ غازی کی شہادت کے بعد افغانستان کے بادشاہ بنے اور تقریباً چالیس سال تک افغانستان کے فرمانروا رہے۔روم میں کئی سال جلاوطنی کے بعد عازمِ وطن ہوئے۔

کلامِ اقبال میں تذکرہ المتوکل علی اللہ محمد ظاہر شاہ

خطاب بہ بادشاہِ اسلام اعلیٰ حضرت محمد ظاہر شاہ اَیَّدَہُ اللہُ بِنَصرِہٖ

اے قبائے پادشاہی بر تو راست — سایۂ تو خاکِ ما را کیمیاست

خسروی را از وجودِ تو عیار — سطوتِ تو ملک و دولت راحصار

از تو اے سرمایۂ فتح و ظفر — تختِ احمد شاہ را شانے دگر

سینہ ہا بے مہرِ تو ویرانہ بہ — از دل و از آرزو بیگانہ بہ

آبگوں تیغے کہ داری در کمر — نیم شب از تابِ او گردد سحر

نیک می دانم کہ تیغِ نادرؔ است — من چہ گویم باطن او ظاہرؔ است

حرفِ شوق آوردہ ام از من پذیر

از فقیرے رمزِ سلطانی بگیر

اے نگاہِ تو ز شاہیں تیز تر — گردِ ایں ملکِ خدا دادے نگر

ایں کہ می نینیم از تقدیر کیست؟ — چیست آں چیزے کہ می بائست ونیست؟

روز و شب آئینۂ تدبیرِ ماست — روز و شب آئینۂ تقدیر ماست

باتو گویم اے جوانِ سخت کوش — چیست فردا؟ دخترِ امروز و دوش!

ہر کہ خود را صاحبِ امروز کرد — گردِ او گردد سپہرِ گرد گرد

او جہانِ رنگ و بو را آبروست — دوش ازو، امروز ازو فردا ازوست

مردِ حق سرمایۂ روز و شب است / زاں کہ او تقدیرِ خود را کوکب است

بندۂ صاحب نظر پیرِ امم / چشمِ او بینائے تقدیرِ امم

از نگاہش تیز تر شمشیر نیست / ماہمہ نخچیر! او نخچیر نیست

لرزد از اندیشۂ آں پختہ کار / حادثات اندر بطونِ روزگار

چوں پدر اہلِ ہنر را دوست دار / بندۂ صاحب نظر را دوست دار

ہمچو آں خلد آشیاں بیدار زی / سخت کوش و پُردم و کرار زی

می شناسی معنیٔ کرار چیست / ایں مقامے از مقاماتِ علیؓ ست

امتاں را در جہانِ بے ثبات / نیست ممکن جز بکرّاری حیات

سرگذشتِ آلِ عثمان را نگر / از فریب غربیاں خونیں جگر

تا ز کرّاری نصیبے داشتند / درجہاں دیگر علم افراشتند

مسلم ہندی چرا میداں گذاشت؟ / ہمتِ او بوئے کراری نداشت!

مشتِ خاکش آنچناں گردیدہ سرد / گرمیٔ آوازِ من کارے نکرد!

ذکر و فکرِ نادری درخونِ تست / قاہری با دلبری درخونِ تست

اے فروغِ دیدۂ برنا و پیر / سرِّ کار از ہاشمؔ و محمودؔ گیر

ہم ازاں مردے کہ اندر کوہ و دشت / حق ز تیغِ او بلند آوازہ گشت

روز ہا شب ہا تپیدن میتواں / عصرِ دیگر آفریدن میتواں

صد جہاں باقی است در قرآں ہنوز / اندر آیاتش یکے خود را بسوز

باز افغان را ازاں سوزے بدہ / عصرِ او را صبحِ نو روزے بدہ

ملتے گم گشتۂ کوہ و کمر / از جبینش دیدہ ام چیزے دگر

زانکہ بود اندر دل من سوز و درد / حق ز تقدیرش مرا آگاہ کرد

کاروبارش را نکو سنجیدہ ام / آنچہ پنہاں است پیدا دیدہ ام

مردِ میداں زندہ از اللہ ھوست / زیرِ پائے او جہانِ چارسوست!

بندۂ کو دل بہ غیر اللہ نہ بست / می تواں سنگ از زجاجِ او شکست

او نگنجد در جہانِ چون و چند / تہمتِ ساحل بایں دریا مبند

چوں زروے خویش برگیرد حجاب
او حساب است او ثواب است او عذاب!

برگ و سازِ ما کتاب و حکمت است
این دو قوت اعتبارِ ملت است

آں فتوحاتِ جہانِ ذوق و شوق
این فتوحاتِ جہانِ تحت و فوق

ہر دو انعامِ خدائے لایزال
مومناں را آں جمال است، ایں جلال!

حکمتِ اشیا فرنگی زاد نیست
اصلِ او جُز لذتِ ایجاد نیست

نیک اگر بینی مسلمان زادہ است
ایں گہر از دستِ ما افتادہ است

چوں عرب اندر اروپاؔ پر کشاد
علم و حکمت را بنا دیگر نہاد

دانہ آں صحرانشیناںؔ کاشتند
حاصلش افرنگیاں برداشتند

ایں پری از شیشۂ اسلافِ ماست
باز صیدش کن کہ او از قافِ ماست

لیکن از تہذیب لا دینی گریز
زانکہ او با اہلِ حق دارد ستیز

فتنہ ہا ایں فتنہ پرداز آورد
لات و عزیٰ در حرم باز آورد

از فسونش دیدۂ دل نابصیر
روح از بے آبیِ او تشنہ میر!

لذتِ بیتابی از دل می برد
بلکہ دل زیں پیکرِ گل می برد

کہنہ دُز دے غارتِ او برملاست
لالہ می نالد کہ داغِ من کجاست!

حق نصیب تو کند ذوقِ حضور
باز گویم آنچہ گفتم در زبور

"مردن و ہم زیستن اے نکتہ رس
ایں ہمہ از اعتبارات است و بس

مردِ کر سوزِ نوا را مردۂ
لذتِ صوت و صدا را مردۂ

پیشِ چنگے مست و مسرور است کور
پیشِ رنگے زندہ در گور است کور

روح باحق زندہ و پایندہ است
ورنہ ایں را مردہ آں را زندہ است

آنکہ حیُّ لَا یَمُوت آمد حق است
زیستن باحق حیاتِ مطلق است

ہر کہ بے حق زیست جز مردار نیست
گرچہ کس در ماتمِ او زار نیست"

برخور از قرآں اگر خواہی ثبات
در ضمیرش دیدہ ام آبِ حیات

می دھد ما را پیامِ لَا تَخَفْ
می رساند بر مقامِ لَا تَخَفْ

قوتِ سلطان و میر از لَا اِلٰہَ
ہیبتِ مردِ فقیر از لَا اِلٰہَ

تادو تیغِ لَاَ و اِلاَّ داشتیم
مَاَ سِوَا اللّٰہ رانشاں نگذاشتیم!

خاوراں از شعلۂ من روشن است
اے خنک مردے کہ در عصرِ من است

از تب و تابم نصیب خود بگیر
بعد ازیں ناید چو من مردِ فقیر!

گوہر دریائے قرآں سفتہ ام
شرح رمزِ صِبغَۃُ اللّٰہ گفتہ ام

با مسلماناں غمے بخشیدہ ام
کہنہ شاخے را نمے بخشیدہ ام

عشقِ من از زندگی دارد سراغ
عقل از صہبائے من روشن ایاغ

نکتہ ہائے خاطر افروزے کہ گفت؟
با مسلماں حرفِ پُر سوزے کہ گفت؟

ہمچو نے نالیدم اندر کوہ و دشت
تا مقامِ خویش بر من فاش گشت

حرفِ شوق آموختم وا سوختم
آتشِ افسردہ باز افروختم

با من آہِ صبحگاہے دادہ اند
سطوتِ کوہے بکاہے دادہ اند

دارم اندر سینہ نورِ لَا اِلٰہَ
در شراب من سرورِ لَا اِلٰہَ

فکرِ من گردوں مسیر از فیض اوست
جوئے ساحل ناپذیر از فیض اوست

پس بگیر از بادۂ من یک دو جام
تا درخشی مثلِ تیغِ بے نیام! [۱۲۵]

اقبال کی افغانوں سے وابستہ توقعات

علامہ افغانوں سے بے پناہ محبت رکھتے تھے۔ اس محبت کی وجہ افغانوں کی وہ سخت کوشی اور دین و مذہب سے وہ عشق ہے جو اقوامِ عالم میں نسبتاً کم قوموں کے حصے میں آیا ہے۔ مذہب سے اس عشق اور سماجی طور پر مضبوط و مستحکم قوم ہونے کی بنا پر علامہ کی افغانوں سے کئی توقعات وابستہ تھیں۔

چونکہ غلام ہندوستان اور عالمِ اسلام میں مسلمانوں کی ابتلا کے زمانے میں اقبال کو حریت، جرأت اور آزادی کی صورتیں افغانستان میں نظر آئیں لہٰذا اقبال نے افغانوں کی

تعریف کی۔ تاکہ افغانوں کی تقلید میں دوسرے مسلمانوں میں بھی حریت، جرأت اور آزادی کی تڑپ پیدا ہو۔ بقول میر عبدالصمد خان:

علامہ اقبال جیسے شاہانہ مزاج قلندر کو افغانوں کی یہی ادائیں پسند آئیں۔ اور انھوں نے ایک سچے دردمند مسلمان کی طرح ان کی آرزوؤں اور تمناؤں کو اپنی آرزوؤں اور امنگوں میں شامل کر کے ان کا اظہار کیا۔ اور اس طرح افغان ملت کو اپنا ایک خاص موضوع بنا کر ابدیت بخشی۔[۱۲۶]

علامہ کو افغانوں کی نااتفاقی کا بڑا صدمہ تھا۔ جابجا اس صدمے کا اظہار کیا:

اقبال نے پیامِ مشرق، جاوید نامہ، بالِ جبریل، مثنوی مسافر اور ضربِ کلیم میں افغانوں کی خوب تمدیح و توصیف کی ہے۔ ضربِ کلیم میں "محراب گل افغان کے افکار" کے عنوان کے تحت اقبال نے خوشحال خان خٹک کے ہی درسِ اتحاد کو دہرایا ہے۔ ملت افاغنہ کا کل بھی اور آج بھی سب سے بڑا مسئلہ ان کا اندرونی اور باطنی عدم اتحاد ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اقبال محراب گل افغان کے فرضی شاعرانہ کردار کے ذریعے افغانوں میں بیداری، اتحاد اور انقلاب پیدا کرنا چاہتے ہیں۔ "محراب گل افغان کے افکار" میں افغانوں کی نسلی اور تاریخی روایات کی ترجمانی کے علاوہ افغانوں کی روحانی تمناؤں اور افغان قومیت کی اسلامی شناخت کی بھرپور عکاسی کی گئی ہے۔[۱۲۷]

تری خودی میں اگر انقلاب ہو پیدا
عجب نہیں کہ یہ چارسو بدل جائے!

تری دعا ہے کہ ہو تیری آرزو پوری
مری دعا ہے تیری آرزو بدل جائے![۱۲۸]

اقبال افغانوں کو بار بار وحدت، مرکزیت اور خودی کا سبق یاد دلاتے ہیں کہ یہی رازِ حیات و برگ و سازِ کائنات ہے۔ وہ افغانوں کی پستی اور پسماندگی کا سبب ان کی حال پر قناعت اور مستقبل سے غفلت قرار دیتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ قوموں کی ترقی کے لیے امید و آرزو اور ایک متفقہ نصب العین ضروری ہے۔

...... حضرت اقبال بعد از ۹۰۰ سال آنرا ترجمانی می نماید و جذبات و اشتعالاتی کہ دربارۂ وطن محبوب مازوی در ہر وقت و ہر پیش آمدی مشاہدہ میشد فزون تراز آن است کہ دریں چند کلمہ ادا میشود۔ او را پندار و گفتار مخصوص درین بارہ بود مارا بہ خودی میخواند و بہ داشتن اتکاء بخود و اعتماد بہ نفس کہ جبلی افغانہاست تمجید میگفت۔ نگاہ عقابانِ مادر تنظروی نافذ تر و برندہ تراز شمشیر و خنجری نمود، عزم مارا محکم تراز کوہسار ما میخواند و باشاہ مارا مرد پاک نہاد و صاحب نظر خطاب میکرد:

بیا بیا کہ بہ امانِ نادر آویزم
کہ مرد پاک نہاد است و صاحب نظر است

و در حق ملت ما میگفت:

آسیا یک پیکر آب و گلِ است
ملت افغان در آں پیکر دل است

او فساد گتی را در فساد آسیا و فتور آسیا را در فسادِ دیار ما معانیہ میکرد و میگفت:

از فساد او فساد آسیا
در کشادِ او کشاد آسیا

او معتقد بود تا فرزندان افغاں یعنی دل پیکر آسیا آزاد بناشد تن آزاد نگردد

تا دل آزاد است آزاد است تن
ورنہ کاہی در رہ باد است تن[۱۲۹]

ان کی انھی توقعات کو ظاہر کرنے کے لیے مجلّہ کابل کو ایک نظم اپنی تصویر کے ساتھ ارسال کرتے ہیں۔ مجلّہ کابل اس نظم کا عکس شائع کرتا ہے "پیغام بہ ملت کوہسار"۔

صبا بگوی بہ افغانِ کوہسار از من
بمنزلی رسد ملتی کہ خود نگر است[۱۳۰]

افغانوں کو خود اعتمادی کا پیام دیتے ہوئے انھیں منزلِ مقصود کے کعبے تک پہنچنے کی نوید عطا کرتے ہیں۔ بقولِ اکرام اللہ شاہد:

افغان حکمرانوں سے اقبال نے بڑی بڑی توقعات وابستہ کیں۔ ان کی خواہش تھی کہ افغانی حکمران مختلف قبائل میں افہام و تفہیم کے ذریعے اتحاد پیدا کریں۔ اور ان کو مختلف قبائل

میں بٹے ہونے کے باوجود مرکز ملت پر اکٹھے کر کے افغانستان کو ایک عظیم اسلامی فلاحی مملکت میں ڈھال دیں۔ جس طرح کہ ماضی میں محمود غزنوی، شہاب الدین غوری اور پھر ماضی قریب میں احمد شاہ ابدالی نے کیا۔ ان تین عظیم حکمرانوں نے برصغیر میں اسلام کی قوت کو تقویت پہنچائی۔[۱۳۱]

اسی وجہ سے ہر اس افغان رہنما کو تحسین کی نگاہ سے دیکھا جس نے افغانوں کو ایک پلیٹ فارم پر اکٹھا کرنے کی کوشش کی تھی۔

اقبال خوشحال خان خٹک اور احمد شاہ ابدالی سے لے کر امان اللہ خان اور نادر شاہ تک ہر اس شخص کو تحسین کی نگاہ سے دیکھتے ہیں جس نے باہم متحارب قبائل کو متحد کر کے عظیم منظم افغان مملکت کی بنیاد رکھنے کی کوشش کی۔[۱۳۲]

پیامِ مشرق کو اعلیٰ حضرت غازی امان اللہ خان کے نام منسوب کرنا انھی توقعات کا آئینہ دار ہے۔ اس طویل فارسی منظوم انتساب کے علاوہ پیامِ مشرق کا دیباچہ بھی نہایت اہمیت کا حامل ہے جس میں افغانستان اور افغانوں سے وابستہ توقعات کے اشارے موجود ہیں:

مشرق اور بالخصوص اسلامی مشرق نے صدیوں کی مسلسل نیند کے بعد آنکھ کھولی ہے۔ مگر اقوامِ شرق کو یہ محسوس کر لینا چاہیے کہ زندگی اپنے حوالی میں کسی قسم کا انقلاب پیدا نہیں کر سکتی جب تک کہ اس کا وجود پہلے انسانوں کی ضمیر میں متشکل نہ ہو۔ فطرت کا یہ اٹل قانون جس کو قرآن نے اِنَّ اللہَ لَا یُغَیِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰی یُغَیِّرُوا مَا بِاَنْفُسِهِمْ کے سادہ اور بلیغ الفاظ میں بیان کیا ہے۔ زندگی کے فردی اور اجتماعی دونوں پہلوؤں پر حاوی ہے اور میں نے اپنی فارسی تصانیف میں صداقت کو مدّ نظر رکھنے کی کوشش کی ہے۔

اس وقت دنیا میں اور بالخصوص ممالک مشرق میں ہر ایسی کوشش جس کا مقصد افراد و اقوام کی نگاہ کو جغرافیائی حدود سے بالاتر کر کے ان میں ایک صحیح اور قومی انسانی سیرت کی تجدید یا تولید ہو قابلِ احترام ہے۔ اس بناء پر میں نے ان چند اوراق کو اعلیٰ حضرت فرمانروائے افغانستان کے نام نامی سے منسوب کیا ہے۔ کہ وہ اپنی فطری ذہانت و فطانت سے اس نکتے سے بخوبی آگاہ معلوم ہوتے ہیں۔ اور افغانوں کی تربیت انھیں خاص طور پر مدّ نظر ہے اس عظیم الشان کام میں خدا تعالیٰ ان کا حامی و ناصر ہو۔[۱۳۳]

میر عبد الصمد کے خیال میں اقبال کا پیامِ مشرق کا انتساب غازی امان اللہ خان کے نام کرنے کی وجہ یہ تھی کہ:

افغانستان مسلمانوں کی ایک ایسی مملکت تھی جو بڑی طاقتوں کی ریشہ دوانیوں کے باوجود اپنی قومی خود مختاری قائم رکھنے کی جدوجہد کر رہی تھی۔ نوجوان اور جوشیلا امیر امان اللہ خان خود مختاری و آزادی کا علم بلند کیے ہوئے تھے۔ اسی زمانے میں ہزاروں مسلمانوں نے ہندوستان کو دارالحرب سمجھتے ہوئے افغانستان ہجرت کی۔ مولانا عبید اللہ سندھی اور مولانا محمود انصاری جیسے حریت پسند بزرگوں نے افغانستان جا کر ہندوستانی مسلمانوں کی آزادی کے لیے کام کیا۔ افغانوں کی مہمان نواز اوراسلام پسند قوم نے اپنی بے بضاعتی اور پسماندگی کے باوجود ان مہاجروں کو گلے لگایا اور حتی المقدور خاطر داری کی۔[۱۳۴]

اقبال جب اقوام سرحد سے مخاطب ہوتے ہیں تو وہ دراصل افغانوں سے خطاب کرتے ہیں۔ اقبال انھیں جھنجھوڑتے ہیں کہ اپنی عظمت رفتہ اور اپنی خودی کی بازیافت کریں اسلام میں تجاہل اور تغافل حرام ہے۔ خود آگاہی دین وزندگی کا پیام اور خود فراموشی موت کا نام ہے۔ خودی کی تعمیر کرتے ہوئے اپنی سرزمین کی خاک کو اکسیر بنادیں اور ملتِ اسلامیہ کی تعمیر میں اپنا کردار ادا کریں۔[۱۳۵]

اے زخود پوشیدہ خود را بازیاب
در مسلمانی حرامست ایں حجاب!

تو خودی اندر بدن تعمیر کن
مشتِ خاکِ خویش را اکسیر کن[۱۳۶]

مکتوبات اقبال میں افغان، افغانستان اور پشتو زبان کا تذکرہ

ذیل میں صرف علامہ کے ان مکتوبات کو شامل کیا جارہا ہے جن میں افغان، افغانستان یا پشتو زبان کا ذکر ہے۔ جبکہ افغان مشاہیر، زعما، اہل قلم اور سفر افغانستان سے متعلق مکتوبات متعلقہ عنوانات کے تحت شامل تحقیق کیے گئے ہیں۔ اور یہ مکتوبات مع حواشی اور تحقیق اکرام چغتائی کی اقبال، افغان اور افغانستان سے لیے گئے ہیں۔

مکتوب اقبال بنام نجم الغنی رامپوری (بابت ۱۴/ دسمبر ۱۹۱۸ء)

'اخبار الصنادید' کی دو جلدوں کے لیے سراپا سپاس ہوں۔ میں نے پہلی جلد کو بالخصوص نہایت دلچسپی کے ساتھ پڑھا ہے۔ قوم افغان کی اصلیت پر آپ نے خوب روشنی ڈالی ہے۔ کشامرہ غالباً افاغنہ یعنی اسرائیلی الاصل ہیں۔ قاضی میر احمد شاہ رضوانی جو خود افغان ہیں' ایک دفعہ مجھ سے فرماتے تھے کہ لفظ "فغ" قدیم فارسی میں "ہست" آیا ہے اور افغان میں الف سالبہ ہے۔ چونکہ ایران میں بود و باش کے وقت افغان بت پرست نہ تھے' اس واسطے ایرانیوں نے انھیں افغان کے نام سے موسوم کیا ہے۔

میرے خیال میں حال کی پشتو زبان میں بہت سے الفاظ عبرانی اصل کے موجود ہیں۔ اگر تحقیق کی جائے تو مجھے یقین ہے' نہایت بار آور ہو گی۔

مکتوب اقبال بنام شیخ نور محمد (والد) (بابت ۱۲/ مئی ۱۹۱۹ء)

چونکہ سرکار انگریز کی جنگ افغانستان سے شروع ہو گئی ہے' اس واسطے خطوط کے ملنے میں دیر ہوئی۔ امید ہے کہ اس صورت حال کا خاتمہ جلد ہو جائے گا۔ میں نے ان کو لکھا تھا کہ گرما کے مہینوں کے لیے رخصت لے لیویں' مگر اب بوجہ جنگ چونکہ ان کا کام زیادہ ہو جائے گا' اس واسطے ان کو رخصت نہ مل سکے گی۔

[بحوالہ مکتوب اعجاز احمد بنام ڈاکٹر جاوید اقبال: اقبال کے بڑے بھائی شیخ عطا محمد کی سروس بک کے مطابق وہ پنشن پا کر ۲۲/ ستمبر ۱۹۱۲ء کو ملازمت سے سبکدوش ہوئے۔ جب انگریزی حکومت کی افغانستان کے ساتھ جنگ شروع ہوئی تو انھیں پھر ملازمت پر واپس بلا لیا گیا اور ڈیڑھ دو سال بعد غالباً ۱۹۱۹ء میں فارغ ہو کر گھر آئے۔ دیکھیے زندہ رود از ڈاکٹر جاوید اقبال]

مکتوب اقبال بنام گرامی (بابت ۱۲/ جولائی ۱۹۲۰ء)

سندھی مہاجرین کابل کا نظارہ بڑا رقت انگیز تھا۔ لوگ ہزاروں کی تعداد میں سٹیشن پر ان کے استقبال کو حاضر تھے۔ اہل لاہور نے بڑے جوش سے ان کا خیر مقدم کیا۔

[جنگ عظیم اول کے بعد انگریزوں نے مسلمانوں سے خلافت اور جزیرۃ العرب کے حوالے سے وعدہ خلافی کی' جس کے نتیجے میں تحریک ہجرت شروع ہوئی۔ جس کا مقصد دنیا پر یہ ظاہر

کرنا تھا کہ مسلمانان ہند برطانیہ سے اتنے بیزار ہیں کہ ملک چھوڑ کر جانے کو تیار ہو گئے ہیں۔ ہمسایہ ملک افغانستان نے مہاجرین کا خیر مقدم کیا۔ چنانچہ یہاں سے لوگ قافلہ در قافلہ جانے لگے۔ ان میں سے ایک بڑا قافلہ سندھی مہاجرین کا تھا' جس کے سالار مرحوم جان محمد جونیجو بیرسٹر تھے۔ اقبال کے مکتوب میں اسی قافلہ مہاجرین کا ذکر ہے جو لاہور سے گذرا تھا۔ افغانستان کے وسائل اس زمانے میں ایسے نہ تھے کہ لامحدود مہاجرین کے لیے اسباب معیشت مہیا ہو جاتے' اس لیے مہاجرین کو روانہ کرنا پڑا۔]

مکتوب اقبال بنام محمد اکبر منیر (بابت ۴/ اگست ۱۹۲۰ء)

ہندوستان اور بالخصوص پنجاب سے بے شمار لوگ (مسلمان) افغانستان کی طرف ہجرت کر رہے ہیں۔ اس وقت تک پندرہ بیس ہزار آدمی (اور ممکن ہے کہ زیادہ) جا چکا ہو گا۔

مکتوب اقبال بنام عطا محمد (برادر کلاں) (بابت ۳/ اپریل ۱۹۲۱ء)

شاید اب اس نے [چراغ دین] افغانستان جانا چھوڑ دیا ہے اور کپڑے کا روزگار شروع کر دیا ہے۔'

مکتوب اقبال بنام شیخ عطا محمد (برادر کلاں) (بابت ۲۸/ ستمبر ۱۹۲۲ء)

ایشیا میں ایک لیگ اقوام کی قائم ہونے والی ہے' جس کے متعلق افغانی اور روسی گورنمنٹ کے درمیان گفتگو ہو رہی ہے۔ یہ سب اخباروں کی خبریں ہیں اور مجھے یقین ہے کہ حقیقت اس سے بھی زیادہ ہے۔ غالباً اب مسلمانانِ ایشیا کا فرض ہے کہ تمام اسلامی دنیا میں چندہ کر کے کابل اور قسطنطنیہ کو بذریعہ ریل ملا دیا جائے اور یہ ریل ان تمام اسلامی ریاستوں میں سے ہو کر گذرے جو روس کے انقلاب سے آزاد ہوئی ہیں۔ مجھے یقین ہے کہ یہ تجویز ضرور عمل میں آئے گی۔ (بحوالہ زندہ رود از ڈاکٹر جاوید اقبال)

[ایسی ہی تجویز اقبال نے دورۂ افغانستان کے دوران میں بھی پیش کی تھی]

مکتوب اقبال بنام خالد خلیل بے (بابت نومبر / دسمبر ۱۹۲۴ء)

میری رائے ہے کہ مثال کے طور پر افغانوں پر خطبات کا ایک سلسلہ شروع کیا جائے۔

خطبہ اول:

افغان' افغانستان میں نسلوں کا خلط ملط۔ فارسی بولنے والے افغان اور پشتو بولنے والے افغان۔ کیا افغان اور پٹھان میں کوئی چیز مابہ الامتیاز ہے؟ کیا افغان عبرانی ہیں؟ اپنی اصلیت کے متعلق ان کی اپنی روایات۔ کیا پشتو زبان میں عبرانی الفاظ ملتے ہیں؟ کیا وہ ان یہودیوں کے خلاف ہیں جن کو ایرانی کسریٰ نے اسیرین کی غلامی سے نجات دلائی تھی۔ جدید افغانستان کے بڑے بڑے قبائل' ان کی تخمینی آبادی۔

خطبہ دوم:

افغانوں کے اسلام لانے کے زمانہ سے ان کی سیاسی تاریخ پر سرسری تبصرہ۔

خطبہ سوم:

افغانوں کو متحد کرنے کی جدوجہد

(الف) مذہبی۔ پیر روشن اور ان کے اخلاف

(ب) سیاسی۔ مشہور افغان شیر شاہ سوری جس نے افغانان ہند کو متحد اور عارضی طو پر حکومت مغلیہ کو برطرف کر دیا تھا۔ اس کی تگ ودو کا صرف ہندوستان تک محدود ہونا۔

(ج) خوشحال خاں خٹک۔ سرحدی افغانوں کا زبردست سپاہی شاعر جس نے ہندوستان کے مغلوں کے خلاف افغان قبیلوں کو متحد کرنا چاہا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ افغان عبرانی النسل تھے۔ اس نے آخر شہنشاہ اورنگ زیب سے شکست کھائی اور کسی قلعہ میں نظر بند کر دیا گیا۔ افغانوں کا شاید اولین قومی شاعر تھا۔

(د) احمد شاہ ابدالی

(ھ) مرحوم امیر عبدالرحمٰن خاں۔ موجودہ امیر اور افغانوں میں قومی تشخص پیدا کرنے کی جدوجہد۔

خطبہ چہارم:

موجودہ افغانی تمدن۔ ان کی قدیم اور جدید صنعت وصناعت۔ ان کی ادبیات ان کی آرزوؤں اور حوصلہ مندیوں کی ترجمان کی حیثیت سے۔

خطبہ پنجم:

افغانی نسل کا مستقبل۔"

مکتوب اقبال بنام چودھری محمد حسین (بابت ۱۵/ اگست ۱۹۲۵ء)
''افغانستان کے متعلق اخباروں میں بھی کوئی ایسی خبر نہیں لیکن کچھ نہ کچھ ہے ضرور۔''

مکتوب اقبال بنام چودھری محمد حسین (بابت ۲۵/ اگست ۱۹۲۵ء)
''افغانستان کے متعلق پرسوں کے اخبار میں جو خبر شائع ہوئی تھی' اس سے معلوم ہوا کہ کوئی دعویدار سلطنت کا پیدا ہوا ہے۔ غالباً وہاں انقلاب پیدا کرنے کی کوشش کی جارہی ہے' جس کا منشا شاید یہ ہے کہ موجودہ نظام کو درہم برہم کر کے ملک کو اپنی پرانی حالت پر لوٹا دیا جائے' لیکن یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ افغانستان اور سرحدی اقوام ایشیا کا بلقان ہے۔''

مکتوب اقبال بنام صاحبزادہ آفتاب احمد خاں (بابت ۴/ جون ۱۹۲۵ء)
''میری رائے میں جدید اسلامی مملکتوں کے لیے جدید دینیاتی افکار کی توسیع اور ترویج ضروری ہے۔ قدیم اور جدید اصولاتِ تعلیم کے مابین اور روحانی آزادی اور معبدی اقتدار کے مابین دنیائے اسلام میں ایک کشاکش شروع ہو گئی ہے۔ یہ روحِ انسانیت کی تحریک افغانستان جیسے ملک پر بھی اثر ڈال رہی ہے۔ آپ نے امیر افغانستان کی وہ تقریر پڑھی ہو گی' جس میں انھوں نے علما کے اختیارات کے حدود متعین کرنے کی کوشش کی ہے۔''

مکتوب اقبال بنام صوفی غلام مصطفی تبسم (بابت ۲/ ستمبر ۱۹۲۵ء)
''میرا عقیدہ یہ ہے کہ جو شخص اس وقت قرآنی نقطۂ نگاہ سے زمانۂ حال کے ''جورس پروڈنس'' پر ایک تنقیدی نگاہ ڈال کر احکامِ قرآنیہ کی ابدیت کو ثابت کرے گا' وہی اسلام کا مجدد ہو گا اور بنی نوع انسان کا سب سے بڑا خادم بھی وہی شخص ہو گا۔ قریباً تمام ممالک میں اس وقت مسلمان یا تو اپنی آزادی کے لیے لڑ رہے ہیں یا قوانین اسلامیہ پر غور و فکر کر رہے ہیں (سوائے ایران اور افغانستان کے) مگر ان ممالک میں بھی امروز و فردا یہ سوال پیدا ہونے والا ہے...''

مکتوب اقبال بنام سید سلیمان ندوی (بابت ۱۸/ مارچ ۱۹۲۶ء)
اسلام میں تحریک اصلاح دین''... عنقریب ایران اور افغانستان میں بھی اس کا ظہور ہو گا۔''

مکتوب اقبال بنام محمد عبد الجلیل بنگلوری (بابت ۴/نومبر ۱۹۲۹ء)

"افغانستان کا استقلال و استحکام مسلمانان ہندوستان اور وسطی ایشیا کے لیے وجہ جمعیت و تقویت ہے۔ بچہ سقہ اپنے گیارہ ساتھیوں سمیت قتل ہو چکا ہے اور نادر شاہ بادشاہ بتدریج استحکام حاصل کر رہے ہیں۔"[۱۳۷]

مآخذات باب اول

۱۔ دائرۃ المعارف اسلامیہ، جلد ۲، ص۹۳۹

۲۔ آریانا دائرۃا لمعارف (پشتو) جلد۳، ص۳۴۷

۳۔ د افغانستان کالنئ، ۱۳۵۰ھ ش، ص۷۱

۴۔ ایضاً، ص۷۲

۵۔ افغانستان دارا سے امان اللہ تک، ص۳۳-۳۴

۶۔ د افغانستان کالنئ، ۱۳۵۰ھ ش، ص۷۲

۷۔ ایضاً، ص۷۳

۸۔ ایضاً، ص۸۴

۹۔ افغانستان بعد از اسلام، ص۴۱۷

۱۰۔ تاریخ مختصر افغانستان، ص۱۴۸

۱۱۔ د افغانستان کالنئ، ۱۳۵۰ھ ش، ص۷۵

۱۲۔ بانگ درا، ص۲۷۸

۱۳۔ د افغانستان کالنئ، ۱۳۵۰ھ ش، ص۷۵

۱۴۔ فتح افغانستان، ص۱۰۵

۱۵۔ "اقبال اور افغانستان"، مقالہ اکرام اللہ شاہدؔ، ص۱۴۳ تا ۱۴۹

۱۶۔ پشتونوں کی فارسی شاعری، ص۱۹ - ۲۰

۱۷۔ جاوید نامہ، ص۱۷۲

۱۸۔ ایضاً، ص۱۷۶

۱۹۔ ایضاً، ص۱۷۷ - ۱۷۸

۲۰ مثنوی مسافر، ص۷۹ - ۸۰
۲۱ ایضاً، ص۸۱
۲۲ مکتوبات و خطبات روسی، ص۱
۲۳ دائرة المعارف اسلامیه، جلد ۷، ص۳۲۴ - ۳۲۷
۲۴ بانگِ درا، ص۲۴۱
۲۵ ایضاً، ص۲۶۴
۲۶ بالِ جبریل، ص۱۱
۲۷ ایضاً، ص۱۷
۲۸ ایضاً، ص۲۸
۲۹ ایضاً، ص۳۹
۳۰ ایضاً، ص۵۶
۳۱ بالِ جبریل، ص۶۷
۳۲ ایضاً، ص۷۱
۳۳ ایضاً، ص۹۹
۳۴ ایضاً، ص۱۳۴تا۱۴۲
۳۵ ایضاً، ص۱۴۸تا۱۴۹
۳۶ اسرارِ خودی، ص۹
۳۷ ایضاً، ص۱۱
۳۸ رموزِ بیخودی، ص۱۳۱
۳۹ پیامِ مشرق، ص۲۰
۴۰ ایضاً، ص۱۰۶
۴۱ زبورِ عجم، ص۱۷۵
۴۲ زبورِ عجم، ص۱۸۵
۴۳ جاوید نامه، ص۱۹
۴۴ ایضاً، ص۴۳
۴۵ مثنوی پس چه باید کرد، اقوامِ شرق، ص۷

۴۶ ایضاً، ص۲۹
۴۷ ارمغانِ حجاز فارسی، ص۱۵
۴۸ ایضاً، ص۵۶
۴۹ د مشرق نابغه، ص۲۱۷تا۲۲۱
۵۰ جاوید نامه، ص۶۰
۵۱ ایضاً، ص۶۱
۵۲ ایضاً، ص۶۳
۵۳ دائرۃ المعارف اسلامیه، جلد۱۱، ص۳۱۴ - ۳۱۷
۵۴ گزیدۂ اشعار سنائی، ص۳۰ - ۳۱
۵۵ یادنامۂ اقبال، ص۷۵
۵۶ کلیات اشعار حکیم سنائی غزنوی، ص۲۹۷ - ۲۹۹
۵۷ بالِ جبریل، ص۲۲ - ۲۶
۵۸ مثنوی مسافر، ص۶۶ - ۶۷
۵۹ ارمغانِ حجاز فارسی، ص۱۵
۶۰ ایضاً، ص۷۸
۶۱ د خوشحال خان خٹک کلیات، جلد اول، ص۲۹تا۳۵
۶۲ بالِ جبریل، ص۱۵۴
۶۳ جاوید نامه، ص۱۷۷
۶۴ سلطنتِ غزنویان، ص۲۰و۱۱۷
۶۵ بانگِ درا، ص۱۲۹
۶۶ ایضاً، ص۱۶۵
۶۷ ایضاً، ص۱۷۶
۶۸ بانگِ درا، ص۲۶۱
۶۹ بالِ جبریل، ص۸۲
۷۰ ایضاً، ص۱۱۲
۷۱ ایضاً، ص۱۲۸

۷۲ ایضاً، ص ۱۴۶
۷۳ اسرارِ خودی، ص ۳۷
۷۴ ایضاً، ص ۶۹
۷۵ رموزِ بیخودی، ص ۱۱۶
۷۶ پیامِ مشرق، ص ۱۴۹
۷۷ ایضاً، ص ۱۵۰
۷۸ ایضاً، ص ۱۷۲
۷۹ ایضاً، ص ۲۰۴
۸۰ ایضاً، ص ۲۱۳
۸۱ زبورِ عجم، ص ۷۳
۸۲ ایضاً، ص ۱۰۴
۸۳ ایضاً، ص ۱۱۰
۸۴ ایضاً، ص ۱۱۸
۸۵ ایضاً، ص ۱۴۵
۸۶ مثنوی مسافر، ص ۶۶
۸۷ ایضاً، ص ۷۱ - ۷۲
۸۸ دائرۃ المعارف اسلامیہ، جلد ۱۱، ص ۸۸۰ - ۸۸۱
۸۹ ضرب کلیم، ص ۱۷۷
۹۰ زبورِ عجم، ص ۱۹۳ - ۱۹۴
۹۱ دائرۃ المعارف اسلامیہ، جلد ۹، ص ۹۱ تا ۹۶
۹۲ اسرارِ خودی، ص ۵۱ تا ۵۳
۹۳ حکمائے اسلام، جلد دوم، ص ۲۰۹ - ۲۱۳
۹۴ امام رازی، ص ۲۷ تا ۴۳
۹۵ بالِ جبریل، ص ۱۷
۹۶ ایضاً، ص ۳۴
۹۷ ایضاً، ص ۵۶

۹۸ ایضاً، ص ۷۱
۹۹ ایضاً، ص ۷۸
۱۰۰ ایضاً، ص ۸۳
۱۰۱ رموزِ بیخودی، ص ۱۲۵
۱۰۲ پیامِ مشرق، ص ۴۲
۱۰۳ زبورِ عجم، ص ۱۰۴
۱۰۴ ایضاً، ص ۱۵۶
۱۰۵ جاوید نامہ، ص ۴۲
۱۰۶ ارمغانِ حجاز فارسی، ص ۶۹
۱۰۷ ایضاً، ص ۱۳۷
۱۰۸ دائرۃ المعارف اسلامیہ، جلد ۷، ص ۵۸ تا ۶۱
۱۰۹ ضربِ کلیم، ص ۸۸
۱۱۰ اسرارِ خودی، ص ۲۱
۱۱۱ ارمغانِ حجاز فارسی، ص ۲۸
۱۱۲ ارمغانِ حجاز فارسی، ص ۱۳۲۰
۱۱۳ د افغانستان نومیالی، جلد ۳، ص ۴۷۸ - ۴۷۹
۱۱۴ پیامِ مشرق، ص ۱۵ تا ۲۱
۱۱۵ آریانا دائرۃ المعارف پشتو، جلد ۷، ص ۹۸۳ - ۹۸۴
۱۱۶ بالِ جبریل، ص ۱۵۳
۱۱۷ جاوید نامہ، ص ۱۷۱ - ۱۷۲
۱۱۸ ایضاً، ص ۱۷۳
۱۱۹ ایضاً، ص ۱۸۰
۱۲۰ ایضاً، ص ۱۸۰ تا ۱۸۶
۱۲۱ مثنوی مسافر، ص ۵۵ - ۵۶
۱۲۲ ایضاً، ص ۶۱ تا ۶۳
۱۲۳ ایضاً، ص ۸۰

۱۲۴ آریانا دائرۃ المعارف، جلد ۷، ص۹۷۹
۱۲۵ مثنوی مسافر، ص۸۱ تا ۸۶
۱۲۶ اقبال اور افغان، ص۹۴
۱۲۷ اقبال اور افغانستان، ص۱۲۱
۱۲۸ ضربِ کلیم، ص۱۶۵ - ۱۶۶
۱۲۹ مقالاتِ یومِ اقبال، ص۲۸ - ۲۹
۱۳۰ مجلّہ کابل، ۲۲/ جون ۱۹۳۲ء، ص۱۰
۱۳۱ ”اقبال اور افغانستان“، مقالہ اکرام اللہ شاہد، ص۱۲۳
۱۳۲ ”اقبال اور افغانستان“ (مقالہ)، فتح محمد ملک، ص۷
۱۳۳ پیامِ مشرق، ص۱۲ - ۱۳
۱۳۴ اقبال اور افغان، ص۱۱۱
۱۳۵ ”اقبال اور افغانستان“، مقالہ، اکرام اللہ شاہد، ص۱۳۳
۱۳۶ مثنوی مسافر، ص۵۸،۶۰
۱۳۷ اقبال، افغان اور افغانستان ۱۷ تا ۲۱

افغانوں کی اقبال دوستی

(۱) اقبال سے افغانوں کے مراسم

افغانوں کی اقبال دوستی کی تاریخ خاصی پرانی ہے۔ ان مراسم کا آغاز تحقیق طلب ہے۔ البتہ باقاعدہ شکل میں ان مراسم کا آغاز ۱۹۲۳ء سے کیا جاسکتا ہے کیونکہ اسی سال پیامِ مشرق شائع ہوتی ہے اور اس کا انتساب غازی امان اللہ خان فرمانروائے مملکتِ افغانستان کے نام کیا جاتا ہے۔ ۸۱ اشعار پر مشتمل یہ طویل منظوم فارسی انتساب علامہ کے غازی امان اللہ خان سے مراسم کا آئینہ دار ہے۔[1]

اس انتساب کا سبب ڈاکٹر عبد اللہ چغتائی نے محفوظ کیا ہے:

> ایک مرتبہ میں نے علامہ سے سوال کیا کہ آپ نے پیامِ مشرق کو امیر امان اللہ خان کے نام ہی کیوں معنون کیا ہے۔ آپ نے مسکرا کر جواب دیا کہ میں اس کتاب کو کسی آزاد مسلمان کے نام معنون کرنا چاہتا تھا اور اس ضمن میں امیر امان اللہ سے زیادہ موزوں شخصیت کس کی ہو سکتی تھی؟ اس پر میں لاجواب ہو کر خاموش ہو گیا کیونکہ پیامِ مشرق کے جذبے کو فعال بنانے کے لیے اس کا کسی مردِ آزاد کے نام معنون ہونا نہایت ضروری تھا۔[2]

چنانچہ افغانستان میں علامہ کی پیامِ مشرق کے نسخے تقسیم ہوتے ہیں۔ علامہ کے افکار سے شناسائی حاصل ہوتی ہے۔ حافظ و بیدل کی شیدائی افغان قوم اقبال کی گرویدہ بن جاتی ہے اور بقول عبد السلام ندوی:

> اسلامی ممالک میں اقبال کی شاعری نے خاص طور پر شہرت حاصل کی۔ مئی ۱۹۲۴ء میں جبکہ افغانستان کے شاہ امان اللہ خان اپنی حکومت کے انتہائی عروج کی منزلیں طے کر رہے تھے۔ ڈاکٹر صاحب کا کلام کابل کی ایک عظیم الشان مجلس میں پڑھا گیا جس میں شاہ ممدوح، سفرائے

دول خارجہ، عمائدین شہر وزیرِ تعلیم اور دوسرے وزرا بھی شامل تھے۔ یہ جلسہ طلبہ کے تقسیم انعامات کا تھا۔ اس میں ہمارے ملک الشعرا ہند کا مشہور قومی ترانہ ''مسلم ہیں ہم وطن ہے سارا جہاں ہمارا'' بچوں نے اپنے پیارے اور سادے لہجے میں سنایا۔ پھر جب فوجی بینڈ نے اسے دہرایا تو حاضرین پر رقت طاری ہوگئی۔[۳]

امیر امان اللہ خان جدید مترقی سوچ کے مالک تھے۔ تقلید مغرب کے سحر میں گرفتار ہوئے۔ چنانچہ یورپ کے طویل دورے کا پروگرام بنایا۔

وہ ۱۴/دسمبر ۱۹۲۷ء کو براستہ چمن پاکستان یورپ کے سفر پر روانہ ہوئے۔ اور اس سفر سے واپسی پر ایران، ہرات، قندھار اور غزنی سے ہوتے ہوئے یکم/جولائی ۱۹۲۸ء کو واپس کابل پہنچے۔ اس سفر میں امیر امان اللہ خان مغربی دنیا کی حیرت انگیز مادی ترقی سے بے حد متاثر ہوئے۔ اور اصلاحات کا خاکہ بنایا۔ انھوں نے اس حقیقت کو پیشِ نظر نہ رکھا کہ افغان قوم پسماندہ اور انتہائی قدامت پرست قوم ہے اور صدیوں سے جن عقائد اور اعمال پر جمی ہوئی ہے ان سے بآسانی اسے ہٹایا نہیں جا سکتا۔ امیر امان اللہ نے ملک میں جدید اصلاحات نافذ کرنے میں عجلت سے کام لیا۔ علما ابتدائی زمانے سے افغان معاشرہ پر پوری گرفت رکھتے تھے۔ انھوں نے اپنی مقبولیت سے کام لے کر عوام کو امیر امان اللہ کے خلاف برانگیختہ کر دیا...... انگریزوں نے ان حالات سے فائدہ اٹھایا۔ انھوں نے بحالت مجبوری افغانستان کی آزادی تسلیم کی تھی۔ اور اُن کے سیاسی مقاصد کے لیے ضروری تھا کہ افغانستان آزاد اور خود مختار مملکت نہ رہے۔ اور اس ملک میں امن و سکون قائم نہ ہوسکے۔ انگریزوں نے ایک سازش کے ذریعے ملکہ ثریا کی ہزاروں نیم برہنہ تصاویر افغانستان میں تقسیم کر دیں۔ نتیجہ یہ نکلا کہ جاہل عوام یہ خیال کرنے لگے کہ امیر امان اللہ اسلام سے منحرف ہوگئے ہیں۔ علما نے امان اللہ خان کے خلاف فتویٰ دے کر جلتی پر تیل کا کام کیا ان حالات کی تاب نہ لا کر امان اللہ خان اپنے خاندان سمیت ۲۲/جون ۱۹۲۹ء کو یورپ چلے گئے۔ اور افغانستان ایک غیر معروف شخص امیر حبیب اللہ المعروف بہ بچہ سقہ کے ہاتھ میں آگیا۔[۴]

علامہ ان حالات میں اپنے محبوب رہنما غازی امان اللہ خان اور آزاد افغانستان میں جاری اضطراب سے کیسے بے خبر رہ سکتے تھے اور نہ ہی ہندوستان کے بیدار مسلمان اس

حقیقت سے بے خبر رہ سکتے تھے اور وہ سمجھتے تھے کہ افغانستان میں جاری حالات کا تقاضا ہے کہ شہریار غازی کی مالی اعانت کی جائے۔ اس سلسلے میں علامہ ہی اہم کردار ادا کرسکتے تھے۔ چنانچہ پروفیسر سید عبدالقادر شاہ کا ایک مکتوب روزنامہ انقلاب کے ایڈیٹر کے نام ۲۳/ فروری کو انقلاب میں شائع ہوا۔ اس مکتوب میں انھی نکات کی طرف اشارہ کیا گیا ہے:

مکرم بندہ جناب ایڈیٹر صاحب اخبار انقلاب السلام علیکم۔

آپ کے اخبار میں شہریار غازی کی مالی امداد کے متعلق مولانا قرشی صاحب کا مضمون ابھی نظر سے گذرا۔ تجویز نہایت اہم ہے میرے خیال میں اس کو عملی جامہ پہنانے کی فوراً کوشش ہونی چاہیے۔

شہریار غازی کی جلالت شان

شہر یار خان غازی نہایت روشن دماغ اور روشن ضمیر تاج دار ہیں۔ اور ہم مسلمان جس قدر بھی ان کی ذات بابرکات پر فخر اور ناز کریں کم ہے۔ غازی نے افغانستان کی مدتوں کی چھنی ہوئی آزادی کو انگریزوں جیسی قوم سے چندماہ کے اندر واپس لے لیا۔ یہ اتنا بڑا کارنامہ ہے کہ اس کی نظیر تاریخ عالم میں بہت کم نظر آتی ہے۔ اس کے شکریہ میں مسلمان شہریار غازی کی جس قدر بھی عزت وتوقیر کریں بجاہے۔ شہریار غازی نے ایک گم نام ملک کو اقصائے عالم میں مشہور کر دیا اور افغانوں کی قومی خودداری اور تدبر کی دھاک اقوام یورپ کے دل پر بٹھادی۔

شنواریوں کی کافر نعمتی

خدائے تعالیٰ نے پورے ڈیڑھ دو سو سال کے بعد افغانوں کو ایک نعمت عطا کی تھی لیکن افسوس کہ ناشکر گزار اور تیرہ بخت شنواریوں نے اس نعمت کی کوئی قدر نہ کی۔ اگر اس وقت پٹھانوں نے آنکھیں نہ کھولیں اور اپنی خوفناک غلطی کا ازالہ نہ کیا تو اس کا وبال تمام قوم پر پڑے گا۔ اور افغانستان کو وہ روز بد دیکھنا نصیب ہو گا جس کے تصور سے بھی انسان کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔

مسلمانان ہند سے گزارش

آخر میں مسلمانان ہند سے گزارش ہے کہ اگر وہ افغانستان کو آزاد اور متحد دیکھنے کے آرزومند ہیں اگر وہ نہیں چاہتے کہ کابل و قندھار کی گلیوں میں مسلمانوں کے خوں کی ندیاں بہیں اگر وہ نہیں چاہتے کہ افغانستان اغیار کی ایک معمولی سی باج گزار ریاست بن جائے اور اس کے

زن و فرزند کی عزت و ناموس کسی غیر قوم کے رحم پر ہو تو انھیں اس وقت ہمت سے کام لینا ہو گا اور دل کھول کر شہریار غازی کی امداد کرنی ہو گی۔

علامہ اقبال کام سنبھالیں

میرے خیال میں مولانا شوکت علی مولانا محمد علی اور مولانا ظفر علی خاں بعض وجوہ سے چندہ جمع کرنے کا کام اپنے ذمہ لینا نہیں چاہتے۔ اس لیے علامہ اقبال اس کام کو اپنے ہاتھ میں لے لیں تو بہتر ہے۔ پہلا جلسہ بھی علامہ موصوف کے دولت کدہ پر ہونا چاہیے اور وہیں مجلس انتظامیہ کے ارکان کا انتخاب کر کے فوراً کام شروع کر دینا چاہیے جیسا کہ جناب قرشی صاحب نے تجویز فرمایا ہے میں اس کام میں ہر قسم کی امداد بسر و چشم دینے کے لیے حاضر ہوں۔

والسلام[۵]

سید عبد القادر ایم اے پروفیسر اسلامیہ کالج لاہور

[انقلاب، جلد ۳- نمبر ۲۰۵، شنبہ ۲۳ر فروری ۱۹۲۹ء]

۱۴ر نومبر ۱۹۲۸ء کو افغانستان میں بغاوت کی ابتدا ہوئی۔ انگریزوں نے اپنی سیاسی مصلحتوں کے تحت باغیوں کی مدد کی اور ۱۷ر جنوری کو بچہ سقہ نے کابل کے تخت پر قبضہ کر لیا تھا اس ڈاکو کے دور حکومت میں افغانوں کو ناقابل بیان مصائب کا سامنا کرنا پڑا تھا۔[۶]

اس حقیقت کو سمجھتے ہوئے غازی امان اللہ خاں کی امداد کے لیے ۲۴ر فروری ۱۹۲۹ء کو لاہور میں مسلم اکابرین کا اجلاس ہوا۔ اس اجلاس کی روداد انقلاب اخبار نے یوں شائع کی ہے۔

غازی امان اللہ خاں کی امداد کے لیے سرگرمیاں

اکابر مسلمین کا ایک اجتماع

لاہور۔ ۲۴ر فروری: آج شام چار بجے اکابر مسلمین کا ایک اجتماع برکت علی مسلم ہال میں ہوا۔ اکابرین میں سے سر شفیع، علامہ اقبال اور شیخ حسن صاحب امرتسری خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ سر شفیع اس جلسہ کے اعلان کردہ صدر تھے۔ لیکن جلسے کے باقاعدہ آغاز سے پیشتر صورت حال پر مذاکرہ ہوتا رہا۔ بعد ازاں سر شفیع نے ایک مختصر سی تقریر فرمائی جس میں بتایا کہ افغانستان کے موجودہ حالات کا ہر مسلمان کو درد ہے اور ہر مسلمان کی خواہش ہے کہ اس وقت ہر ممکن مدد انجام دے۔ خیال یہ تھا کہ تمام مسلمان جماعتوں اور طبقوں کے اتحاد سے

ایک کمیٹی بنائی جائے۔ لیکن معلوم ہوا ہے کہ کل ہمارے بعض معزز بھائیوں کی ایک کمیٹی بن چکی ہے [زمیندار اور مسلم آؤٹ لک نے سرمایہ امان اللہ فنڈ کا اعلان کر دیا تھا اور اس مقصد کے لیے انھوں نے ایک کمیٹی بھی بنائی تھی] اگر مزید مشورہ و غور کیے بغیر آج ایک نئی کمیٹی کا اعلان کر دیا جائے تو اندیشہ ہے کہ تفرقہ پیدا ہو جائے گا۔ افغانستان جیسے معاملے میں تفرقہ بہت برا ہے۔ کم از کم میں تو یہ کہہ دیتا ہوں کہ میں کسی تفرقہ میں شریک نہ ہوں گا۔ بہر حال مشورے سے یہ قرار پایا کہ جو کمیٹی بن چکی ہے اس سے تبادلہ خیال کیا جائے کہ وہ کس حد تک کام کر سکتی ہے اور کیا کرنا چاہیے۔ لہٰذا اس جلسے کا ملتوی ہونا تجویز ہوا ہے۔ شیخ صادق حسن نے ایک مختصر سی تجویز میں اس مسئلہ کی مزید وضاحت کی۔ اور آخری تجویز پیش کی اس جلسے کی طرف سے جنرل نادر خاں کو تار دیا جائے کہ وہ غازی امان اللہ کی امداد کریں۔ (جنرل نادر خاں نے ۲۴/ فروری ۱۹۲۹ء کو اخباری نمائندوں سے فرمایا کہ افغانستان روپیہ بھیجنا درست نہیں۔ اس سے غلط فہمیاں پیدا ہونے کا امکان ہے۔ اس لیے مسلمانوں کو چاہیے کہ صرف دعائے خیر ہی کریں۔ انقلاب جلد ۴ نمبر ۲۰۷ سہ شنبہ ۲۶/ فروری ۱۹۲۹ء)

شیخ محمد صادق، مولانا قرشی، ڈاکٹر مرزا یعقوب اور بعض دوسرے اصحاب نے بھی تقریریں کیں۔ آخر ایک کمیٹی بنا دی گئی تا کہ وہ اس معاملے کے متعلق غور و فکر اور بحث و مشورہ سے ایک نتیجے پر پہنچیں۔ اس سلسلے میں مرتبہ کمیٹی سے بھی مل کر مشورہ کرے۔ مندرجہ ذیل اصحاب اس کمیٹی کے ارکان منتخب ہوئے:

(۱) سر محمد شفیع (۲) علامہ اقبال (۳) ڈاکٹر مرزا یعقوب (۴) شیخ صادق حسن (۵) سید حبیب شاہ (۶) حاجی میر شمس الدین (۷) مولانا غلام مرشد۔

شیخ صادق حسن کی تجویز (جنرل نادر خاں کو تار بھیجا جائے) کی ڈاکٹر مرزا یعقوب نے تائید کی اور صدر جلسہ نے اس کے متعلق حاضرین سے پوچھا تو سب نے بالاتفاق اس کی تائید کی۔ سوا پانچ بجے کے قریب جلسہ ختم ہو گیا۔

(انقلاب جلد ۳ نمبر ۲۰۷ سہ شنبہ ۲۶/ فروری ۱۹۲۹ء)[ے]

۲۶/ فروری ۱۹۲۹ء کو اخبار "ٹریبیون" کے نمائندے نے افغانستان کے حالات کے بارے میں علامہ سے ملاقات کی۔ اور علامہ نے اس بارے میں اظہارِ خیال کرتے ہوئے فرمایا:

اہلِ ہند افغانستان کی آزادی اور اس کے اتحاد اور استحکام کے ساتھ گہری دلچسپی رکھتے ہیں۔ عرب اور وسط ایشیا کا سیاسی انحطاط ہندوستان اور چین کی ترقی پر رجعت پسندانہ اثر کرے گا اس لیے اب ان ممالک کے سیاستدانوں سے مطالبہ کیا جاتا ہے کہ سیاسی نصب العین کی تنگ نظری کو ترک کر کے معاملات کو زیادہ وسیع نگاہ سے دیکھیں اور اپنی حکمت عملی کی تشکیل اس کے مطابق کریں۔ میرا ذاتی خیال یہ ہے کہ صرف افغانستان کے مفاد بلکہ ایشیا کے وسیع تر مقاصد کے لحاظ سے ضروری ہے۔ شاہ امان اللہ خان کی حکومت بحال رکھی جائے لیکن اس معاملے کے متعلق کوئی رائے ظاہر کرنا بے انتہا مشکل ہے کہ موجودہ حالات کے رونما ہونے کے اسباب ووجوہ کیا ہیں جو کچھ ہم اخبارات میں دیکھتے ہیں میرے خیال میں اس کا بڑا حصہ قابلِ اعتماد نہیں اور نہ ہی میں ان اصلاحات پر کوئی اعتماد ہی رکھتا ہوں جو کابل سے آنے والے اشخاص کی زبانی ہم تک پہنچتی ہیں۔

شاہ امان اللہ کے متعلق یہ کہنا ناممکن ہے کہ اس وقت قندھار میں اُن کی اصل پوزیشن کیا ہے۔ یا اُن کے ہرات تشریف لے جانے کی اطلاعات کہاں تک درست ہیں۔[۸]

یہ دریافت کرنے پر کہ آپ کے خیال میں اعلیٰ حضرت شاہ امان اللہ کی ناکامی کے اسباب کیا ہیں؟ علامہ نے فرمایا:

جو کچھ میں نے اوپر ظاہر کیا ہے اس کو مد نظر رکھتے ہوئے اس کا شافی جواب دینا ناممکن ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ شہریار غازی کی ناکامی کا سبب بڑی حد تک یہ ہے کہ انھوں نے اصلاحات نافذ کرنے میں عجلت اور فوج کی طرف توجہ کرنے میں غفلت سے کام لیا ہے اور ملاؤں کے نظریہ کے خلاف ملک کی حقیقی ترقی میں گہری دلچسپی لی۔ اس سے بلاشبہ افغانستان کے چند علما ناراض ہو گئے لیکن اس بات کی اطلاع بھی موصول ہوئی کہ وہی ملا صاحب شور بازار جن کی نسبت خیال کیا جاتا ہے کہ اس شورش کے سرغنہ ہیں انھوں نے اصلاحات کے اعلان پر جن کو ''نظام نامہ'' کہا جاتا ہے خود بھی دستخط کیے تھے۔ اگر یہ خبر صحیح ہے تو ہم نہیں کہہ سکتے کہ وہ کون سے اسباب ایسے پیدا ہوئے جن کے باعث ملا صاحب مذکور نے اپنی رائے بدل کر اصلاحات کی مخالفت شروع کر دی۔ مشکل یہ ہے کہ وہ تمام حالات جو افغانستان کی موجودہ حالت سے تعلق رکھتے ہیں ہمارے سامنے نہیں ہیں اور ایسے حالات کے متعلق قیاس کی بنا پر کوئی نتیجہ نکالنا بالکل لاحاصل ہے۔[۹]

حضرت علامہ نے مزید فرمایا:

اس امر کے یقینی ہونے میں کوئی شبہ نہیں کہ عالم اسلام میں قدامت پسندانہ جذبات اور لبرل خیالات میں جنگ شروع ہوگئی ہے۔ اغلب ہے کہ قدامت پرست اسلام بغیر جدوجہد کے سر تسلیم خم نہیں کرے گا۔ اس لیے ہر ایک ملک کے مسلم مصلحین کو چاہیے کہ نہ صرف اسلام کی حقیقی روایات کو غور کی نگاہ سے دیکھیں بلکہ جدید تہذیب کی صحیح اندرونی تصویر کا بھی احتیاط سے مطالعہ کریں۔ جو بے شمار حالتوں میں اسلامی تہذیب کی مزید ترقی کا درجہ رکھتی ہے۔ جو چیزیں غیر ضروری ہیں۔ ان کو ملتوی کر دینا چاہیے کیونکہ صرف ضروری چیزیں فی الحقیقت قدامت پسندانہ طاقتوں کو بالکل نظر انداز کر دیا جائے کیونکہ انسانی زندگی اپنی اصلی روایات کا بوجھ کندھوں پر اٹھا کر منزل ارتقا طے کرتی ہے۔ انسان نے اپنی معاشرتی تہذیب کو تشکیل دینے کا سبق حال ہی میں سیکھا ہے۔ اس لیے جائز حدود سے تجاوز نہیں کرنا چاہیے۔[۱۰]

علامہ نے امیر امان اللہ غازی سے سلسلہ مراسم آخر وقت تک جاری رکھا۔ اکتوبر ۱۹۳۱ء میں لندن میں دوسری گول میز کانفرنس میں شرکت کرنے کے لیے علامہ ۸/ ستمبر کو لاہور سے نکلے۔ دہلی بمبئی سے ہوتے ہوئے ۱۲/ ستمبر کو بحری جہاز سے یورپ روانہ ہوئے اور ۲۷/ ستمبر کو انگلستان پہنچ گئے۔ گول میز کانفرنس کے علاوہ کئی اہم علمی مجالس میں بھی اقبال شریک رہے۔

۱۶/ اکتوبر کی شام کو افغان قونصل خانہ میں سردار احمد علی خان وزیر مختار دولت افغانیہ کی طرف سے محمد نادر شاہ غازی کی تاج پوشی کی سالگرہ منائی گئی۔ اس موقع پر خصوصی اجتماع ہوا جس میں مندرجہ ذیل حضرات شریک ہوئے۔ اقبال، مہر، مولانا شفیع داؤدی، سردار اقبال علی شاہ، مولانا عبدالمجیب، آغاخان مع اہلیہ، نواب احمد سعید خان چھتاری، مائکل روڈائر، لارڈ ہیڈلے، سر ہنری میک موہن، حافظہ وہبہ سفیر دولت نجد و حجاز، معتمد قونصل خانہ ایران اور مولانا شوکت علی وغیرہ۔[۱۱]

۲۱/ نومبر کو علامہ اقبال اطالوی (اٹلی) حکومت کی دعوت پر روم تشریف لے گئے جہاں انھوں نے مسولینی کے علاوہ امیر امان اللہ غازی سے بھی ملاقات کی۔ حمزہ فاروقی لکھتے ہیں:

۲۴؍ نومبر کو دوپہر کے وقت معلوم ہوا کہ امان اللہ خان سابق شاہ افغانستان روم میں تھے مولانا مہر نے ٹیلی فون کر کے ملاقات کی اجازت چاہی۔ تھوڑی دیر بعد جواب ملا کہ اقبال اور مہر ۲۵؍ نومبر کو ساڑھے تین بجے مل سکتے ہیں۔ اور شاہ موصوف اس ملاقات سے بھی بہت خوش ہوں گے۔.....

۲۵؍ نومبر کو تین بجے بعد دوپہر اقبال اور مہر سابق شاہ افغانستان امان اللہ خان سے ملاقات کے لیے ان کے مکان پر گئے۔ ان حضرات کا خیال تھا کہ آدھ گھنٹے میں ملاقات کر کے واپس آجائیں گے۔ لیکن شاہ موصوف نے خواہش ظاہر کی کہ اگر کوئی کام نہ ہو تو مزید ٹھہریں۔ چنانچہ ملاقات تین گھنٹے جاری رہی۔ امان اللہ خان بہت محبت سے پیش آئے۔ زیادہ تر بات چیت انقلاب افغانستان کے بارے میں ہوئی۔ آپ نے فرمایا۔ "جب میں یہ دیکھتا تھا کہ جو بندوقیں، توپیں اور کارتوس میں نے اعدائے اسلام و افغانستان کے لیے جمع کیے تھے وہ خود افغانوں کے ہاتھوں افغانوں پر استعمال ہو رہے تھے تو میرا کلیجہ ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتا تھا۔ میں یہ برداشت نہ کر سکا کہ اپنے تاج و تخت کی خاطر افغانوں کو باہمی جنگ میں الجھاؤں لہٰذا میں باہر چلا آیا۔

گفتگو کے دوران شاہ نے بتایا کہ انھوں نے اپنی سوانح کا ایک حصہ مکمل کر لیا اور پوری کتاب تین حصوں پر مشتمل ہو گی۔ شاہ امان اللہ خان کی قیام گاہ پر سردار عنایت اللہ خان سے بھی ملاقات ہوئی۔ آپ اپنے بھائی امان اللہ خان سے ملنے ایران سے تشریف لائے تھے۔ سردار محمود طرازی کے چھوٹے صاحبزادے عبدالوہاب طرازی بھی شاہ موصوف کے ساتھ رہتے تھے۔ آپ بہت ذکی اور فہیم تھے۔ ۲۷؍ نومبر کو آپ شاہ امان اللہ خان کی طرف سے ملاقات بازدید کے لیے اقبال اور مہر کی قیام گاہ پر آئے اور دو گھنٹے تک مختلف مسائل پر باتیں کرتے رہے۔ رخصت کے وقت اقبال نے ان سے کہا شاہ امان اللہ کو میرا یہ پیغام دے دیجیے:

پیرِ ما گفت جہاں بر روشے محکم نیست
از خوش و ناخوش او قطع نظر باید کرد[۱۲]

افغان سیاسی شخصیات میں غازی امان اللہ خان کے بعد دوسری شخصیت اعلیٰ حضرت محمد نادر شاہ غازی ہیں جن سے علامہ کی پہلی باقاعدہ ملاقات کا پتا تو نہیں چل سکا البتہ علامہ سے

جنرل نادر خاں کی پہلی ملاقات میں ایک دلچسپ لطیفہ بھی ہوا۔ جسے ڈاکٹر سعید اللہ نے ملفوظاتِ اقبال میں اقبال کی زبانی محفوظ کیا ہے:

نادر خان سے جب اول مرتبہ ملاقات ہوئی تو وہ کابل جاتے ہوئے لاہور میں ٹھہر گئے تھے۔ اور وہ میری صورت دیکھ کر بہت حیران ہوئے کہنے لگے: آپ اقبال ہیں میں تو سمجھتا تھا کہ آپ لمبی داڑھی والے بزرگ صورت ہوں گے۔ میں نے کہا: آپ سے زیادہ مجھے حیرانی ہے آپ تو جرنیل ہیں میں سمجھتا تھا آپ دیو ہیکل ہوں گے مگر آپ میں جرنیلی کی کوئی شان نہیں۔ اس قدر دبلے پتلے۔[۱۳]

علامہ کی نادر خاں سے ایک ملاقات ۱۵؍جولائی ۱۹۲۴ء میں ہوئی جس کا حوالہ علامہ کے ایک مکتوب بنام چودھری محمد حسین (بابت ۱۶؍جولائی ۱۹۲۴ء) میں موجود ہے:

جنرل نادر خاں صاحب نے لاہور میں ایک روز قیام کیا۔ وہ اردو بہت اچھی بولتے ہیں اور نہایت بے تکلف اور سادہ آدمی ہیں۔ کل شام میں نیڈو ہوٹل میں ان سے ملا۔ وہ خود ہی میرے مکان پر آنے والے تھے۔ چٹھی میرے نام کی لکھ کر بھیجنے والے تھے کہ میں خود وہاں جا پہنچا۔ ان کی دعوت چائے کی تھی اور مجھے بھی میزبان نے مدعو کیا تھا۔ نہایت اخلاص اور محبت سے ملے اور جب میں نے ان کی عسکری قابلیت کی تعریف کی تو کہا آپ نے جو کچھ لکھا ہے' دنیا کی کوئی توپ اور بندوق اس کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ ایک ایک لفظ ایک ایک بیٹری کا حکم رکھتا ہے۔ وہ پیرس میں سال یا دو سال رہیں گے۔ اپنے چھوٹے بچے کو بھی ساتھ لے جا رہے ہیں جس کی عمر تقریباً دس سال کی ہو گی۔ سنا ہے' وزیر خاں کی مسجد میں انھوں نے کوئی تقریر بھی کی ہے۔ عصر کی نماز انھوں نے وہاں ادا کی تھی۔ کل شام ساڑھے سات بجے وہ گاڑی سے بمبئی تشریف لے گئے۔

ان کا خیال ہے کہ تمام ممالک کے مسلمانوں کو ایک خاص جگہ جمع ہو کر اپنے لیے ایک مشترک پروگرام تجویز کرنا چاہیے جس پر تمام ممالک اسلامیہ عمل کریں۔ باقی مقامی اور خاص حالات کے لیے ہر ملک اپنا اپنا پروگرام تجویز کرے جو ان کے مناسب حال ہو۔ غرض کہ چند منٹ ان سے خوب صحبت رہی۔ ان کو وزیر خاں کی مسجد میں جانے اور لوگوں سے ملنے کے لیے جو ان کا دیر سے انتظار کر رہے تھے' جلدی تھی' اس واسطے وہ ہم سے بادل نخواستہ رخصت ہو گئے۔[۱۴]

ان سے ایک ملاقات علامہ نے فروری ۱۹۲۹ء میں لاہور ریلوے سٹیشن پر کی تھی۔
بقول فقیر سید وحید الدین:

ڈاکٹر صاحب تنگدستی کے باوجود اپنی ساری پونجی کئی سو روپوں کی صورت میں لے کر نادر خان سے ملے اور کہا" آپ جس نیک مقصد کے لیے جارہے ہیں اس کے لیے روپے کی اشد ضرورت ہوگی۔ اس لیے میرا یہ ہدیہ قبول فرمائیے۔ نادر خان اس پیشکش پر حیران رہ گیا۔[۱۵]

ڈاکٹر ظہیر الدین یہی رقم کئی سو کے بجائے پانچ ہزار بتاتے ہیں:

گاڑی کے روانہ ہونے سے کچھ دیر پہلے اقبال نے ان سے تخلیہ میں کہا تم ایک بڑی مہم پر جارہے ہو۔ میں ایک فقیر آدمی ہوں نیک تمناؤں سے ہی تمہاری خدمت کر سکتا ہوں۔ اتفاق سے پانچ ہزار کی رقم میرے ساتھ ہے اگر یہ تمہارے کام آسکے تو مجھ کو بڑی خوشی ہوگی۔ نادر خان نے جو چشم پُر آشوب تھا فقیر کی اس دین کو بڑا ہی نیک شگون سمجھا اور بڑے احترام سے اس ہدیہ کو قبول کر لیا۔[۱۶]

نادر خان لاہور سے پشاور چلے گئے جہاں سے وہ کُرم ایجنسی سے نکل کر علی خیل میں اپنے سیاسی امور چلاتے رہے۔ اس دوران نادر شاہ اور حضرت علامہ میں خط و کتابت ہوتی رہی۔ بقولِ اللہ بخش یوسفی "دورانِ علی خیل نادر خان اور علامہ ڈاکٹر سر محمد اقبال میں خفیہ نوعیت کی خط کتابت جاری رہی۔ علی خیل سے ان کے خطوط ایم اے حکیم تک پہنچائے جاتے تھے وہاں سے لاہور پہنچانا میرا کام تھا۔ اور اس کام میں میرے دوست عبدالمجید سالک میرے ممدو معاون تھے...... علی خیل سے نادر خان نے سائیکلو اسٹائل پر اصلاح نامی اخبار بھی جاری کیا تھا۔ اس کا پہلا پرچہ جب میں نے علامہ اقبال کی خدمت میں پیش کیا تو اسے دیکھتے ہی فرمانے لگے نادر خان کامیاب ہے۔[۱۷]

علامہ اور نادر خان کے درمیان یہ خطوط ممکن ہے کہ آج بھی انڈیا آفس لائبریری میں محفوظ ہوں کیونکہ یہ خطوط برطانوی حکومت کے ہاتھ آ لگے تھے۔ علامہ کے عزیز خالد نظیر صوفی نے یہ انکشاف یوں کیا:

علامہ اقبال اور شاہ افغانستان نادر شاہ کے مابین خط کتابت تھی مگر یہ خطوط ایک معتمد نے چوری کر کے برطانوی گورنمنٹ کے ہاتھ فروخت کر دیے۔[۱۸]

ان خطوط میں ایک خط انقلاب میں اشاعت کی بہ دولت محفوظ ہو گیا ہے۔ یہ خط جنرل نادر خان نے علی خیل سے ۹ ربیع الثانی ۱۳۴۸ھ کو تحریر کیا تھا:

"ھو اللّٰہ"

تحریر روز شنبہ ۹ ربیع الثانی ۱۳۴۸ھ مقام علی خیل

جناب فاضل محترم ایم اے۔ پی ایچ ڈی بیرسٹر ایٹ لا محمد اقبال صاحب

افغانستان نزدیک تباہی و ملت بیچارہ اش دو چار تہلکہ بزرگ است و خیلی احتیاج بہ ہر گونہ معاونت برادرانہ ہمدردان و برادران ہندی خود دارد۔ اقدامات خیر خواہانہ جناب شما دریں وقت خیلی بما معاونت می نماید۔ خصوصی مسئلہ اعانت مالی کہ آنرا بیشتر ذریعہ اصلاح ہم بہ برادراں ہندی خود اشاعہ کروم امید آست کہ آن فاضل محترم کہ بایں مصیبت افغانستان روحا شرکت دارند از حدیث خویش دریں موقعہ کار گرفتۂ ملت متالم افغانستان را مشکور و ممنون ابدی فرمائید۔

محمد نادر خان

ترجمہ: جناب فاضل محترم سر محمد اقبال صاحب

آپ نے اپنے ان عالی جذباتِ ہمدردانہ سے جو آپ افغانستان کی موجودہ تباہ حالی کے متعلق رکھتے ہیں مجھے اور افغانستان کے عام بہی خواہوں اور فداکاروں کو ممنون و متشکر بنا دیا ہے۔ افغانستان تباہی کے نزدیک ہے اس کی بے چارہ ملت کو بہت بڑے تہلکہ کا سامنا ہے افغانستان اپنے بھائیوں کی امداد و اعانت کا محتاج ہے آپ ایسے وقت میں جو خیر خواہانہ قدم اٹھا رہے ہیں۔ وہ ہمارے لیے ڈھارس کا موجب ہے۔ خصوصاً مالی امداد کا مسئلہ جس کے متعلق اخبار اصلاح کے ذریعے اپنے ہندی بھائیوں کے لیے شائع کر چکا ہوں بہت حوصلہ افزا ہے۔ امید ہے کہ جناب فاضل محترم پر "روحا" افغانستان کی موجودہ مصیبت میں شریک ہیں اس موقع پر انھی مساعی سے کام لے کر افغانستان کی رنج زدہ قوم کو ہمیشہ کے لیے ممنون و مشکور فرمائیں گے۔

با احتراماتِ لائقہ

محمد نادر خان[۱۹]

جس وقت جنرل نادر خان بچہ سقہ کے خلاف مصروفِ جہاد تھے مسلمانانِ ہند نے ان کو مالی امداد بہم پہنچانے کا سلسلہ شروع کیا۔

جنرل نادر خاں کی امداد کے حصول کے لیے حضرت علامہ پیش پیش رہے۔ چنانچہ یکم ر ستمبر ۱۹۲۹ء کو روزنامہ انقلاب لاہور میں درج ذیل خبر شائع ہوئی۔

جنرل نادر خان کی امداد

مندرجہ ذیل دو رقمیں جرنیل نادر خان غازی کی امداد کے سرمائے میں موصول ہوئی ہیں:

(۱) حافظ عبد الجبار محمد صابر، صدر بازار ہردوی

(معرفت علامہ اقبال مدظلہ العالی)

سولہ روپے بارہ آنے

(۲) عبد الرب صاحب، نمبر ۶- نخاس کہنہ' الہ آباد

(معرفت دفتر انقلاب) دو روپے

کل اٹھارہ روپے بارہ آنے

دونوں معطیوں اور دیگر مسلمانوں کی خدمت میں گذارش ہے کہ عنقریب لاہور میں نادر خان غازی کی امداد کے لیے ایک مجلس مرتب ہونے والی ہے۔ یہ رقوم اس مجلس کے سپرد کر دی جائیں گی۔ آئندہ کوئی صاحب اس قسم کا روپیہ کسی فرد کے نام یا کسی اخبار کے دفتر ارسال نہ فرمائیں۔

(انقلاب۔ جلد ۳- نمبر ۸۱- پنجشنبہ۔ ا ر ستمبر ۱۹۲۹ء)

جناب غلام رسول مہر ایڈیٹر انقلاب نے افغانستان میں بچہ سقہ کی جانب سے غیر یقینی صورت حال اور لاہور کے بادرد مسلمانوں کی فکر مندی اور علمی امداد اور معاملے کی غرض و غایت پر تفصیلی روشنی روزنامہ انقلاب لاہور میں ڈالی ملاحظہ ہو:

جرنیل نادر خان غازی کی امداد کا کام

اکابر لاہور کی خاموش کوشش

جرنیل نادر خان غازی کی امداد و اعانت کا اکثر اکابر لاہور کو پہلے ہی خاص احساس تھا۔ جب غازی موصوف کی طرف سے ان کے معزز جریدے اصلاح میں اپیل شائع ہوئی تو مذکورہ

احساس نے فوراً عملی شکل اختیار کر لی۔ مختلف حلقوں میں مختلف تجویزیں ہونے لگیں کہ مالی امداد کو مؤثر و وقیع بنانے کے لیے کیا طریق اختیار کیا جائے۔ حضرت علامہ اقبال مد ظلہ العالی اس باب میں خاص طور پر کوشاں تھے۔ اس سلسلے میں منجملہ اور تجاویز کے ایک تجویز یہ پیش ہو چکی تھی کہ محفوظ سرمایۂ تنظیم کی جو رقم حضرت قرشی کی تحویل میں ہے، اسے معطیانِ سرمایۂ مذکور کی اجازت سے غازی موصوف کی خدمت میں پیش کر دیا جائے (۴)۔ اس خیال سے کہ موجودہ حالات میں ایک معتدبہ اور گراں قدر رقم جمع کرنا قدرے دقت طلب ہے اور جرنیل نادر خاں کے حالات فوری امداد کے متقاضی ہیں، محفوظ سرمایۂ تنظیم کو فی الفور غازی موصوف کی خدمت میں ارسال کرنے کی تجویز توجہاتِ خصوصی کا مرکز بن گئی۔

حضرت علامہ اقبال نے سب سے پہلے مقامی اسلامی اخبارات سے اس معاملے کے متعلق استصواب کی ضرورت محسوس کی اور مولانا ظفر علی خاں صاحب، مولانا سید حبیب شاہ صاحب، ملک عبدالحمید صاحب (ایڈیٹر مسلم آؤٹ لک) کو اور خاکسار کو اپنے دولت کدے پر بلایا، ساتھ ہی چند اور اصحاب کو دعوت بھیج دی، جن میں سے پروفیسر سید عبدالقادر شاہ صاحب ایم اے، مولانا احمد علی صاحب ناظم خدام الدین اور مولانا غلام مرشد صاحب خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ پروفیسر سید عبدالقادر شاہ صاحب اور مولانا غلام مرشد صاحب اس وقت لاہور سے باہر تھے، اس لیے شوریٰ میں شریک نہ ہو سکے۔ باقی اصحاب کے علاوہ حضرت قرشی اور ملک لال دین قیصر بھی تشریف لے آئے۔ سب نے اس تجویز کو پسند کیا اور اس کے ساتھ کامل اتفاق کا اظہار کیا۔

چند روز بعد اکابر لاہور کا ایک جلسہ برکت علی محمڈن ہال میں منعقد ہوا، جس میں حضرت علامہ اقبال، حضرت قرشی، حاجی میر شمس الدین صاحب، مولانا غلام محی الدین صاحب قصوری، مسٹر محمد دین صاحب ہیڈ ماسٹر اسلامیہ ہائی سکول، شیخ عظیم اللہ صاحب ایڈووکیٹ، ڈاکٹر محمد سلطان صاحب، سید محسن شاہ صاحب، مولانا سید حبیب شاہ، مولانا مرتضیٰ احمد خان صاحب، مولانا سید عنایت شاہ صاحب، میاں فیروز الدین احمد صاحب، مولانا نورالحق صاحب مالک مسلم آؤٹ لک، ملک عبدالمجید صاحب اور بعض دوسرے اصحاب شریک تھے۔ اس میں بھی تمام اصحاب نے مذکورہ بالا تجویز سے کامل اتفاق کا اظہار کیا اور قرار پایا کہ سب کی طرف سے ایک اپیل محفوظ سرمایۂ تنظیم کے معطیوں سے کی جائے کہ وہ اس روپے

کو جو بہ حالتِ موجودہ غیر مستعمل پڑا ہے، ایک اسلامی سلطنت کے جہاد امن و استقلال میں صرف کرنے کی اجازت مرحمت فرمائیں۔ عام رائے یہ تھی کہ محفوظ سرمایۂ تنظیم کو مالی امداد کی پہلی قسط کے طور پر بھیج دیا جائے اور ساتھ ہی فراہمی سرمایہ ءاعانت کا کام پورے زور کے ساتھ شروع کر دیا جائے۔

معلوم ہوا ہے کہ محفوظ سرمایۂ تنظیم کے لیے اکابر کی اپیل کل یا پرسوں شائع کی جائے گی۔ تمام غیرت مند مسلمانوں کا فرض ہے کہ وہ جرنیل نادر خاں کے لیے فراہمی زر اعانت کا کام فی الفور شروع کر دیں۔ مذکورہ بالا اپیل کے ساتھ ہی خدا کے فضل سے ایک مختصر سی کمیٹی بن جائے گی جو بلا تامل کام شروع کر دے گی اور امید واثق ہے کہ تمام اسلامی اخبار اتحاد و اتفاق کامل کے ساتھ اس تحریک کو کامیاب بنائیں گے۔ والامر بید اللہ تعالیٰ۔

نیاز مند

مہر

(انقلاب، جلد ۴- نمبر ۸۶- چہار شنبہ۔ ۲۵/ ستمبر ۱۹۲۹ء)

اگلے روز پھر روزنامہ انقلاب میں ایک اور خبر ''جرنیل نادر خاں کی مالی امداد اور محفوظ سرمایہ تنظیم معطی حضرات سے ایک ضروری التماس'' کے عنوان سے شائع ہوتی ہے:

برادران اسلام کو معلوم ہے کہ جرنیل نادر خان بہ نفس نفیس دو مرتبہ اہل ہند سے امداد کی اپیل کر چکے ہیں اور اگر انھیں حسبِ ضرورت مالی امداد مل جائے تو امید واثق ہے کہ افغانستان کے اضطراب انگیز حالات کا عقدہ احسن طریق پر حل ہو جائے گا اور اس کے امن اور استقلال کو اس وقت جو خطرات در پیش ہیں' وہ رفع ہو جائیں گے۔ ہندوستان کے مسلمان ہمیشہ اپنی اسلامی سلطنتوں کی حفاظت کے لیے گراں بہا خدمات انجام دیتے رہتے ہیں۔ ان کی ہمسایہ اسلامی سلطنت افغانستان ان خدمات کی بدرجہ اولیٰ مستحق ہے۔ ہماری ناچیز رائے میں ضرورت ہے کہ افغانستان کے موجودہ مصائب میں مسلمان اپنی ملّی و مذہبی غیرت و حمیت کا بیش از پیش ثبوت دیں۔ اس وقت محفوظ سرمایۂ تنظیم کی معتدبہ رقم بنکوں میں غیر مستعمل پڑی ہے، چونکہ جرنیل نادر خاں کو فوری امداد کی ضرورت ہے اور مسلمانان ہند کی طرف سے جلد سے جلد ایک معتدبہ رقم کا ان کی خدمت میں پہنچ جانا، ان کی مجاہدانہ کوششوں کے لیے خاص تقویت کا سامان بن سکتا ہے، اس لیے ہمیں یقین ہے کہ محفوظ

سرمایۂ تنظیم کے معطیوں کو یہ رقم بلا تامل جرنیل ممدوح کی خدمت میں ارسال کرنے پر کوئی اعتراض نہ ہوگا۔ تنظیم مساجد کا کام بلاشبہ ضروری ہے، لیکن اس کے مقابلے میں ایک ترقی پذیر اسلامی سلطنت کی حفاظت بہت زیادہ ضروری ہے' لیکن اس کے مقابلے میں ایک ترقی پذیر اسلامی سلطنت کی حفاظت بہت ضروری اور اہم واقدم ہے اور مسلمان اس کام سے فارغ ہوکر تنظیم مساجد کے لیے از سرنو مناسب رقم کی فراہمی کا انتظام کرسکتے ہیں (۵)۔ اس کے ساتھ ہی ہم عام مسلمانوں سے اپیل کرتے ہیں کہ وہ اپنے اپنے حلقوں میں جرنیل نادر خاں کی مالی امداد کا کام پورے زور کے ساتھ شروع کردیں۔ محفوظ سرمایۂ تنظیم کے معطیوں میں سے اگر خدانخواستہ کسی صاحب کو ہماری محولہ بالا تجویز سے اختلاف ہو (جس کے وجود کا ہمیں ایک لمحہ کے لیے بھی خیال نہیں آسکتا، اس لیے کہ افغانستان کے امن و استقلال کی حفاظت کا مسئلہ ہر حال میں تنظیم مساجد سے بدرجہا زیادہ اہم ہے) تو براہ کرم اس کی صراحت فرمادیں۔ آٹھ روز تک اگر کسی صاحب کی طرف سے کسی اختلاف کا اظہار نہ ہوا تو سمجھا جائے گا کہ سب کو اس سے اتفاق ہے۔ اس کے بعد محفوظ سرمایۂ تنظیم کا روپیہ جنرل نادر خاں کی خدمت میں بھیج دیا جائے گا۔ مزید سرمایہ کی فراہمی کا کام بلا تامل شروع ہو جانا چاہیے۔

یہ اعلان برکت علی محمڈن ہال کے ایک جلسہ کے متفقہ فیصلہ کے مطابق کیا جاتا ہے جس میں ہم سب شامل تھے:

(ڈاکٹر سر) محمد اقبال (پی ایچ۔ ڈی' بیرسٹر ایٹ لا)' (حاجی میر) شمس الدین '(سید) عبدالقادر شاہ (پروفیسر اسلامیہ کالج)، (مولوی) غلام محی الدین ایڈووکیٹ' (شیخ) عظیم اللہ ایڈووکیٹ '(سید) محسن شاہ ایڈووکیٹ' (مولانا) نورالحق (مالک مسلم آؤٹ لک)، (مولانا) غلام رسول مہر ایڈیٹر انقلاب، (مولانا سید) حبیب آف سیاست، (مولانا سید) عنایت شاہ منیجر سیاست، (مولوی) محمد دین ہیڈ ماسٹر اسلامیہ ہائی اسکول شیر اں والا دروازہ، (میاں) فیروز الدین موچی دروازہ، (مولانا) عبدالمجید قرشی، (شیخ) گلاب دین ایڈووکیٹ، (چودھری) معراج دین' (میاں) فضل دین کنٹریکٹر، (ڈاکٹر) سلطان احمد، (مولوی) فضل دین وکیل' (آقائے) مرتضیٰ احمد خاں ایڈیٹر افغانستان۔

(انقلاب، جلد ۴- نمبر ۸۷- پنجشنبہ۔ ۲۶/ ستمبر ۱۹۲۹ء۔)[۲۰]

اسی مقصد کے لیے ۳/ اکتوبر ۱۹۲۹ء کو علامہ اقبال کی زیرِ صدارت ایک جلسہ منعقد ہوا۔[۲۱] اس جلسے میں جو لاہور میں خان سعادت خان کے مکان پر ہوا تھا باہمی مشورہ سے باتفاق رائے یہ طے پایا کہ امداد مہیا کرنے کے لیے نادر خان ہلالِ احمر فنڈ قائم کیا جائے۔ سرمایہ کی فراہمی کے لیے ایک مجلس عاملہ بنائی گئی اور اس طرح افغانستان کی تعمیر نو کے لیے لاہور میں جرنیل نادر خاں کی مالی امداد کا کام باقاعدگی سے شروع ہوا۔ ملاحظہ ہو روزنامہ انقلاب لاہور کے ۵/ ستمبر ۱۹۲۹ء کا بیان جس میں اجلاس اور اس میں بنائی گئی کمیٹی کے عہدیداروں اور ان سے جمع شدہ رقم کی تفصیلات درج ہیں:

لاہور میں جرنیل نادر خاں کی مالی امداد کا کام شروع ہو گیا

نادر خاں ہلال احمر فنڈ کا افتتاح' فراہمی سرمایہ کے لیے کمیٹی کا قیام

لاہور۔ ۳/ اکتوبر۔ چند دنوں سے لاہور کے سرکردہ اصحاب میں سپہ سالار غازی جنرل نادر خاں کی مالی امداد کے لیے عملی قدم اٹھانے کے موضوع پر بڑا سرگرم چرچا ہو رہا تھا۔ چنانچہ سب سے پہلے چند سرکردہ اکابر شہر نے قوم کے سامنے یہ تجویز پیش کی کہ محفوظ سرمایہ تنظیم جو مولانا قرشی صاحب کی تحویل میں بنکوں میں پڑا ہے، وقت اور موقع کی نزاکت اور کام کی اہمیت کے پیش نظر معطی حضرات سے استصواب کر کے سپہ سالار غازی کی خدمت میں مجاہدین کی امداد کے لیے بھیج دیا جائے۔ یہ امر موجب اطمینان ہے کہ یہ تحریک بھی بار آور ہو رہی ہے اور معطی حضرات بہ کمال خوشی اس تجویز پر پسندیدگی اور رضامندی کا اظہار کر رہے ہیں۔

ابھی مزید سرمایہ کی فراہمی کے لیے کمیٹی بنانے کے مسئلہ پر غور کیا جا رہا تھا کہ خان عبد الغفار خاں اتمان زئی رئیس افغان ریلیف کمیٹی پشاور یہاں پہنچ گئے اور فیصلہ ہوا کہ ان کی موجودگی ہی میں کمیٹی بنا دی جائے اور سرمایہ کھول دیا جائے۔

چنانچہ آج شام کے ساڑھے چار بجے خان سعادت علی خاں کے دولت کدہ پر شہر کے عمائد و اکابر کا جلسہ علامہ سر محمد اقبال کے زیر صدارت منعقد ہوا۔ مولوی غلام محی الدین خاں، خان عبد الغفار خاں، سید محسن شاہ' خان سعادت علی خاں، مولانا غلام رسول مہر، مولانا سید حبیب شاہ مالک اخبار سیاست، حاجی شمس الدین، مولانا قاضی عبدالمجید قرشی، خواجہ

فیروزالدین، مسٹر فرخ، مولانا محمد دین، سید عنایت شاہ اور راقم الحروف (۸) کے علاوہ اکثر دیگر اصحاب بھی شریک ہوئے۔

کمیٹی کا قیام

باہمی مشورہ کے بعد اتفاق آرا سے قرار پایا کہ جنرل نادر خاں کی امداد کے لیے فی الفور "نادر خاں ہلال احمر فنڈ" کے نام سے ایک سرمایہ کھول دیا جائے اور اس سرمایہ کی فراہمی کے لیے حسب ذیل اصحاب کی ایک مجلس عاملہ بنادی جائے، جو پیش نظر مقصد کے لیے ضروری انتظامات اور اقدامات کرے۔ مجوزہ کمیٹی کے ارکان اور عہدیداروں کے اسماحسبِ ذیل ہیں:

علامہ سر محمد اقبال۔ بیرسٹر ایٹ لا۔ رکن کونسل پنجاب	صدر
مولانا قاضی عبدالمجید قرشی	سکریٹری
خان سعادت علی خاں، رئیس اعظم لاہور	فنانشل سکریٹری
مسلم بنک آف انڈیا لمیٹڈ	خازن

ارکان: مولوی غلام محی الدین خاں ایڈووکیٹ، سید محسن شاہ ایڈووکیٹ، سید عبدالقادر شاہ ایم اے، حاجی شمس الدین، مولانا احمد علی، مولانا غلام مرشد، ملک میراں بخش خاں صاحب، مولوی محمد دین، حافظ حسین بخش، مولوی صدر الدین۔

اس کے بعد کام کی تفصیلات کے متعلق گفتگو ہوئی اور آخر میں مولانا سید حبیب کی تحریک پر حسب ذیل رقوم چندہ کی جمع ہوئیں:

علامہ سر محمد اقبال	۱۰۱	روپیہ
خان سعادت علی خاں	۲۰۱	روپیہ
سید محسن شاہ	۲۵	روپیہ
سید حبیب شاہ	۱۱	روپیہ
سید عنایت شاہ	۱۰	روپیہ
حاجی شمس الدین	۱۰	روپیہ
جناب نازش رضوی	۵	روپیہ
خان نور احمد خاں	۱	روپیہ

مولانا غلام رسول مہر نے مبلغ ۹۰ روپے ۱۲ آنے کی رقم جو علامہ سر اقبال اور اخبار انقلاب کی وساطت سے فراہم ہو چکی تھی، خان سعادت علی خاں فنانشل سکریٹری کو پیش کر دی۔ جلسہ صاحب صدر اور خان سعادت علی خاں کا شکریہ ادا کرنے کے بعد برخاست ہو گیا۔

(مرتضیٰ احمد خاں)

(انقلاب۔ جلد ۴-نمبر ۹۵-شنبہ۔ ۵/اکتوبر ۱۹۲۹ء)

۸/اکتوبر کو ایک اور اجلاس ہونا قرار پایا جس کی اطلاعی رپورٹ بھی انقلاب لاہور نے شائع کی:

ایک ضروری مشورت۔ مسلم میونسپل کمشنران و ممبران

انجمن ہلال احمر' لاہور

۸/اکتوبر کو بروز منگل بعد نماز مغرب "نادر خان ہلال احمر فنڈ" کے ممبران کا ایک اہم جلسہ برکت علی محمڈن ہال میں منعقد ہو گا۔ ڈاکٹر سر محمد اقبال اور خان سعادت علی خاں کی طرف سے بعض نہایت ہی اہم اور ضروری امور پر مشورہ کرنے کے لیے مقامی میونسپل کمشنروں کو اس جلسہ میں شامل ہونے کی دعوت دی گئی ہے۔ تمام ممبران اور میونسپل کمشنر صاحبان سے بہ ادب استدعا ہے کہ اس ضروری جلسے کے لیے ضرور تھوڑی سی فرصت نکالیں اور وقت مقررہ پر تشریف لا کر مشکور فرمائیں۔

(عبدالمجید قرشی)

(انقلاب، جلد ۴-نمبر ۹۸-چہار شنبہ۔ ۹/اکتوبر ۱۹۲۹ء)[۲۲]

علامہ اقبال نے ۱۱/اکتوبر ۱۹۲۹ء کو قوم سے حسبِ ذیل اپیل کی:

برادرانِ ملت و جوانانِ اسلام۔

افغانستان کے حالات آپ کو معلوم ہیں۔ اس وقت اسلام کی ہزارہا مربع سر زمین اور لاکھوں فرزندانِ اسلام کی زندگی اور ہستی خطرے میں ہے۔ اور ایک ہمدرد اور غیور ہمسایہ ہونے کی حیثیت سے مسلمانانِ ہند پر ہی یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ وہ افغانستان کو بادِ فنا کے آخری طمانچے سے بچانے کے لیے جس قدر دلیرانہ کوشش بھی ممکن ہو کر گزریں۔

لاہور میں جنرل نادر خان اور افغانستان کے زخمی سپاہیوں، بیوہ عورتوں اور یتیم بچوں کی امداد و اعانت کے لیے "نادر خان ہلالِ احمر سوسائٹی" قائم ہو چکی ہے جس کا دفتر بالعموم صبح ٦ بجے سے لے کر دس بجے رات تک برکت علی اسلامیہ ہال میں کھلا رہتا ہے۔

حالات کی نزاکت کو مدِ نظر رکھتے ہوئے انجمن نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ وہ کم سے کم وقت میں لاہور اور ہندوستان سے زیادہ سے زیادہ روپیہ جمع کرنے کے لیے اپنی قوت و کوشش صرف کر دے۔ اس غرض کے لیے ایسے ایثار پیشہ کارکنوں کی ضرورت ہے جو رضا کارانہ حیثیت سے مقررہ وقت پر اور منظم طریق سے لاہور میں کام کریں۔

اس کے علاوہ دفتر کو تمام ملک سے خط کتابت کرنا ہے ہزاروں اپیلیں بھیجنی ہیں سیکڑوں اخبارات اور ہر ایک شہر کے رؤسا، امرا اور اسلامی انجمنوں کو خطوط لکھنے ہیں۔ ظاہر ہے کہ اس قدر وسیع کار جو لاہور کے ہر ایک گلی کوچہ پر مسلط ہو اور دوسری طرف تمام ملکی اخبارات اور تمام اسلامی انجمنوں اور بستیوں پر محیط ہو مستقل مزاج، سنجیدہ، دردمند، ذی عزم اور بااحساس کارکنوں کی امداد کے بغیر ممکن نہیں ہے۔

جنرل نادر خان کی امداد کو اس کی حقیقی اہمیت کے مطابق وسعت دینے کے لیے ایسے جواں ہمت کارکنوں کی ضرورت ہے جو مقامی طور پر وارڈ وار پبلک جلسوں کے انعقاد اور ملکی اخبارات، انجمنوں اور قومی کارکنوں اور تمام فیاض اور ذی استطاعت اصحاب سے خط و کتابت کرنے میں انجمن کو امداد دیں۔

میں اپنے تمام سنجیدہ اور مخلص عزیزوں سے جن کے دل میں اسلام کا درد ہے جو آزاد اور متحد افغانستان کی اہمیت کو سمجھتے ہیں ان تمام مقامی انجمنوں کے اراکین سے جو "نادر خان ہلالِ احمر سوسائٹی" سے تعاون و اشتراکِ عمل کے لیے آمادہ ہوں بڑے زور سے اپیل کرتا ہوں کہ وہ برکت علی اسلامیہ ہال میں قریشی صاحب سے ملیں اور اپنے وقت کا کچھ حصہ معمولی تفریح یا کم ضروری مشاغل سے بچا کر انجمن ہلالِ احمر کے کام میں صرف کریں اور یقین کریں کہ یہاں لاہور میں آپ کا ایسا کرنا وہاں افغانستان میں پہنچ کر نادر خان صاحب کی امداد کرنے کے مترادف ہو گا۔"[۲۳]

١٦/ اکتوبر ١٩٢٩ء کو لاہور کے انقلاب اخبار میں اس فنڈ اور جنرل نادر خاں کے حوالے سے ایک اور خبر شائع ہوتی ہے:

محفوظ سرمایۂ تنظیم اور جنرل نادر خاں - عالمِ بالا کی سخن فہمی

۸/ اکتوبر ۱۹۲۹ء کے زمیندار اور انقلاب میں قریشی صاحب کے نام ایک اعلان نکلا ہے۔ اس اعلان کا عنوان دونوں پرچوں میں مختلف ہے۔ مگر عبارت ایک ہی ہے اور مولانا محمد عبداللہ صاحب کی نسبت لکھا ہے کہ "خاکسار کے استفسار پر مولانا نے فرمایا:..." میری اپنے محترم دوست سید غلام بھیک صاحب نیرنگ سے بھی یہی استدعا ہے کہ وقت کی تنگی اور حالات کی نزاکت کو دیکھتے ہوئے اس بارے میں تاخیر و التوا پر زور دینا مناسب نہیں "۔ چونکہ یہ مولانا محمد عبداللہ کا کوئی دستخطی بیان نہیں اور میں نہیں کہہ سکتا کہ اس اعلان کا ہر لفظ انھی کا ہے یا نہیں، اس لیے میں حیران ہوں کہ سخن فہمی عالم بالا کی شکایت کروں تو کس کی نسبت کروں۔ میں نے تاخیر و التوا پر کب زور دیا اور میرا مقصد تاخیر و التوا کب تھا؟ میں نے تو صرف یہ کہا کہ معطیوں کو کافی نوٹس دینا ضروری ہے اور اپنے اس خیال کے بعض وجوہ بھی اجمال و اختصار کے ساتھ لکھ دیے۔ مفصل وجوہ ایک نج کے خط میں ڈاکٹر سر محمد اقبال کو لکھ بھیجے اور ان سے درخواست کی کہ ان کے ساتھ جن جن حضرات نے اعلان پر دستخط کیے تھے، میرے خط کو ان کی خدمت میں گشت کرا دیں۔ میں قریشی صاحب، مولانا محمد عبداللہ صاحب، مولانا ظفر علی خاں صاحب اور مولانا غلام رسول مہر صاحب سے درخواست کرتا ہوں کہ میرے اس خط کو ڈاکٹر سر محمد اقبال سے لے کر ملاحظہ فرمالیں۔ اس خط سے خاص طور پر معلوم ہو جائے گا کہ میری طرف التوا و تاخیر کی کوشش کو منسوب کرنا سخت بے انصافی ہے۔

آخر میں امکانی غلط فہمی کو رفع کرنے کے لیے میں ان جملہ حضرات اور تمام مسلم پبلک کی خدمت میں صاف صاف عرض کر دینا مناسب سمجھتا ہوں کہ میں جنرل نادر خاں کی امداد کا پورے طور سے حامی ہوں اور ہرگز ہرگز ایک لمحے کے لیے مخالف نہیں ہوں۔ میرا مقصد تاخیر و التوا نہیں ہے' بلکہ اصول امانت کی پابندی اور قومی اتحاد کا تحفظ ہے۔

(سید غلام بھیک نیرنگ۔ معتمد عمومی جمعیت مرکزیہ تبلیغ الاسلام۔ انبالہ شہر۔)

(انقلاب۔ جلد ۴- نمبر ۱۰۴- چہار شنبہ ۱۶/ اکتوبر ۱۹۲۹ء) [۲۴]

بچہ سقہ کی فوجوں کو شکست ہوئی اور اعلیٰ حضرت محمد نادر شاہ غازی ۲۳ میزان ۱۳۰۸ھ ش بمطابق ۱۷/ اکتوبر ۱۹۲۹ء افغانستان کے بادشاہ بن گئے۔ [۲۵]

اس کے ساتھ ہی محمد نادر شاہ غازی پر اعتماد کے اظہار اور ان کی بادشاہت کو تسلیم کروانے کی خبریں شائع ہونا شروع ہوتی ہیں۔ اس میں بھی حضرت علامہ پیش پیش نظر آتے ہیں۔ ملاحظہ ہو انقلاب لاہور کے ۲۰/ اکتوبر سنڈے ایڈیشن کی یہ خصوصی رپورٹ:

اعلیٰ حضرت نادر خاں غازی پر پورا اعتماد۔ لاہور کے مقتدر مسلمان رہنماؤں کا اعلان

مدیرِ "انقلاب" نے ہم سے دریافت کیا ہے کہ جرنیل نادر خاں کے بادشاہ افغانستان منتخب ہو جانے کے متعلق ہمارا کیا خیال ہے۔ اس کے جواب میں گذارش ہے کہ ہمیں نادر خاں غازی کی ذات پر کامل اعتماد ہے اور ہم تمام مسلمانوں کی خدمت میں استدعا کرتے ہیں کہ وہ بھی اس غیور محب وطن پر پورا اعتماد رکھیں۔ اس وقت اس کے کسی فعل پر ایک لمحہ کے لیے بھی عدم اعتماد کا اظہار خطرناک ہو گا اور خدانخواستہ از سرِ نو خانہ جنگی میں الجھا دے گا۔ ہمیں یقین ہے کہ تمام مسلمان اس موقع پر بے حد حزم و احتیاط سے کام لیں گے۔

دستخط: (۱) محمد شفیع (۲) محمد اقبال (۳) سید محسن شاہ (۴) ملک محمد حسین (۵) ملک برکت علی (۶) سعادت علی خاں (۷) خواجہ فیروزالدین بیرسٹر ایٹ لا (۸) ڈاکٹر غلام محمد (۹) (مولوی) غلام محی الدین۔

(نوٹ)

سرِ شام اس اعلان کی اشاعت کا خیال پیدا ہوا' لہٰذا محض متذکرہ صدر اصحاب کے دستخط حاصل کیے جا سکے۔ مسلمانوں کے تمام مقتدر رہنماؤں کی رائے یہی ہے' جو اوپر ظاہر کی گئی ہے۔

نادر شاہ کی بادشاہت کو تسلیم کر لیا جائے

علامہ سر محمد اقبال صدر اور خان سعادت علی خاں سیکریٹری نادر خان ہلال احمر سوسائٹی اخبارات اور اہل ہند سے پُر زور اپیل کرتے ہیں کہ "جنرل نادر خاں کی، جن کو افغانستان کے قومی جرگے نے بالاتفاق بادشاہ منتخب کر لیا ہے، پوری حمایت کریں۔ ہمارے خیال میں یہ انتخاب افغانستان اور ایشیا کے بہترین مفاد کا حامل ہے۔ نیز ہم حکومت برطانیہ سے درخواست کرتے ہیں کہ وہ جنرل نادر خاں کو فی الفور افغانستان کا بادشاہ تسلیم کر لے تاکہ ہمسایہ ملک میں مزید بدامنی کے انتظامات کا خاتمہ ہو جائے"۔

(انقلاب۔ جلد ۴۔ نمبر ۱۰۷۔ یکشنبہ ۲۰/ اکتوبر ۱۹۲۹ء۔ سنڈے ایڈیشن)

سبحان اللہ کتنی دردمندی ہے خطے کی ایک آزاد اسلامی مملکت کے لیے جن سے علامہ کی کئی توقعات وابستہ تھیں تا کہ یہ مملکت مزید خونریزی، فساد اور تباہی و بربادی سے بچ سکے۔ اگر ایک طرف انگریزوں کی ریشہ دوانیوں کی وجہ سے افغانستان میں بچہ سقہ کا انقلاب غازی امان اللہ خاں کے خلاف کامیاب ہو گیا تھا تو دوسری طرف افغانوں کی ملی غیرت اور وطن و دین پرستی کی بنیاد پر اس قوم نے یکسر انگریزوں کے اس مہرے حبیب اللہ کلکانی بچہ سقہ کی نہ صرف حکومت ختم کی بلکہ ان کو نشان عبرت بنا کر تاریخ میں غداری کی علامت بنا دیا۔

علامہ اور ہندوستان کے مسلمان زعما کو حالات کی نزاکت کا پورا ادراک تھا۔ چنانچہ دوسرے روز ہی روزنامہ انقلاب میں خبر شائع ہوئی کہ:

افغانستان ہلال احمر فنڈ۔ ایک ضروری استدعا

......دردمند مسلمان ایک منٹ ضائع کرنے کے بغیر اپنے اپنے دیہات، قصبات، شہروں اور محلوں میں روپوں کی فراہمی کا کام شروع کر دیں۔ لاہور میں اس کام کا افتتاح ہو چکا ہے۔ آج ڈاکٹر سر محمد اقبال صاحب، حاجی شمس الدین صاحب، خان بہادر شیخ امیر علی صاحب اور دیگر اصحاب نے طے کیا ہے کہ وہ بصورت وفد روزانہ شہر کا دورہ کریں گے......

"لاہور ہلال احمر" آج مقامی معززین کی خدمت میں حاضر ہوا، جنھوں نے کمال فیاضی سے وفد کی استدعا کو شرف قبول بخشا۔ محترم میاں عبدالعزیز بیرسٹر ایٹ لا سے بسم اللہ کی گئی۔ جناب نے کمال مہربانی سے ایک صد روپیہ نقد، مولوی فیروز الدین صاحب مالک فیروز پرنٹنگ پریس نے ۵۰ روپیہ عطا فرمائے۔ جناب میاں نظام الدین صاحب مدظلہ العالی نے پانصد کا وعدہ فرمایا......

	پائی	آنے	روپے
میزان	۰	۱۱	۱۰۱۴

تمام رقوم مسلم بینک لاہور اور اس کی شاخوں میں "ہلال احمر فنڈ" کی صراحت میں بھیجی جائیں۔

خان سعادت علی خاں، سکریٹری ہلال احمر سوسائٹی لاہور۔

(انقلاب۔ جلد ۴-نمبر ۱۰۸-سہ شنبہ ۲۲/ اکتوبر ۱۹۲۹ء)

۲۲؍اکتوبر تک درج ذیل رقوم جمع ہوئی تھیں

۲۰؍اکتوبر کو چندہ جمع ہوا	۶۵۰ روپے
۲۱؍اکتوبر کو چند جمع ہوا	۳۵۵روپے
۲۲؍اکتوبر کو چندہ جمع ہوا	۳۱۰روپے
خاں سعادت علی خاں کے پاس جمع شدہ سرمایہ	۱۱۱۰-۱۱۲۰

(انقلاب جلد ۴ نمبر ۱۰- ۲۴؍اکتوبر ۱۹۲۹ء)

یہاں اگر ایک طرف افغانستان کی تعمیر نو کے لیے چندہ اکٹھا کیا جا رہا تھا تو دوسری طرف افغانستان کے سیاسی مستقبل سے متعلق بھی مسلم زعما فکر مند تھے اور برطانیہ پر نادر شاہ کی بادشاہت تسلیم کروانے کے لیے زور دیا جاتا رہا:

افغانستان اور حکومتِ برطانیہ کا اولین فرض۔ اعلیٰ حضرت نادر خاں کو بادشاہ تسلیم کرنے میں تاخیر نہ کرو۔ اکابر پنجاب کا اعلان

۱۷؍اکتوبر ۱۹۲۹ء ملک کے طول و عرض میں یہ مسرت انگیز اعلان شائع ہو چکا ہے کہ افغانستان کے قومی جرگہ نے بطل حریت غازی محمد نادر خاں کو ان کے عدیم المثال ایثار اور قربانی کی بنا پر افغانستان کا بادشاہ انتخاب کر لیا ہے۔ ہم اس انتخاب کو اسلام اور افغانستان کے لیے صد ہزار برکات و حسنات کا موجب خیال کرتے ہیں اور سپہ سالار غازی کی خدمت میں تہ دل سے مبارک باد عرض کرتے ہیں کہ خداوند پاک نے اپنی ذرہ نوازی سے ان کے وجود باجود کو نجات دہندہ افغانستان کی حیثیت سے قبول فرمایا۔

سپہ سالار غازی کا سیاسی اور مذہبی رسوخ ان کی عدیم النظیر شجاعت و کار دانی اور فقید المثال خدمت و بے نفسی ہمارے سامنے موجود ہے اور ہم کہہ سکتے ہیں کہ وہ تمام ہندوستانی جنھیں آزاد اور متحدہ افغانستان کی اہمیت کا احساس ہے، اس اعلان میں ہمارے ہم آہنگ ہیں کہ موجودہ حالات میں قیامِ امن و انتظام اور اصلاحِ احوالِ ملتِ افغان کے لیے اس سے بہتر انتخاب ممکن نہیں ہے۔

ہم افغانستان کے قومی جرگہ کی دانائی اور مآل اندیشی اور بیدار مغزی کی تعریف کیے بغیر نہیں رہ سکتے' جن کی نگہ انتخاب نے جنرل نادر خاں جیسے رجلِ عظیم، جن کی دین داری، وطن دوستی، تدبر و صالحیت ہر قسم کے اشتباہ سے بالاتر ہے' افغانستان کے تخت حکومت کے لیے چنا

ہے۔ ہمیں یقین ہے کہ یہ قابل احترام انتخاب، جس طرح ہندوستان میں ایک سرے سے دوسرے سرے تک مسرت و شادمانیِ عام کا داعی بن رہا ہے، اسی طرح افغانستان کے جملہ قبائل وملوک، خوانین اور علمائے اسلام کو بھی ایک نقطہ پر جمع کر دے گا۔

ہم اس موقع پر افغانستان کے سرداران قبائل، علمائے اسلام اور خوانین عظام کی خدمت میں عرض کرنا چاہتے ہیں کہ وہ آزاد اور متحدہ افغانستان کی اہمیت کو محسوس کرتے ہوئے جسور وغیور ملت افغانیہ کو اندرونی تفرقہ پردازیوں سے محفوظ رکھنے کے لیے ہر ممکن کوشش عمل میں لائیں۔

بچہ سقہ کی تباہی اور سپہ سالار غازی کے اعلان بادشاہت کے بعد حکومت انگریزی کا فرض بالکل واضح ہے۔ ہمارے قریب ترین ہمسایہ ملک میں جو ایک سال سے جنگ و جدل کا بازار گرم ہے، اس سے ہندوستان اور افغانستان یکساں طور پر نقصان اٹھا رہے ہیں۔ گورنمنٹ انگریزی کا فرض ہے کہ ہندوستان اور افغانستان کے باشندوں کی متحدہ خواہشات کے مطابق سپہ سالار غازی جنرل محمد نادر خاں کو افغانستان کا جائز بادشاہ تسلیم کرنے میں کسی قسم کی تاخیر والتوا کو راہ نہ دے۔

آخر میں ہم دست بدعا ہیں۔ اے خدا! افغانستان کی مشکلات کو آسان کر دے اور سپہ سالار غازی کو توفیق دے کہ ان کی ہمت و کوشش سے ملتِ افغان اپنے اسلامی شرف و اقارب کو دنیا میں قائم رکھ سکیں۔

دستخط

سر میاں محمد شفیع۔ سر علامہ محمد اقبال۔ خان سعادت علی خاں۔ خلیفہ شجاع الدین۔ خواجہ فیروزالدین احمد بیرسٹر ایٹ لا۔ میاں عبدالعزیز بیرسٹر ایٹ لا۔ مولانا غلام رسول مہر۔ مولانا عبدالمجید سالک۔ سید حبیب آف "سیاست"۔ ملک لال دین قیصر۔ حاجی شمس الدین۔ ملک برکت علی ایم اے۔ پروفیسر عبدالقادر شاہ ایم اے۔ مولوی غلام محی الدین خان۔ ملک میراں بخش (سوداگر چوب)۔ چودھری دین محمد (رئیس اعظم)۔ چودھری عبدالکریم (میونسپل کمشنر)۔ چودھری فتح شیر (میونسپل کمشنر)۔ مولوی فیروزالدین مالک فیروز پرنٹنگ پریس۔ سید محسن شاہ۔

(انقلاب۔ جلد ۴۔ نمبر ۱۰۹۔ چہار شنبہ۔ ۲۳/ اکتوبر ۱۹۲۹ء)

افغانستان ہلال احمر فنڈ

سوداگران چرم لاہور

...... آج کا وفد جو ڈاکٹر سر محمد اقبال، خان سعادت علی خاں، میاں عبدالعزیز اور حاجی شمس الدین پر مشتمل تھا، لاہور کے سوداگرانِ چرم کی خدمت حاضر ہوا......

پائی آنے روپے

...... آج تک کی صحیح میزان۔ ۰---۱۱---۱۸۴۵ ہے۔ درد مند مسلمان تمام رقوم ''مسلم بینک لاہور'' اور اس کی شاخوں میں جمع کروائیں۔

(عبدالمجید قریشی، سکریٹری)

(انقلاب۔ جلد ۴- نمبر ۱۱۵- چہار شنبہ۔ ۳۰/اکتوبر ۱۹۲۹ء)[۲۶]

نادر خان ہلالِ احمر فنڈ کے لیے محمد جمیل صاحب سے دس روپے کا چندہ ملتا ہے۔ علامہ شکریئے کے طور پر انھیں ۴/نومبر ۱۹۲۹ء کو انگریزی میں مکتوب بھیجتے ہیں۔ ترجمہ درج ذیل ہے:

ہلالِ احمر فنڈ کے لیے دس روپے کے عطیے کا شکریہ۔ مجھے امید ہے احبابِ بنگلور جن سے میں نے اس سلسلے میں اعانت کی درخواست کی ہے فراخ دلی سے چندہ دیں گے۔ ہمارے اٹک پار کے بھائیوں کی طرف سے جو ذمہ داری ہم پر عائد ہوتی ہے وہ ان حضرات کو یاد دلایئے۔ افغانستان کا استحکام مسلمانانِ ہندوستان اور وسطی ایشیا کے لیے وجہ جمعیت و تقویت ہے۔ بچہ سقہ اپنے گیارہ ساتھیوں سمیت قتل ہو چکا ہے اور نادر خان بادشاہ بتدریج استحکام حاصل کر رہے ہیں۔ میرے خطبات مکمل ہو چکے ہیں۔[۲۷]

یاد رہے کہ اس مکتوب کی تحریر سے ایک روز پیشتر ۳/نومبر ۱۹۲۹ء بمطابق ۱۱ عقرب ۱۳۰۸ھ ش کو بچہ سقہ اور ان کے درج ذیل ساتھیوں کو پھانسی دی گئی:

۱- حمید اللہ (بچہ سقہ حبیب اللہ کا بھائی)

۲- سید حسین وزیر جنگ

۳- ملک محسن گورنر کابل

۴- شیر جان وزیر دربار

۵- محمد صدیق فرقہ مشر (فوجی سربراہ)

۶- محمد محفوظ قوماندان امنیہ
۷- قلعہ بیگی وغیرہ[۲۸]

افغانستان میں اعلیٰ حضرت محمد نادر شاہ غازی کے بر سر اقتدار آنے کے بعد کابل میں مجلس امدادیہ ملی کا قیام عمل میں آتا ہے۔ حکومت کی یہ خبر ۹/ نومبر ۱۹۲۹ء کے اخبارات کی زینت بنتی ہے:

کابل میں مجلس امدادیہ ملّی کا قیام۔ حکومت کے استحکام کے لیے فراہمی سرمایہ
(کابل سے انقلاب کے لیے خاص برقی پیغام)
کابل، ۷/ نومبر۔ مولانا عزیز ہندی سکریٹری مجلس امدادیہ ملّی کابل سے بذریعہ برقی پیغام رقم طراز ہیں:
نوجوان افغانوں نے افغانستان کے لیے سرمایہ فراہم کرنے کی غرض سے کابل میں مجلس امدادیہ ملّی قائم کی ہے۔ مجلس مذکور برادرانِ ہند کی گراں بہا اور بر وقت امداد کا اعتراف اور ان تمام حضرات کا بے حد شکریہ ادا کرتی ہے، جن کی سرگرمیاں اس نازک حالت میں حکومتِ افغانستان اور قوم افغان کی بہبود کا مرکز بنی ہوئی ہیں۔ مجلس مذکور کی طرف سے میں استدعا کرتا ہوں کہ آپ ہمارے ساتھ تعلقات قائم کریں۔
"انقلاب"۔ اس مضمون کا ایک تار جناب علامہ اقبال (صدر مجلس ہلال احمر لاہور) کی خدمت میں بھی موصول ہوا ہے۔ یہ بے انتہا مسرت کا مقام ہے کہ کابل کے نوجوان افغانوں نے اپنی حکومت کی مشکلات محسوس کر کے فراہمیِ سرمایہ کا کام شروع کر دیا ہے۔ ہم خواجہ غلام محمد عزیز ہندی امرتسری کو یقین دلاتے ہیں کہ تمام بہی خواہان افغانستان اس سعی میں ان کے ہم قدم ہوں گے......

(انقلاب، جلد ۴- نمبر ۱۲۳- شنبہ۔ ۹/ نومبر ۱۹۲۹ء)

چنانچہ مخیر حضرات کی طرف سے دل کھول کر نادر خاں ہلال احمر فنڈ میں عطیات جمع ہوتے ہیں:

نادر خاں ہلال احمر فنڈ میں سات ہزار سے زیادہ روپیہ فراہم ہوگیا۔ محفوظ سرمایۂ تنظیم کی باضابطہ وصولی

......راقم الحروف نے محفوظ سرمایہء تنظیم کے معاونین کرام کی مخصوص اجازت کے مطابق تمام جمع شدہ روپیہ افغانستان ہلال احمر سوسائٹی لاہور کے نام منتقل کر دیا تھا تا کہ اسے غازی محمد نادر خاں کی خدمت میں بھیج دیا جائے۔ آج مسلم بینک امر تسر نے ۵۴۶ روپے ۴ آنے ۵ پائی کی رقم باضابطہ طور پر نادر خاں ہلال احمر فنڈ میں منتقل کر دی ہے۔ دلّی امر تسر سنٹرل کو آپر ٹیو بنک امر تسر سے خط و کتابت ہو رہی ہے......

کل میزان ۷،۷۷،۳روپیہ ۱۱(آنے) ۵ پائی۔

تمام رقوم مسلم بنک لاہور اور اس کی شاخوں میں بھیجی جائیں۔ (عبدالمجید قرشی، سکریٹری افغانستان ہلال احمر سوسائٹی' لاہور)

(انقلاب، جلد ۴، نمبر ۱۲۸، جمعہ ۱۵/ نومبر ۱۹۲۹ء)

برطانیہ عظمیٰ مجبور ہو جاتی ہے کہ جدید افغانستان کو تسلیم کرے چنانچہ وزیر خارجہ کابل کے نام برطانیہ عظمیٰ کا پیغام جاری ہوتا ہے جس کی کاپیاں وزیر خارجہ کے ساتھ ساتھ حضرت علامہ اقبال اور دیگر اہل درد حضرات کو بھی ملتے ہیں۔

برطانیہ عظمیٰ نے جدید حکومت افغانستان کو تسلیم کر لیا۔

مسٹر ہینڈرسن کا پیغام وزیر خارجہ کابل کے نام

......رگبی ۱۵/ نومبر۔ مسٹر آرتھر ہینڈرسن وزیر خارجہ برطانیہ نے وزیر خارجہ کابل کے نام حسب ذیل برقی پیغام ارسال کیا ہے:

"میں ہز میجسٹی کی گورنمنٹ یعنی دولت متحدہ اور حکمت ہند کی طرف سے اور ہز میجسٹی کی حکومتوں یعنی کینیڈا، آسٹریلیا اور نیوزی لینڈ کی کامن ویلتھ، جنوبی افریقہ کی یونین اور آئرلینڈ کی آزاد حکومت کے ایما سے یور ایکسیلینسی کو مطلع کرتا ہوں کہ مذکورہ حکومتیں اس حکومت کے بادشاہ محمد نادر شاہ کو جو بادشاہ محمد نادر شاہ نے افغانستان میں قائم کی ہے' تسلیم کرتی ہوئی اس مخلصانہ امید کا اظہار کرتی ہیں کہ پہلے کی طرح جدید حکومت کے ساتھ بھی محبانہ تعلقات جاری رہیں گے۔"

پیغامات تبریک و تہنیت

بخدمت جلالت مآب وزیر خارجہ افغانستان

"بیرونی حکومتوں اور علی الخصوص برطانیہ کی طرف سے تسلیمِ حکومت پر اعلیٰ حضرت کی خدمت میں مخلصانہ مبارک باد عرض کر دیجیے۔"

مندرجہ صدر مضمون کے برقی پیغامات آج حضرت علامہ اقبال' حضرت سعادت علی خاں صاحب، حاجی میر شمس الدین صاحب، افغانستان ہلال احمر اور ادارہ "انقلاب" کی طرف سے وزیر خارجہ افغانستان کی خدمت میں بھیجے گئے ہیں۔

(انقلاب۔ جلد ۴۔ نمبر ۱۳۱۔ سہ شنبہ۔ ۱۹/ نومبر ۱۹۲۹ء)

۲۸/ نومبر ۱۹۲۹ء انقلاب جلد نمبر ۱۳۹ پنجشنبہ کی خبر:

لاہور سے کل رقم افغانوں کی امداد کے لیے روانہ ہوئی تھی۔ ۵-۱۱-۸۱۱۲ روپے۔

نادر خاں فنڈ کابل پہنچ جاتا ہے اور وہاں سے مجلس امدادیہ ملی کی جانب سے علامہ کے نام خط آتا ہے:

نادر خاں ہلال احمر فنڈ۔ آٹھ ہزار روپیہ کابل پہنچ گیا۔ مجلس امدادیہ ملّی کا خط علامہ اقبال کے نام

قارئین کرام کو یاد ہو گا کہ لاہور میں نادر خاں ہلال احمر فنڈ کے نام سے ایک سرمایہ جمع کیا گیا تھا۔ ہلال احمر فنڈ کی مجلس نے اس سرمایہ کے متعلق ارباب حکومت افغانستان اور مجلس امدادیہ ملّی کابل سے خط وکتابت کی اور بالآخر آٹھ ہزار روپیہ خواجہ ہدایت اللہ خاں صاحب جنرل قونصل افغانی (مقیم شملہ) کی وساطت سے افغانستان بھیج دیا گیا۔ حال ہی میں جناب محمد ابراہیم صاحب رئیس مجلس امدادیہ ملّی اور جناب محمد اسلم صاحب بلوچ ناظم مجلس کی جانب سے حضرت علامہ اقبال مدظلہ العالی کی خدمت میں ایک مکتوب موصول ہوا ہے، جس میں وہ لکھتے ہیں کہ مبلغ آٹھ ہزار روپیہ وزارت خارجہ افغانستان سے مجلس کو وصول ہو چکا ہے۔ اعلیٰ حضرت غازی اور ملت افغانستان برادرانِ ہند کی اس ہمدردی کی بہت قدر کرتے ہیں۔

اس مکتوب میں ان دونوں حضرات نے علامہ اقبال کی اس تعلیم کو بے انتہا سراہا ہے کہ مسلمانون کو وطنیت و قومیت کے جال میں نہ پھنسنا چاہیے' بلکہ اول و آخر مسلمان ہی رہنا چاہیے۔ آخر میں لکھا ہے کہ افغانستان کے باشندے آپ کی (علامہ اقبال کی) زیارت کا بے انتہا اشتیاق رکھتے ہیں اور اگر آپ یہاں تشریف لائیں تو حکومت وملت دونوں کی طرف سے آپ کی نہایت مخلصانہ عزت وپذیرائی کی جائے گی۔

(انقلاب۔ جلد ۵۔ نمبر ۴۸۔ پنج شنبہ۔ یکم/ اگست ۱۹۳۰ء)

اس دوران افغانستان کے سفیر اعلیٰ لاہور تشریف لاتے ہیں اور حضرت علامہ ان کی خدمت میں ضیافت کا اہتمام کرتے ہیں۔ ملاحظہ ہو روزنامہ انقلاب لاہور کی خبر:

افغانستان کے سفیرِ اعلیٰ کی تشریف آوری

لاہور ۲۸/ جنوری۔ آج صبح آٹھ بجے افغانستان کے سفیر اعلیٰ جلالت مآب ہدایت اللہ خاں صاحب دہلی سے لاہور تشریف لائے۔ قونصل خانہ افغانستان کے میر منشی جناب محمد فاضل ساتھ تھے۔ جلالت مآب ہدایت اللہ خاں صاحب قبل ازیں روس، ترکی اور ایران میں رہ چکے ہیں۔ دور انقلاب میں جلالت مآب نے ملک و ملت کی فلاح و بہبود کے لیے جو فداکاریاں کیں' وہ فداکارانِ افغانستان کی تاریخ کا نہایت شان دار باب ہیں۔ جلالت مآب نے ہزارہ قبائل میں نہایت شان دار کام کیا اور آخر تک بچہ سقہ کے مقابلے میں ڈٹے رہے۔ بچہ سقہ نے ان کی گرفتاری کے لیے ایک لاکھ روپے کا انعام مقرر کیا، بعد ازاں حکم دے دیا کہ انھیں جس طرح بھی ہو' شہید کر دیا جائے۔ مگر اللہ تعالیٰ جلالت مآب کا حامی و ناصر تھا اور آپ بالکل محفوظ رہے۔ جلالت مآب دو تین روز لاہور میں قیام فرمائیں گے۔ اس وقت سٹفلز ہوٹل میں ٹھہرے ہوئے ہیں۔ آج شام کو حضرت علامہ اقبال کے یہاں دعوت طعام ہے۔ کل چار بجے سر شفیع کے یہاں دعوت چائے ہوگی، غالباً کل شام کو مولانا غلام محی الدین صاحب قصوری کے ہاں کھانا ہوگا۔ کل ساڑھے گیارہ بجے کے قریب بعض اخبارات کے نمائندوں کو انٹرویو کے لیے وقت دیا گیا ہے۔

(انقلاب۔ جلد ۴- نمبر ۱۸۹- پنج شنبہ۔ ۳۰/ جنوری ۱۹۳۰ء۔)

لاہور میں افغانستان کے قونصل جنرل کے مصروفیتوں کے رپورٹس مسلسل اخبارات میں شائع ہوتے رہیں۔ اس دوران حضرت علامہ کی ان پروگراموں میں شمولیت اور ان کی کردار کا خصوصی تذکرہ ملتا ہے۔

لاہور میں قونصل جنرل افغانستان کی مصروفیتیں

لاہور ۲۸/ جنوری۔ آج جلالت مآب ہدایت اللہ خاں صاحب قونصل جنرل افغانستان نے بعض مقامی معزز احباب سے ملاقات فرمائی اور شام کو حضرت علامہ اقبال کے ہاں کھانا تناول فرمایا۔ اس مختصر صحبت ضیافت میں جلالت مآب اور ان کے سکریٹری منشی محمد فاضل صاحب، مولانا شوکت علی صاحب، چودھری محمد حسین صاحب، مدیران انقلاب اور مسٹر شمس

الدین حسن مدیر خاور شریک تھے۔ مسائل مہمہ پر مذاکرے کا سلسلہ دیر تک جاری رہا اور سب احباب قونصل جنرل صاحب کی فراست و دانش مندی اور خیر خواہی سے بہت متاثر ہوئے......

(انقلاب۔ جلد ۴-نمبر ۱۹۰-جمعہ۔ ۳۱/ جنوری ۱۹۳۰ء۔)

جناب قونصل جنرل کی مصروفیتیں

لاہور ۳۰/ جنوری۔ جلالت مآب قونصل جنرل افغانستان نے آج بھی بعض سے فرداً فرداًملاقات فرمائی۔ پانچ بجے سٹفلز ہوٹل میں مجلس خلافت پنجاب کی طرف سے آپ کو دعوت چائے دی گئی جس میں علامہ اقبال، سر محمد شفیع، میاں عبدالعزیز صدر بلدیہ لاہور، مولانا شوکت علی اور دیگر معززین و اکابر کے علاوہ مالک و مدیر مسلم آؤٹ لک مولانا سالک' مولاناسید حبیب اور تمام کارکنان خلافت بھی موجود تھے......

(انقلاب۔ جلد ۴-نمبر ۱۹۱-شنبہ۔ یکم/ جنوری ۱۹۳۰ء) [۲۹]

۴/ مارچ ۱۹۳۰ء کو ایک بار پھر محمد جمیل سے ایک اور مکتوب میں افغانستان میں امن و امان اور محمد نادر شاہ سے متعلق خوش بینی کا اظہار یوں کرتے ہیں:

......افغانستان میں دوبارہ امن قائم ہوتا جاتا ہے نادر خان ملک کو شاہراہِ ترقی پر ڈالنے کی بے حد کوشش فرمارہے ہیں۔ وہ افغانوں کے محبوب ہیں۔ اور نیم پنجابی بھی۔ ان کی والدہ لاہور میں پیدا ہوئیں اور یہیں پرورش پائی۔ [۳۰]

نادر خان غازی علامہ سے دیرینہ رفاقت کا حق ادا کرتے ہوئے انھیں افغانستان آنے کی دعوت دیتے ہیں۔ جس کی تفصیلات پر علامہ کے سفرِ افغانستان کے عنوان میں تحقیق کی جائے گی۔ بدھ ۸/ نومبر ۱۹۳۳ء بمطابق ۱۶ عقرب ۱۳۱۲ھ ش کابل کے دلکشا میں اعلیٰ حضرت محمد نادر خان کو شہید کر دیا جاتا ہے اور حضرت علامہ ۱۵/ نومبر ۱۹۳۳ء کو نادر شاہ شہید کے جانشین محمد ظاہر شاہ اور وزیر اعظم افغانستان کو تعزیتی خطوط بھجواتے ہیں۔ محمد ظاہر شاہ کے نام علامہ کے مکتوب کا تذکرہ ان کے عنوان کے تحت کیا جائے گا البتہ نادر شاہ کی شہادت پر افغانستان کے وزیرِ اعظم کے نام علامہ کے تعزیتی مکتوب کا متن درج ذیل ہے:

میں نے اعلیٰ حضرت محمد نادر شاہ کے غدارانہ قتل کی خبر سے نہایت شدید رنج واندوہ محسوس کیا۔ اللہ تعالیٰ اعلیٰ حضرت شہید کی روح کو خلعتِ مغفرت عطا فرمائے۔ آپ نجات دہندۂ افغانستان اور زمانۂ حاضر کے جلیل ترین حکمرانوں میں سے تھے اور آپ کے انتقال کا نقصان تمام دنیائے اسلام میں محسوس کیا جائے گا۔ اعلیٰ حضرت شہید کی ذاتی شجاعت، ذاتی تقویٰ اور اسلام اور افغانستان سے محبت آئندہ نسلوں کے لیے بہت بڑی ہمت افزائی اور تحریک عمل کا باعث ہوگی۔ ازراہِ نوازش میری طرف سے دلی ہمدردی کا اظہار اعلیٰ حضرت محمد ظاہر شاہ، سردار شاہ محمود خان اور دیگر افرادِ خاندان شاہی کی خدمت میں پہنچادیجیے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ آپ کو اس صدمے میں صبر وثبات کی توفیق عطا فرمائے۔[۳۱]

۱۹۳۴ء میں جمال الدین احمد (بی اے آنرز) اور محمد عبدالعزیز نے افغانستان پر انگریزی زبان میں ایک کتاب لکھی۔ مقدمہ لکھنے کے لیے ان کی نگاہِ انتخاب علامہ اقبال پر پڑی۔ علامہ نے اس کتاب کا دیباچہ تحریر کیا۔ جس کے فارسی ترجمے کو بعد میں مجلّہ کابل نے اہتمام سے شائع کیا۔ اس میں بھی اعلیٰ حضرت محمد نادر شاہ غازی کا تذکرہ موجود ہے۔ علامہ لکھتے ہیں:

از من خواہش شد دوسہ سطری بہ عنوان مقدمہ در اطراف این کتاب گراں قیمت کہ راجع بہ افغانستان نگارش یافتہ بنوسیم این تکلیف را بنظر رضاو استحسان می نگرم زیرا سرور و علاقہ ام با افغانستان نہ تنہا از جہتی است کہ من افغانہارا دایما یک ملت غیور و دارای قوۂ خستہ گی ناپذیر در زندگی میدانم بلکہ شرفیای بحضور اعلیٰ حضرت شہید محمد نادر شاہ غازی آن پادشاہ صاحبِ شمشیر و تدبیر بیشتر مرا قانع نمودہ کہ نبوع او در پیکر ملت افغان روح تازہ دمید و چشم ملت را بمنظر عالم امروزہ باز نمودہ۔[۳۲]

ترجمہ: مجھ سے کہا گیا ہے کہ افغانستان پر اس نفیس کتاب کے پیشِ گفتار کے طور پر چند سطریں لکھ دوں۔ مجھے اس فرمائش کے پورا کرنے میں خوشی محسوس ہورہی ہے نہ صرف اس لیے کہ میں افغانوں کا ایک جفاکش اور سخت کوش جاندار قوم کی حیثیت سے احترام کرتا ہوں بلکہ اس لیے بھی کہ مرحوم نادر شاہ کو شخصی طور سے جاننے کی عزت بھی مجھے حاصل ہے۔ وہ مجاہد سیاست دان جسکی شخصیت نے اس کی قوم میں ایک نئی جان ڈال دی اور جدید دنیا کو سمجھنے کے لیے نئی نظر بخشی۔[۳۳]

علامہ سے نادر شاہ کے قریبی مراسم اور نادر شاہ سے اقبال کی عقیدت کا یہ عالم تھا کہ جاوید منزل میں علامہ کی خوابگاہ میں علامہ کے سرہانے اپنی بڑی سائز کی تصویر کے علاوہ دائیں جانب محمد نادر شاہ غازی اور بائیں جانب سر راس مسعود کے نسبتاً چھوٹے سائز کی تصاویر رکھی تھیں جو آج تک اسی حالت میں محفوظ ہیں۔

اعلیٰ حضرت نادر شاہ کے بعد افغانستان میں سیاسی حوالے سے علامہ کے قریبی مراسم ان کے جانشین المتوکل علی اللہ محمد ظاہر شاہ سے رہے تھے۔ اعلیٰ حضرت محمد ظاہر شاہ سے علامہ کی پہلی ملاقات اس وقت ہوئی جب اعلیٰ حضرت کی عمر ابھی صرف تقریباً دس سال ہی تھی۔ جولائی ۱۹۲۴ء میں جب اعلیٰ حضرت محمد نادر خاں پیرس جا رہے تھے اور لاہور میں ایک روز کا قیام کیا تھا علامہ نے ان سے ملاقات کی تھی اور اس ملاقات میں اعلیٰ حضرت محمد ظاہر شاہ اپنے والد کے ساتھ تھے۔ اس ملاقات کا تذکرہ علامہ کے ایک مکتوب بنام چودھری محمد حسین بابت ۱۶/ جولائی ۱۹۲۴ء میں موجود ہے:

جنرل نادر خاں صاحب نے لاہور میں ایک روز قیام کیا۔ وہ اردو بہت اچھی بولتے ہیں اور نہایت بے تکلف اور سادہ آدمی ہیں۔ کل شام میں نیڈو ہوٹل میں ان سے ملا۔ وہ خود ہی میرے مکان پر آنے والے تھے۔ چٹھی میرے نام کی لکھ کر بھیجنے والے تھے کہ میں خود وہاں جا پہنچا۔ ان کی دعوت چائے کی تھی اور مجھے بھی میزبان نے مدعو کیا تھا۔ نہایت اخلاص اور محبت سے ملے اور جب میں نے ان کی عسکری قابلیت کی تعریف کی تو کہا آپ نے جو کچھ لکھا ہے' دنیا کی کوئی توپ اور بندوق اس کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ ایک ایک لفظ ایک ایک بیٹری کا حکم رکھتا ہے۔ وہ پیرس میں سال یا دو سال رہیں گے۔ اپنے چھوٹے بچے کو بھی ساتھ لے جا رہے ہیں جس کی عمر تقریباً دس سال کی ہو گی......[۳۴]

جب اعلیٰ حضرت محمد نادر شاہ غازی افغانستان کے حکمران بنے اور اس دوران میں محمد ظاہر خان جب بھی ہندوستان کا سفر کرتے افغان سفارت خانہ میں ان کی آمد اور دیگر مصروفیات کا برقی تار دیگر محکمہ جات کے علاوہ حضرت علامہ کو بھی ارسال کیا جاتا۔ اس حوالے سے ملاحظہ ہو روزنامہ انقلاب لاہور کی چند خبریں:

محمد نادر شاہ غازی کے جگر بند کا نزول اجلال۔ والا حضرت شہزادہ محمد ظاہر خاں

افغان قونصل جنرل ہندوستان دہلی کی طرف سے ایک برقی پیغام موصول ہوا ہے کہ اعلیٰ حضرت محمد نادر شاہ غازی کے شہزادہ عالی قدر ہز ہائی نس محمد ظاہر خاں ۶/ اکتوبر کو (فرانس سے) بمبئی تشریف لا رہے ہیں۔ افغانستان تشریف لے جاتے ہوئے ہز ہائی نس جب دہلی سے روانہ ہوں تو آپ کو اطلاع دی جائے گی۔

اس مضمون کا ایک تار حضرت علامہ اقبال مدظلہ العالی کی خدمت میں بھی موصول ہوا ہے۔

(انقلاب، جلد ۵- نمبر ۹۷- پنجشنبہ۔ ۶/ اکتوبر ۱۹۳۰ء) [۳۵]

شہزادہ محمد ظاہر خاں کا بمبئی میں نزول اجلال۔ ۹/ اکتوبر کو لاہور سے گذریں گے

بمبئی۔ ۵/ اکتوبر۔ ہدایت اللہ خاں قونصل جنرل افغانستان متعینہ دہلی' حسب ذیل برقی پیغام ارسال فرماتے ہیں۔

ہز ہائی نس شہزادہ محمد ظاہر خاں فرزند ارجمند اعلیٰ حضرت شہریار محمد نادر شاہ غازی ۸/ اکتوبر کو فرنٹیئر میل میں بمبئی سے روانہ ہوں گے۔ شدت گرما کے باعث سیدھے پشاور تشریف لے جائیں گے اور ۹/ اکتوبر کو شام کے وقت لاہور میں نزولِ اجلال فرمائیں گے۔

اس مضمون کا ایک برقی پیغام علامہ سر محمد اقبال کی خدمت میں بھی موصول ہوا ہے۔

(انقلاب۔ جلد ۵- نمبر ۱۰۰- سہ شنبہ۔ ۷/ اکتوبر ۱۹۳۰ء)

والا حضرت شہزادہ محمد ظاہر خاں کی تشریف آوری

لاہور ریلوے اسٹیشن پر مسلمانوں کا ہجوم۔ اعلیٰ حضرت محمد نادر شاہ غازی زندہ باد کے نعرے

لاہور۔ ۹/ اکتوبر۔ آج ساڑھے نو بجے (شب) فرنٹیئر میل سے والا حضرت شہزادہ محمد ظاہر خاں اطال اللہ عمرہ، لاہور ریلوے اسٹیشن پہنچے۔ ہزارہا مسلمان آپ کی زیارت کے لیے دیوانہ وار ایک دوسرے پر گرے پڑتے تھے۔

خان سعادت علی خاں صاحب سکریٹری انجمن اسلامیہ پنجاب اور حضرت محمد اقبال مدظلہ تعالیٰ کی دعوت پر شہر کے متعدد اکابر بھی موجود تھے، جن میں خاں صاحب موصوف اور حضرت علامہ کے علاوہ چودھری دین محمد صاحب، چودھری فتح محمد صاحب، چودھری عبدالکریم صاحب، خاں بشیر حسین خاں صاحب، میر سردار حسین صاحب، حکیم سید ظفریاب علی صاحب، میاں محمد دین (حزب الاحناف)' سید عنایت علی شاہ صاحب، مولانا غلام مرشد، مولانا نجم الدین اور دیگر علمائے کرام، شہزادہ احمد علی درانی، شہزادہ صالح محمد

خاں، شہزادہ محمد یوسف جان، سردار عبدالرحمٰن محمد زائی اور دیگر شہزادگان و معززین خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

قونصل جنرل صاحب دہلی اور قونصل جنرل صاحب بمبئ منشی محمد فاضل صاحب اور دیگر حکام افغانی والا حضرت کے ہم رکاب تھے۔ مولانا سید حبیب نے شہزادہ صاحب اور ان کے رفقا کے لیے نہایت پُر تکلف کھانے کا انتظام کیا تھا۔

تمام معززین و احباب مخلصین نے شہزادہ صاحب کو پھولوں کے بے شمار ہار پہنائے اور مسلمانوں کے پے درپے نعروں سے اسٹیشن گونج اٹھا۔ والا حضرت نے حضرت علامہ اقبال، خان سعادت علی خاں، مولانا سالک، مولانا مہر، میر حبیب اللہ (صاحب زادہ حاجی شمس الدین صاحب) اور دیگر اصحاب سے نہایت پر تپاک ملاقات فرمائی اور آخر میں مولانا سالک سے ارشاد فرمایا کہ میری طرف سے سب مسلمانوں کی اس تکلیف فرمائی اور محبت کا شکریہ ادا کر دیجیے۔ چنانچہ مولانا سالک نے حکم کی تعمیل میں والا حضرت کی طرف سے مسلمانوں کا دلی شکریہ ادا کیا۔

والا حضرت نے عام مسلمانوں سے نہایت برادرانہ تپاک اور مخلصانہ گرم جوشی سے مصافحہ کیا اور چند ہی لمحے میں ہر شخص کو اپنے اخلاق عالیہ کا گرویدہ بنالیا۔ اللہ تعالیٰ والا حضرت کو صاحب عمر و اقبال کرے اور ان کی ذات کو افغانستان اور عالم اسلام کے لیے باعث برکات بنائے۔

(نامہ نگار)

(انقلاب۔ جلد ۵-نمبر ۱۰۴-شنبہ۔ ۱۱/اکتوبر ۱۹۳۰ء)

مثنوی مسافر میں اعلیٰ حضرت محمد ظاہر شاہ کو "پادشاہِ اسلام" کا خطاب دیا گیا ہے اور ان کے نام ایک طویل فارسی نظم موجود ہے۔[۳۶]

نومبر ۱۹۳۳ء میں اعلیٰ حضرت محمد نادر شاہ غازی کی شہادت سے اقبال انتہائی رنجیدہ ہوئے تھے۔ اعلیٰ حضرت محمد ظاہر شاہ کے نام اپنے ایک تعزیتی مکتوب میں شہید موصوف سے اپنے تعلق اور محمد ظاہر شاہ سے اظہارِ ہمدردی یوں کرتے ہیں:

۱۵/نومبر ۱۹۳۳ء

اعلیٰ حضرت محمد نادر شاہ کے قتل کی خبر سے مجھے ذاتی حیثیت سے بے حد صدمہ پہنچا ہے۔ اعلیٰ حضرت شہید کی خدمت میں گذشتہ کئی سال سے مجھے نیاز حاصل تھا اور میں ان کی شفقت اور

محبت کو کبھی فراموش نہیں کر سکتا۔ اللہ تعالیٰ شہید کی روح کو اعلیٰ علیین میں جگہ دے اور آپ کے لیے اس جلیل القدر شہید کی یاد موجبِ رہنمائی ہو اور اللہ تعالیٰ آپ کو افغانستان کی خدمت کے لیے مدتِ دراز تک زندہ رکھے۔ ملتِ افغانی نے اتفاق آرا سے آپ کے حضور میں اطاعت کر کے جس دانشمندی اور جذباتِ تشکر کا ثبوت دیا ہے اس کی تحسین میں ساری دنیا ہم زبان و ہم آہنگ رہے گی۔[۳۷]

اور اقبال کی یہ دعا قبول ہوئی اور الحمدللہ آج تک اعلیٰ حضرت محمد ظاہر شاہ نے افغانستان کی خدمت کے لیے دراز عمر پائی ہے۔ موصوف نے اپنے والد کی شہادت پر حضرت علامہ کے تعزیتی مکتوب کا جواب یوں ارسال کیا:

کابل ۲۳ر نومبر

از اظہار تعزیت و تالم شابہ نسبت شہادت دردناک اعلیٰ حضرت محبوب افغانستان محمد نادر شاہ غازی متشکرم۔

محمد ظاہر خان[۳۸]

علامہ کے نام اعلیٰ حضرت کے اس تار کی خبر کو روزنامہ انقلاب نے مکمل کوریج دی ہے۔

اعلیٰ حضرت محمد ظاہر شاہ خلد اللہ ملکہ و سلطنتہ کا تار۔

حضرت علامہ اقبال کے پیغام تعزیت کا جواب

حضرت علامہ اقبال کے برقیۂ تعزیت کے جواب میں اعلیٰ حضرت محمد ظاہر شاہ خلد اللہ ملکہ و سلطنتہ' نے مندرجہ ذیل تار بزبان فارسی بھیجا ہے:

(فارسی ورژن اوپر درج کیا گیا)

اردو ترجمہ ذیل ہے:

آپ نے اعلیٰ حضرت غازی محمد نادر شاہ محبوب افغانستان کی شہادت پر جو اظہار رنج و افسوس کیا ہے، اس کے لیے ہم آپ کے شکر گزار ہیں۔

(انقلاب، جلد ۸- نمبر ۱۶۵- چہار شنبہ۔ ۱۵ر نومبر ۱۹۳۰ء)

شہریار افغانستان اور صدر اعظم کے تار۔ حضرت علامہ اقبال کے نام

حضرت علامہ اقبال کے نام اعلیٰ حضرت محمد ظاہر شاہ کا جو تار اشاعتِ دیروزہ میں شائع ہو چکا ہے' وہ پرائیوٹ تھا، مندرجہ ذیل تار "دارالتحریر شاہی کابل" کی طرف سے موصول ہوا ہے، جسے اعلیٰ حضرت کا سرکاری جواب سمجھنا چاہیے۔

"اعلیٰ حضرت ہمایوئی از ہمدردی و تعزیت شما بہ نسبت شہادت مونسہ اعلیٰ حضرت محمد نادر شاہ غازی و حسن عقیدت تاں بہ نسبت جلوس شاہانہ شاں ممنونیت و قدردانی فرمودند۔"

ترجمہ: اعلیٰ حضرت ہمایونی اس ہمدردی و تعزیت پر جو آپ نے اعلیٰ حضرت محمد نادر شاہ غازی کی الم انگیز شہادت پر ظاہر کی ہے اور اس حسن عقیدت پر جس کا اظہار آپ نے جلوس شاہانہ پر فرمایا ہے، ممنون ہیں اور قدر کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔

صدر اعظم کا تار

صدر اعظم والا حضرت ہاشم خاں کا جواب درج ذیل ہے:

از اظہاراتِ تعزیت و ہمدردی صمیمانہ شما نسبت بہ شہادت بادشاہ نامدار و محبوب افغانستان ذات شاہانہ و خدام و وزیر صاحب حربیہ و تمامی فیملی شاہی تشکر و قدردانی می نماید۔

ترجمہ: آپ نے افغانستان کے نام دار و محبوب بادشاہ کی شہادت پر تعزیت و ہمدردی کے جن مخلصانہ جذبات کا اظہار کیا ہے، ان کے لیے اعلیٰ حضرت بادشاہ سلامت، خدام حضور، وزیر صاحب حربیہ (شاہ محمود خاں) وسارا خاندان شاہی تشکر و قدردانی کا اظہار کرتا ہے۔

صدر اعظم صاحب کا تار کابل سے آیا ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کابل پہنچ چکے ہیں۔

(انقلاب، جلد ۸- نمبر ۱۶۶- پنجشنبہ ۱۶/ نومبر ۱۹۳۳ء)[۳۹]

مئی ۱۹۳۵ء میں علامہ کی رفیقۂ حیات کی وفات پر اعلیٰ حضرت محمد ظاہر شاہ کی ہمدردی و تعزیت کا مکتوب بھی حصۂ تاریخ بن چکا ہے۔ ہندوستان میں مملکتِ افغانستان کے قونصل خانہ کے قونصل سردار صلاح الدین سلجوقی کو ہدایت کی کہ وہ بذاتِ خود علامہ کے پاس جا کر ان کو میری طرف سے تعزیتی پیغام پہنچائے۔

علامہ ۱۵/ جون ۱۹۳۵ء کے ایک مکتوب میں سید راس مسعود سے اس تعزیتی تار کا تذکرہ یوں کرتے ہیں:

کل اعلیٰ حضرت ظاہر شاہ کا تار اور تعزیتی خط آیا تھا۔ اور آج سردار صلاح الدین سلجوقی اعلیٰ حضرت کا زبانی پیغام لائے ہیں۔ بہت حوصلہ افزا اور دل خوش کن پیغام ہے۔[۴۰]

۲۱/ اپریل ۱۹۳۸ء کو علامہ کی وفات پر ۲۴/ اپریل ہی کو سردار محمد ہاشم خاں صدر اعظم افغانستان کا تعزیتی تار روزنامہ انقلاب لاہور کے مدیر کو ارسال ہوتا ہے:

لاہور ۲۴/ اپریل: عالی قدر جلالت مآب حضرت افخم سردار محمد ہاشم خاں صدر اعظم افغانستان نے مدیر روزنامہ انقلاب کے نام حسب ذیل تار ارسال فرمایا ہے:

علامہ اقبال کے انتقال سے متعلق آپ کا تار موصول ہوا، جس سے بے حد صدمہ ہوا۔ مرحوم کے پسماندوں سے میری طرف سے ہمدردی اور افسوس کا اظہار کیجیے اور انھیں تسلی دیجیے۔ مغفور کے فرزند ارجمند کے نام علیحدہ تار بھی ارسال کیا گیا ہے۔

(انقلاب، جلد ۱۳- نمبر ۳ - سہ شنبہ ۲۶/ اپریل ۱۹۳۸ء۔ ہفتہ وار ایڈیشن)[۴۱]

اس کے بعد اعلیٰ حضرت محمد ظاہر شاہ نے اپنی تعزیت کا اظہار کیا۔

ہندوستان کے مایہ ناز فرزند حکیم مشرق علامہ اقبال کی وفات حسرت آیات کی اطلاع اعلیٰ حضرت تک پہنچائی گئی تھی۔ اعلیٰ حضرت نے اس خبر کو سن کر بے حد تالم و تاسف کا اظہار کیا۔[۴۲]

(انقلاب، جلد ۱۳- نمبر ۴۲ سہ شنبہ۔ ۳/ مئی ۱۹۳۸ ء۔ ہفتہ وار ایڈیشن)

اس کے بعد اعلیٰ حضرت محمد ظاہر شاہ نے اپنی تعزیت کا اظہار کیا:

لاہور یکم/ مئی: عالی قدر جلالت مآب محمد نوروز خاں سر منشی اعلیٰ حضرت ہمایونی افغانستان نے کابل سے مدیر انقلاب کے نام حسب ذیل تار ارسال کیا ہے۔

(مندرجہ بالا)

(انقلاب، جلد ۱۳- نمبر ۴۲ سہ شنبہ۔ ۳/ مئی ۱۹۳۸ ء۔ ہفتہ وار ایڈیشن)[۴۳]

۱۹۶۷ء میں اقبال کونسل کراچی کے زیرِ اہتمام یومِ اقبال کے سلسلے میں منعقدہ سیمینار کے لیے اعلیٰ حضرت محمد ظاہر شاہ نے خصوصی پیغام ارسال کیا تھا جو سیمینار میں پڑھ کر سنایا گیا:

On the occasion of the Iqbal day celebration I wish to express my own and that of the Afghan Nation

appreciation of the personality of Iqbal Lahori who was an admirer of Maulana Jalal-ud-Din Balkhi Roomi and Syed Jamal-ud-Din Afghani.
Iqbal during his life time carried on a struggle for the awakening of the nation of the east and the Muslims.
The Muslims of the world him as one of the wise leaders of Islam and a man of graceful personality.
Allama Iqbal loved Afghanistan and its people and as such he will eternally live in the memory and hearts of the people of this country.
They consider themselves as participants in the meeting commemorating the memory of Allama Iqbal and pray for his soul.

Muhammad Zahir Shah
The King of Afghanistan[۴۴]

اعلیٰ حضرت محمد نادر شاہ غازی کے بھائی سر دار شاہ ولی خان نے جب سقوی انقلاب کے خلاف لڑتے ہوئے کابل کو فتح کیا تو انھیں فاتح کابل کے خطاب سے نوازا گیا۔ دسمبر ۱۹۲۹ء کو جب وہ بمبئی سے لاہور تشریف لائے تو اقبال کی اپیل پر بے شمار لوگوں نے ان کا والہانہ استقبال کیا۔ ہز ہائی نس شاہ ولی خان کی لاہور آمد اور حضرت علامہ کے رول کی مکمل کوریج روزنامہ انقلاب میں ملاحظہ ہو:

ڈاکٹر اقبال کا تار ہز ہائی نس شاہ ولی خان کے نام

"ازراہ نوازش تار کے ذریعے اطلاع دیجیے کہ آپ کس وقت لاہور پہنچیں گے۔ انجمن ہلال احمر کی طرف سے دعوت چائے قبول کر کے ہمیں مفتخر و ممتاز فرمایئے۔

ہز ہائی نس کے سکریٹری کا جواب

پشاور شہر۔ "آپ کا پیغام برقی موصول ہوا۔ سر دار شاہ ولی خاں لاہور میں قیام نہیں فرمائیں گے اس لیے آپ ریلوے اسٹیشن لاہور پر تشریف لا کر سر دار صاحب کو ممنون و مسرور فرمایئے۔ پشاور سے جمعہ کے دن پونے آٹھ بجے روانہ ہونگے۔

(ذوالفقار)

(انقلاب، جلد ۴-نمبر ۱۴۶-شنبہ ۷/ دسمبر ۱۹۲۹ء)

فاتح کابل لاہور میں

آج بروز جمعہ شام کے ۸ بجے بمبئی میل پر فاتح کابل ہزہائی نس سردار شاہ ولی خاں لاہور تشریف لائیں گے۔ مسلمانان لاہور کا فرض ہے کہ اسٹیشن پر سردار موصوف کا خیر مقدم کریں۔ خطیب حضرات سے درخواست ہے کہ نماز جمعہ کے بعد مساجد میں اس امر کا اعلان کریں۔

(سکریٹری افغانستان ہلال احمر کمیٹی)

(انقلاب، جلد ۴۔ نمبر ۱۴۶۔ شنبہ۔ ۷/ دسمبر ۱۹۲۹ء)

ہزہائی نس سردار شاہ ولی خاں کا ورود لاہور۔ اسٹیشن پر مشتاقان زیارت کا ہجوم۔

"ہم افغانستان کو آزاد دیکھنا چاہتے ہیں۔ خواہ اس میں ہمیں کتنی قربانیاں کرنی پڑیں۔"

لاہور۔ ۶/ دسمبر آج ۸ بج کر ۱۰ منٹ پر ہزہائی نس سردار شاہ ولی خاں فاتح کابل و سفیر افغانی متعینہ لندن، بمبئی میل میں لاہور پہنچے۔ گاڑی کے آنے سے پہلے ہی اسٹیشن پر مشتاقان زیارت کا جم غفیر پہنچ گیا تھا اور پلیٹ فارم کھچا کھچ بھرا ہوا تھا۔ سرکردہ اصحاب میں سے علامہ سر محمد اقبال، حاجی شمس الدین، مولوی نجف علی معلم' امان اللہ خاں، سردار گل محمد خاں، شہزادہ صالح محمد خاں، شہزادہ محمد یوسف جان، مولانا اسمٰعیل غزنوی، شہزادہ احمد علی خان درانی، مولانا غلام رسول مہر، مولانا عبدالمجید سالک، سید عنایت شاہ، آقائے مرتضیٰ احمد خاں وغیرہ بے شمار حضرات موجود تھے۔ گاڑی کے آنے پر تمام لوگ قطار بنا کر کھڑے ہو گئے اور جونہی گاڑی پلیٹ فارم میں داخل ہوئی' لوگوں نے پائندہ باد استقلال افغانستان، زندہ باد نادر شاہ غازی، زندہ باد سردار شاہ ولی خاں کے پُرجوش نعروں سے گاڑی کا استقبال کیا۔ گاڑی کھڑی ہوئی تو مشتاقان زیارت اس ڈبے کی طرف لپکے جس میں ہزہائی نس شاہ ولی خاں سوار تھے......

شہزادہ اسد اللہ خاں کی عیادت سے فارغ ہونے کے بعد سردار ممدوح پھر اسٹیشن پر واپس تشریف لائے۔ ان کے آنے سے پہلے ہی علامہ سر محمد اقبال، حاجی میر شمس الدین، سردار گل محمد خاں، ہزاکسی لینسی احمد علی خاں، ضیا ہمایوں، ڈاکٹر محمد یعقوب، مولوی نورالحق، سید حبیب اور چند دیگر حضرات ان کی گاڑی میں جا بیٹھے۔ واپسی پر سردار ممدوح نے سب کے ساتھ معانقہ کیا اور نہایت گرمجوشی کے ساتھ ملے۔ مولانا غلام رسول مہر اور عبدالمجید

سالک نے بھی شرف ملاقات حاصل کیا۔ سردار ممدوح نے انھیں اعلیٰ حضرت محمد نادر شاہ غازی، سردار محمد ہاشم خاں اور سردار محمود جان کی طرف سے پیغامات محبت دیے.....

(انقلاب، جلد ۴-نمبر ۱۴۷-یکشنبہ۔ ۸/دسمبر ۱۹۲۹ء۔ سنڈے ایڈیشن) [۴۵]

سیاسی شخصیات کے علاوہ افغانستان کی ادبی شخصیات سے بھی علامہ کے گہرے ذاتی مراسم تھے۔ اس سلسلے میں ڈاکٹر محمد ریاض مرحوم لکھتے ہیں:

(افغانستان) کے فضلا کے ساتھ اقبال کے ذاتی مراسم بھی خاص اہمیت کے حامل رہے ہیں۔ ڈاکٹر صلاح الدین سلجوقی اور سرور خان گویآ ان کے خاص احباب میں شامل تھے۔ اور ان دونوں مرحومین کا سارا افغانستان ارادت مند اور معتقد رہا۔ اس کے علاوہ افغانستان کے سفر (اکتوبر، نومبر ۱۹۳۳ء) کے دوران اقبال نے متعدد افغانی فضلا ادبا کو اپنے افکار اور تصانیف سے روشناس کروادیا تھا۔[۴۶]

جناب صلاح الدین سلجوقی کا نام اقبال کے کئی مکتوبات میں مذکور ہے۔ افغان قونصل خانے میں اقبال کا قیام سلجوقی سے قریبی مراسم کا آئینہ دار ہے۔ ان زعما کے علاوہ عبدالحیٔ حبیبی، سید قاسم رشتیا، استاد خلیل اللہ خلیلی وغیرہ سے علامہ کے ذاتی مراسم تھے جو ان تمام حضرات کے سوانحی تذکروں کے تحت شاملِ تحقیق ہیں۔

یہاں اس امر کی وضاحت ضروری ہے کہ عبدالہادی داویؔ اور سرور خان گویآ کا شمار افغانستان میں اقبال شناسی کے بانیوں میں ہوتا ہے۔ لیکن سرور خان گویآ نے ایران میں بھی اقبال شناسی کے سلسلے میں نہایت اہم اور بنیادی کردار ادا کیا ہے۔ گویا کی اقبال شناسی پر تو اس کے سوانحی تذکرے میں تحقیق کی گئی ہے۔ یہاں صرف ایران میں اقبال شناسی کے حوالے سے ان کے کردار کی نشاندہی کرنی ہے جس کا اعتراف خود ایران کی معروف علمی شخصیت سید محمد محیط طباطبائی نے کیا ہے:

اقبال کی تصانیف چہار گانہ یعنی اسرارِ خودی، رموزِ بے خودی، زبورِ عجم و پیامِ مشرق کی ایران میں موجودگی اور اقبال کی فارسی شاعری اور ان کی شخصیت کے بارے میں داعی الاسلام مرحوم کے مقالے کے باوجود اقبال ہنوز ایران کے علمی و ادبی حلقوں میں زیادہ معروف نہ تھے۔ ایک رات رسالہ ''مہر'' کے دفتر میں جہاں ایران کے مشہور و معروف

شاعر و ادیب جمع تھے مشہور افغانی شاعر سرور خان گویاؔ مرحوم نے جو جشنِ فردوس میں شرکت کی غرض سے تہران آئے ہوئے تھے اقبال کا ذکر چھیڑ دیا۔ مرحوم کے استفسار کے جواب میں ملک الشعرا بہار مرحوم نے اقبال کی صرف ایک تصنیف کی طرف اشارہ کیا جس کے حسن کتابت نے شاعر کے کلام کی معنوی خوبیوں پر پردہ ڈال رکھا تھا۔ ایک اور شخص جس نے مسلمانانِ ہند کے قومی شاعر اور روحانی پیشوا اور ''راحۃ الصدور راوندی'' کے ناشر ڈاکٹر محمد اقبال کو ایک ہی آدمی سمجھ رکھا تھا۔ ''راحۃ الصدور'' کے حسن طباعت کا ذکر چھیڑ دیا۔ ان جوابات نے گویاؔ مرحوم کی آتش امید پر پانی چھڑک دیا۔ جہاں تک مجھے یاد ہے اس ادبی نشست میں صرف ایک ہی شخص تھا جسے اس پاکستانی شاعر کے فارسی کلام سے ایک گونہ تعلق خاطر تھا اور ایرانیوں کی اقبال سے اس بے اعتنائی پر افغان شاعر کی آزردہ خاطری سے وہی ایک شخص متاثر ہوا اور محفل برخاست ہونے کے بعد اس کو دلاسہ دیا کہ ایران کے کونوں کھدروں میں کچھ لوگ موجود ہیں جو کلام اقبال سے عقیدت رکھتے ہیں۔[۴۷]

ایرانی اس لیے بھی اقبال سے پوری طرح واقف نہیں تھے کہ ان کے خیال میں اقبال ایک افغانی شاعر تھے۔ استاد محترم ڈاکٹر محمد صدیق شبلی لکھتے ہیں:

ایرانیوں نے سب سے پہلے اقبال کی چند نظمیں افغانی مجلات سے اپنے رسائل میں نقل کر کے شائع کیں اور وہ اقبال کو افغانی شاعر ہی سمجھتے رہے۔[۴۸]

اس حقیقت کا اظہار ڈاکٹر سلیم اختر نے بھی کیا ہے:

افغانستان کے ایک شاعر سرور خان گویاؔ نے علامہ سے خصوصی اثرات قبول کیے چنانچہ ان ہی کی زبانی سید محیط طباطبائی نے ذکرِ اقبال سنا۔ لطیفہ یہ ہے کہ کافی عرصہ تک علامہ اقبال کو افغانستان کا شاعر سمجھا جاتا رہا۔ افغانستان میں چند ادبی مجلات تھے (جن میں کابل سرفہرست ہے) ان میں علامہ اقبال کا کلام چھپتا رہا۔ شاید اس لیے ۱۹۳۸ء میں علامہ کے انتقال کی خبر کے ساتھ ان کا جو ایک فارسی قطعہ شائع ہوا وہ مجلّہ کابل سے لیا گیا تھا۔[۴۹]

مشہور ایرانی ادیب سید محیط طباطبائی نے سرور خان گویاؔ ہی کی روایت سے اپنے رسالے عقیدہ دینی فردوسی کے ترجمے کا ذکر کیا ہے جو بقول ان کے علامہ نے اردو میں کیا تھا۔ اقتباس یوں ہے:

البتہ معاصر افغان شاعر ادیب سرور خان گویا کے ذریعے جس نے اقبال کو افغانستان میں نزدیک سے دیکھا تھا ہم ان سے ان کے اوصاف حمیدہ اور افکار کے بارے میں پوچھتے رہے اور جناب گویاؔ کی گفتگو سے معلومات افزا مسرت ملتی رہی۔ ۱۹۳۴ء کے موسم سرما میں، میں نے سرور خان گویاؔ صاحب سے سنا کہ اقبال نے راقم الحروف کے رسالۂ عقیدہ دینی فردوسی کو اردو میں ترجمہ کیا اور ایک مقدمہ لکھ کر اسے لاہور سے شائع کر دیا ہے مگر اب مجھے ترجمہ شدہ کتاب نہ ملی کہ اس کے بارے میں عرض کرتا۔[۵۰]

علامہ کے آثار میں اس سے پہلے کہیں بھی اس ترجمے کا ذکر نہیں ہے۔

علامہ اقبال کا سفر افغانستان

حضرت علامہ نے اگرچہ باقاعدہ طور پر سفر افغانستان اکتوبر ۱۹۳۳ء میں کیا لیکن اعلیٰ حضرت جنرل محمد نادر شاہ غازی سے دیرینہ تعلقات اور افغانستان سے قلبی و روحانی تعلق و عقیدت کی بنیاد پر بہت پہلے اس پروگرام کے بارے میں سوچتے رہے۔ اس شدید خواہش کا اظہار ان کے ایک مکتوب بنام مولوی صالح محمد محررہ ۴؍اگست ۱۹۳۰ء میں ملتا ہے:

...... کابل جانے کا امکاں ہے جشنِ استقلال وسطِ اگست میں ہے لیکن وسطِ اگست میں، میں آل انڈیا مسلم لیگ کی صدارت کے لیے لکھنو جارہا ہوں اگر اس موقع پر کابل نہ جاسکا تو کسی اور موقع پر ان شاءاللہ ضرور جاؤں گا۔[۵۱]

علامہ کی افغانستان روانگی سے قبل کئی مکتوبات میں اس سفر سے متعلق تذکرہ موجود ہے۔ مشہور ایرانی سکالر سعید نفیسی کے نام ایک مکتوب محررہ ۴؍نومبر ۱۹۳۲ء میں لکھتے ہیں:

یہ پڑھ کر کہ پیامِ مشرق اور زبورِ عجم آپ کو پسند آئی ہیں اور ان کی فارسی بھی معیاری ہے مجھے فخر محسوس ہوا ہے جس طرح ایران کے دانشمند نیاز مند کے دیدار کے خواہش مند ہیں۔ اس طرح مجھے بھی ان سے ملنے اور ایران پہنچنے کی آرزو ہے لیکن کمزوری اور پریشانی سدِّ راہ ہے تھوڑے عرصے بعد افغانستان کا سفر درپیش ہے۔ آرزو ہے کہ ایران کو بھی دیکھوں اور آپ کا دیدار بھی خدا نصیب کرے۔[۵۲]

چنانچہ علامہ جب اعلیٰ حضرت محمد نادر شاہ غازی کی جانب سے افغانستان آنے کا باقاعدہ دعوت نامہ وصول کرتے ہیں تو اس کا ذکر یوں کرتے ہیں:

از حضور او مرا فرماں رسید — آنکہ جانِ تازہ در خاکم دمید
"سوختیم از گرمیٔ آوازِ تو — اے خوش آں قومے کہ داند رازِ تو
از غمِ تو ملتِ ما آشناست — می شناسیم ایں نواہا از کجاست
اے بآغوشِ سحابِ ما چو برق — روشن و تابندہ از نورِ تو شرق
یک زمان در کوہسارِ ما درخش — عشق را باز آں تب و تابے بہ بخش
تا کجا در بندہا باشی اسیر — تو کلیمی راہِ سینائے بگیر!"
طے نمودم باغ و راغ و دشت و در — چوں صبا بگذشتم از کوہ و کمر[۵۳]

پنجشنبہ۔ ۱۲/ اکتوبر ۱۹۳۳ء لاہور کے روزنامہ انقلاب میں حضرت علامہ کی سفر افغانستان کی دعوت نامہ سے متعلق خبر:

کابل میں اعلیٰ تعلیم کے لیے یونیورسٹی کے قیام کی ضرورت

علامہ اقبال، سر سید راس مسعود اور سید سلیمان ندوی کو دعوت

افغانستان کے بادشاہ اعلیٰ حضرت نادر شاہ غازی نے حضرت علامہ سر محمد اقبال، ڈاکٹر سر سید راس مسعود وائس چانسلر مسلم یونیورسٹی علی گڑھ اور علامہ سید سلیمان ندوی اعظم گڑھ کو کابل کا دورہ کرنے کی دعوت دی ہے۔ ان کے دورے کا مقصد یہ ہو گا کہ وہ وزیر تعلیم افغانستان کو کابل میں مجوزہ یونی ورسٹی کے قیام کے سلسلے میں مدد دیں اور انھیں اپنے مشوروں سے نوازیں۔ افغانستان میں اعلیٰ تعلیم کا انتظام نہ ہونے کے برابر ہے۔ چند ثانوی اسکول موجود ہیں، جن میں اساتذہ طلبہ کو فرانسیسی، انگریزی، جرمن اور امریکی یونیورسٹیوں کے لیے تیار کیا جاتا ہے۔ موجودہ حکومت افغانستان کابل میں یونیورسٹی کے قیام پر غور کر رہی ہے، لیکن دشواری یہ ہے کہ اس یونی ورسٹی مین مذہبی تعلیم اور موجودہ سائنس کی تعلیم دینے پر قدامت پسند علما کی جانب سے شدید مخالفت کی جا رہی ہے۔

(انقلاب، جلد ۸- نمبر ۱۳۷- پنجشنبہ۔ ۱۲/ اکتوبر ۱۹۳۳ء)[۵۴]

علامہ نے اس سفر کے اپنے ہمرکاب مولانا سید سلیمان ندوی کو سفر سے متعلق کئی مکتوبات لکھے موضوع کی مناسبت سے ان مکتوبات کا یہاں اندراج ناگزیر ہے:

۱- لاہور

۱۰ر ستمبر ۱۹۳۳ء

مخدومی جناب مولانا السلام علیکم

ایک عریضہ پہلے ارسال کر چکا ہوں اس کے جواب کا انتظار ہے۔ اس عریضے میں یہ دریافت کرنا بھول گیا کہ ملا محب اللہ بہاری کی کتاب جوہر الفرد کہاں سے ملے گی؟

شاہِ افغانستان آپ سے تعلیمِ مذہبی کے بارے میں مشورہ چاہتے ہیں شاید اسی ماہ ستمبر میں آپ کو کابل سے دعوت آئے۔ میں یہ معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ کیا آپ جانے کے لیے تیار ہوں گے؟ ممکن ہے کہ سید راس مسعود اور اقبال بھی آپ کے ہمراہ ہوں۔ امید ہے کہ مزاج بخیر ہو گا۔

جواب کا انتظار ہے۔

محمد اقبال، لاہور[۵۵]

۲- لاہور

۱۷ر ستمبر ۱۹۳۳ء

مخدومی السلام علیکم

آپ کا والا نامہ ابھی ملا ہے جو ہم نے قونصل جنرل صاحب کی خدمت میں بھیج دیا ہے۔ سید راس مسعود صاحب کی طرف سے ابھی تک جواب نہیں ہوا ہے........... والسلام

مخلص محمد اقبال[۵۶]

۳- لاہور ۵ر اکتوبر ۱۹۳۳ء

"دولت نامہ جو قونصل کی طرف سے مجھے موصول ہوا ہے ارسال خدمت ہے۔ تاریخ روانگی کے متعلق بعد میں عرض کر دوں گا کیونکہ پاسپورٹ لینے کے لیے کچھ دن لگیں گے۔ آج قونصل صاحب کو مزید تفصیلات کے لیے درخواست کر دیں۔ اس میں اگر یہ لکھ دیا جائے کہ آپ کو شاہ افغانستان نے تعلیمی امور میں مشورہ کرنے کے لیے طلب فرمایا ہے تو پاسپورٹ حاصل ہونے میں سہولت ہو اور جلد مل جائے گا۔[۵۷]

۴- لاہور

۹؍اکتوبر ۱۹۳۲ء

جناب مولانا السلام علیکم

میں نے آپ کی خدمت میں دعوت نامۂ افغانستان ارسال کیا تھا مگر آپ کی طرف سے کوئی جواب موصول نہیں ہوا۔ امید ہے کہ آپ نے پاسپورٹ کے لیے اپنے ضلع میں درخواست دائر کر دی ہو گی۔ اگر کوئی ملازم آپ کے ہمراہ ہو جائے تو اس کے لیے علیٰحدہ درخواست پاسپورٹ کے لیے دینی ہو گی۔ جب آپ کو پاسپورٹ مل جائے تو مہربانی کر کے مجھے بذریعہ تار مطلع فرمائیے۔ پاسپورٹ کی درخواست ایک خاص فارم پر دی جاتی ہے ساتھ فوٹو بھی دینا پڑتا ہے اگر کوئی اور امر دریافت طلب ہو تو قونصل جنرل افغانستان ۳- ہیلی روڈ نیو دہلی سے دریافت کریں۔ آپ کے مصارف افغان گورنمنٹ ادا کرے گی۔ پشاور سے آپ شاہی مہمان ہوں گے۔

جواب جلد دیں۔

والسلام

مخلص محمد اقبال، لاہور[۵۸]

۵- لاہور

۱۱؍اکتوبر ۱۹۳۳ء

پاسپورٹ مل جائے تو فوراً مجھے تار دے تاکہ تاریخِ روانگی مقرر کی جائے۔ سردی کے موسم کے لیے موزوں بستر اور پہننے کے لیے کپڑے ساتھ لے جانے چاہئیں۔ پشاور سے آپ شاہی مہمان ہوں گے وہاں آٹھ دس روز سے زیادہ ٹھہرنے کی شاید ضرورت نہ ہو گی۔[۵۹]

۶- لاہور

۱۳؍اکتوبر ۱۹۳۳ء

سید راس مسعود اصرار کرتے ہیں کہ لاہور سے ۲۰؍اکتوبر کی صبح چل کر شام کو پشاور پہنچیں۔ رات پھر وہاں ٹھہر کر ۲۱ کی صبح کو کابل روانہ ہو جائیں۔ آپ ایسا انتظام کریں کہ یا تو ۲۰ کی صبح یا ۱۹ کی شام کو لاہور پہنچ جائیں۔ یہ بھی ممکن ہے کہ آپ اور ہم ۲۱ کی صبح کو پشاور میں مل جائیں۔[۶۰]

۷- ۱۴/ اکتوبر ۱۹۳۳ء

اگر آپ کو پاسپورٹ ۱۷ کو مل جائے تو قونصل جنرل کو بذریعہ تار مطلع کر دیں اور لاہور ۱۹ کی شام کو پہنچ جائیں۔[۶۱]

علامہ کے اس مکتوب بنام سید سلیمان ندوی بابت ۱۴/ اکتوبر ۱۹۳۳ء کے مشمولات اقبال، افغان اور افغانستان میں یوں آئے ہیں:

اس سے پہلے ایک کارڈ آپ کی خدمت میں لکھ چکا ہوں اور ایک ملفوف خط بھی لکھ چکا ہوں۔ پاسپورٹ ۱۹/ اکتوبر سے ہم سب کو مل جائیں گے۔ اب فیصلہ یہ ہے کہ ہم ۲۰/ اکتوبر کو لاہور سے صبح کی ٹرین سے پشاور کو روانہ ہوں۔ جلدی اس واسطے ہے کہ نومبر میں وہاں سردی ہو جاتی ہے۔ سید راس مسعود ۱۹ کی شام کو لاہور پہنچ جائیں گے۔ آپ بھی مہربانی فرما کر ۱۹ کی شام کو لاہور پہنچ جائیے یا ۲۰ کی صبح کو ایسے وقت پہنچیے کہ آپ ہمارے ساتھ ۲۰ کی صبح کی میل ٹرین میں سوار ہو سکیں۔ قونصل خانے سے جو آدمی ہمارے ہمراہ جائے گا' وہ بھی لاہور ہی سے ساتھ ہو گا۔ زیادہ کیا عرض کروں۔ جب ملاقات ہو گی تو مفصل عرض کروں گا۔ اس انتظام کے لیے قونصل جنرل صاحب کو اطلاع دے دی ہے۔[۶۲]

۸- مخدومی جناب مولانا السلام علیکم

دعوت نامہ جو قونصل صاحب کی طرف سے مجھے موصول ہوا ہے ارسالِ خدمت ہے۔ تاریخ روانگی کے متعلق بعد میں عرض کروں گا۔ کیونکہ پاسپورٹ لینے کے لیے ابھی کچھ دن لگیں گے امید ہے کہ مزاج بخیر ہو گا۔

آج قونصل صاحب کو مزید تفصیلات کے لیے خط لکھ رہا ہوں اُن کا جواب آنے پر پھر خط لکھوں گا۔ آپ پاسپورٹ کے لیے درخواست کر دیں اس میں اگر یہ لکھ دیا جائے کہ آپ کو شاہِ افغانستان نے تعلیمی امور میں مشورے کے لیے طلب فرمایا ہے تو پاسپورٹ حاصل ہونے میں سہولت ہو اور جلد مل جائے۔

والسلام

مخلص محمد اقبال، لاہور[۶۳]

۱۵/ اکتوبر ۱۹۳۳ء

۹- ۱۸/ اکتوبر ۱۹۳۳ء

سید راس مسعود اور میں ۲۰ کی صبح کو لاہور سے روانہ ہوں گے۔ ڈین ہوٹل میں رات بسر ہو گی۔ اگر آپ ۲۱ کی صبح تک بھی پشاور پہنچ سکیں تو خوب ہے۔[۶۴]

اس مکتوب کا مفصل متن یوں ہے:

"آپ کا تار کل ملا' جس سے معلوم ہوا کہ ۱۷/اکتوبر تک آپ کو پاسپورٹ نہیں مل سکا۔ ممکن ہے ۱۸ یا ۱۹ تک مل جائے۔ ہم یعنی سید راس مسعود اور میں ۲۰ کی صبح کو لاہور سے روانہ ہوں گے۔ تمام انتظامات مکمل ہو چکے ہیں۔ اگر آپ ۲۱ کی صبح تک پشاور پہنچ سکیں تو خوب ہے۔ ڈین ہوٹل میں رات بسر ہو گی۔ یہ ہوٹل پشاور چھاؤنی کے سٹیشن سے بالکل قریب ہے۔ آپ وہیں کے پتے پر ہم کو تار دے دیں۔ ہم آپ کی گاڑی کا انتظار کریں گے اور سٹیشن پر آپ کے لیے آدمی بھیج دیا جائے گا۔ آپ کی معیت سے ہم سب مستفید ہوں گے۔"[۶۵]

سفر افغانستان سے متعلق علامہ کے مکتوبات میں علامہ کے ایک اور ہمرکاب سر راس مسعود کے نام بھی علامہ کا ایک مکتوب محفوظ ہے:

مکتوب اقبال بنام سر راس مسعود (بابت ستمبر ۱۹۳۳ء)

"افغانی قنصل سے جو دعوت نامہ ابھی ابھی ملا ہے' وہ روانہ کر رہا ہوں۔ میں نے ایم۔ سلیمان ندوی کو تاریخ وغیرہ کی بابت لکھا ہے۔ میں جاننا چاہتا ہوں کہ آپ کے لیے کونسی تاریخ مناسب رہے گی' لیکن پاسپورٹ مل جانے کے بعد ہی تاریخ کا تعین کیا جائے گا۔ قنصل کو پاسپورٹ کے بارے میں تحقیقات کے لیے لکھ رہا ہوں۔

میرا خیال ہے کہ ہمیں پاسپورٹ کے لیے برٹش حکام کو (ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ) درخواست دینا ہو گی۔ قنصل کا ایک نمائندہ ہمارے ساتھ ہو گا۔"[۶۶]

۱۹/اکتوبر کو پروفیسر حافظ محمود خان شیرانی کے نام ایک اور مکتوب میں بھی سفر افغانستان کا تذکرہ ہے:

میں کل کابل جا رہا ہوں اس واسطے فرصت نہیں ہے۔ آپ مہربانی کر کے اس خط کا جواب راقم کو دے دیں۔ ان کو یہ بھی لکھ دیں کہ میں کابل جا رہا ہوں۔ اس واسطے خود جواب نہ لکھ سکا۔[۶۷]

چنانچہ ۱۹/اکتوبر ہی کو علامہ کا سفر افغانستان سے متعلق درج ذیل اخباری بیان شائع ہوا:

تعلیم یافتہ افغانستان ہندوستان کا بہترین دوست ہو گا کابل میں ایک نئی یونیورسٹی کا قیام اور ہندوستان کے شمال مغربی علاقہ میں اسلامیہ کالج پشاور کو ایک دوسری یونیورسٹی میں تبدیل

کرنے کی سکیم ہندوستان اور افغانستان کے درمیانی علاقہ میں بسنے والے ہوشیار افغان قبیلوں کو سدھارنے میں بہت زیادہ ممد ثابت ہو گی۔

شاہ افغانستان نے ہمیں اس لیے دعوت دی تھی کہ ہم وہاں وزیرِ تعلیم کو کابل میں یونیورسٹی کے قیام کے سلسلے میں مشورہ دیں۔ اعلیٰ حضرت کی دعوت کو قبول کرنا ہم نے اپنا فرض سمجھا۔ کابل سے شائع ہونے والے مختلف جرائد سے معلوم ہوتا ہے کہ وہاں کا نوجوان طبقہ نئے علوم کی تحصیل اور انھیں اپنے مذہب اور تمدن کے سانچے میں ڈھالنے کا بے حد خواہش مند ہے۔ افغان لوگ بہت خلیق ہوتے ہیں اور ہندوستانی ہونے کی حیثیت سے ہمارا یہ فرض ہے کہ ہم ان کی زیادہ سے زیادہ امداد کریں۔ اب یہ امر بالکل واضح ہے کہ افغان لوگوں میں ایک نئی بیداری پیدا ہو رہی ہے اور ہمیں اُمید واثق ہے کہ ہندوستان کے اندر تعلیمی تجربہ کی روشنی میں ہم انھیں تعلیمی مسائل میں مفید مشورہ دے سکیں گے۔ میرا اپنا خیال ہے کہ خالص دنیوی تعلیم سے اچھے نتائج پیدا نہیں ہوئے اور خصوصاً اسلامی ممالک میں مزید برآں کسی طریقہ تعلیم کو قطعی اور آخری نہیں کہا جاسکتا ہر ملک کی ضروریات مختلف ہوتی ہیں اور کسی ملک کو تعلیمی مسائل کے متعلق فیصلہ کرنے میں اس ملک کی خصوصی ضروریات کو خاص طور پر مدِ نظر رکھنا پڑتا ہے۔[۶۸]

جمعہ ۲۰/ اکتوبر ۱۹۳۳ء روزنامہ انقلاب لاہور

لاہور۔۱۸/ اکتوبر۔ حضرت علامہ اقبال نے کابل روانہ ہونے سے قبل اپنے دورے کے بارے میں مندرجہ ذیل بیان دیا ہے:

کابل میں یونیورسٹی اور علامہ اقبال

میری رائے میں یہی مناسب ہے کہ عازمِ افغانستان ہوتے وقت ایک نہایت ہی مختصر بیان دیا جائے اور اپنے اہلِ ملک کو افغانستان کی ہمسایہ حکومت کے متعلق بالکل مجمل طور پر کچھ بتا دیا جائے۔ اعلیٰ حضرت نادر شاہ غازی نے ہمیں تعلیمی معاملات میں وزیر تعلیم کی رہنمائی اور کابل میں مجوزہ یونی ورسٹی کے قیام کے متعلق دعوت دی ہے۔ ہم اس دعوت کی قبولیت کو اپنا فرض تصور کرتے ہیں۔ کابل کی متعدد مطبوعات اور خاص کر ماہوار رسالہ کابل کے مضامین سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ افغانستان کا نوجوان طبقہ علومِ حاضرہ کے حصول اور ان کی اپنے مذہب و کلچر کے ساتھ مطابقت کے لیے بے حد آرزو مند ہے۔ افغان ایک دل چسپ

قوم ہے اور ایک ہندوستانی کی حیثیت سے ہمارا یہ فرض ہے کہ ہم بقدر استطاعت ان کی ہر ممکن امداد کریں۔

اس قوم میں ایک جدید احساس کے ارتقاو احیا کی علامات بالکل نمایاں طور پر نظر آرہی ہیں اور ہم توقع کرتے ہیں کہ ہم اپنے ہندوستانی تجربات کی روشنی میں ان کی رہنمائی کر سکیں گے۔ ذاتی طور پر میری یہ رائے ہے کہ تعلیم کو مکمل طور پر دنیوی بنادینے سے کسی جگہ بھی کوئی خاص فائدہ نہیں ہوا اور اسلامی ممالک کی تو بالخصوص یہی کیفیت ہے کہ وہاں تعلیم کا کوئی خاص سسٹم بھی موجود نہیں۔ ہر ملک کی ضروریات جداگانہ ہیں' لہٰذا ان کے تعلیمی مسائل پر بھی ان ضروریات کی روشنی میں بحث کی جانی چاہیے۔ کابل میں ایک جدید یونی ورسٹی کے قیام اور اسلامیہ کالج پشاور کو ایک یونی ورسٹی بنادینے سے افغانستان اور ہندوستان کی سرحدوں کے درمیان ذکی اور ذہین افغان آبادی کو بے انتہا فائدہ پہنچنے کی توقع ہے۔

(انقلاب، جلد ۸- نمبر ۱۴۳- جمعہ ۲۰/ اکتوبر ۱۹۳۳ء) [۶۹]

یہاں یہ توضیح ضروری ہے جس کو محمد اکرام چغتائی نے قلم زد کیا ہے۔ یہ بیان *Speeches, Writings and Statements of Iqbal*, edited by L. A. Sherwani, p. 238 میں موجود ہے۔ اس کے انگریزی متن اور اردو ترجمے میں اختلاف ہے۔ یہاں کی ترتیب بھی مختلف ہے۔ انقلاب میں مکمل بیان ترجمہ ہو کر شائع ہوا جب کہ انگریزی اخبارات میں کچھ تبدیلی کے ساتھ شائع ہوا تھا۔ [۷۰]

علامہ ۲۰/ اکتوبر کو لاہور سے پشاور روانہ ہوئے علامہ کے ساتھ پروفیسر ہادی حسن (جو نواب محسن الملک کے بھتیجے تھے، انھوں نے لندن یونیورسٹی سے فارسی میں ڈاکٹریٹ کی تھی۔ اس زمانے میں آپ علی گڑھ یونی ورسٹی کے شعبہ فارسی سے وابستہ تھے)۔ سر راس مسعود کے ہمراہ بیرسٹر غلام رسول خاں (جو ۱۹۰۹ء میں امیر حبیب اللہ خاں کے دور میں چند سال افغانستان کے شعبہ تعلیمات میں رہ چکے تھے) تھے۔

ڈاکٹر اقبال کی روانگی کابل

لاہور۔ ۲۰/ اکتوبر۔ آج صبح فرنٹیر میل سے ڈاکٹر سر محمد اقبال اور سید راس مسعود لاہور سے بعزم کابل پشاور روانہ ہو گئے۔ سر محمد اقبال، سید راس مسعود اور سید سلیمان ندوی کو شاہ

افغانستان نے کابل کی مجوزہ یونیورسٹی سے متعلق مشورہ کرنے کی غرض سے مدعو کیا ہے۔ یہ صاحبان غالباً دو ہفتے تک افغانستان میں قیام کریں گے۔

(انقلاب، جلد ۸- نمبر ۱۳۵- یکشنبہ۔ ۲۲/ اکتوبر ۱۹۳۳ء)

یہ لوگ اس شام پشاور پہنچے۔ (سید سلیمان ندوی اس وقت ساتھ نہ تھے کیونکہ انھیں حکومت ہند کی طرف سے پاسپورٹ ملنے میں دیر ہوگئی تھی اس لیے وہ ۲۳/ اکتوبر ۱۹۳۳ء لکھنو سے پشاور کے لیے روانہ ہوئے اور ۲۵/ اکتوبر ۱۹۳۳ء کو کابل پہنچے)

اسی شام سر صاحبزادہ عبدالقیوم خاں، علامہ اقبال اور ڈاکٹر راس مسعود کو پشاور میں دعوت چائے دی۔ اس دعوت چائے کا ذکر انقلاب اخبار کے علاوہ کہیں بھی نہیں ہے:

علامہ اقبال اور ڈاکٹر راس مسعود

پشاور میں دعوت چائے

پشاور۔ ۲۱/ اکتوبر۔ لاہور سے فرنٹیر میل سے روانہ ہو کر علامہ سر ڈاکٹر محمد اقبال، سید راس مسعود اور ان کے رفقا کابل جانے کے لیے کل شام پشاور پہنچے اور صاحبزادہ سر عبدالقیوم وزیر صوبہ سرحد کے دولت کدہ پر قیام فرما ہوئے۔ اسلامیہ کالج پشاور میں مدوحین کو دعوت چائے دی جا رہی ہے۔ یہ حضرات کابل یونی ورسٹی کے سلسلے میں مدعو کیے گئے ہیں۔ غالباً وہ دو ہفتے وہاں قیام کریں گے۔

(انقلاب، جلد ۸- نمبر ۱۴۲- سہ شنبہ۔ ۲۴/ اکتوبر ۱۹۳۳ء)[۷۱]

ڈین ہوٹل پشاور میں رات بسر کرنے کے بعد علامہ ۲۱/ اکتوبر کی صبح حکومت افغانستان کی طرف سے فراہم کردہ خصوصی موٹر کار میں پشاور سے کابل کے لیے روانہ ہوئے۔ پشاور سے نکل کر درہ خیبر سے گزرے۔ بقول مولانا سید ابوالحسن علی ندوی مرحوم:

وہ جب درہ خیبر سے گزرتے ہیں تو یہاں سے گزرنے والے مردانِ حق اور تاریخ کے صد ہزار افسانے یاد آ جاتے ہیں۔ وہ بے سبزہ کوہساروں کو دیکھ کر خوش ہوتے ہیں۔ کہ ان کے سینوں سے رنگ و بو کی نزاکت نہیں آتی۔ جہاں کا مور بھی شاہی مزاج اور آہو شیر ان شکار ہوتا ہے۔ لیکن لامرکزیت نے ان بہادروں کو آشفتہ روز اور بے نظام و ناتمام و نیم سوز بنا دیا ہے اور ان کے پتھروں سے خود ان کے مینائے وجود ہی کو خطرہ لاحق ہے۔[۷۲]

یہاں سے گزرتے ہوئے علامہ کی خیبر سے متعلق تخلیقات مثنوی مسافر میں شائع ہوئی ہیں۔ رات جلال آباد میں بسر کی اگلے روز ۲۲/اکتوبر ۱۹۳۳ء کو جلال آباد سے روانہ ہو کر شام کو کابل پہنچے۔ ابھی کابل آٹھ میل دور تھا کہ حکومتِ افغانستان کے ایک وزیر احمد شاہ خان نے وفد کی پذیرائی کی اور انھیں شاہی مہمان کی حیثیت سے دارالامان میں رکھا گیا۔[۷۳]

شہر کابل خطۂ جنت نظیر	آبِ حیواں از رگِ تاکش بگیر!
چشمِ صائبؔ از سوادش سرمہ چیں	روشن و پائندہ باد آں سرزمین
در ظلامِ شب سمن زارش نگر	بر بساطِ سبزہ می غلطد سحر!
آں دیارِ خوش سواد آں پاک بوم	بادِ او خوشتر ز بادِ شام و روم
آبِ او براق و خاکش تابناک	زندہ از موج نسیمش مردہ خاک
ناید اندر حرف و صوت اسرارِ او	آفتاباں خفتہ در کہسارِ او
ساکنانش سیر چشم و خوش گہر	مثلِ تیغ از جوہرِ خود بے خبر!
قصرِ سلطانی کہ نامش دلکشاست	زائران را گردِ راہش کیمیاست[۷۴]

علامہ کی کابل آمد اور وہاں ان کے پرجوش استقبال کی خبریں ہندوستانی اخبارات کی زینت بنیں۔ ملاحظہ ہو روزنامہ انقلاب لاہور کی خبر:

علامہ اقبال اور سید راس مسعود کابل میں وزارتوں کی طرف سے شاندار استقبال

کابل (بذریعہ ڈاک) کل شام حضرت اقبال، ڈاکٹر سید راس مسعود، پروفیسر ہادی حسن مسلم یونی ورسٹی علی گڑھ اور غلام رسول بیرسٹر ایٹ لا کابل تشریف لائے۔ بگرام میں وزارت تعلیم' وزارت خارجہ اور کابل کارپوریشن کے نمائندوں نے آپ حضرات کا خیر مقدم کیا۔ ان لوگوں کے ساتھ چائے پینے کے بعد مہمانان گرامی شاہی مہمان خانہ "دارالامان" تشریف لے گئے۔ بوائے اسکاوٹس نے افغان کالجیٹ اتھلیٹک ایسوسی ایشن کلب کے باہر چمن حضوری کے سامنے مہمانوں کو گارڈ آف آنر کی سلامی دی۔

آج کابل کارپوریشن اہالیانِ شہر کی طرف سے آپ حضرات کا استقبال کرے گی۔ جس یونیورسٹی کمیشن نے مدعو کیا ہے، اس کا اجلاس ۲۴/اکتوبر سے شروع ہو گیا۔

(انقلاب، جلد ۸-نمبر ۱۵۵-پنجشنبہ۔ ۳/نومبر ۱۹۳۳ء)[۷۵]

۲۴/ اکتوبر تا ۲۶/ اکتوبر ۱۹۳۳ء کابل میں علامہ اور ان کے ہمسفروں کے ساتھ تعلیمی مشاورت کے لیے چند اجلاس ہوئے جس میں حکومتِ افغانستان کے بعض سر کردہ افراد نے شرکت کی۔ ان اجلاسوں میں کارروائی سر راس مسعود نے نوٹ کی۔ ان میں سے ایک اجلاس کی خبر روزنامہ انقلاب لاہور نے شائع کی ہے:

افغانستان میں ترقی تعلیم کے لیے مساعی جمیلہ

حضرت علامہ اقبال اور رسید راس مسعود کابل میں۔ تعلیمی امور کے تصفیہ کے لیے کانفرنس کابل ۲۴/ اکتوبر۔ "سول اینڈ ملٹری گزٹ" کے نامہ نگار کی وساطت سے معلوم ہوا ہے کہ حضرت علامہ اقبال، سر راس مسعود، سردار فیض محمد خان اور افغانستان کے بورڈ آف ایجوکیشن کے دیگر ارکان کے درمیان پانچ گھنٹے تک افغانستان میں تعلیم کے موضوع سے متعلق کانفرنس ہوتی رہی۔ کل پھر اجلاس ہوگا، جس میں یونی ورسٹی کی تعلیم کے متعلق بحث ہوگی۔ حضرت علامہ اقبال اور سید راس مسعود مقامی اداروں کا معائنہ بھی فرمائیں گے۔ کل وزیر اعظم افغانستان کے ساتھ کھانا کھائیں گے۔ اعلیٰ حضرت نادر شاہ پنج شنبہ کو مہمانوں سے ملیں گے۔
(انقلاب، جلد ۸- نمبر ۱۵۰- شنبہ۔ ۲۸/ اکتوبر ۱۹۳۰ء) [۷۶]

نیز علامہ اور راس مسعود کی ملاقات ۲۶/ اکتوبر ۱۹۳۳ء کو نادر شاہ سے بھی ہوئی۔ اس ملاقات میں علامہ کے مطابق عصر کی نماز انھوں نے نادر شاہ کی اقتدا میں پڑھی۔ بقولِ علامہ:

وقتِ عصر آمد صدائے الصلوٰت
آں کہ مومن را کند پاک از جہات
انتہائے عاشقانِ سوز و گداز
کردم اندر اقتدائے او نماز [۷۷]

جبکہ ڈاکٹر ظہورالدین اسے مغرب کا وقت قرار دیتے ہوئے تحریر کرتے ہیں:

پہلی ملاقات میں مغرب کی نماز کے موقع پر نادر شاہ نے اقبال سے امامت کی درخواست کی۔ اقبال نے کہا نادر! میں نے اپنی عمر کسی شاہِ عادل کی اقتدا میں نماز پڑھنے کی تمنا میں گزار دی ہے۔ اب جب کہ خدا نے فقیر کی اس مراد کو پورا کرنے کے اسباب مہیا کر دیے ہیں تو کیا تو

مجھے اس نعمت سے محروم کرنا چاہتا ہے! آج میں تیری اقتدا میں نماز پڑھوں گا۔ امامت تجھ کو کرنی ہو گی۔[۷۸]

اکرام اللہ شاہد نے علامہ کے سفر افغانستان سے متعلق کچھ نئی تحقیقات کیں جن میں روزنامہ مشرق پشاور یکم/ فروری ۱۹۷۷ء کے حوالے سے افغانستان کے ایک صحافی مقبول احمد کا ایک مضمون کا حوالہ ہے جو لکھتے ہیں:

راقم الحروف اس وقت کابل میں تھا اور اسے حضرت علامہ کے اس دورے میں کئی دفعہ شرفِ ملاقات بھی حاصل ہوا۔ علامہ اقبال نے کابل پہنچنے کے بعد ملتِ افغانیہ کے نام ایک پیغام روزنامہ اصلاح میں شائع کرایا تھا۔ جو ایک قطعہ تک محدود تھا لیکن وہ ادبی لحاظ سے بہت سی صفات کا مجموعہ تھا۔ کابل کے شعرا اور ادبا اس سے بڑے متاثر ہوئے تھے۔ میں اس وقت اصلاح ہی میں کام کرتا تھا۔ میں نے اپنے حافظے پر دباؤ ڈالا مگر افسوس یہ قطعہ میری یاد سے محو ہو چکا ہے اور میں اسے پیش کرنے سے قاصر ہوں۔[۷۹]

علامہ کے دورانِ سفر افغانوں کے ساتھ گفتگو کی زبان کا مسئلہ بھی مقبول احمد نے حل کیا ہے۔ اس لیے کہ علامہ فارسی روانی سے نہیں بول سکتے تھے اور پشتو جانتے نہیں تھے جبکہ افغانوں کے عمومی طبقے میں انگریزی تک رسائی بہت محدود تھی لہٰذا جناب مقبول احمد تحریر کرتے ہیں:

کابل میں بہت سے وفدوں نے حضرت علامہ سے ملاقات کی تھی جن میں اساتذہ، تجار، علما، شعرا، ادبا اور صحافیوں کے وفود شامل تھے۔ شاعروں، ادیبوں اور صحافیوں کے وفد میں انجمن ادبی کے ارکان مجلّہ کابل (انجمن ادبی کا ماہوار رسالہ) کے رکن روزنامہ اصلاح ہفتہ وار انیس پانزدہ روزہ اقتصاد، جمیعت العلما کے ہفتہ وار اخبار حی علی الفلاح کے ایڈیٹر اور کارکن صحافی شامل تھے۔ یہ وفد کوئی پینیتیس چالیس ارکان پر مشتمل تھا۔ وفد کے ارکان فارسی میں اظہار خیال کرتے تھے۔ اور علامہ اقبال سر راس مسعود اور غلام رسول بیرسٹر انگریزی میں جواب دے رہے تھے۔ ترجمانی کے فرائض راقم الحروف ادا کر رہا تھا۔ تبادلہ خیال کے دوران سرور خان گویاؔ، سرور جویا اور مستغنی نے علامہ اقبال کو مخاطب کر کے کہا "آپ فارسی نثر ہی میں نہیں بلکہ فارسی نظم میں بھی ید طولیٰ رکھتے ہیں۔ ہم آپ کی خداداد

ذہانت اور قابلیت کے معترف ہیں۔ طویل عرصے سے ہماری دلی خواہش تھی کہ آپ سے ہم کلام ہونے کی سعادت حاصل کریں۔ اگر بے ادبی پر محمول نہ ہو تو ہمیں یہ سوال کرنے کی اجازت دیں کہ آپ اتنی علمی و ادبی استطاعت رکھنے کے باوجود فارسی میں ہمارے سوالوں کا جواب کیوں نہیں دیتے اور انگریزی بولنے کا تکلف کیوں روا رکھتے ہیں؟ حضرت علامہ نے قہقہہ لگایا اور کہا میں فارسی لکھ سکتا ہوں مگر روانی کے ساتھ بول نہیں سکتا لہٰذا میں نے یہی مناسب سمجھا کہ میں انگریزی میں جواب دیتا رہوں۔ اس جگہ یہ ذکر کرنا نہایت ضروری معلوم ہوتا ہے کہ راقم الحروف علامہ اقبال کی انگریزی ہی کا ترجمہ کر رہا تھا۔ وفد کے ارکان فارسی میں جو کچھ کہہ رہے تھے علامہ اقبال اسے بخوبی سمجھ رہے تھے۔[۸۰]

ملاقات میں علامہ نے جنرل نادر خان کو خود قرآنِ کریم کا ایک نسخہ پیش کیا:

در حضور آں مسلمان کریم　　ہدیہ آوردم ز قرآن کریم
گفتم ایں سرمایۂ اہلِ حق است　　در ضمیر او حیاتِ مطلق است
اندر و ہر ابتدا را انتہاست　　حیدر از نیروے او خیبر کشاست[۸۱]

اس نسخے کی عطائیگی پر جنرل نادر خان نے علامہ کا شکریہ ادا کرتے ہوئے کہا۔ خود علامہ سے سنئے:

کوہ و دشت از اضطرابم بے خبر　　از غمانِ بے حسابم بے خبر
نالہ با بانگِ ہزار آمیختم　　اشک با جوئے بہار آمیختم
غیر قرآن آں غمگسارِ من نہ بود　　قوتش ہر باب را بر من کشود"[۸۲]

اس لمحے کی روداد کو صاحبِ مکالماتِ اقبال نے یوں محفوظ کیا ہے:

علامہ: اہلِ حق کی یہی دولت و ثروت ہے اس کی بدولت باطن میں حیات مطلق کے چشمے بہتے ہیں یہ ہر ابتدا کی انتہا اور ہر آغاز کی تکمیل ہے۔ اسی کی بدولت مومن خیبر شکن بنتا ہے میرے کلام میں تاثیر اور میرے دل کا سوز و گداز سب اسی کا فیضان ہے۔

نادر شاہ: جب میں جلاوطن تھا اور کوہ و صحرا میں غم زدہ وقت کاٹ رہا تھا جب میرے پاس زندگی کے وسائل کی کمی تھی اور مادی طاقت کا فقدان تھا جب کوئی ساتھی اور غم خوار نہ تھا تو یہی کتاب میری رفیق اور رہنما اور ہمدرد و غمگسار تھی۔[۸۳]

اعلیٰ حضرت نادر شاہ سے اقبال کئی مرتبہ ملے تھے۔ اغلب ہے کہ اقبال نے قرآن کریم کا نسخہ پہلی ملاقات میں پیش کیا ہو گا جو ۲۶/ اکتوبر کو قصر دلکشا میں ہوئی تھی۔[۸۴]

سید سلیمان ندوی کو پاسپورٹ دیر سے ملا۔ چنانچہ وہ ۲۴/ اکتوبر کو پشاور، ۲۵/ اکتوبر کو جلال آباد اور ۲۶/ اکتوبر ۱۹۳۳ء کو کابل پہنچے۔ ندوی صاحب کو پروٹوکول آفیسر جناب سرور خان گویاؔ نے خوش آمدید کہا اور انھیں حلقہ یاراں میں شامل کیا۔ اس رات مہمانوں کے اعزاز میں صدر اعظم سردار محمد ہاشم خان نے ضیافت کا اہتمام کیا۔ سید سلیمان ندوی لکھتے ہیں:

اس رات نو بجے شب کو سردار ہاشم خان صدرِ اعظم کے ہاں مہمانوں کی دعوت تھی ان کا ٹیلیفون آیا کہ "نووارد مہمان" بھی شریکِ دعوت ہوں اور لوگ تیار ہو چکے تھے اس لیے تاخیر کے خیال سے میں بھی اسی حالت میں بلا تبدیل لباس ساتھ ہو گیا۔ ہم لوگ دو موٹروں میں روانہ ہوئے۔ ایک میں ڈاکٹر اقبال، میں اور سرور خان گویاؔ اور دوسرے میں سر راس مسعود، پروفیسر ہادی اور غلام رسول خان۔ تھوڑی دیر میں صدرِ اعظم صاحب کے محل تک پہنچے۔ محل میں ہر جگہ بجلی کی روشنی تھی۔ جگہ جگہ سپاہیوں کے پہرے تھے۔ ایک دروازہ پر پہنچ کر اُترے۔ دوسرے مہمان سب پہنچ چکے تھے۔ سب سے آخر میں ہم لوگ پہنچے تھے۔ محل میں ہر چیز یورپین طریق و قاعدہ سے تھی۔ ایک گیلری سے ہو کر اندر وسیع دالان میں پہنچے۔ سب سے تعارف و ملاقات ہوئی۔[۸۵]

سردار ہاشم سے مہمانوں کا تعارف سردار فیض محمد خان وزیرِ خارجہ نے کرایا۔ اس کے بعد سردار ہاشم خان مہمانوں کو لے کر کھانے کے کمرے میں گئے۔ کھانا میزوں پر تھا اور ہر چیز پورے طریقے کے مطابق آراستہ تھی۔ کھانا کھلانے کا طریقہ اور ملازمین کا سلیقہ ہر چیز یورپ کے تمدن جدید کے مطابق تھی۔[۸۶] سردار فیض محمد خان وزیرِ خارجہ افغانستان کے بارے میں پتا چلا کہ انھوں نے علامہ کے اردو کلام کے بعض حصوں کا منظوم فارسی ترجمہ بھی کیا ہے۔ اس بات کا انکشاف پروفیسر خاطر غزنوی نے کیا جن کے ساتھ میں نے ۲۹/ اپریل ۲۰۰۳ء کو صبح ساڑھے گیارہ بجے پشاور یونیورسٹی کے شعبۂ اردو کے سربراہ ڈاکٹر صابر کلوروی کے دفتر میں انٹرویو کیا تھا۔ یہ نمونے خاطر غزنوی کے پاس محفوظ ہیں۔[۸۷]

کھانے کے میز پر تبادلۂ خیال شروع ہوا۔ سید سلیمان ندویؔ نے افغانستان میں اشاعت اسلام کے بارے میں گفتگو کی۔ راس مسعود نے اپنے سفر جاپان کے پُر لطف تاثرات وواقعات بیان کیے اور علامہ نے فلسفہ وسیاست کے بعض نکات آسان اور دوستانہ انداز میں واضح کیے۔[۸۸]

جمعہ ۲۷/ اکتوبر ۱۹۳۳ء

بادشاہ شہر کی مختلف مسجدوں میں باری باری جمعہ کی نماز ادا کرتے تھے۔ اس روز شہر کی سب سے بڑی مسجد ''پل خشتی'' میں نماز پڑھنے والے تھے۔ علامہ اپنے ساتھیوں کے ساتھ نماز ادا کرنے مسجد پل خشتی گئے۔ مسجد میں بادشاہ کے لیے مقصورہ بنا ہوا تھا۔ مہمانوں کو بھی مقصورہ میں جگہ دی گئی۔ نمازِ جمعہ سے واپسی پر علامہ اور سید صاحب کے ساتھ ایک ذمہ دار شخص بھی تھے۔ ان سے چینی ترکستان کے واقعات کی نسبت گفتگو ہوتی رہی۔ علامہ نے دوران گفتگو فرمایا:

یورپ نے اپنی اس نئی ترقی میں سارازور بحری طاقت پر صرف کیا۔ اور ہر قسم کی تجارتی آمد و رفت اور سیر وسیاحت کے راستے دریائی رکھے اور اپنے انھی جہازوں کے ذریعے سے مشرق کو مغرب سے ملا دیا۔ لیکن اب یہ نظر آرہا ہے کہ ان بحری راستوں کی یہ حیثیت جلد فنا ہو جائے گی۔ لیکن آئندہ مشرق وسطیٰ کا راستہ مشرق و مغرب کو ملائے گا۔ اور تری کی بجائے خشکی کا راستہ اہمیت حاصل کرے گا۔ تجارتی قافلے اب موٹروں، لاریوں، ہوائی جہازوں اور ریلوں کے ذریعے مشرق و مغرب میں آئیں جائیں گے۔ اور چونکہ یہ پورا راستہ اسلامی ملکوں سے ہو کر گزرے گا۔ اس لیے اس انقلاب سے ان اسلامی ملکوں میں عظیم الشان اقتصادی و سیاسی انقلاب رونما ہو گا۔[۸۹]

سید سلیمان ندویؔ علامہ کے اس نظریئے کو بالکل درست تسلیم کرتے ہوئے ثبوت بھی فراہم کرتے ہیں:

پشاور سے کابل کو، چمن سے قندھار کو، کابل سے مزار شریف اور ہرات کو قندھار سے ہرات کو موٹریں اور لاریاں چل رہی ہیں۔ اُدھر راستہ یا بخارا ہو کر یا ایران ہو کر طے کیجیے۔ پہلے مشرق وسطیٰ کے لوگ خشکی کی راہ سے حج کو جاتے تھے اکبر کے زمانہ سے ہندوستان کی بندرگاہوں سے جانے لگے۔ اور انگریزوں کے عہد میں افغانستان اور ترکستان بلکہ اکثر مشرقی ملکوں کے مسلمان ہندوستان ہو کر بحری راستہ سے مکہ معظمہ جانے لگے۔ اگر خشکی کا

راستہ ذرا درست ہو جائے۔ تو یقین کیجیے کہ ان حاجیوں کو پھر بدستور سابق خشکی کا راستہ پسند آنے لگے گا۔ اور پھر افغانستان یا بلوچستان ہو کر ایران، ایران سے عراق، عراق سے نجد اور نجد سے حجاز کا راستہ کھل جائے گا۔ یہی وہ راستہ تھا جو خلفا اور شاہانِ اسلام کے زمانے میں مستعمل تھا۔[۹۰]

اس دن چین ترکستان کے وفد سے ملاقات کے بعد علامہ اور ان کے ساتھیوں نے ''دارالامان''میں سردار فیض محمد خان، اللہ نواز خان اور سرور خان گویاؔ کے ساتھ کھانا کھایا۔ اس روز شام کو علامہ نورالمشائخ سے ملاقات کرنے کے لیے سید سلیمان ندویؔ کے ساتھ ان کی قیام گاہ پر تشریف لے گئے۔ علامہ ان سے پہلے لاہور میں بھی مل چکے تھے۔ برصغیر کے حالات اور افغانستان میں بچہ سقہ حبیب اللہ کلکانی کے دورِ حکومت پر بحث ہوتی رہی۔

اس روز شام کو افغانستان میں مقیم برصغیر کے باشندوں نے اپنے ہم وطن دانشوروں کے اکرام میں کھانے کا انتظام کیا۔ اللہ نواز خان کے ہاں دعوت کا اہتمام تھا۔ مدعوئین میں سردار فیض محمد خان وزیرِ خارجہ، مولانا سیف الرحمان، مولانا محمد میاں منصور انصاری (مؤلف علمائے ہند کا شاندار ماضی) و سیکرٹری جمعیت علمائے ہند اور مولانا محمد شبیر (صدر جماعت مجاہدین جن کا مرکز سمرقند تھا) نمایاں تھے۔[۹۱]

سردار محمد ہاشم خان صدرِ اعظم افغانستان ملاقات کے لیے اُن کی قیام گاہ آئے دیر تک گفتگو ہوتی رہی۔ راس مسعود نے ملک میں معدنیات کی ترقی اور سڑکوں کی تعمیر پر زور دیا۔ جبکہ سردار صاحب نے ترقیاتی پروگراموں پر روشنی ڈالی۔ مہمانوں کے ساتھ کھانا کھا کر تین بجے رخصت ہوئے۔ چار بجے شام وزیرِ جنگ شاہ محمود خان کے ہاں چائے کی دعوت تھی جس میں چیدہ افراد نے شرکت کی۔ سات بجے تک اسی دعوت میں وقت گزرا اور افغانستان کے حالات پر گفتگو ہوتی رہی۔ ساڑھے سات بجے شب انجمن ادبی کابل کی طرف سے دعوتِ شب (ڈنر) طے تھی۔ کابل ہوٹل میں انجمن سے منسلک ادیب جمع ہوئے۔[۹۲]

انجمن ادبی کابل کی اس ضیافت پر تفصیلی تحقیق ''افغانستان میں اقبال شناسی کا ارتقا'' کے باب میں شامل ہے۔

اتوار ۲۹ / اکتوبر ۱۹۳۳ء:

سردار احمد خان وزیرِ دربار کی دعوت پر شام تین بجے پغمان جانے کا پروگرام تھا۔ علامہ کو نادر شاہ سے آخری ملاقات بھی کرنا تھا۔ اس لیے پغمان جانے کا پروگرام ملتوی کر دیا۔ وہ شام کو وزیرِ خارجہ سردار فیض محمد خان کے ساتھ شاہ سے ملنے اُن کی رہائش گاہ "دلکشا" گئے۔ رات مختلف حضرات ملاقات کی غرض سے آئے۔ مولوی محمد بشیر صاحب صدر جمعیت مجاہدین، مولانا محمد میاں، منشی میر شمس الدین (سابق ناظم انجمن حمایت اسلام لاہور) ان میں ممتاز تھے۔[۹۳]

جبکہ علامہ کے ہمرکاب علامہ کی ان مختلف مصروفیات کا فائدہ اٹھاتے ہوئے کابل کے مختلف مقامات کی سیر کے لیے گئے، جن میں مکتب صنائع نفیسہ، سرکاری موٹر خانہ، ہوائی اڈہ، بالا حصار کا مکتب حربی، صحابیوں کے مزارات، دارالعلوم عربی، جدید مدارس اور سرکاری مطبع عمومی وغیرہ شامل ہیں۔[۹۴]

آج کے پروگرام میں ایک خاص پروگرام مزارِ بابر پر حاضری تھی۔

بابر مغل بادشاہوں میں اس لحاظ سے ایک منفرد شخصیت کا ملک تھا کہ رزم و بزم دونوں میں گہری دلچسپی لیتا تھا۔ رزم میں خار شگافی سے کام لیتا تھا اور جب بزم میں آتا تھا تو زندگی کی ایک ایک رگ کو خوشیوں سے بھر دیتا تھا۔ یہاں فضا کا تقاضا یہ تھا کہ علامہ عقید تمندانہ سنجیدگی کے دائرے سے باہر نکل کر سراسر خوشی کا مظاہرہ کریں۔ اور اس کے لیے بہترین طریقہ غزل گوئی کو سمجھا جا سکتا ہے چنانچہ علامہ ایک ایسی غزل سناتے ہیں جو بلند آہنگ بھی ہے اور جس کے ایک ایک لفظ میں اندرونی جوش رواں دواں ہے۔ ردیف اور قافیہ قاری کے دل میں ایک گونج کی سی کیفیت پیدا کر دیتے ہیں۔[۹۵]

بیا کہ سازِ فرنگ از نوا بر افتاد است ❊ درونِ پردۂ او نغمہ نیست، فریاد است
زمانہ کہنہ بتاں را ہزار بار آر است ❊ من از حرم نگذشتم کہ پختہ بنیاد است
درفشِ ملت عثمانیاں دوبارہ بلند ❊ چہ گوئمت کہ بہ تیموریاں چہ افتاد است!
خوشا نصیب کہ خاکِ تو آرامید اینجا ❊ کہ ایں زمیں ز طلسمِ فرنگ آزاد است!
ہزار مرتبہ کابل نکوتر از دلی است ❊ 'کہ آں عجوزۂ عروسِ ہزار داماد است'

درونِ دیدہ نگہ دارم اشکِ خونین را — کہ من فقیرم وایں دولت خداداد است!
اگرچہ پیرِ حرم وردِ لَا اِلٰہ دارد — کجا نگاہ کہ برندہ تر ز پولاد است[۹۶]

سرور خان گویا آس موقع پر موجود تھے اور علامہ کی کیفیت کا حوالہ یوں دیتے ہیں:

ہنگامیکہ بر تربت بادشاۂ زندہ دل مغل بابر رحمۃ اللہ علیہ فاتحہ میخواند اشک میریخت و رواں بادشاہ مغل را برانیکہ پیکرش در آغوش قلل سنگینی کابل آرامیدہ مسعود و خوش نصیب می دانست۔[۹۷]

ترجمہ: جس موقع پر وہ زندہ دل مغل بادشاہ بابر رحمۃ اللہ علیہ کے مقبرے پر فاتحہ پڑھ رہے تھے۔ ان کی آنکھوں سے آنسو مسلسل جاری تھے۔ وہ مغل بادشاہ کی روح کو باوجود یہ کہ ان کا جسم کابل میں یہاں کے پہاڑوں کی بھاری چوٹیوں کی آغوش میں آرام فرما رہا تھا۔ خوش نصیب اور مسعود سمجھتا تھا۔

علامہ کی اس کیفیت کی گواہی افغان صحافی مقبول احمد یوں دیتے ہیں:

علامہ اور ان کی پارٹی کے دوسرے زعما جب باغ تشریف لے جا رہے تھے فیض محمد خان وزیرِ خارجہ، شاہی خاندان کے بعض ارکان، شعرا، ادبا، اور چند صحافی بھی ان کی معیت میں تھے۔ مجھے یاد ہے کہ علامہ اقبال شہنشاہ ظہیر الدین بابر کی قبر پر فاتحہ پڑھتے پڑھتے زار و قطار رو رہے تھے۔ ان کے اشکوں سے ان کا رومال بالکل تر ہو گیا تھا۔[۹۸]

آج کابل میں علامہ کی آخری رات تھی۔ علامہ کی دیگر مصروفیات کے علاوہ ایک نئ بات یہ سامنے آتی ہے کہ علامہ نے کابل میں قیام کے دوران نامور روحانی پیشوا اور جنگِ آزادی کے رہنما مولانا فضل واحد المعروف بہ حاجی صاحب ترنگزئی سے بھی ملاقات کی تھی۔ اکرام اللہ شاہد عزیز جاوید کی کتاب برصغیر میں تحریکِ آزادی کا ایک عظیم مجاہد حاجی صاحب ترنگزئی میں درج ترنگزئی حاجی صاحب کے بیٹے بادشاہ گل پیر افضل اکبر شاہ کی زبانی لکھتے ہیں:

اقبال جب افغانستان میں آئے تو اس وقت ہم بھی باباجی کے ساتھ کابل میں مقیم تھے۔ علامہ اقبال نے باباجی صاحب کے ساتھ تنہائی میں ملاقاتیں کیں۔ وہ باباجی کا نہایت احترام کرتے تھے اور جب وہ باباجی صاحب سے ملنے آئے تھے باباجی کے پاس بیٹھنے سے پہلے جوتے اُتار کر

نہایت مؤدب ہو کر باباجی کے پاس بیٹھے تھے۔ جب دونوں محو گفتگو ہوتے تو وہاں سے باقی تمام لوگوں کو اور ہمیں باہر نکال دیا جاتا۔[۹۹]

کابل میں حاجی صاحب ترنگزئی سے حضرت علامہ کی اس ملاقات کا حوالہ اس کے علاوہ کہیں اور نہیں ملا اور نہ اس سے پہلے اس ملاقات کا ذکر کہیں کیا گیا ہے۔

سوموار ۳۰/اکتوبر ۱۹۳۳ء:

علامہ اور ان کے ساتھی صبح آٹھ بجے کابل سے غزنی روانہ ہوئے۔ حکومت افغانستان نے مہمانوں کے باسہولت سفر کا پورا اہتمام کیا تھا۔ متوقع قیام گاہوں میں پہلے سے پیغام بھجوا دیے گئے تھے۔ اور بطورِ میزبان سرور خان گویاؔ ساتھ تھے۔ سواری اور بار برداری کے لیے دو موٹریں اور دو لاریاں دی گئیں تھیں۔ ایک موٹر میں علامہ اقبال، سید سلیمان ندویؔ اور بیرسٹر غلام رسول تھے۔ اور دوسری میں پروفیسر ہادی حسن، سرور خان گویاؔ اور عبدالمجید (نمائندہ سفارت خانہ افغانستان دہلی) تھے۔ ایک لاری کھانے کے سامان اور کھانا پکانے اور کھلانے والے ملازمین کے لیے تھی۔ دوسری لاری پر مہمانوں کا سامان لدا تھا۔ اس قافلے میں اعزازی حفاظت کی غرض سے دس بارہ سپاہیوں کا دستہ بھی شامل تھا۔[۱۰۰]

کابل سے غزنی ۸۲ میل ہے۔ موٹریں دشت و جبل اور نشیب و فراز کو لحہ بہ لحہ طے کرتی ہوئی اور خاک اُڑاتی ہوئی رواں دواں تھیں۔ تقریباً ایک بجے غزنی پہنچے۔ یہاں مہمان سرکاری مہمان خانہ میں ٹھہرائے گئے۔ بازار کی مختصر سیر کے بعد مہمانوں نے کھانا کھایا۔[۱۰۱]

غزنیں کے آثارِ قدیمہ کی سیر کے لیے آفیسر مہمان دار سرور خان گویا نے ایک پیرِ فرتوت ''ملا قربان'' کو بلایا۔ یہ صاحب نوے سال کی عمر میں تھے۔ اور غزنیں کے گوشے گوشے سے آگاہ تھے۔ موجودہ شہر سے کئی میل ہٹ کر قدیم شہر کے نشانات ہیں جو سلاطین غزنیں کا پایہ تخت تھا۔ اس مقام کے مخالف سمت شہر کی دوسری طرف پرانا قبرستان ہے جہاں بیسیوں عہد ساز ہستیاں محو خواب ہیں۔[۱۰۲]

ان ہستیوں میں اگر ایک طرف جہانِ معنوی کے سلطان حکیم سنائی غزنوی کا ذکر آتا ہے تو دوسری طرف فاتح سومنات محمود غزنوی کا نام نامی آتا ہے۔ سید سلیمان ندویؔ لکھتے ہیں:

حکیم و شاعر اقبال کو حکیم شاعر سنائی کے مزار دیکھنے کا سب سے زیادہ اشتیاق تھا۔ خانہ سے نکل کر پیادہ ہم حکیم موصوف کے مزار کی طرف چلے...... حکیم سنائی کی جلالتِ شان سے کون مہمان واقف نہیں ہم سب اسی منظر سے متاثر تھے۔ مگر ہم میں سب سے زیادہ اثر ڈاکٹر اقبال پر تھا۔ وہ حکیم ممدوح کے سرہانے کھڑے ہو کر بے اختیار ہو گئے اور دیر تک زور زور سے روتے رہے۔[۱۰۳]

جناب سرور خان گویاؔ اس لمحے کی یادداشت کو یوں محفوظ کرتے ہیں:

تربت حکیم سنائی راچندان از اشک گلگون نمود کہ سنگ رابروی رقت آمد۔[۱۰۴]

ترجمہ: حکیم سنائی کی قبر پر اس نے اتنے آنسوؤں کا پانی چھڑکا کہ وہاں کے پتھر بھی موم ہو گئے۔

مفکر عصر مولانا سید ابوالحسن علی ندوی نے علامہ کے حکیم سنائی کے مزار کی حاضری کو ایک اور نگاہ سے دیکھا ہے:

وہ حکیم سنائی کے مزار پر بھی گئے۔ اقبال سنائی کو رومی کے بعد شعر و حکمت میں اپنا دوسرا استاد مانتے تھے۔ اس نادر اور زریں موقع نے ان کی طبیعت پر مہمیز کا کام کیا۔ وہاں انھوں نے جو شعر کہے ہیں وہ ندرت اور معنویت کے ساتھ ان کے ذوق و شوق، حسرتوں اور امیدوں کی سچی تصویر ہیں۔ ان نظموں میں انھوں نے اپنے عہد پر ایک فلسفی شاعر اور انقلابی مسلمان کی طرح نظر ڈالی ہے۔ اور اپنی زیارت کو تاریخی حیثیت دے دی ہے۔[۱۰۵]

حکیم سنائی سے متعلق علامہ کے توصیفی و تعریفی افکار اردو و فارسی میں "باب اول کے ضمنی عنوان "کلام اقبال میں مشاہیر افاغنہ کا تذکرہ" کے تحت شاملِ تحقیق کیے گئے ہیں۔ البتہ یہاں علامہ کی وہ یادداشت نقل کرنا ضروری سمجھتا ہوں جو انھوں نے بالِ جبریل میں "افکارِ پریشان" سے پہلے درج کی ہے اور حکیم سنائی غزنوی کی زیارت کا تذکرہ کیا ہے:

اعلیٰ حضرت شہید امیر المؤمنین نادر شاہ غازی رحمۃ اللہ علیہ کے لطف و کرم سے نومبر ۱۹۳۳ء میں مصنف کو حکیم سنائی غزنوی رحمۃ اللہ علیہ کے مزار مقدس کی زیارت نصیب ہوئی۔ یہ چند افکار پریشان جن میں حکیم ہی کے ایک مشہور قصیدے کی پیروی کی گئی ہے اس روز سعید کی یادگار میں سپرد قلم کیے گئے ہیں۔ ما از پئے سنائی و عطار آمدیم۔[۱۰۶]

خاکِ اولیا غزنیں میں مردِ قلندر علامہ محمد اقبال کے ایک ایک لمحے کی تاریخ محفوظ ہے۔ مرزا ادیب حکیم سنائی کی زیارت کے بعد کا حال لکھتے ہیں:

حکیم سنائی کے مزار سے نکل کر علامہ سلطان محمود کے مرقد پر جاتے ہیں۔ گویا ایک صاحبِ دل سے رخصت ہو کر ایک صاحبِ شمشیر کے ہاں پہنچے ہیں۔ مگر میں سمجھتا ہوں علامہ نے سلطان محمود کو بھی اپنی ہیرو گردانا ہے شاید اس موقع پر سوال کیا جائے کہ سلطان تو محض ایک حکمران تھا جس نے اپنی تیغ جوہر دار سے دشت و در کو لرزا دیا تھا۔ اور جس کے ہندوستان پر سترہ حملے ایک تاریخی حقیقت کو محیط ہیں۔ علامہ کی نظر میں کیا ایک فاتح ہی ہیرو بننے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ یا یہ مقام و شرف حاصل کرنے کے لیے فاتح کے علاوہ اسے کچھ اور بھی بننا چاہیے؟ علامہ فقط اس شخصیت کو اپنا ہیرو مانتے ہیں جو صاحبِ شمشیر ہو تو ساتھ ہی صاحبِ دل بھی ہو۔ سلطان محمود فاتح ہوں، اورنگزیب عالمگیر ہوں، نادر شاہ ہوں یا سلطان محمود غزنوی یہ شہسوار تو تھے ہی مگر شہسواری کے ساتھ ساتھ صاحبِ خلق عظیم اور صاحبِ صدق و یقین بھی تھے ان کی بادشاہی میں فقر تھا۔[۱۰۷]

محمود غزنوی کی زیارت میں علامہ کی کیفیات کا حال جاننے کے لیے ہم پھر ان کے افغان دوست سرور خان گویاؔ سے رجوع کرتے ہیں:

در پیش گاہ روضۂ شہنشاۂ بزرگ ماسلطان محمود غزنوی سر احترام فرود آورد۔[۱۰۸]

ترجمہ: ہمارے عظیم شہنشاہ محمود غزنوی کے روضے کی ڈیوڑھی میں داخل ہوتے ہی اس نے اپنا سر فرطِ احترام سے جھکا لیا۔

کلامِ اقبال میں جابجا محمود غزنوی کا تذکرہ ملتا ہے۔ ان اشعار کے علاوہ غزنیں میں ان کے مرقد پر علامہ کے کہے گئے اشعار باب اول کے ضمنی عنوان "کلامِ اقبال میں مشاہیر افاغنہ کا تذکرہ" کے تحت شاملِ تحقیق ہیں۔

سلطان محمود غزنوی کے مزار پر حاضری کے بعد علامہ کی اگلی روحانی منزل کا حال سید سلیمان ندوی صاحب لکھتے ہیں:

ان شاہی مزارات سے لوٹے تو ڈاکٹر اقبال صاحب کو لاہور کی مناسبت سے حضرت داتا گنج بخش جن کا مزار لاہور میں ہے، کے والد ماجد کے مزار کی تلاش ہوئی۔ ملا قربان نے کہا میں

وہ مزار جانتا ہوں چنانچہ ان کی ہدایت کے مطابق موٹر نے پرانے غزنین کے ویران سنسان میدان کو طے کرنا شروع کیا۔ اور آخر ایک مقام پر لے جا کر توقف کیا۔ آگے موٹر کا راستہ نہ تھا چنانچہ ملا صاحب بمع ڈاکٹر صاحب وغیرہ اتر کر پیادہ گئے اور زیارت کر کے واپس آئے۔ میں دردِ سینہ کی شکایت کے سبب نہ جا سکا۔[109]

مزار کے احاطے میں علامہ کی کیفیت کا حال کیا تھا۔ سرور خان گویا لکھتے ہیں:

وقتے کہ مابدین اماکن مقدس و پر از جلال و حشمت می رسیدیم ما دعامی نمودیم ولی شاعر اسلام رامی دیدیم کہ مثل تصویر بی جان استادہ و سیلاب اشک از چشمانش جاری است حتیٰ از دیدن او حال ما دگر گوں میشد۔[110]

ترجمہ: جب ہم ان مقدس اور پر جلال مقامات پر پہنچے ہیں تو ہم تو دعا میں مشغول تھے لیکن شاعر اسلام کو ہم نے وہاں دیکھا کہ وہ ایک بے جان تصویر کی طرح کھڑا ہے اور آنسوؤں کا دریا اس کی آنکھوں سے اُمڈ رہا ہے۔ اس کی یہ حالت دیکھ کر ہم میں بھی یارائے ضبط نہ رہا۔

حکیم سنائی کی شخصیت میں تبدیلی لانے اور معنویت کی طرف میلان کا باعث بننے والے فقیر "لائے خوار" کے مزار پر بھی علامہ نے حاضری دی۔ سیر افغانستان میں ہے:

حکیم سنائی کی توبہ کی حکایت کے سلسلہ میں ایک مجذوب فقیر لائے خوار کا ذکر آتا ہے جس نے کہا تھا: "بکوری سنائی می خورم" کہ سنائی سے بڑھ کر بے وقوف کون ہو گا جو اپنے ہی جیسے انسانوں کی مدح و ستائش میں خرافات نظم کرتا ہے اور ان کو جا کر سناتا ہے۔ حکیم پر اس مجذوب کے اس فقرہ کا اثر ہوا اور توبہ کی۔ ملا قربان موجودہ غزنین کے بازار سے گزرتے ہوئے ایک گلی سے ایک مسجد کے اندر لے گئے اور بتایا کہ یہ اس لائے خوار کا مزار ہے۔[111]

منگل ۳۱/ اکتوبر ۱۹۳۳ء:

شب غزنین میں گزارنے کے بعد صبح آٹھ بجے روانہ ہوئے۔ گیارہ بجے دوپہر مقر پہنچے۔ راستہ بہت صاف اور ہموار تھا۔ مقر میں سرکاری آفیسروں کو مہمانوں کے آنے کی اطلاع تھی جیسے ہی موٹریں آکر رکیں گارڈ آف آنرز نے سلامی دی۔ ایک دو منزلہ عمارت میں قیام و طعام تھا۔[112]

مقر یعنی پرانا بیہق ایک پرانے تاریخی شہر کا نام ہے۔ جہاں سے بڑے بڑے ائمہ حدیث، مؤرخین اور اہلِ ادب و انشا پیدا ہوئے ہیں...... اس کا فارسی تلفظ بہیہ ہے مگر عربوں نے

اپنے قاعدہ سے اس کو بیہق بنادیا اور وہی مشہور ہو گیا۔ ابو بکر احمد بن حسین مشہور بہ امام بیہقی شافعی سنن بیہقی اور دلائل النبوۃ جن کی مشہور کتابیں ہیں، یہیں کے تھے...... نوجوان افغانوں کا دعویٰ ہے کہ پرانا بیہق یہی ہے چنانچہ ہمارے فاضل افغان رفیق سفر سرور خان گویاؔ نے بڑے وثوق کے ساتھ مجھے اس کا یقین دلایا۔ مقر کے قریب دو قبروں کے روضے دکھائی دیئے۔ فاضل مذکور نے بتایا کہ ان میں سے ایک ابوالفضل بیہقی کی قبر ہے اور دوسری ابوالنصر مشکانی کی۔ ابوالفضل بیہقی غزنوی خاندان کا مشہور مؤرخ ہے۔ ۴۷۰ھ میں وفات پائی ہے۔ ابوالنصر مشکانی بھی اسی عہد کا ادیب و مؤرخ ہے جس کی تصنیف مقامات پچھلے مصنفین کا مأخذ ہے۔[۱۱۳]

دوپہر کا کھانا مقر میں کھا کر مقر سے ایک بجے چل کر ۴ بجے شام قلات غلزی پہنچے۔ کابل سے دوہزار فٹ اور غزنین سے ایک ہزار فٹ کی بلندی کی وجہ سے قلات میں ٹھنڈک تھی۔ رات قلات میں بسر کی۔ جہاں رات کو رفقائے سفر پروفیسر ہادی اور سرور خان گویاؔ میں ایرانی اور افغان فارسی کی باہمی فضیلت پر ایک دلچسپ گفتگو ہوئی۔

بدھ یکم نومبر ۱۹۳۳ء:

صبح قلات غلزی سے بھی آٹھ بجے صبح روانگی ممکن ہوئی۔ قلات سے قندھار تک پرانی منزلیں حسبِ ذیل تھیں:

۱- قلعہ قلات سے تیر انداز تک 'جو ترنک' نام ایک ندی کے کنارے آباد ہے اور جہاں درانی قوم کا مسکن شروع ہو جاتا ہے۔

۲- قلعہ تیر انداز سے شہر صفا تک اس شہر کو تیمور شاہ بن احمد شاہ ابدالی کے مدارالمہام قاضی فیض اللہ خان نے آباد کیا تھا۔

۳- شہر صفا سے کاریز ملہدو تک یہ ایک چشمہ ہے۔

۴- کاریز ملہدو سے شہر قندھار تک۔

راستہ کی خرابی کے باوجود قلات سے ۸ بجے چل کر ۱۲ بجے چار گھنٹوں میں قندھار پہنچ گئے۔[۱۱۴]

جی ہائے قندھار سے متعلق علامہ کے درج ذیل ابیات امر ہو گئے ہیں:

قندھار آں کشورِ مینو سواد اہلِ دل را خاکِ او خاکِ مراد
رنگ ہا بو ہا آب ہا آب ہا تابندہ چوں سیماب ہا

لالہ ہا درخلوتِ کہسار ہا نار ہا یخ بستہ اندر نار ہا
کوئے آں شہر است مارا کوئے دوست! ساربان بربند محمل سوئے دوست
می سرایم دیگر از یارانِ نجد از نوائے ناقہ را آرام بوجد![115]

قندھار میں شاہی مہمان خانے میں ٹھہرنے کا پروگرام تھا۔ جہاں مہمانوں کی آمد پر شہر کے ممتاز افراد ملاقات کے لیے آئے۔ جن میں وزارتِ خارجہ افغانستان کا نمائندہ متعینہ قندھار اور یہاں کی ادبی انجمن کے ناظم عبدالحیٔ حبیبی بھی شامل تھے۔ (عبدالحیٔ حبیبی سے ملاقات کا احوال ان کی سوانح میں ملاحظہ ہو) ابھی علامہ عبدالحیٔ خان سے باتیں کر رہے تھے کہ قندھار کے گورنر تشریف لے آئے۔ ان سے بھی کچھ دیر باہم دلچسپی کی گفتگو رہی۔

مہمان خانے کے قریب ہی خرقہ شریف کی زیارت اور احمد شاہ درانی کا مقبرہ تھا۔ ان مقامات کی زیارت کے لیے علامہ اور دوسرے افراد پیدل روانہ ہوئے۔ البتہ واپسی کے لیے موٹروں کو مقبرے کے دروازے پر پہنچ جانے کا حکم دیا گیا۔ پہلے خرقہ شریف کی زیارت کی۔ مشہور ہے کہ یہ نبی اکرم ﷺ کا ملبوسِ اقدس ہے۔[116]

زیارت خرقہ مقدسہ کے دوران علامہ کی معنوی کیفیات واسرار خود علامہ صاحب نے مثنوی مسافر میں بیان فرمائی ہیں:

خرقۂ آں "بَرْزَخٌ" لَا یَبْغِیَان" دیدمش درنکتۂ "لِیْ خِرْقَتَان"
دینِ او آئینِ او تفسیر کل در جبینِ او خطِ تقدیرِ کل
عقل را او صاحبِ اسرار کرد عشق را او تیغ جوہردار کرد
کاروانِ شوق را او منزل است ماہمہ یک مشت خاکیم او دل است
آشکارا دیدنش 'اسراے' ماست در ضمیرش مسجدِ اقصائے ماست
آمد از پیراہنِ او بوے او داد ما را نعرۂ اللہ ھُوْ
بادلِ من شوقِ بے پروا چہ کرد! بادۂ پُرزور با میناچہ کرد!
رقصد اندر سینہ از زورِ جنوں تا زِ راہِ دیدہ می آید بروں!
گفت 'من جبریلم و نورِ مبین' پیش ازیں او را ندیدم ایں چنین!
شعر رومیؔ خواند و خندید و گریست یا رب ایں دیوانۂ فرزانہ کیست

در حرم با من سخن رندانہ گفت | از مے و مُغ زادہ و پیمانہ گفت!
گفتمش ایں حرفِ بیباکانہ چیست | لب فرو بند ایں مقامِ خامشی است
من زخونِ خویش پروردم ترا | صاحبِ آہِ سحر کردم ترا
بازیاب این نکتہ را اے نکتہ رس | عشقِ مرداں ضبطِ احوال است و بس
گفت عقل و ہوش آزارِ دل است! | مستی و وارفتگی کارِ دل است!
نعرہ ہا زد تا فتاد اندر سجود | شعلۂ آوازِ او بود، او نبود! [۱۱۷]

زیارتِ خرقہ مقدسہ کے دوران علامہ کی قلبی کیفیات کا جائزہ مرزا ادیب نے یوں پیش کیا ہے:

زیارت خرقہ مبارک ﷺ نے شاعر کے دل و دماغ پر ایک وجد کا سا عالم طاری کر دیا ہے اور اس کی ہونٹوں پر اس کے قلبی تاثرات ایک مترنم غزل کی صورت میں بکھر جاتے ہیں۔ اس غزل کی فضا میں جذب و مستی سرایت کیے ہوئے ہے۔ یہاں شوق فراواں کا کیف ہوش افگن پھیلا ہوا ہے۔ اس کے ایک ایک لفظ میں سوز و ساز و درد و داغ کی ایک دنیا آباد لگتا ہے۔ عشق صادق حسن کی بارگاہ میں سجدۂ ہائے شوق لٹا رہا ہے اور اس کی رگ رگ ایک پُر اسرار نشے سے سرشار ہو گئی ہے۔ شاعر کا جذبہ بے اختیار غزل میں تڑپتا ہوا، مچلتا ہوا، رقص کناں جب خرقہ مبارک ﷺ کے قریب آتا ہے تو فی الفور سراپا عقیدت بن جاتا ہے۔ [۱۱۸]

خرقہ شریف کی زیارت کے بعد معرکۂ پانی پت کے فاتح احمد شاہ بابا کے مزار پر حاضری دی۔ اس موقع کی مناسبت سے علامہ کے اشعار باب اول کے ضمنی عنوان "کلامِ اقبال میں مشاہیر افاغنہ کا تذکرہ" کے عنوان سے شاملِ تحقیق ہیں۔

احمد شاہ بابا کے مزار پر حاضری کے بعد علامہ اور ان کے شرکائے سفر قندھار کے سب سے خوبصورت اور دلکش طبعی منظر ارغنداب کے سفر کو روانہ ہوئے۔

ارغنداب کی سیر کرتے ہوئے بابا ولی قندھاری کے مزار پر فاتحہ پڑھی۔ واپسی پر چہل زینہ گئے یہ ایک پہاڑی ہے جس کی چوٹی پر بابر نے اپنی ہندی فتوحات کا کتبہ لگایا ہے۔ پہاڑی کے دامن سے اوپر تک پتھر کاٹ کر زینے بنائے گئے ہیں۔ جن کی تعداد چالیس مشہور ہے۔

اس لیے اس پہاڑی کا نام چہل زینہ پڑ گیا ہے۔ علامہ پہاڑی پر نہ چڑھے البتہ سید صاحب اور پروفیسر ہادی نے اپنے تاریخی ذوق کی تسکین کے لیے پہاڑی سر کی۔[۱۱۹]

جمعرات ۲؍نومبر ۱۹۳۳ء:

صبح آٹھ بجے چائے اور ناشتہ سے فارغ ہو کر نو بجے قندھار سے روانہ ہوئے۔ گورنر قندھار نے مہمانوں کو کچھ خشک میوے اور قندھاری اناروں کے دو ٹوکرے تحفہ بھیجے اور قافلہ چل پڑا اور بارہ بجے قلعہ جدید پہنچ گیا۔ یہ افغانستان کی آخری چوکی تھی۔ یہاں گویا اور دوسرے شاہی ملازمین نے علامہ اور ان کے ساتھیوں کو الوداع کیا۔

چمن شہر کے دروازے پر مسلمانان شہر نے استقبال کیا۔ اور ایک رستوران میں چائے کا اہتمام کیا۔ اہالیان شہر کی خواہش تھی کہ علامہ اور سید صاحب اپنے سفر ملتوی کر کے یہاں کے مسلمانوں کے سامنے تقاریر کریں مگر ہر دو حضرات نے معذرت کر دی۔ رستوران میں مختلف خیال کے مسلمان جمع ہو گئے تھے جو سیاسیات کی مختلف راہوں سے آشنا تھے۔ علامہ اور سید صاحب سے طرح طرح کے سوالات کرتے رہے۔ علامہ کے سکول کے زمانے کے ہندو دوست جو چمن میں مطب کرتے تھے، ملنے آئے۔[۱۲۰]

چمن میں علامہ کی آمد کے موقع پر جن لوگوں نے علامہ سے ملاقاتیں کی تھیں ان میں چودھری نور الٰہی قریشی، ملا احمد جان قریشی اور حاجی خوشی محمد وغیرہ شامل تھے۔ حاجی خوشی محمد کے نام سے چمن میں ایک روڈ بھی منسوب ہے۔ نسلاً زدران پٹھان تھے مگر ثقافتی اعتبار سے ٹھیٹ پنجابی تھے۔ ان کے گھر سے علامہ کے لیے حقہ بھی لے جایا گیا تھا۔[۱۲۱]

علامہ کے ہندو کلاس فیلو سے متعلق معلوم ہوا کہ وہ موجودہ رام چند بازار میں سادھو رام کی موجودہ کوٹھی کے بالمقابل ٹرنچ روڈ سے ۵ نمبر دکان واقع مغربی جانب میں مطب کرتے تھے۔ یہ دکان فی الحال حاجی تیمور ملیزی کا کلاتھ ہاؤس ہے۔ اہالیانِ چمن ان سے علاج کراتے تھے۔ نام کا پتا تو نہیں چل سکا البتہ خوبصورت شباہت اور سرخ رنگت کی بنیاد پر مقامی لوگ انھیں ''سُرکئ'' ہندو کہتے تھے۔ ان کے بعد ان کے بیٹے مطب چلاتے رہے۔ قیامِ پاکستان کے بعد ان کے ایک مسلمان شاگرد ملا عبد الرحمٰن غبیزی اچکزی کچھ عرصے تک

یہ مطب چلاتے رہے جن کا ایک بیٹا عبدالمالک کسٹم میں انسپکٹر ہے۔ ان کے والد راقم الحروف کے پھوپھا تھے۔

علامہ ۲/ نومبر کو بعد از ظہر چمن سے روانہ ہو کر شام کوئٹہ پہنچے۔ علامہ کی کوئٹہ آمد کی خبر روزنامہ انقلاب لاہور میں بھی شائع ہوئی ہے:

حضرت علامہ اقبال کی تشریف آوری

ابھی اطلاع ملی ہے کہ حضرت علامہ اقبال کابل سے قندھار گئے تھے اور وہاں سے چمن اور کوئٹہ کے راستے واپس تشریف لائے۔ ۴/ نومبر کو ۶ بجے شام کراچی میل سے لاہور تشریف لائیں گے۔

(انقلاب، جلد ۸- نمبر ۱۵۷- شنبہ۔ ۵/ نومبر ۱۹۳۳ء)

چنانچہ علامہ کی لاہور آمد پر ان کا پرتپاک استقبال کیا گیا ملاحظہ ہو روزنامہ انقلاب لاہور کی یہ خبر:

علامہ اقبال کی افغانستان سے مراجعت

لاہور اسٹیشن پر استقبال

لاہور۔ ۶/ نومبر۔ حضرت علامہ اقبال جنھیں اعلیٰ حضرت نادر شاہ غازی بادشاہ افغانستان نے یونی ورسٹی کے قیام کے لیے مشورے کے لیے کابل بلایا تھا، آج کراچی میل سے واپس تشریف لائے۔ دو ہفتہ قبل آپ سر راس مسعود کے ہمراہ کابل تشریف لے گئے تھے۔ اعلیٰ حضرت نادر شاہ سے آپ نے ملاقات کی اور انھیں یونیورسٹی کے قیام سے متعلق مشورے دیے۔ افغانستان سے واپسی پر آپ قندھار سے بذریعہ موٹر کار چمن پہنچے اور وہاں سے کوئٹہ روانہ ہوئے۔ کوئٹہ سے کراچی میل کے ذریعے آج شام ساڑھے چھ بجے لاہور واپس تشریف لائے۔ آپ کے استقبال کے لیے اسٹیشن پر آپ کے رفقا اور عزیز موجود تھے۔ ان میں قابلِ ذکر مہر، سالک، شیخ نیاز علی ایڈووکیٹ، چودھری محمد حسین اور "سول اینڈ ملٹری گزٹ" کے نمائندے سید نور احمد قابل ذکر ہیں۔

(انقلاب، جلد ۸- نمبر ۱۵۸- سہ شنبہ۔ ۷/ نومبر ۱۹۳۳ء)

سفر افغانستان سے واپسی پر اس سفر کے شرکا کے تاثرات اخبارات نے تفصیل کے ساتھ شائع کیے:

افغانستان کے متعلق علامہ اقبال، سر راس مسعود اور سید سلیمان ندوی کے تاثرات
افغانی مُلّا اور نوجوان دوش بدوش میدان عمل میں۔ جدید سڑکوں کی تعمیر، تعلیمی اور اقتصادی پروگرام

لاہور۔ ۶ر نومبر۔ حضرت علامہ اقبال، سر راس مسعود اور سید سلیمان ندوی نے افغانستان سے واپسی پر، افغانستان کی موجودہ صورت حال کے بارے میں ایسوسی ایٹڈ پریس کو مندرجہ ذیل بیان دیا:

ہمارا خیال ہے کہ افغانستان میں اپنے دس روزہ قیام کے بعد ہم وہاں کے موجودہ حالات کے متعلق جو تاثرات لے کر واپس ہوئے ہیں، ان کو اپنے ہندوستانی اہالی وطن کے روبرو پیش کرنا خالی از دلچسپی نہ ہو گا۔

خوش قسمتی سے اپنے دوران قیام میں تمام وزرا اور اعلیٰ عہدے داروں سے جو نظم و نسق حکومت کے ذمہ دار ہیں، ملاقات کا موقع ملا۔ ہم نے وزرا سے تعلیمی مسائل پر طویل بحث و تمحیص کی۔ اس بحث و مباحثہ کے دوران میں افغانستان کی اقتصادی ترقی کے متعلق ہمیں اس لائحہ عمل کی نوعیت بھی معلوم ہوئی، جس میں وزرائے موصوف آج کل ہمہ تن مصروف ہیں۔

(انقلاب، جلد ۸- نمبر ۱۵۹- چہار شنبہ ' ۸ر نومبر ۱۹۳۳ء) [۱۲۲]

علامہ نے ۶ر نومبر ۱۹۳۳ء کو اپنے ہم سفروں کے ایما پر اپنے دورۂ افغانستان کے بارے میں درج ذیل اخباری بیان جاری کیا:

سب سے پہلے جو قابلِ ذکر چیز ہمیں نظر آئی ہے وہ یہ ہے کہ افغانستان میں لوگوں کے جان و مال بالکل محفوظ ہیں۔ یہ ایک ایسی حکومت کے لیے بذاتِ خود ایک بہت بڑی کامیابی ہے جسے صرف چار سال پیشتر ملک میں عام بغاوت کو فرو کرنا پڑا ہو۔ دوسری بات جس سے ہم متاثر ہوئے وہ وہاں کے وزرا کی نیک نیتی اور اخلاص ہے جس سے وہ اپنے فرائض انجام دے رہے ہیں۔ سخت قسم کے قدامت پسند لوگ بھی ان وزرا کے حامی ہیں اور نتیجتاً جیسا کہ ہمارے سامنے ایک مقتدر افغان عالم نے کہا کہ آج کے افغانستان میں ملاؤں اور نوجوانوں میں کوئی اختلاف نہیں۔

حکومت افغانستان کا ارادہ ہے کہ سارے محکمہ تعلیم کو جدید طریقوں پر از سرِ نو ترتیب دیا جائے اور ساتھ ساتھ افغانستان اور ہمسایہ ممالک کے درمیان والی سڑکوں کی مرمت کی جائے۔ نئی یونیورسٹی بتدریج ترقی کر رہی ہے اور اس کے لیے پہلے ہی ایک خوبصورت اور وسیع محل مخصوص کر دیا گیا ہے۔ سب سے پہلے شعبہ طب قائم کیا گیا ہے اور اس میں اعلیٰ تعلیم شروع ہو گئی ہے۔ دوسرا شعبہ جس کا قیام زیرِ غور ہے وہ سول انجینئرنگ کا ہو گا۔ رہا سڑکوں کا سوال تو کابل کو پشاور سے ملانے والی ایک نئی سڑک آئندہ دو سال کے عرصہ میں تعمیر ہو جائے گی۔ اور یہ سڑک اس لیے بہت اہم ہے کہ یہ وسطی ایشیا کو وسطی یورپ سے قریب کر دیتی ہے۔

اعلیٰ حضرت شاہ افغانستان نے ہمیں شرف بازیابی بخشا اور کافی طویل گفتگو ہوتی رہی۔ اعلیٰ حضرت کی سب سے بڑی خواہش یہ ہے کہ ان کا ملک پھلے پھولے اور اپنے ہمسایہ ممالک سے صلح اور آشتی قائم رکھے۔ افغانستان آج ایک متحد ملک ہے جہاں ہر طرف بیداری کے آثار پائے جاتے ہیں اور حکام کافی سوچ بچار کے بعد نئے پروگرام بنا رہے ہیں۔ افغانستان سے ہم اس یقین کے ساتھ واپس لوٹے ہیں کہ اگر موجودہ حکام کو دس سال تک اپنا کام جاری رکھنے کا موقع مل جائے تو بلاشک و شبہ افغانستان کا مستقبل شاندار ہو گا۔[۱۲۳]

حضرت علامہ کا سفر افغانستان کے دوران شاہ افغانستان کو قرآن کریم کا ہدیہ دینے پر روزنامہ انقلاب نے ایک اہم اداریہ لکھا ہے جس میں افغانستان میں علامہ کی پذیرائی اور اس دورے کے مضمرات پر بحث کی گئی ہے:

شاہ افغانستان کی بارگاہ میں قرآن حکیم کا ہدیہ۔ اقوام شرق و غرب کی تقدیروں کا آئینہ

روزنامہ اصلاح کابل کی تازہ اشاعت میں حضرت علامہ اقبال، سید سلیمان ندوی اور نواب مسعود جنگ بہادر سید راس مسعود کے چند روزہ قیام کابل کی مصروفیتوں کا تذکرہ شائع ہوا ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان حضرات کی علمی صحبتوں سے ہمارے افغان بھائی بے حد متاثر ہوئے۔ والا حضرت سردار ہاشم خاں صدر اعظم، والا حضرت سردار شاہ محمود خان وزیر جنگ، سردار احمد شاہ خان وزیر دربار و ریاست، بلدیہ، کابل اور انجمن ادبی کابل کی طرف سے ہمارے بزرگوں کو عظیم الشان پارٹیاں دی گئیں۔ اعلیٰ حضرت بادشاہ غازی کی بارگاہ میں بھی ان بزرگوں کو شرف باریابی حاصل ہوا۔ یہ تمام تفصیلات ہمارے لیے اور عام مسلمانوں کے لیے جس قدر دل خوش کن ہو سکتی ہیں، اس کے اظہار کی ضرورت نہیں، لیکن جس چیز سے ہم

بدرجۂ غایت متاثر ہوئے' وہ حضرت علامہ اقبال کا پیام ہے جو روزنامہ اصلاح کی وساطت سے ملت غیور افغان کو دیا گیا ہے اور جو جریدہ مذکور کی تازہ اشاعت میں شائع ہوا ہے۔

حضرت علامہ فرماتے ہیں:

الحمدللہ کہ میں نے یہ اسلامی سرزمین دیکھی اور بادشاہ غازی کی بارگاہ میں حاضری سے بھی مشرف ہوا، جس کے ہر کام کی بنیاد و اساس "بندگی خدا" اور "عشق وطن" ہے' یعنی وہ بادشاہ جو شاہی قبا کے نیچے خرقۂ درویشی پہنے ہوئے ہے اور خداے بزرگ و برتر نے حضرت رسالت مآب ﷺ کی روحانیت کے طفیل اس کی درویشی کو شرف قبولیت بخشا۔

اعلیٰ حضرت محمد نادر شاہ غازی کی یہ کتنی صحیح تصویر ہے اور اس مختصر سی تحریر میں اسلامی حکمرانی کے بہترین اصول کتنے عمدہ اور جامع الفاظ میں پیش کیے گئے ہیں۔ اول خدائے بزرگ و برتر کی عبادت، دوم وطن کی محبت یعنی جس خطۂ ارض پر اختیار و اقتدار حاصل ہو' اس کی فلاح و بہبود اور بہتری و برتری کے لیے ہر ممکن سعی و کوشش جاری رکھنا اور بادشاہی کو نفس پروری یا غرض پرستی کا ذریعہ نہ بنانا۔

حضرت علامہ نے پیام مشرق کو شاہ امان اللہ خان کے نام پر معنون کرتے ہوئے ایک مثنوی لکھی تھی جو زریں نصائح سے لبریز تھی۔ اس میں یہ اشعار بھی تھے:

سروری در دینِ ما خدمت گری است　　عدلِ فاروقی و فقرِ حیدری است
در ہجومِ کار ہائے ملک و دیں　　با دلِ خود یک نفس خلوت گزیں
ہر کہ یک دم در کمینِ خود نشست　　ہیچ نخچیر از کمندِ او نجست
در قبائے خسروی درویش زی　　دیدہ بیدار و خدا اندیش زی
قائدِ ملت شہنشاہِ مرادؔ　　تیغِ او را برق و تندر خانہ زاد
ہم فقیرے، ہم شہِ گردوں فرے　　اردشیرے باروانِ بوذرےؓ
غرق بودش در زرہ بالا وَ دوش　　درمیانِ سینہ دل موئینہ پوش
آں مسلماناں کہ میری کردہ اند　　در شہنشاہی فقیری کردہ اند
در امارت فقر را افزودہ اند　　مثلِ سلماںؓ در مدائن بودہ اند
حکمرانے بود و سامانے نداشت　　دستِ او جز تیغ و قرآنے نداشت

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان اشعار میں بادشاہی کا جو تصور حضرت علامہ کے سامنے تھا، اس کی عملی جھلک محمد نادر شاہ غازی کی ذات میں انھیں نظر آگئی اور اسی سے متاثر ہو کر حضرت علامہ نے مندرجہ بالا الفاظ ارشاد فرمائے۔

فرماتے ہیں کہ میں بادشاہ غازی کی بارگاہ میں حاضر ہوا تو ''شاہ غازی حرفے گفت کہ سینۂ من بیفروخت و جان مرا سوخت۔ اے برادر افغان ہمیں یک حرفے را بہ تو می رسانم کہ درآں بہ سوزی و سرمایۂ دین و دنیا ازاں بیندوزی۔''

ترجمہ: شاہ غازی نے ایک ایسی بات ارشاد فرمائی جس سے میرا سینہ روشن ہو گیا۔ افغان بھائیو! میں وہی بات آپ تک پہنچاتا ہوں تا کہ آپ بھی اپنی جانوں کو اس حرارت سے گرمائیں اور دین و دنیا کا سرمایہ اس سے حاصل کریں۔

وہ بات کیا تھی؟ حضرت علامہ فرماتے ہیں کہ میں نے بارگاہِ خسروی میں قرآن حکیم کا ایک نسخہ بہ طور ہدیہ پیش کیا تھا اور ایک درویش کی طرف سے درویش منش بادشاہ کی خدمت میں اس سے بہتر ہدیہ کوئی نہیں ہو سکتا۔ میں نے قرآن پیش کرتے ہوئے عرض کیا:

ایں کتابے ہست کہ تقدیر ہائے اقوام شرق و غرب در بطون آں آشکار می بینم۔

(یہ ایسی کتاب ہے جس میں اقوام مشرق و مغرب کی تقدیریں صاف نظر آرہی ہیں)۔

محمد نادر غازی نے فرمایا:

''آیات بینات او پناہ گاہ من است''

(اس کی آیات بینات میری پناہ گاہ ہیں)

یہ الفاظ شاہ غازی کی زبان پر جاری تھے اور آنکھیں پُرنم تھیں۔

حضرت علامہ اقبال اپنے پیام کے آخر میں لکھتے ہیں کہ افغان بھائیو! آپ کو بھی چاہیے کہ اپنے بادشاہ کی طرح آپ قرآن عظیم کو اپنی پناہ گاہ بنائیں تاکہ خدائے بزرگ و برتر ملت غیور افاغنہ کو اس مقام پر پہنچائے جو اس کے علم میں ملت مذکورہ کے لیے مقدر و مقرر ہے:

پیش نگر کہ زندگی راہ بہ عالمے برد — از سر آنچہ بود و رفت درگذر، انتہا طلب
از خلشِ کرشمہ کار نمی شود تمام — عقل و دل و نگاہ را جلوہ جدا جدا طلب

(انقلاب، جلد ۸- نمبر ۱۶۱- جمعہ۔ ۱۰ر نومبر ۱۹۳۳ء)[۱۲۴]

ابھی علامہ سفر افغانستان سے لاہور لوٹے ہی تھے کہ کابل میں اعلیٰ حضرت کی شہادت کا المناک سانحہ پیش آیا۔ علامہ سفر افغانستان کی خوشگوار یادوں اور نادر شاہ غازی کی الم ناک شہادت سے رنجیدہ دکھائی دیتے ہیں۔ اس وقت علامہ کے دو مکتوبات بنام راغب احسن اس اضطراب کے آئینہ دار ہیں:

مکتوب اقبال بنام راغب احسن (بابت ۱۲ر نومبر ۱۹۳۳ء)

میں گذشتہ اتوار کابل سے براہ غزنی و قندھار واپس آیا...امیر نادر شاہ کی شہادت کی خبر ایک ناقابل برداشت صدمہ میرے لیے ہے اور یقیناً ساری دنیائے اسلام کے لیے۔ یہ بڑا دیندار اور خدا پرست بادشاہ تھا۔ کابل میں اس کے متعلق ایسی حکایات مشہور ہیں کہ ان کو سن کر صدیقؓ اور فاروقؓ یاد آتے ہیں۔ جمعہ کی نماز میں نے ان کے ساتھ کابل کی جامع مسجد میں ادا کی۔ ان کے محل میں ایک روز عصر کی نماز ان کی امامت میں ادا کی۔ خدا ان کی مغفرت کرے۔

مجھے امید ہے کہ افغانستان دوبارہ کسی انقلاب میں مبتلا نہ ہو گا۔ جہاں تک میں اندازہ کر سکا ہوں، بادشاہ کی شہادت پرائیویٹ عداوت و رقابت کا نتیجہ ہے اور غالباً جنرل غلام نبی خاں کے قتل سے اس کا تعلق ہے۔ اس سے یہ نتیجہ نکالنا کہ لوگ امان اللہ خان کی واپسی چاہتے ہیں، غلط ہے۔ واللہ اعلم۔ دوران قیام افغانستان میں وہاں کے نوجوانوں میں اسلامی خیالات اور افکار کی اچھی تخم ریزی ہوئی۔ زیادہ گفتگو اس امر کے متعلق پھر کبھی ہو گی۔"

مکتوب اقبال بنام راغب احسن (بابت ۲۴ر نومبر ۱۹۳۳ء)

افغانستان میں امن و امان ہے۔ افغان پارلیمنٹ نے قرآنی الفاظ میں امان اللہ خان کے خلاف یہ ریزولیوشن پاس کیا۔ "**انّہ لیس مِن اھلک**"۔ پنجاب کے اخبار محض اس وجہ سے امان اللہ خان کے حق میں بڑا پروپیگنڈہ کر رہے ہیں کہ موجودہ افغان حکومت نے ان کی ان تمام درخواستوں کو رد کر دیا جو انھوں نے روپے کے واسطے کی تھیں۔ مجھے اس کا ذاتی علم ہے اور میں نے وہ درخواستیں خود پڑھی ہیں...

آج جو اصلاح کابل سے آیا ہے، اس میں سردار محمد ہاشم کی ایک تقریر ہے، جو نہایت درد ناک ہے۔ مجھے اس تقریر نے بہت رلایا۔" [۱۲۵]

سفر افغانستان ۱۹۳۳ء کے بعد سے لے کر ۱۹۳۶ء تک علامہ کے مختلف مکتوبات میں سفر افغانستان اور مثنوی مسافر کا تذکرہ ملتا ہے۔

مکتوب اقبال بنام سید نذیر نیازی (بابت ۶/ اگست ۱۹۳۴ء)

مسافر (سیاحت افغانستان) کاتب کو دے دی ہے۔

[مکتوب الیہ یعنی سید نذیر نیازی مرحوم لکھتے ہیں کہ "... آخر ستمبر [آخری عشرۂ اکتوبر] میں جب وہ افغانستان تشریف لے گئے تو گو اُن کا ارادہ تھا کہ اس سفر میں ذاکر صاحب اور مجھے بھی اپنے ساتھ شریک کریں لیکن کچھ وقت کی تنگی اور سفر کی فوری تیاری کے باعث اور کچھ اس لیے کہ انھیں ٹھیک معلوم نہیں تھا میں ہوں کہاں، مجھے اطلاع نہ کر سکے۔" (مکتوب اقبال از سید نذیر نیازی، لاہور ۱۹۷۷ء، ص ۱۱۸)]

مکتوب اقبال بنام سید نذیر نیازی (بابت ۱۶/ اگست ۱۹۳۴ء)

"فی الحال مسافر (سیاحت چند روزہ افغانستان) کی کتابت شروع ہے جو غالباً کل یا پرسوں ختم ہو جائے۔"

مکتوب اقبال بنام سید نذیر نیازی (بابت ۲۲/ اگست ۱۹۳۴ء)

"... پہلے خط سے یہ نہیں معلوم ہوا کہ ڈاکٹر [انصاری] صاحب مسافر کے متعلق کیا چاہتے ہیں۔ کمیشن پر رعایت مقصود ہے یا کچھ اور۔ یہ میں سمجھ نہیں سکا۔ وضاحت کیجیے...

مسافر صرف ایک ہزار یا زیادہ سے زیادہ پندرہ سو کاپی چھاپنے کا ارادہ ہے۔ ڈاکٹر صاحب سے پوچھ لیجیے۔ اگر وہ زیادہ چاہیں تو زیادہ بھی چھپ سکتی ہیں۔ قریباً ایک سو کاپی کابل جائیں گی۔ چند کاپیاں جن کی تعداد دس سے زیادہ نہ ہو گی، خاص کاغذ پر چھپیں گی۔"

مکتوب اقبال بنام سید نذیر نیازی (بابت ۹/ ستمبر ۱۹۳۴ء)

"سفر نامہ افغانستان کی کتابت ختم ہو گئی ہے۔ دو چار روز میں طباعت شروع ہو گی۔"

مکتوب اقبال بنام سید نذیر نیازی (بابت ۳/ مارچ ۱۹۳۶ء)

"افغانستان والے معاملے کو بھی pursue کرنا چاہیے۔"[۱۲۶]

علامہ کے لیے سفر افغانستان کی یادیں نشاطِ روح کا سامان فراہم کرتی رہیں۔ اس سفر کی یاد میں مثنوی مسافر ترتیب دی۔ اور افغانستان کے مناظر فطرت سے دل کھول کر لطف اٹھایا۔ جمال الدین احمد اور محمد عبد العزیز کی تالیف افغانستان کے دیباچے میں لکھتے ہیں:

جب افغانستان کے بارے میں سوچتا ہوں اور اکثر ایسا ہوتا ہے تو میرے سامنے افغانوں کے دیس کی وہ تصویر گھومنے لگتی ہے جو میں نے پچھلے موسمِ خزاں میں دیکھی تھی۔ میں ایک سادے سے آرام دہ کمرے میں بیٹھا ہوا ہوں۔ آس پاس باغ ہے۔ باغ سے پرے زمین کا ایک ٹکڑا۔ آہستہ آہستہ اوپر کو اُبھرتا چلا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ پہاڑی سلسلے میں جاملتا ہے۔ اس کے پیچھے بلند ہوتی ہوئی پہاڑی کی ایک قطار ہے۔ یہاں تک کہ یہ بلندیاں ہندوکش کے سلسلے تک بلند ہوتی ہوئی پہاڑیوں تک جا پہنچتی ہیں۔ دور تک پھیلے ہوئے میدانوں کے اس پار اُونچی اُونچی روشیں ہیں۔ دور دراز سے آئی ہوئی طوفانی ہوائیں جنھیں چیرتی ہوئی آگے بڑھ جاتی ہیں۔ اوپر مغرب میں ڈوبتے ہوئے سورج کے حسین اور خوشنما رنگوں سے آراستہ آسمان نظر آتا ہے۔ نیچے وادیوں میں سائے تیزی سے رینگتے ہیں۔ لاتعداد پتلے لمبے سرو کے درخت ان سایوں کے درمیان اپنے پر پھیلائے کھڑے ہیں۔ سبک سیر ہوائیں ان کی پتیوں کو چومتی ہوئی آگے بڑھ جاتی ہیں۔ شفق کے سکون میں وادی وادی کے درخت دور افتاد گاؤں اور دھندلے کہر کے سمندر میں بہتے ہوئے پہاڑ خوابوں جیسا حسین منظر پیش کرتے ہیں۔ پھر ایکا ایکی شام کا جادو اذان کی آواز سے ٹوٹ جاتا ہے۔ میرے سب ساتھی اپنی اپنی جگہیں چھوڑ دیتے ہیں۔ مؤذن کی دل میں اتر جانے والی آواز مجھے کہیں اپنے سے بھی دور لے جاتی ہے۔ اور میں مسجد میں سیر کے بعد پہنچتا ہوں جہاں میرے ساتھی مہمان اور مصاحبوں کے ساتھ شاہی میزبان جمع ہیں۔ [۱۲۷]

افغانوں کی پذیرائی

حضرت علامہ کی وفات کے بعد اعلیٰ حضرت المتوکل علی اللہ محمد ظاہر شاہ نے تمام افغان ملت کی قلبی عشق و محبت کی نمائندگی کرتے ہوئے حضرت علامہ کے مزار کے لیے سنگِ مرمر اور قیمتی پتھر بھجوائے۔ عقیدت و محبت کے اس لافانی اظہار سے ہمیشہ کے لیے اپنی قوم کے مجموعی اثرات کو تا ابد محفوظ کیا۔ اقبال کے مزار کے کتبے پر اقبال ہی کے مندرجہ ذیل

اشعار کندہ کیے گئے ہیں اور اس کے ساتھ اقبال کے سالِ ولادت اور سالِ وفات بھی کندہ ہے۔ کتبے کا متن درج ذیل ہے:

ھو الغفور الرحیم

شاعر و فیلسوف شرق داکتر محمد اقبال کہ راہ سعی و عمل و روح اسلام را بہ ہم کناں روشناختہ و ازیں رو مظہر قبول محمد نادر شاہ غازی ملت افغان واقع شد در ۱۲۹۴ھ ق تولد و بسنہ ۱۳۵۷ھ ق وفات یافت

ان من الشعر لحکمۃ و ان من البیان لسحرا

نہ افغانیم و نے ترک و تتاریم
چمن زادیم و از یک شاخساریم
تمیز رنگ و بو بر ما حرام است
کہ ما پروردۂ یک نوبہاریم

مأخذات باب دوم

۱۔ پیامِ مشرق، ص۱۵ - ۲۱
۲۔ اقبال کی صحبت میں، ص۱۴۰
۳۔ اقبال کامل، ص۲۴۲
۴۔ اقبال اور عظیم شخصیات، ص۱۶۱ - ۱۶۲
۵۔ اقبال، افغان اور افغانستان، ص۷۹-۸۰
۶۔ ایضاً، ص۹۴
۷۔ ایضاً، ص ۸۰-۸۱
۸۔ اقبال اور عظیم شخصیات، ص۱۶۳
۹۔ ایضاً، ص ۱۶۳-۱۶۴
۱۰۔ اقبال، افغان اور افغانستان، ص ۶۷

۱۱ سفر نامہ اقبال، ص۵۴
۱۲ ایضاً، ص۱۴۵
۱۳ سیرت اقبال، ص۸۰-۸۱
۱۴ اقبال، افغان اور افغانستان، ص۱۹
۱۵ روز گار فقیر، جلد اول، ص۸۹
۱۶ اقبال اور عظیم شخصیات (مقالہ علامہ اقبال اور نادر شاہ) از اختر راہی، ص۱۶۵
۱۷ سرحد میں جدو جہد آزادی، ص۴۷۹
۱۸ ہفت روزہ چٹان، ۱۸/ فروری ۱۹۷۴ء
۱۹ اقبال اور عظیم شخصیات (مقالہ علامہ اقبال اور نادر شاہ) از اختر راہی، ص۱۶۶
۲۰ اقبال، افغان اور افغانستان، ص۸۱ تا ۸۴
۲۱ اقبال و افغان، ص۱۱۷
۲۲ اقبال، افغان اور افغانستان، ص۸۵ تا ۸۷
۲۳ اقبال اور عظیم شخصیات (مقالہ علامہ اقبال اور نادر شاہ) از اختر راہی، ص۱۶۷ - ۱۶۸
۲۴ اقبال، افغان اور افغانستان، ص۸۷-۸۸
۲۵ د افغانستان پبنلیك، ص۲۶۴
۲۶ اقبال، افغان اور افغانستان، ص۸۸ تا ۹۱
۲۷ روح مکاتیب اقبال، ص۳۹۴
۲۸ د افغانستان پبنلیك، ص۲۶۴
۲۹ اقبال، افغان اور افغانستان، ص۹۱ تا ۹۴
۳۰ روح مکاتیب اقبال ص۳۹۴
۳۱ ایضاً، ص۴۸۱
۳۲ مجلّہ کابل، ۲۲/ مارچ ۱۹۳۵ء، ص۸۶ - ۸۷
۳۳ اقبال اور عظیم شخصیات (مقالہ علامہ اقبال اور نادر شاہ) از اختر راہی، ص۱۷۰ - ۱۷۱
۳۴ اقبال، افغان اور افغانستان، ص۱۹
۳۵ ایضاً، ص۹۸-۹۹
۳۶ مثنوی مسافر، ص۸۱ - ۸۶

۳۷ روح مکاتیب اقبال، ص۴۸۰
۳۸ اقبال کا سیاسی سفر، ص۲۰۵
۳۹ اقبال، افغان اور افغانستان، ص۱۰۰تا۱۰۱
۴۰ روح مکاتیب اقبال، ص۵۶۳
۴۱ اقبال، افغان اور افغانستان، ص۱۰۱-۱۰۲
۴۲ اقبال کا سیاسی سفر، ص۲۰۷
۴۳ اقبال، افغان اور افغانستان، ص۱۰۲
۴۴ اقبال اور افغانستان، اکرام اللہ شاہد، ص۱۹۷ - ۱۹۸
۴۵ اقبال، افغان اور افغانستان، ص۹۶-۹۷
۴۶ اقبال ممدوح عالم، ص۲۸۴
۴۷ ایران میں اقبال شناسی کی روایت، ص۱۴ (مقالہ ایران میں اقبال شناسی کا پس منظر، سید محمد محیط طباطبائی)
۴۸ ایضاً، (مقالہ اہلِ ایران کی اقبال دوستی از ڈاکٹر محمد صدیق شبلی)، ص۷۶
۴۹ ایضاً، (مقالہ ایران میں اقبال شناسی کی روایت از ڈاکٹر سلیم اختر)، ص۱۱۹ - ۱۲۰
۵۰ ایضاً، (مقالہ ترجمانِ حقیقت فارسی شاعر علامہ محمد اقبال از سید محمد محیط طباطبائی ترجمہ ڈاکٹر محمد ریاض)ص۱۳۵
۵۱ روح مکاتیب اقبال، ص۴۰۵
۵۲ ایضاً، ص۴۵۰
۵۳ مثنوی مسافر، ص۵۶
۵۴ اقبال، افغان اور افغانستان، ص۷۰-۷۱
۵۵ اقبال سید سلیمان ندوی کی نظر میں، ص۲۰۴
۵۶ ایضاً، ص۲۰۵ - ۲۰۶
۵۷ اقبال، افغان اور افغانستان، ص۲۲
۵۸ اقبال سید سلیمان ندوی کی نظر میں
۵۹ روح مکاتیب اقبال، ص۴۷۵
۶۰ روح مکاتیب اقبال، ص۴۷۶

۶۱ ایضاً، ص۴۷۷
۶۲ اقبال، افغان اور افغانستان، ص۹۳
۶۳ اقبال سید سلیمان ندویؒ کی نظر میں، ص۲۰۶ - ۲۰۷
۶۴ روح مکاتیب اقبال، ص۴۷۷
۶۵ اقبال، افغان اور افغانستان، ص۲۳
۶۶ ایضاً، ص۲۲-۲۳
۶۷ روح مکاتیب اقبال، ص۴۷۸
۶۸ حرفِ اقبال، ص۲۰۲
۶۹ اقبال، افغان اور افغانستان، ص۷۱
۷۰ اقبال، افغان اور افغانستان، ص۷۷
۷۱ ایضاً، ص۷۱-۷۲
۷۲ نقوش اقبال، ص۲۵۷
۷۳ سر گذشت اقبال، ص۳۴۸
۷۴ مثنوی مسافر، ص۶۱
۷۵ اقبال، افغان اور افغانستان، ص۷۲-۷۳
۷۶ ایضاً، ص۷۲
۷۷ مثنوی مسافر، ص۶۳
۷۸ اقبال ریویو، جنوری ۱۹۷۶ء، ص۳۹ - ۴۰
۷۹ اقبال اور افغانستان از اکرام اللہ شاہد، ص۵۱
۸۰ ایضاً، ص۵۱ - ۵۲
۸۱ مثنوی مسافر، ص۶۲
۸۲ ایضاً، ص۶۳
۸۳ مکالماتِ اقبال، ص۱۶۵
۸۴ اقبال، افغان اور افغانستان، ص۷۸
۸۵ سیر افغانستان، ص۷
۸۶ اقبال ریویو، جنوری ۱۹۷۶ء، ص۴۱

۸۷ راقم کا انٹرویو خاطر غزنوی کے ساتھ، ۲۹/ اپریل ۲۰۰۳ء بمقام پشاور
۸۸ اقبال ریویو، جنوری ۱۹۷۶ء، ص ۴۱
۸۹ ایضاً، ص ۴۱ - ۴۲
۹۰ سیر افغانستان، ص ۹
۹۱ اقبال ریویو، جنوری ۱۹۷۶ء، ص ۴۱ - ۴۳
۹۲ ایضاً، ص ۴۳ - ۴۴
۹۳ ایضاً، ص ۴۷ - ۴۸
۹۴ سیر افغانستان، ص ۱۹ تا ۲۵
۹۵ مطالعہ اقبال کے چند پہلو، ص ۵۳
۹۶ مثنوی مسافر، ص ۶۴ - ۶۵
۹۷ مقالاتِ یومِ اقبال، ص ۳۰
۹۸ اقبال و افغانستان از اکرام اللہ شاہد، ص ۶۶
۹۹ ایضاً، ص ۵۲
۱۰۰ اقبال ریویو، جنوری ۱۹۷۶ء، ص ۴۸
۱۰۱ سیر افغانستان، ص ۲۷ - ۲۸
۱۰۲ اقبال ریویو، جنوری ۱۹۷۶ء، ص ۴۸
۱۰۳ سیر افغانستان، ص ۶۸
۱۰۴ مقالاتِ یوم اقبال، ص ۳۰
۱۰۵ نقوشِ اقبال، ص ۲۶۰
۱۰۶ بالِ جبریل، ص ۲۲
۱۰۷ مطالعہ اقبال کے چند پہلو، ص ۵۶ - ۵۸
۱۰۸ مقالاتِ یوم اقبال، ص ۳۰
۱۰۹ سیر افغانستان، ص ۳۰
۱۱۰ مقالاتِ یومِ اقبال، ص ۳۰
۱۱۱ سیر افغانستان، ص ۳۰
۱۱۲ اقبال ریویو، جنوری ۱۹۷۶ء، ص ۴۹
۱۱۳ سیر افغانستان، ص ۳۱

۱۱۴ ایضاً، ص ۳۲
۱۱۵ مثنوی مسافر، ص۷۵
۱۱۶ اقبال ریویو، ص۵۰
۱۱۷ مثنوی مسافر، ص۷۷ - ۷۸
۱۱۸ مطالعہ اقبال کے چند پہلو، ص۶۳
۱۱۹ اقبال ریویو، جنوری ۱۹۷۶ء، ص۵۱
۱۲۰ ایضاً، ص۵۱
۱۲۱ خوشی محمد مرحوم کے بیٹے باوا سے انٹرویو
۱۲۲ اقبال، افغان اور افغانستان، ص۷۳ تا۷۵
۱۲۳ حرفِ اقبال، ص۲۰۳ - ۲۰۴
۱۲۴ اقبال، افغان اور افغانستان، ص۷۶-۷۷
۱۲۵ ایضاً، ص ۲۴
۱۲۶ ایضاً، ص۲۴-۲۵
۱۲۷ اقبال ریویو، جنوری ۱۹۷۶ء، ص۵۳ – ۵۴

افغانستان میں اقبال شناسی کی روایت کا آغاز

افغانستان میں اقبال شناسی کی روایت کا آغاز حضرت علامہ کی زندگی ہی میں ہوا تھا۔ اس کے مختلف علل و اسباب ہیں۔ ایک تو یہ کہ علامہ کی شاعری کا ایک تہائی حصہ فارسی زبان میں ہے اور فارسی اور پشتو افغانستان کی قومی زبانیں ہیں۔ ایک اور وجہ یہ بھی ہے کہ چونکہ حضرت علامہ افغانوں سے انتہائی محبت کرتے تھے، ان سے کئی توقعات وابستہ تھیں۔ اسی بنیاد پر ان کی شاعری میں جابجا ملتِ افاغنہ سے متعلق افکار ملتے ہیں۔ اس وجہ سے افغانوں کی اقبال سے محبت ایک فطری عمل ہے۔

(الف) افغانستان کے پہلے اقبال شناس

افغانستان کے اقبال شناسوں میں پہلا نام عبد الہادی خان داویؔ کا ہے جبکہ دوسرا نام سرور خان گویاؔ کا آتا ہے۔ بقول ڈاکٹر محمد ریاض مرحوم " افغانستان کے فضلا کے ساتھ اقبال کے ذاتی مراسم بھی خاص اہمیت کے حامل ہیں۔ ڈاکٹر صلاح الدین سلجوقی اور سرور خان گویاؔ ان کے خاص احباب میں شامل تھے اور ان دونوں مرحومین کا سارا افغانستان ارادت مند اور معتقد ہے۔"[1]

جناب عبد الہادی داویؔ نے غازی امان اللہ خان کے دور ہی میں پیامِ مشرق پر ایک طویل تبصرہ لکھ کر ۲۴-۱۹۲۳ء میں امان افغان میں شائع کیا۔ جبکہ سرور خان گویاؔ کی پہلی باقاعدہ تحریر " دکتور اقبال" کے عنوان سے مارچ ۱۹۳۱ء میں شائع ہوئی ہے۔[2] اقبال سے گویاؔ کا یہ تعلق تادمِ مرگ جاری رہا۔

سردار صلاح الدین سلجوقی سے مراسم کے آغاز کا پتا تو نہیں چل سکا البتہ حضرت علامہ کے مختلف مکتوبات میں سلجوقی کا تذکرہ ان کے باقاعدہ قریبی تعلق کا آئینہ دار ہے۔ ان میں پہلا مکتوب ۲۱/ستمبر ۱۹۳۱ء بنام منشی طاہر الدین کے نام ہے[۳] اور آخری مکتوب یکم/اگست ۱۹۳۷ء لیڈی مسعود کے نام ہے۔[۴]

سرور خان گویاؔ اور صلاح الدین سلجوقی کے بعد سردار احمد علی خان ایک اور افغان اقبال شناس ہیں جنھوں نے افغانستان میں اقبال شناسی کی بنیادوں کی آبیاری کی۔ آپ اسلامیہ کالج لاہور کے فارغ التحصیل تھے۔ اور انجمن ادبی کابل کے سیکرٹری اور روح رواں تھے۔[۵]

آپ کی تحریر ''علامہ اقبال'' کے عنوان سے جون ۱۹۳۲ء میں شائع ہوئی ہے۔[۶] اس دوران دارالمعلمین کابل کے ایک استاد جناب محمد سکندر خان کا ایک مقالہ ''تنزل و انحطاطِ اسلام'' دسمبر ۱۹۳۲ء میں شائع ہوا ہے۔[۷] یہ مقالہ علامہ کے اسلامی افکار و نظریات کی روشنی میں ترتیب دیا گیا ہے۔ جبکہ محمد سکندر خان کی دیگر تحریرات نظر سے نہیں گزریں۔

اکتوبر ۱۹۳۳ء میں حضرت علامہ کے سفر افغانستان کے بعد وہاں اقبال شناسی میں روز افزوں اضافہ ہوا۔ اس دور کے اقبال شناسوں کے سرخیل علامہ عبدالحیٔ حبیبی ہیں جنھوں نے یکم/نومبر ۱۹۳۳ء کو قندھار میں علامہ سے ملاقات کی۔[۸]

اور علامہ حبیبیؔ نے جنوری ۱۹۳۴ء میں علامہ کے فکر کے زیرِ اثر ایک طویل فارسی نظم علامہ ہی کی تضمین پر شائع کی۔[۹] مقالات کے علاوہ علامہ کے فکری اثر میں '' دردِ دل و پیامِ عصر'' منظوم فارسی اثر یادگار چھوڑے ہیں۔

افغانستان کے پہلے اقبال شناسوں میں جناب قیام الدین خادم کا نام لینا بہت ضروری ہے کیونکہ آپ وہ پہلے پشتون شاعر ہیں جنھوں نے باقاعدہ حیاتِ اقبال ہی میں کلام اقبال کے پشتو منظوم تراجم کی بنیاد رکھی جس کا پہلا حصہ فروری ۱۹۳۷ء میں شائع ہوا۔[۱۰]

سید قاسم رشتیا بھی افغانستان کے پہلے اقبال شناسوں میں سے تھے۔ آپ نے ۱۹۳۳ء میں علامہ سے ملاقات بھی کی تھی جبکہ بعد ازاں میں لاہور میں بھی ان کی صحبت سے فیض یاب ہوئے تھے۔[۱۱] علامہ کی وفات پر طویل مقالات لکھے۔[۱۲]

گل باچا الفت کو بھی علامہ کا طویل پشتو مرثیہ انھیں افغانستان کے ابتدائی اقبال شناسوں میں شامل کراتا ہے۔[۱۳] جبکہ غلام دستگیر خان مہمند بھی "رثای اقبال"[۱۴] کی بنیاد پر اس کے حقدار ہیں۔

(ب) افغانستان میں اقبال شناسی

از آغاز تا وفات اقبالؒ ۲۱/ اپریل ۱۹۳۸ء

۲۴-۱۹۲۳ء

کابل کے امان افغان اخبار میں پیام مشرق پر عبدالہادی خان داوی کا تبصرہ مسلسل تین اقساط میں شائع ہوا۔[۱۵]

یہ تبصرہ بعد میں افغانستان و اقبال[۱۶] از صدیق رہپو میں شائع ہوا اور ڈاکٹر عبدالرؤف رفیقی کے سیر اقبال شناسی در افغانستان میں بھی شامل ہے۔[۱۷]

مئی ۱۹۲۴ء

افغانستان کے شاہ امان اللہ خاں اپنی حکومت کے انتہائی عروج کی منزلیں طے کر رہے تھے۔ ڈاکٹر صاحب (علامہ اقبال) کا کلام کابل کی ایک عظیم الشان مجلس میں پڑھا گیا جس میں شاہ ممدوح، سفراے دول خارجہ، عمائدین شہر، وزیر تعلیم اور دوسرے وزرا بھی شامل تھے۔ یہ جلسہ طلبہ کی تقسیم انعامات کا تھا۔ اس میں ہمارے ملک الشعرا ہند کا مشہور قومی ترانہ "مسلم ہیں ہم وطن ہے سارا جہاں ہمارا" بچوں نے اپنے پیارے اور سادے لہجے میں سنایا۔ پھر جب فوجی بینڈ نے اسے دہرایا تو حاضرین پر رقت طاری ہو گئی۔"[۱۸]

علامہ کے اشعار کابل میں طلبہ تعلیمی اداروں میں ترانوں کی صورت پڑھتے ہیں۔ اس کا حوالہ ایس تدریسات عمومی افغانستان نے اعلیٰ حضرت غازی امان اللہ خاں کی عظیم الشان چشم دید داستان افغان بادشاہ میں دیا ہے۔

پہلی دفعہ اس عہد میں طلبہ نے ترانے پڑھنے شروع کیے جن کا موضوع زیادہ تر استقلال و حریت آئین و قانون، اور علم و عرفان ہوتا تھا۔ حضرت اقبال کا "مسلم ہیں ہم وطن

ہے سارا جہاں ہمارا" بھی ذوق و شوق سے پڑھا اور سنا گیا تھا۔ اگرچہ یہاں اردو جاننے والے ملح فی الطعام کے برابر بھی نہیں ہیں۔"[۱۹]

۱۵ حوت ۱۳۱۰ھ ش / ۵ مارچ ۱۹۳۱ء:

حضرت علامہ سے متعلق سرور خان گویا کا پہلا مقالہ بعنوان "دکتور اقبال" مجلّہ کابل میں شائع ہوا۔[۲۰]

یہ مقالہ بعد میں سیر اقبال شناسی در افغانستان میں بھی شائع ہوا۔[۲۱]

اول سرطان ۱۳۱۱ھ ش / ۲۲ جون ۱۹۳۲ء:

حضرت علامہ کی شخصیت سے متعلق احمد علی خان درانی مدیر انجمن ادبی کابل کا مقالہ "علامہ اقبال" شائع ہوا۔[۲۲]

یہ مقالہ دوسری بار افغانستان و اقبال[۲۳] تیسری بار سیر اقبال شناسی در افغانستان اور چوتھی بار "افغانستان و اقبال" کے عنوان سے علامہ اقبال در ادب فارسی و فرهنگ افغانستان[۲۴] میں شائع ہوا ہے۔

اول سرطان ۱۳۱۱ھ ش / ۲۲ جون ۱۹۳۲ء:

مجلّہ کابل میں علامہ کا اپنے خط سے ارسال کردہ درج ذیل نظم "خطاب بہ ملت کوہسار" مع فوٹو شائع ہوئی۔

صبا بگوی بہ افغانِ کوہسار از من — بمنزلی رسید ملّتی کہ خود نگر است

مریدِ پیرِ خراباتیانِ خودبین شو — نگاہِ او ز عقاب گرسنہ تیز تر است

ضمیر تست کہ نقشِ زمانۂ نو کشید — نہ حرکت فلک ست ایں، نہ گردشِ قمر است

دگر بسلسلۂ کوہسارِ خود بنگر — کہ تو کلیمی و صبحِ تجلّیِ دگر است

بیا کہ بہ دامانِ نادر آویزیم — کہ مرد پاک نہاد است و صاحبِ نظر است

یکی است ضربت اقبال و ضربتِ فرہاد — جز ایں کہ تیشۂ مارا نشانہ بر جگر است[۲۵]

علامہ کے اپنے خط سے لکھی ہوئی اپنی نظم افغانستان اور اقبال میں بھی شائع ہوئی ہے۔[۲۶]

اول سنبلہ ۱۳۳۱ھ ش / ۲۲ اگست ۱۹۳۲ء:

مجلّہ کابل میں علامہ کے بھیجے گئے درج ذیل اشعار ''افغان و ایران'' کے عنوان سے شائع ہوئے:

آنچہ بر تقدیر مشرق قادر است — عزم و حزم پہلوی و نادر است

پہلوی آن وارث تخت قباد — ناخن او عقدۂ ایران کشاد

نادر آں سرمایۂ درانیان — آن نظام ملت افغانیان

از غم دین و وطن زار و زبون — لشکر اش از کوہسار آمد برون

ھم سپاہی، ھم سپہ گر، ھم امیر — با عدو فولاد و با یاراں حریر!

من فدای آنکہ خود را دیدہ است — عصر حاضر را نکو سنجیدہ است!

غربیان را شیوہ ھائی ساحری است — تکیہ جز بر خویش کردن کافری است[۲۷]

متذکرہ بالا اشعار بعد میں جاوید نامہ میں '' آں سوئے افلاک'' میں ابدالیؔ کے ضمنی عنوان سے شائع ہوئے۔[۲۸] اور یہ اشعار سیر اقبال شناسی در افغانستان میں بھی شائع ہوئے ہیں۔[۲۹]

اول سنبلہ ۱۳۱۱ھ ش / ۲۲/ اگست ۱۹۳۲ء:

مجلّہ کابل میں ملت افغان کے عنوان سے علامہ کے اشعار شائع ہوئے۔[۳۰]

۱۱ - ۱۳۱۲ھ ش:

سالنامہ کابل میں ''تصاویر بعضی از اعضائی ممتاز کانفرنس میز مدور نمائندہ ہائے مسلم'' کے سلسلے میں سر محمد اقبال صاحب اور والا حضرت سر آغا خان کی تصاویر چھپی ہیں۔[۳۱] اسی طرح اس شمارے میں گول میز کانفرنس کا ایک اور گروپ فوٹو بھی چھپا ہے جس میں حضرت علامہ نمایاں ہیں۔[۳۲]

اول جدی ۱۳۱۱ھ ش ۲۲/ دسمبر ۱۹۳۲ء

مجلّہ کابل میں دارالمعلمین کابل کے معلم محمد سکندر خان کا مقالہ ''تنزل و انحطاط اسلام'' کے عنوان سے شائع ہوا جس میں علامہ کو ''ترجمان حقیقت'' کا خطاب دیا گیا ہے۔[۳۳] یہی مقالہ بعد میں سیر اقبال شناسی در افغانستان[۳۴] میں شائع ہوا ہے۔

ہفتہ ۲۸/ اکتوبر ۱۹۳۳ء:

انجمن ادبی کابل کی طرف سے حضرت علامہ اور ان کے شرکائے سفر کے اعزاز میں رات ساڑھے سات بجے کابل ہوٹل میں ایک پُر تکلف ضیافت کا اہتمام کیا گیا۔[۳۵] اس کی تفصیلات مجلّہ کابل کے ۲۲؍دسمبر ۱۹۳۳ء کے تحت آئیں گی۔

عقرب ۱۳۱۲ھ ش:

مجلّہ کابل میں ورود معارف ہند کے عنوان سے درج ذیل خبر چھپی ہے:

شاعر شہیر و فیلسوف نامدار عالم اسلام علامہ داکتر سر محمد اقبال صاحب و جناب ڈاکٹر سر راس مسعود حمید صاحب رئیس مسلم یونیورسٹی علی گڑھ پروفیسر ہادی حسن صاحب معلم ادبیات فارسی و آقائی غلام رسول خان بیرسٹر معلم سابق مکتب حبیبیہ کابل بروز ۲۹ میزان از طریق پشاور جلال آباد وارد کابل شدہ از طرف معززین و فضلاتی کابل بانہایت صمیمت پذیرائی شدہ میروند۔

این مہمانان محترم بعد چند روزہ توقف کابل دوبارہ معاودت بہ ہند خواھند فرمود ماقدوم این فضلائی نامور کشور ہند رادر خاک وطن عزیز خیلی مسعود دانستہ و امیدواریم روابط حسنہ علمی و ادبی ماوہند بیشتر از بیشتر قایم شود

ترجمہ: عالمِ اسلام کے مشہور شاعر و فلسفی علامہ ڈاکٹر سر محمد اقبال صاحب، وائس چانسلر علی گڑھ مسلم یونیورسٹی جناب سر راس مسعود حمید صاحب، ادبیات فارسی کے استاد پروفیسر ہادی حسن صاحب اور مکتب حبیبیہ کابل کے سابق استاد بیرسٹر جناب غلام رسول خان صاحب مؤرخہ ۲۹ میزان پشاور اور جلال آباد کے راستے کابل تشریف لائے۔ جہاں کابل میں معززین اور علما و فضلا نے ان معزز مہمانوں کا نہایت پر جوش استقبال اور پذیرائی کی۔

ہمارے یہ معزز مہمان کابل میں چند روز قیام کے بعد دوبارہ ہندوستان تشریف لے گئے۔ ہم ہندوستان کی ان نامور ہستیوں کا وطن عزیز افغانستان میں تشریف آوری کو نہایت خوش بختی کی علامت سمجھتے ہیں اور امید رکھتے ہیں کہ ہمارے اور ہند کے درمیان علمی رابطے مزید مستحکم و مضبوط ہوں گے۔[۳۶]

یہی خبر بعد میں افغانستان و اقبال میں بھی شائع ہوئی ہے۔[۳۷]

اول جدی ۱۳۱۲ھ ش / ۲۲؍نومبر ۱۹۳۳ء:

مجلّہ کابل میں حضرت علامہ کے سفر افغانستان کے دوران انجمن ادبی کابل کی تقریب کی تفصیلات شائع ہوئیں۔ یہ تقریب ۲۸/ اکتوبر ۱۹۳۳ء بشب ساڑھے سات بجے کابل ہوٹل میں منعقد ہوئی تھی۔ اس تقریب میں اہلِ علم، معززین شہر، اربابِ اختیار اور علمی وادبی شخصیات شامل تھیں۔ سب سے پہلے انجمن ادبی کابل کے صدر نے فارسی میں مہمانوں کو خیر مقدمی کلمات کہتے ہوئے خطاب کیا۔[۳۸]

اس خطاب کا متن چونکہ نایاب ہوتا جارہا تھا اور میں نے پاکستانی مطبوعات میں کہیں نہیں پایا لہٰذا مجلّہ کابل سے من وعن نقل کیا جاتا ہے:

سواد بیانیہ رئیس انجمن ادبی کابل

فضلائی محترم

اجازه بفرمائید که هیت انجمن ادبی کابل بنام ادبا و اہلِ قلم افغانستان، احساسات مملو از محبت و صمیمیت خود هارا بحضور تان عرض واز تشریف آوری جنابان شما اظہار شکریہ کرد، (خوش آمدید) وصفا آورید بگویند۔

کشور پنهاور هند، که همیشه مهد پرورش فضلائی نام آور و ادبای بزرگ بوده، و در آغوش خود رجال معروف و سخنواران شهری از قبیل بیدلؒ همه دل، صائبؒ اصفهانی، حکیمؒ، سلیمؒ، طالب آملیؒ، فیضؒ فیاضی، بالاخره شبلی نعمانی و امروز صاحبان قریحه بلندی همچو فیلسوف شهیر اجتماعی مثل اقبال سخنور و فرزندان بزرگ مثل سر راس مسعود وعلامه سید سلیمان ندوی و پروفیسر معروف هادی حسن بعرصۂ وجود آورده است۔ البته آن خاک بزرگ مستعد گهواره علم و فضل مشرق بشمار بوده و ما خیلی آنرا بااحترام مینگریم ستاره هائی روشن افق هند کبیر همواره در فضائی گیتی پرتو انداخته و برائی عزت و سربلندی مشرق و مشرقیان خدمات و مجهودات خیلی بزرگ و باقیمتی کرده است۔

پس ما اگر فضلائی بزرگ فرزانه آن کشور نامی امثال حضرت عالی شما را در خاک خودی می بینیم بد یهیست خورسند و مسرور گردیده و به استعداد بلند مشرق افتخار مینائیم۔

مشرق عظمت گذشته، مشرق متمدن قدیمه که مهد علم و تربیت جهان و منبع فضل و ادب آنروزه بود، و ذخائر باقیمتش تاهنوز بس ملل مترقیۂ دنیائی امروزه را ثروتمند و غنی گردانیده

است ممکن بود۔ شرق در اثر پس ماندگی ھائی امروزہ از خاطرھا فراموش شود ولی می بینیم قومیکہ امروز از شرقیان برائ احیائی نام شوون و افتخارات گذشتہ این سرزمین عزیز بانہایت جدیت وعلاقہ مند خدمت میکند فرزندان ونام آوران صحیح ہند است۔

دارالفنون بزرگ علی گڑھ کہ امروز از بہترین مراجع تحصیل فضل و کمال اولاد شرقی شمرد میشود، نتیجہ ہمت و شاہد فتوت وجوان مردی وشرق دوستی فاضل مغفور حضرت سید احمد کبیر یعنی یادگار برجستہ یکی از فرزندان نجیب کشور ہند است! آثار ومؤلفات پر قیمت حضرت اقبال کہ ہر کدام روح اخلاق، سعی، عمل، اسرار مہمۂ اجتماعی و بالاخرہ عواطف نفیسہ شرق دوستی و اسلام پرستی رادر اجساد افسردہ شرقیان میدمد ہمہ نمونہ ھائی ہمت و مجاہدات اولاد کشور ہند است۔

ہنگامیکہ شاہانِ علم دوست وادب پرور افغانستان یعنی عزنویان، غوریان ازین کہسار رخت سفر بربستہ علوم و ادبیات را در کشور مایتیم گذاشتند فقط ملت قابل و مستعد ہند بود کہ باحیائی آثار پر قیمت شعرا و فضلائی آن سرزمین ہمت گذاشتند، وآن جواہرات گران بہار تا امروز محفوظ نمودند۔

امروزمی بینم در مملکت شرق دوستداران شعرا و فضلائی بلخ و غزنی و قیمت شناسان رجال معروفہ افغانستان و تازہ کنندہ نام و آثار فضلا و بزرگان شرق و اسلام بیشتر ملت بزرگ و مردان حق شناس کشور ہند است۔

امروز کہ در اثر رحمت بیکرانہ حضرت باری، افغانستان ما از ورطہ ہائی خیلی خونین و ہولناکی نجات یافتہ و زمام ادارہ آن بکف باکفایت فرزند علم دوست و ادب پرور این کشور یعنی اعلیٰ حضرت محمد نادر شاہ غازی و یگانہ مجدد شرافت و شوون افغانستان قدیم رسیدہ، و درسایہ مجاہدات این شہریار بزرگ میخواہد علم وادب حیات وشوون تاریخی خودرا تجدید نماید می بینیم ہمدردی وپذیرائی ھائی خوبی بیشتر از فضلائی ہند می شود۔

یعنی حساس وادراک نفیس ملت نجیب ہند بہ ہمچہ مطالب سود مند عالم اسلام وشرق بیشتر اہمیت دادہ تقدیر مینماید ہند وایران وافغانستان کہ وطن ادبیات فارسی وسرزمین شعرائی بزرگ وبلند قریحہ شرق اند االبتہ قیمت رجال وفضلائی ہمدیگر خودراخوبتر بہ نظر محبوبیت دیدہ وافتخار توامی درجہان دارند۔

بالاخرہ میگویم: فضلائی محترم! کشور ہند نہ تنہا بلکہ عموم خاک شرق وطن معنوی شماست و آن آرزو ھاو نہایت بلندی کہ دارید ھدف مقصود شما خاک شرق است شرقیان بالخاصہ افغانستان ماموفقیت ھارادر راہ این آمال بزرگ تان یعنی عظمت سرزمین شرق از خدا تمنامی نماید۔ ضمنا میگویم گرچہ کوہسار افغانستان خالی از تجملات مغرب است و این سرزمین برائی مسرت پر تکلف مادی ہنوز موقعی نیافتہ شاید خوشگذرانان ممالک خارجہ مسافرت وسیاحت اینجارا نپسند ندولی مایقین داریم حساسین وصاحبان فضل وقریحہ میدانند کہ این سرزمین وطن سلطان محمود غزنوی، مرزوبوم غوریان و ابدالیان، مسقط الراس ابن سینائی بلخی، سنائی غزنوی، عنصری، عسجدی، دقیقی، فاریابی بالاخرہ سید جمال الدین افغانست۔ البتہ میدانند کشور افغانستان مامن ملتی است کہ افراد آں عموما اسلامیت و شرقیت رادوستدار صمیمی بودہ و محل حکمرانی پادشاہ شریفی مثل اعلیٰ حضرت محمد نادر شاہ غازی ویگانہ ھواخواہ عزت و اعتلائی عالم اسلام و شرق است۔ آخر عرض میکنیم این مجلس کہ بہ افتخار شماترتیب یافتہ نمونۂ ایست از ابراز عواطف و احساسات ادباو فضلائی ملت و حکومت افغانستان وما آرزو داریم حضرت محترم شمادر کشور عزیز خود این ھدیہ راکہ مقصد از محبت وصمیمیت خالصانہ ماست نمایندہ شدہ وبعموم برادران محترم ہندی سلام واحترام دوستانہ مارابرسانید، وازین علایق قلبی ومعنوی ماکہ از سالہابہ نسبت ملت محترم ہند دردل داریم بہ آہنا تذکری بدھید۔

درخاتمہ از قبول این زحمت کہ حضرت شمابما افتخار بخشیدہ ودعوت انجمن ماراپذیرفتہ اید خیلی ممنون ومتشکر بودہ سعادت وموفقیت شماوملت بزرگ ہندرااز خدا تمنامینماییم۔

در آخر میگویم مترقی باد عالم شرق ومسعود باد عالم اسلام۔[۳۹]

اس بیانیے کا اردو ترجمہ اس محفل میں شریک اقبال کے ہمرکاب مولانا سید سلیمان ندوی نے سیرِ افغانستان میں یوں کیا ہے:

خطابۂ خیر مقدم جناب رئیس انجمن ادبی کابل

فضلائے محترم! اجازت دیجیے کہ افغانستان کے ادبا اور اہلِ قلم کی یہ ادبی مجلس اپنے خلوص و محبت کے جذبات کو جناب کے سامنے پیش اور آپ کی تشریف آوری پر اظہار تشکر کرتے ہوئے خوش آمدید اور صفا آورید کہے۔

ہندوستان کا وسیع ملک جو ہمیشہ سے نامور فاضلوں اور بڑے بڑے ادیبوں کا گہوارہ رہا ہے اور جس نے اپنی آغوش میں بڑے بڑے مشہور لوگوں اور معروف سخنوروں مثلاً سراپا دل بیدلؔ، صائبؔ، اصفہانیؔ، کلیمؔ، سلیمؔ، طالب آملیؔ، فیض فیاضیؔ، اور آخر میں شبلی نعمانی اور آج صاحبانِ فکر بلند مثلاً مشہور اجتماعی فلسفی شاعر اقبال اور فرزندانِ جلیل القدر مثلاً سر راس مسعود، علامہ سید سلیمان ندوی اور مشہور پروفیسر ہادی حسن کو پیدا کیا ہے۔ یقیناً وہ خاک پاک ایشیا میں علم و فضل کا گہوارہ ہے اور ہم اس کو بڑے احترام کی نظر سے دیکھتے ہیں۔ ہندوستان کے اُفق کے روشن ستاروں نے ہمیشہ فضائے عالم پر پر توافگنی کی ہے۔ اور ایشیا و اہلِ مشرق کی عزت اور سربلندی کے لیے بہت بڑی اور قیمتی خدمتیں اور کوششیں کر دکھائی ہیں۔

پس اگر ہم اس مشہور ملک کے آپ جیسے بزرگ و فرزانہ فضلا کو اپنے ملک میں دیکھتے ہیں تو یہ بالکل کھلی ہوئی بات ہے کہ ہم خوش اور مسرور ہو کر ایشیا کی بلند صلاحیت اور استعداد پر فخر کریں گے۔

ایشیا عظمت گذشتہ ایسا متمدن قدیم جو کسی زمانہ میں دنیا کے لیے علم و تربیت کا گہوارہ اور فضل و ادب کا سرچشمہ تھا اور جس کے قیمتی ذخیرے آج تک دنیائے موجودہ کی بہت سی ترقی یافتہ قوموں کو دولت مند بنائے ہوئے ہیں۔ ممکن تھا کہ وہ ایشیا موجودہ پستی و پسماندگی کی وجہ سے دلوں سے فراموش ہو جاتا لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ اہلِ ایشیا میں جو قوم اس سرزمین کے نام تاریخ اور مفاخر کو زندہ اور روشن کرنے میں بے انتہا جدوجہد سے خدمت کر رہی ہے وہ ہندوستان ہی کے سچے اور نامور فرزند ہیں۔

علی گڑھ کا عظیم الشان دارالعلوم (یونیورسٹی) جو فرزندانِ ایشیا کا بہترین علمی مرکز شمار ہوتا ہے وہ کشور ہند کے ایک فرزند نجیب سر سید اعظم کی ہمت، جوانمردی اور مشرق دوستی کی ایک یادگار ہے! حضرت اقبال کے قیمتی آثار و تالیفات جن میں سے ہر ایک نے اخلاق، سعی، عمل استمرار، اجتماع جذبات، مشرق دوستی اور احساساتِ اسلام کی اہلِ ایشیا کے جسموں میں روح پھونکی ہے۔ یہ سب ملک ہند کے فرزندوں کی ہمت اور مجاہدات کے نمونے ہیں۔

جس زمانہ میں افغانستان کے علم دوست اور ادب پرور بادشاہ یعنی غزنوی اور غوری اس کہسار سے رختِ سفر باندھ کر علوم و ادبیات کو ہمارے ملک میں یتیم چھوڑ گئے تو اس وقت صرف ہندوستان ہی کی مستعد قوم تھی جس نے ہماری سرزمین کے شعرا و فضلا کے قیمتی آثار اور

گراں بہا جواہرات کو آج تک کے لیے محفوظ کر دیا۔ آج ہم دیکھتے ہیں کہ اقلیمِ ایشیا میں بلخ و غزنی کے شعرا و فضلا کے قدر دان، مشاہیر افغانستان کے قیمت شناس اور اکابر ایشیا و اسلام کے نام و آثار کو تازہ کرنے والے زیادہ تر ہندوستان ہی کے بزرگ اور حق شناس افراد ہیں۔

آج جبکہ باری تعالیٰ کی بے انتہا رحمت کے فیض سے ہمارا افغانستان سخت خونیں اور ہولناک بھنور سے نجات پا کر ایک علم دوست اور ادب پرور فرزند یعنی اعلیٰ حضرت محمد نادر شاہ غازی مجدد شرف و تاریخ افغانستانِ قدیم کے لائق ہاتھوں میں پہنچ گیا ہے اور اس شہریار بزرگ کی کوششوں کے سایہ میں اپنے علم و ادب اور تاریخ کی تجدید کرنا چاہتا ہے، ہم دیکھ رہے ہیں کہ زیادہ تر ہمدردی اور پذیرائی فضلائے ہند کی طرف سے ہو رہی ہے۔ یعنی ہندوستان کی شریف قوم کا شریف احساس و ادراک اسلام و ایشیا کے متعلق تمام مفید مقاصد کا زیادہ اہمیت کے ساتھ اندازہ لگا رہا ہے۔

ہندوستان، ایران اور افغانستان جو ادبیاتِ فارسی کے وطن اور شعرائے عظام و عالی خیال کے ملک ہیں آپس میں ایک دوسرے کے اکابر اور شعرا کو بہت محبوب نظروں سے دیکھتے ہیں اور اس پر دنیا کے سامنے تو ہم فخر کرتے ہیں۔

آخر میں ہم کہتے ہیں اے محترم فاضلو! نہ تنہا ملک ہندوستان بلکہ سارا ایشیا آپ کا معنوی وطن ہے اور آپ کی بلند تمنائیں اور ارادے جو آپ رکھتے ہیں اور آپ کے مقصود کا ہدف خاکِ مشرق ہے، تمام اہلِ ایشیا خاص کر ہمارا افغانستان آپ کی بڑی امیدوں یعنی مشرق کی عظمت کی راہ میں خدا سے توفیق کی آرزو کرتا ہے۔ ضمناً ہم کہتے ہیں کہ اگرچہ افغانستان کا کوہستان یورپ کے تکلفات سے خالی ہے اور اس سرزمین نے اب تک مادی پر تکلف مسرت کا کوئی موقع نہیں پایا ہے۔ اس لیے ممکن ہے کہ بیرونی ممالک کے خوش گزر یہاں کے سفر اور سیاحت کو پسند نہ کریں لیکن ہمیں یقین ہے کہ اربابِ علم خوب جانتے ہیں کہ یہ سرزمین سلطان محمود غزنوی کا وطن ہے، غوریوں اور ابدالیوں کا مرز بوم ہے۔ ابن سینائے بلخی، سنائی غزنوی، عنصری، عسجدی، دقیقی، فاریابی اور آخر میں سید جمال‌الدین افغانی کا مسقط الراس ہے۔ یقیناً سب جانتے ہیں کہ کشورِ افغانستان اس قوم کی جائے پناہ ہے جس کے افراد عموماً اسلامیت اور ایشیائیت کے مخلص دوست تھے۔ اور ایک شریف بادشاہ اعلیٰ حضرت محمد نادر شاہ غازی کا پایہ تخت ہے جو دنیائے اسلام و ایشیا کی عزت و بلندی کے تنہا ہوا خواہ ہیں۔ آخر میں ہم عرض

کرتے ہیں کہ یہ جلسہ جو آپ کے اعزاز میں منعقد ہوا ہے ایک نمونہ ہے افغانستان کی قوم اور حکومت کے ادبا و فضلا کے اظہار جذبات و احساسات کا اور ہم کو آرزو ہے کہ آپ حضرات اپنے پیارے وطن میں اس ہدیہ کے نمائندے بنیں گے جس سے مراد ہماری، خالص احترام و اخلاص ہے۔ اور ہمارے معزز ہندوستانی بھائیوں کو عام طور پر ہمارا اسلام اور دوستانہ احترام پہنچائیں گے۔ اور ہمارے معززان دلی و معنوی تعلقات کا ان سے تذکرہ کریں گے جو سالہاسال سے ہمارے دل کے اندر ہندوستان کی محترم قوم کی نسبت موجود ہیں۔

خاتمہ میں اس زحمت کو قبول کر کے جو آپ حضرات نے ہم کو بخشی اور ہماری انجمن کی دعوت کو قبول فرمایا اس کے ہم بہت ممنون اور متشکر ہوئے ہیں۔ آپ حضرات اور ہندوستان کی بزرگ قوم کی سعادت اور توفیق یابی کے خدا سے آرزومند ہیں۔ آخر میں ہم کہتے ہیں مترقی باد عالمِ شرق! مسعود باد عالمِ اسلام۔[۴۰]

اس کے بعد افغانستان کے ملک الشعرا قاری عبداللہ نے مہمانوں کے اعزاز میں فارسی منظوم خیر مقدم پیش کیا جو قاری عبداللہ کی اقبالیاتی خدمات میں درج کیا جائے گا۔ اس کے بعد مہمانوں کی طرف سے پروفیسر ہادی حسن نے ایرانی فارسی زبان میں ایک تقریر کی جس میں نوجوان افغانوں کو شعر و سخن کی بجائے مغربی علوم و فنون کی تحصیل کی ترغیب دی تھی۔[۴۱]

پروفیسر ہادی حسن کے خطاب کے بعد جناب سر راس مسعود نے خطاب کیا۔ یہاں ایک نکتے کی طرف اشارہ ضروری سمجھتا ہوں کہ انجمن ادبی کابل کا خیر مقدم فارسی میں تھا۔ باقی حضرات سر راس مسعود، ڈاکٹر علامہ محمد اقبال اور سید سلیمان ندویؔ کے خطاب کی زبانوں کا پتا نہیں چلا۔ کیونکہ مجلّہ کابل میں ان حضرات کے جو خطابات شائع ہوئے ہیں ان میں بھی ترجمہ نطق جناب......[۴۲] درج ہے اور سید سلیمان ندویؔ نے سیر افغانستان میں مجلّہ کابل کے متعلقہ شمارے کا حوالہ دے کر تحریر فرمایا کہ ''یہ تقریریں دسمبر ۱۹۳۲ء (۱۹۳۲ء کتابت کی غلطی ہے اصل دسمبر ۱۹۳۳ء ہے) کے رسالہ کابل میں بزبانِ فارسی شائع ہوئی ہیں۔ ہم ان کا ترجمہ رسالہ مذکور سے لے کر درج کر رہے ہیں۔[۴۳] بہر حال مجلّہ کابل سے سر راس مسعود صاحب کے خطاب کا متن نقل کیا جاتا ہے:

ترجمہ نطق جناب سر راس مسعود صاحب:

آقایان محترم ومیزبان مہربان!

از کمال خلوص اظہار مسرت وتشکر می نمایم واز عہدہ شکرانہ ایں التفات وپذیرائی کہ در حق بندۂ مبذول فرمودید نمیتوانم بدر ایم میخواھیم احساسات وجذبات قلبی مسلمانان ہندوستان رابہ شماھابرسانم۔ از میان ماھاعلامہ سید سلیمان ندوی نمایندہ علمای کشور ہند میباشد و دوست محترم من علامہ اقبال نمائندہ آن طائفہ است کہ عناصر قدیم و جدید راباہم آمیختہ و یک معجون روح پرور از آں ترکیب نمودہ است۔ خود من نہ از گروعلما میباشم ونہ از فرقہ شعراء، بلکہ دورۂ تعلیمات خودم رابیشتر در ممالک اروپا طی کردہ ام۔ ولی قلب من از عظمت واحترام این دو دزمرہ سرشار ولبریز است۔ شمارایقین میدھم کہ مسلمانان ہند یک محبت وعلاقہ مندی فوق العادہ نسبت بہ شما دارند و آرزوئی قلبی ماہمین است کہ افغانستان عزیز را در حالت ترقی متمدن ورفاہ و آسایش وامینت کامل می بینیم۔ از انجا کہ افغانستان از نقطۂ نظر جغرافیائی بین شرق وغرب واقع شدہ لہٰذا ما میل داریم کہ افغانستان بہترین نمونہ از تہذیب واخلاق اسلامہ بودہ و در عین حال تمام عناصر مفید وزیبائی ھائی غرب را باخود منظم و ہمراہ داشتہ باشد۔ ہر چند کہ از الطاف عنایات شما خیلی محسس وممنونیم اما شخصیت فوق العادہ این نابغہ کہ خوشبختانہ پادشاہ کنوئی شما میباشد چنان بر قلب من اثر کردہ کہ از عہدہ وصف این عاجز بیرون است۔ ہیچگاہ ممکن نخواہد بود کہ بندہ آن ساعاتی رافراموش کن کہ خوش بختانہ درخدمت اعلیٰ حضرت اقدس ہمایونی برائی من دست داد۔ من یقین دارم ہر مملکتی کہ مانند پادشاہ ملت دوست شما پادشاہ داشتہ باشد حتما آن مملکت بمدارج ترقی ومعالی وتکامل خواہد رسید۔ اکنوں فریضۂ شماست کہ باتمام موجودیت خودھا بہر وسیلہ کہ ممکن است در خدمت و اطاعت او آمادہ ومہیا بودہ باشید۔ واین رایقین بدانید کہ اگر یک نفرمانند این عاجز بتواند در امور عرفانی شما خدمتی بنمایدہ پس برائی انجام ہمان خدمات بندہ ہمہ وقت حاضر و آمادہ خواھم بود۔ ولی این حرفِ رانگفتہ نگذارند کہ باید جوانان مملکت افغانستان عزت واحترام موسفیدان راھمہ وقت مدنظر داشتہ نگذارند کہ از اختلاف رائی در وحدت ملی شان رخنہ پیدا شود۔

تاریخ شہادت میدھد کہ تمام خسارات مسلمانان نتیجہ نفاق و تفرقہ دربین شان بودہ است۔ پس از گذشتہ عبرت گرفتہ اکنون اتحاد واتفاق راھدف آمال ملی وکمال مطلوب خود بسازید۔

درخاتمہ مجدداً از الطاف پذیرائی صمیمانہ شما اظہار تشکر و امتناں مینایم و ہیچگاہ عواطف صمیمانہ شمارا فراموش نخواھم کرد۔[۴۴]

ترجمہ: نواب مسعود جنگ ڈاکٹر سید راس مسعود کی جوابی تقریر:

محترم بزرگوار اور مہربان میزبانو! میں نہایت خلوص سے خوشی کا اظہار اور شکریہ ادا کرتا ہوں اور اس توجہ کے ساتھ شکریہ کے فرض سے جو آپ نے خاکسار کے حق میں فرمایا میں عہدہ برآ نہیں ہو سکتا۔ میں چاہتا ہوں کہ مسلمانانِ ہند کے دلی جذبات و احساسات آپ تک پہنچاؤں۔ ہمارے درمیان علامہ سید سلیمان ندوی علمائے ہند کے نمائندہ ہیں۔ اور میرے معزز دوست علامہ اقبال اس گروہ کے نمائندے ہیں جس نے قدیم و جدید عناصر کو ملا کر ان سے ایک روح پرور معجون تیار کیا ہے۔ میں نہ تو علما کی جماعت سے ہوں اور نہ شعرا کے فرقہ سے، بلکہ میں نے اپنی تعلیم کا دور زیادہ تر یورپ کے ممالک میں ختم کیا ہے۔ لیکن میرا دل ان دونوں گروہوں کی عظمت و احترام سے سرشار اور لبریز ہے۔ آپ کو میں یقین دلاتا ہوں کہ مسلمانانِ ہند آپ حضرات سے غیر معمولی محبت اور تعلق رکھتے ہیں اور ہماری دلی آرزو ہے کہ پیارے افغانستان کو مکمل امن و امان اور ترقی و آسائش کی حالت میں دیکھیں اور چونکہ افغانستان جغرافیائی نقطۂ نظر سے ایشیا اور یورپ کے بیچ میں واقع ہے اس لیے ہماری خواہش ہے کہ افغانستان اسلامی تہذیب و اخلاق کا بہترین نمونہ ہونے کے ساتھ ٹھیک اس وقت میں یورپ کے تمام مفید عناصر اور زیبائیوں کا جامع ہو۔ ہرچند کہ میں آپ حضرات کی عنایات کا بے حد ممنون ہوں لیکن میرے دل پر اس غیر معمولی شخصیت کا جو خوش قسمتی سے اس وقت آپ کا بادشاہ ہے ایسا اثر پڑا ہے کہ میں وہ وقت کبھی نہ بھولوں گا جب خوش قسمتی سے میری رسائی اعلیٰ حضرت کی خدمت تک ہوئی۔ مجھے یقین ہے کہ جو سلطنت آپ جیسا ملت دوست بادشاہ رکھتی ہو یقیناً وہ سلطنت ترقی کے مدارج پر پہنچے گی۔ اب یہ آپ کا فرض ہے کہ ہمہ تن ہر ممکن ذریعہ سے ان کی خدمت اور اطاعت پر آمادہ ہیں اور اس کو باور کیجیے کہ اگر مجھ جیسا بندۂ عاجز تعلیمات کے سلسلہ میں آپ کی کوئی خدمت کر سکتا ہے تو ان خدمات کے انجام دینے کے لیے میں ہر وقت حاضر اور آمادہ رہوں گا۔ لیکن ایک بات کہے بغیر میں آگے نہیں بڑھ سکتا سلطنت افغانستان کے جوانوں کو چاہیے کہ سفید بال والوں کی عزت و احترام کا ہر وقت خیال رکھیں، ایسا نہ ہو کہ اختلاف رائے سے ان کی قومی وحدت میں رخنہ پیدا

ہو جائے۔ تاریخ شہادت دیتی ہے کہ مسلمانوں کے تمام نقصانات آپس کے نفاق اور تفرقہ کا نتیجہ رہے ہیں۔ پس ماضی سے عبرت پکڑ کر اب اتحاد و اتفاق کو اپنے مقاصد قومی کا مرکز بنائیں۔

آخر میں دوبارہ آپ کی پر خلوص عنایات کا شکریہ ادا کرتا ہوں اور میں کبھی آپ کی مخلصانہ مہربانیوں کو فراموش نہ کروں گا۔[۴۵]

اس کے بعد سید سلیمان ندویؒ نے حاضرین سے خطاب کیا۔ اس خطاب کا متن بھی مجلّہ کابل سے نقل کیا جاتا ہے:

ترجمہ نطق علامہ سید سلیمان ندویؒ موسس و مدیر مجلّہ معارف اعظم گڑھ

برادران ہمدین و ہموطن و عزیزان علم و فن! امروز ما خیلی خوش بخت استیم کہ درین مجمع خود را باشما می بینیم۔

دعوت اعلیٰ حضرت غازی چند نفر از خادمان علم و ادب را درین جا و باز اجتماع آنہا با فضلا و علمائی این مملکت عزیز درین انجمن ادبی نزد من آغاز یک دورہ باشان و شوکت تاریخی میباشد۔

برادران گرامی! ہندوستان و افغانستان مملکت جدا گانہ نبودہ بلکہ یکیست شاید پیش از یکنیم یا دو صد سال شدہ باشد کہ بین این دو مملکت تفرقہ حائل شدہ ولی این دو مملکت در عصر قدیم بودائی در یک رشتہ منسلک بودند۔ چنانچہ در ملک شما یادگارہائی سنگی این اتحاد در زیر زمین ھا بہر قدمی دستیاب می شود کہ موزہ خانہ شما نیز دارائی آن اسناد سنگی می باشد۔

از آغاز دورۂ اسلامی تنہا شما بودید کہ بوسیلۂ شمانہ فقط دیانت و کیش بلکہ علم و فن نیز در قلب ہندوستان (سرایت نمودہ است) سلاطین غزنی و شاھان غوری درینجا می زیستند ولی دایرۂ حکمرانی شان الی ہندوستان ممتد بود کذا اہل بابر در ہند می زیستند مگر دایرۂ حکومت شان الی افغانستان بود! و این دو مملکت مشابہ دو دست در جسم واحد یک حکومت شاہنشاہی قرار یافتہ بود۔

امروز بعد از یک و نیم صد سال این وہلۂ اولین است و این ہر دو دست باز برائی اتحاد سیاسی نی بلکہ برائی اتحاد علمی و ادبی و برائ تشیید مودت باہم تماس صمیمانہ مینمایند۔

برادران افغان! بزرگان شما در ہندوستان تنہا حکمرانی جسمانی و مادی نکردہ اند بلکہ حکومت معنوی و ذہنی را نیز دارا بودند۔

زبان فارسی کہ سالیان قدیم لسان ادبی و علمی ہندوستان بودہ و حال نیز میباشد۔ این زبان فقط بوسیلہ شما بمار سیدہ است۔ از جملہ علمائی شما میر زاہد ہروی کہ از ہرات شما است آثار ورسائل او از سہ صد سال قبل در درس گاھائی عربی ہندوستان معیار دروس فلسفہ انتہائی ما میباشد۔

شعرائی شہیر و بزرگ فارسی زبان کہ درین ملک پیدا شدہ اند ھم چنان کہ از لحاظ مولد نسبت بکدام شہر ھائی افغانستان دارند ہمچنان از لحاظ مسکن یا مدفن منسوب بیکی از شہر ھای ہندوستان میباشد۔

چقدر شعرائی ہستند کہ از غزنی، بلخ، بدخشان، و یا از دیگر شہر ھا و علاقہ جات شما بودند بنام لاہوری و دہلوی مشہور گردیدند۔ من تذکرہ لباب الباب عوفی را مطالعہ کردہ ام و آنہا طوری وانمود میدارند کہ این شعرا در یک رشتہ وحدت چنان منسلک بودند کہ از تاریخ نیز فیصلہ لاہوری و غزنوی بودن شان بمشکل تفکیک میشود۔

این دو ممالک چناں رابطہ باہم داشتند کہ اگر فاضلی در اینجا پیدا میشد یک قسمت عمر خود را در آنجا بسر میبرد و کسی کہ در آنجا پیدا میشد برائی چندی در ینجا استراحت مینمود۔

مثلاً مسعود سعد سلمان کہ از شعرائی دورہ دوم است ایشاں راہندی یا افغانستان گفتن و تمیز کردن مشکل است۔

من باغ ھائی جلال آباد و کابل را دیدم چشمہ سار ھائی کوھی آہنا، فوارہ ھا آبشار ھارا تما شا کردم کہ در ہر نقطۂ خاک این مملکت آشکار میباشند و بمن یقین شد کہ اہل بابر در کشمیر و ہندوستان کہ بہ آن کثرت باغہا احداث کردہ اند و یا ہر جا چشمہ ھائی مصنوعی ساختہ اند آنہمہ نقل از مناظر طبیعی افغانستان بودہ است۔

باغ ھنائی امیر شہید در جلال آباد و باغ بابر در کابل باغ ھائی پغمان دو دیگر باغہائی افغانستان با شالامار لاہور چقدر مشابہت طبیعی دارد۔

و این ذوق مناظر طبیعی در آل تیمور فطری موجود بودہ کہ آن را در ہند عملا بروئی کار آوردہ اند حتیٰ کہ در دیوان عام و خاص نیز جوی ھائی گنگ و جمن را ترتیب و گلکاری نمودہ اند۔

برادران علم و فن! چیزی کہ در سابق شدہ آیا حالا باز نمیتواند بشود؟ تذکار تفرقہ سیاسی و دوری و علحیدہ را بگذارید! این سرنوشت انقلابات عالم است یعنی گاہی چنین و گاہی چنان! و حالات

سیاسی هموار، تغییر پذیر و تعلقات به آن در شرف شکستن و پیوند شدن است ولی تعلقات علم و
ادب دایمی و بر قرار میباشد۔

از شمشیر سلطان محمود غزنوی عرصۂ گذشت که شکسته و اوراق فتوحات شان از قرن هاست
که از هم متلاشی گر دیده ولی قلم حکیم سنائی غزنوی تا حال باقی و موجود و شیر ازه اوراق فتوحات
ادبی شان تا اکنون مرتب باقیست بیائید بنام سلطان محمود غزنوی شهاب الدین غوری و آل بابر
نی بلکه بنام سنائی غزنوی، مسعود سعد سلمان لاهوری خسرو دهلوی، حسن دهلوی، فیضی اکبر
آبادی، و بیدل عظیم آبادی بجانب همه گیر دست مودت و محبت را دراز کینم۔

افغانستان مدام تحسین طاقت جسمانی و نیروی مادی خود را از دنیا حاصل کرده است ولی اکنون
لازم است که وی تحسین طاقت دماغی و پهلوانی ذهنی خود را نیز از عالم حاصل کند۔

انجمن ادبی شما مستحق تحسین و ستائیش است که او در راه مذکور گامزن شده است و در هر ماه
طاقت نیروی کو درا بطور بسیار خوب در معرض نمایش میگذارد۔

من بدون خوف و تردید می توانیم بگویم که مجلّه کابل دوش بدوش با بهترین مجلات علمی هندوستان
بلکه مشرق میرود۔ و در نمائیش این دور بجهت افزادست او از همه زیاده کار خدماست۔

بر دران همسایه! آیا این جائی تعجب نیست که ما یک یک شاعر و ادیب انگلستان فرانسه و آلمان
را بشناسیم و بر شاهکار هائی آهنا سر بشکینیم ولی با ادبا و اهل قلم این دو مملکت همسایه نا آشنا و بیگانه
باشیم۔ حال اینکه بین بزرگان قدیم این هر دو نقطه نه تنها روابط بومی بلکه شاید اتحاد ملی و نسبی نیز
موجود باشد۔

ولی زیاده تر اینکه بین شان یک اتحاد نا قابل شکست علمی و ادبی بود و چقدر رجائی افسوس است
که از دو قرن بین ما این قدر بعد و دوری واقع گردیده که نه ما از شعرا و ادبائی شما واقف هستیم و
نما شما از ما۔

باید از مجلّه کابل انجمن ادبی ممنون شویم که ما را با اهل قلم لایق و شعرا و ادبائی معرفی گردانیده
و ما هم دیگر کو درا شناختیم۔

برادران علمی و فن! سیاسیون را بگذارید که معروف شعبده بازی هائی خود باشند و بیایید که ما بنام
علم و فن با هم دیگر پیماں محبت و دوستی تازه کرده و عهد رفاقت و آشنائی را مستحکم سازیم۔ و ما هر دو

مملکت در تعمیر یک شرق جدید علمی و ادبی دوش بدوش کار بکنیم۔ اتحاد قلوب از ہر نوعیکہ باشد بدگمانی و غلط فہمی ھارادور میسازد۔

ہندوستان بوسیلہ نوجوان ھائی خود بہ تعمیر خود معروف است و افغانستان نیز۔ لہٰذا درین تعمیر لازم و ضرور است کہ نوجوانان ہر یک ازیں دو مملکت باجوانان مملکت دیگر حسن ظن و حسن اعتماد داشتہ باشتند! ہر چند کہ درین راہ اتحاد خیلی مشکلات میباشد ولی برائی حصول این مقصد عزیز مارا باید کہ صد نوع مشکلات رامقابلہ بنمائیم۔ "بہر یک گل زحمت صد خار می باید کشید" و آخر دعوانا ان الحمد للہ رب العٰلمین۔ در خاتمہ سعادت و ترقی مملکت عزیز افغانستان و صحت و موفقیت پادشاہ علم دوست و ادب بزوران اعلیٰ حضرت محمد نادر شاہ غازی کی این ہمہ پیشرفت افغانستان در تحت رایت و حسن تدابیر شان است از خدا تمنا داریم۔[۴۶]

ترجمہ: سید سلیمان ندوی کی جوابی تقریر۔

برادران ہم دین و ہم وطن و عزیزانِ علم و فن! آج ہم بہت خوش نصیب ہیں جو اس مجمع میں اپنے آپ کو آپ حضرات کے ساتھ دیکھ رہے ہیں۔

چند خادمان علم و ادب کو اعلیٰ حضرت غازی کا یہاں بلانا اور پھر ان کا اس ملک کے فضلا و علما کے ساتھ اس ادبی جلسہ میں جمع ہونا میرے نزدیک ایک پر شوکت تاریخی دور کا آغاز ہے۔

برادران گرامی! ہندوستان اور افغانستان دو جداگانہ سلطنتیں نہ تھیں بلکہ ایک تھیں شاید ڈیڑھ دو سو برس کا عرصہ ہوا ہو گا جب ان دونوں ملکوں میں تفرقہ پیدا ہوا۔ یہ دونوں ملک قدیم بدھ دورِ حکومت میں ایک رشتہ میں منسلک تھے جیسا کہ آپ کے ملک میں اس اتحاد کی سنگی یادگاریں زمینوں کے اندر ہر قدم پر دستیاب ہوتی ہیں جو آپ کے عجائب خانہ میں بھی موجود ہیں۔

آغاز عہد اسلام سے تنہا آپ ہی تھے جن کے ذریعے سے نہ صرف مذہب بلکہ علم و فن بھی ہندوستان کے قلب میں داخل ہوئے ہیں۔ سلاطین غزنی اور شاہان غوری یہاں رہتے تھے۔ لیکن ان کی حکومت کا دائرہ ہندوستان تک پھیلا ہوا تھا۔ اسی طرح بابر کا خاندان ہندوستان میں مقیم تھا لیکن اس کا دائرہ حکومت افغانستان تک تھا اور یہ دونوں حکومتیں ایک شہنشاہی کے لیے ایسے تھیں جیسے ایک جسم میں دو ہاتھ ہوتے ہیں۔

آج ڈیڑھ سو سال کے بعد یہ پہلا موقع ہے کہ یہ دونوں ہاتھ اگر اتحاد سیاسی کے لیے نہیں تو اتحاد علمی و ادبی اور باہمی محبت کے استحکام کے لیے پھر مخلصانہ بڑھ رہے ہیں۔

افغان بھائیو! آپ کے بزرگوں نے ہندوستان میں صرف جسمانی اور مادی حکمرانی نہیں بلکہ معنوی اور ذہنی حکومت بھی قائم کی ہے۔

فارسی زبان مدت تک ہندوستان کی ادبی اور علمی زبان رہی ہے اور اب بھی ہے۔ یہ زبان صرف آپ کے وسیلہ سے ہم تک پہنچی ہے۔ آپ کے علما میں سے میر زاہد ہروی جو آپ کے ہرات سے تھے ان کے رسائل و تصنیفات تین سو سال سے ہندوستان کی عربی درسگاہوں میں فلسفہ کے اسباق کا انتہائی معیار ہیں۔

فارسی زبان کے مشہور اور بڑے شعرا جو اس ملک میں پیدا ہوئے، جس طرح جائے پیدائش کے لحاظ سے افغانستان کے کسی شہر کی طرف منسوب ہیں اسی طرح سکونت یا مدفن کے لحاظ سے ہندوستان کے کسی شہر سے نسبت رکھتے ہیں۔

کتنے شاعر ہیں جو غزنی، بلخ، بدخشان یا آپ کے دوسرے شہروں اور علاقوں سے تھے اور لاہوری اور دہلوی مشہور ہوئے جس نے عوفی کی لباب الالباب کا مطالعہ کیا ہے اس کو معلوم ہے کہ یہ شعرا ایک رشتۂ وحدت میں اس طرح منسلک تھے کہ تاریخ بھی ان میں سے بعض کے لاہوری اور غزنوی ہونے کا فیصلہ مشکل سے کر سکتی تھی۔ یہ دونوں سلطنتیں باہم اس قدر مربوط تھیں کہ اگر کوئی فاضل یہاں پیدا ہوتا تو اپنی عمر کا کچھ حصہ وہاں بسر کرتا تھا۔ اور وہاں پیدا ہوتا تو کچھ عرصہ کے لیے یہاں زندگی گزارتا تھا مثلاً مسعود سعد سلمان جو شعرا کے دوسرے طبقے سے ہیں اس کو ہندی یا افغانستانی کہنا اور تمیز کرنا سخت مشکل ہے۔

میں نے جلال آباد اور کابل کے باغات دیکھے، پہاڑی چشموں، نہروں، فواروں اور آبشاروں کا نظارہ کیا۔ جو اس سلطنت کی خاک کے ہر ذرہ سے نمایاں ہیں تو مجھے یقین ہوا کہ خاندانِ بابر نے کشمیر اور ہندوستان میں جو بکثرت باغ لگائے یا جگہ جگہ مصنوعی چشمے بنائے وہ سب افغانستان کے قدرتی مناظر کی نقل تھی۔

جلال آباد میں امیر شہید کے باغات، کابل میں بابر کا باغ، پغمان کے باغات نیز افغانستان کے دوسرے باغ، لاہور کے شالامار سے کیسی قدرتی مشابہت رکھتے ہیں۔ اور مناظر فطرت کا یہ وطنی ذوق آلِ تیمور میں قدرتی طور پر ایسا موجود تھا کہ اس کو انھوں نے ہندوستان میں عملاً

ظاہر کیا۔ یہاں تک کہ دیوان عام اور خاص میں بھی گنگا اور جمنا گلکاری کے ذریعے سے دکھائی گئی ہیں۔

برادرانِ علم و فن! جو کچھ پہلے ہو چکا کیا اب نہیں ہو سکتا؟ سیاسی تفرقہ، دوری اور علیٰحدگی کا ذکر چھوڑیئے! یہ تغیرات عالم کی سرنوشت ہے، گاہے چنین گاہے چناں! سیاسی حالات ہمیشہ بدلتے رہتے ہیں اور سیاسی تعلقات دائم اور برقرار رہتے ہیں۔

سلطان محمود غزنوی کی تلوار عرصہ ہوا کہ ٹوٹ گئی اور اس کی فتوحات کے اوراق صدیاں ہوئیں کہ بکھر گئے لیکن حکیم سنائی غزنوی کا قلم اب تک باقی اور موجود ہے اور ان کی ادبی فتوحات کے اوراق کا شیرازہ اب تک منتشر نہیں ہوا ہے۔

آؤ سلطان محمود غزنوی، شہاب الدین غوری اور آلِ بابر نہیں بلکہ سنائی، غزنوی، مسعود سعد سلمان لاہوری، خسرو دہلوی، حسن دہلوی فیضی، اکبر آبادی اور بیدل عظیم آبادی کے نام سے ہم ایک دوسرے کی طرف مروت و محبت کا ہاتھ بڑھائیں۔

افغانستان نے ہمیشہ اپنی جسمانی اور اور مادی طاقت کے متعلق دنیا سے خراجِ تحسین وصول کیا ہے لیکن اب ضروری ہے کہ وہ اپنی دماغی طاقت اور ذہنی پہلوانی کا خراج بھی دنیا سے وصول کرے۔

آپ کی ادبی انجمن تحسین وستائیش کی مستحق ہے کہ اس نے اس راستہ میں قدم اُٹھایا ہے اور ہر جگہ میں اپنی طاقت اور زور کا نہایت خوبی کے ساتھ مظاہرہ کرتی ہے۔

میں بلاخوف تردید کہہ سکتا ہوں کہ رسالہ کابل ہندوستان بلکہ ایشیا کے بہترین علمی رسالوں کے دوش بدوش جارہا ہے اور اس مسرت انگیز دورے کے ظہور میں اس کا ہاتھ سب سے زیادہ کار فرما ہے۔

پڑوسی بھائیو! کیا یہ تعجب کا مقام نہیں کہ ہم انگلستان، فرانس اور جرمنی کے ایک ایک شاعر اور ادیب سے واقف ہوں اور ان کے شاہکاروں پر سر دھنیں لیکن ان دو ہمسایہ ملکوں کے ادبا اور قلم آپس میں ایک دوسرے سے ناآشنا اور اجنبی رہیں۔ حالانکہ ان دونوں کے قدیم بزرگوں کے درمیان نہ صرف وطنی تعلقات تھے بلکہ شاید مذہبی اور نسلی اتحاد بھی موجود تھا۔

لیکن اس سے زیادہ یہ کہ ان کے درمیان ایک ناقابلِ شکست علمی و ادبی اتحاد تھا۔ اور کس قدر افسوس کا مقام ہے کہ وہ صدیوں سے ہمارے درمیان اس قدر بعد اور دوری ہو گئی ہے کہ نہ ہم آپ کے شعرا اور ادیبوں سے واقف ہیں اور نہ آپ ہمارے۔

ہم کو ''انجمن ادبی'' کے رسالۂ کابل کا ممنون ہونا چاہیے جس نے یہاں کے لائق اہلِ قلم اور شعرا و ادبا سے ہمارا تعارف کرایا اور ہم نے باہم ایک دوسرے کو پہچانا ہے۔

برادران علمی و فنی! اہلِ سیاست کو ان کی شعبدہ بازیوں میں مصروف رہنے دیجیے۔ اور آیئے کہ علم و فن کے نام سے پیمانِ محبت و دوستی کو تازہ اور عہد رفاقت و آشنائی کو مستحکم کریں اور دونوں اپنے اپنے وطن کے اندر رہ کر علم و ادب کے ایک جدید مشرق کی تعمیر میں دوش بدوش کام کریں۔ دلوں کا اتحاد جس طرح کا بھی ہو بدگمانیوں اور غلط فہمیوں کو دور کر دیتا ہے۔

ہندوستان اپنے نوجوانوں کے ذریعہ سے اپنی تعمیر میں مصروف ہے اور افغانستان بھی لہٰذا یہ ضروری ہے کہ اس تعمیر میں دونوں ملکوں میں سے ہر ایک کے نوجوان دوسرے ملک کے نوجوانوں کے ساتھ حسن ظن اور حسنِ اعتماد رکھیں اگرچہ اس اتحاد کی راہ میں بہت سی مشکلات پیش آتی ہیں۔ لیکن اس مقصد عزیز کے حاصل کرنے کے لیے ہمیں سیکڑوں طرح کی مشکلات کا مقابلہ کرنا چاہیے۔

بہر یک گل زحمت صد خار می باید کشید

وآخر دعوانا ان الحمدللہ رب العٰلمین۔[۴۷]

تقریب کے آخر میں حضرت علامہ نے خطاب فرمایا۔ خطاب کا متن درجہ ذیل ہے:

ترجمہ نطق علامہ سر محمد اقبال:

بعد از بیانات سید سلیمان صاحب ندوی و داکتر سر راس مسعود کہ حسیات و عواطف مارا بصورت خوبی و ترجمانی نمودہ اند۔ چیزی باقی نماندہ کہ من بگویم اما گمان میکنم اعضائی انجمن ادبی کابل ازین جانب توقع دارند کہ درجواب خیر مقدم وخوش آمدی ھائی کہ آرزوئی لطف با بلیغ ترین وجھی شرح دادہ اند چیزی بگویم من از انجمن ادبی کابل خیل ممنونم کہ در حق من نظماً و نثراً حرفہائی خوب و سخن ھائی پر از حیات مہربانانہ گفتہ اند۔

من ہم میل دارم کہ فقط و فقط از فعالیت ھا و کارروای ھائی جوان ھائی ھیت انجمن ادبی کابل بحث دانم۔ ہیچ شک ندارم کہ ھیات انجمن از اہمیت کار خود دو مسوولیت آن بخوبی مسبوقند۔

عقیدہ من این است کہ آرت (فنون لطیفہ) یعنی ادبیات یا رسامی یا موسیقی و یا معماری ہر چہ باشد ہر یک معاون و خدمتگار حیات است و بنا بر این را باید ایجاد بگوییم نہ تفریح، شاعر اساس زندگی یک ملت را آباد یا ویران میتواند۔ وقتی مملکت سعی دارد کہ در عصر حاضر تاریخ افغانستان در ساحہ حیات نوینی داخل شود پس بر شعرائی این مملکت لازم است کہ برائی اخلاف نوجوان رہنمائی حقیقی گردند۔ از زندگانی تمجید و تضخیم نمودہ مرگ را بزرگ جلوہ گر نسازند چہ آرت وقتیکہ ''از مرگ'' تعریف نماید و آن را بزرگ نشان دہد در آن حال ''خیلی مخوف و مہلک است و حسن عاری از قوت محض یک پیغام مرگ است۔

دلبری بے قاھری جادوگری است

دلبری باقاھری پیغمبری است

میخواہم توجہ شما را بہ نقطہ ی معطوف و تمرکز دھم و آن عبارت است از یک واقعہ از وقائع حیات نبوی ﷺ مروی است وقتی از اشعار امراء القیس کہ از نوابغ بشعرائی عرب است بحضور اقدس نبوی ﷺ خواندہ شد فرمودند

الشعراء وقائدھم الی النار

ازین ارشاد سراسر رشاد بہ طوری واضح روشن میشود کہ کمال شعر ھم گاہی محض یک شکل و صورت نیست چیزیکہ حقیقتاً بہ ملت مربوط است عبارت است از مفکورہ کہ شاعر بہ پیشگاہ ملت عرضہ میدارد و نظریات بلندیست کہ میخواھد در قوم خود پیدا کند۔ ملتہا بہ دستیارئی شعرا پیدا می شوند و بہ پامردی سیاسیون نشو و نما نمودہ می میرند۔ پس تمنا میرود کہ شعرا محررین نوجوان افغانستان دمندہ روحی در معاصرین گردند کہ آنہا رفتہ در آخیر خود را شناختہ بتوانند۔ انانیت ایک ملتی کہ بہ جادہ نہضت ی سپر است وابستہ بہ تربیہ می باشد ولی تربیتہ کہ شالودہ آن بر دی احتیاط برداشتہ شود۔ پس وظیفہ انجمن اینست کہ مفکورہ ھائی نسلہا نوجوان را بوسیلہ ادبیات تشکیل و ترجم نمایند و بہ آنہا چنان یک صحت روحانی بہ بخشید کہ بالاخرہ انانیت خود را ادراک و قابلیتی بہ رساندہ بگویند۔

دو دستہ تیغم و گردون برہنہ ساخت مرا

فسان کشید بروئی زمانہ آخت مرا

من آن جہان خیالم کہ فطرت ازلی
جہان بلبل و گل را شکست و ساخت مرا
نفس بہ سینہ گدازم کہ طائر حریم
توان ز گرمی او از من شناخت مرا

میخواہم یک نکتہ دیگر رانیز بگویم و بگزارم موسولینی یک نظریہ تشنگی را ارائہ نمودہ است کہ مقصد آن اینست باید اتلی برائی حصول نجات خود یک ملیو نری پیدا کند کہ گریبان اتلی (ایتالیا) را از چنگ دیون ملل اینگلو ساکسونی خلاص کردہ بتواند و یا باید کدام دینتی (دانتہ) و کولمبس دیگری را بیابد کہ یک براعظم دیگر را کشف نماید اگر شمارا رازِ نجات افغانستان را از من استفسار نمایید خواھم گفت کہ افغانستان محتاج بمر دست کہ باتمام موجودیت خود این مملکت را از حیات قبیلہ وی اخراج و بہ حیات وحدت ملی آشنا نماید ولی مسرورم از آنکہ افغانستان مردی رابدست آوردہ کہ از دیر بار انتظار اورا میکشد من یقین دارم کہ شخصیت ایجاد کار اعلیٰ حضرت نادر شاہ رابرائی این آفریدہ اند کہ افغانستان رایک ملت جدیدی در ایشیا ساختہ بدنیا معرفی نماید نوجوانان این وطن رباید کہ این قاید بزرگ را آموزگار و معلم تعلیم و تربیہ خود بشناسند زیرا اہتمام زندگانی او پر از ایثار اخلاص و صداقت بہ مملکت خود محبت و عشق بہ اسلام است۔[۴۸]

ترجمہ: ڈاکٹر سر شیخ محمد اقبال کی تقریر:

سید سلیمان ندوی اور ڈاکٹر سر راس مسعود کی تقریروں کے بعد جن میں ہمارے جذبات کی نہایت خوبی سے ترجمانی کی گئی ہے اب کوئی چیز ایسی باقی نہیں ہے جس کو میں بیان کروں۔ میں سمجھتا ہوں کہ انجمن ادبی کابل کے ارکان مجھ سے بھی یہ توقع رکھتے ہوں گے کہ خیر مقدم اور خوش آمدید انھوں نے جس لطیف اور بلیغ ترین انداز میں کیا اور کہا ہے اس کے جواب میں، میں بھی کچھ عرض کر دوں۔ میں انجمن ادبی کابل کا بہت ممنون ہوں کہ اس نے اپنی مہربانی سے میرے متعلق نظم ونثر میں اچھے خیالات اور پر احساس جذبات ظاہر کیے ہیں۔

میں بھی خواہش رکھتا ہوں کہ میں صرف اور صرف انجمن ادبی کابل کے نوجوان ارکان کے عملی پہلو (فعالیت) اور کارروائیوں سے بحث کروں۔ کوئی شک نہیں کہ انجمن اپنے کام کی اہمیت اور ذمہ داری سے بخوبی آگاہ ہے۔ میرا یہ عقیدہ ہے کہ آرٹ یعنی ادبیات یا مصوری یا

موسیقی اور یا معماری جو بھی ہو ہر ایک زندگی کی معاون اور خدمت گار ہے۔ اور اسی بنا پر آرٹ کو چاہیے کہ میں ایجاد کہوں نہ تفریح، شاعر ایک قوم کی زندگی کی بنیاد کو آباد یا برباد کر سکتا ہے۔ اس وقت جب حکومت کوشش کر رہی ہے کہ موجودہ زمانہ میں افغانستان کی تاریخ نئ زندگی کے میدان میں داخل ہو تو اس ملک کے شعرا پر لازم ہے کہ اخلاف نوجوان کے لیے سچے رہنما بنیں۔ زندگی کی عظمت و بزرگی کے بجائے موت کو زیادہ بڑھ کر نہ دکھائیں کیونکہ آرٹ جب موت کا نقشہ کھینچتا ہے اور اس کو بڑھا کر دکھاتا ہے اس وقت وہ "سخت خوفناک اور برباد کن" ہو جاتا ہے اور جو حُسن قوت سے خالی ہو وہ محض ایک پیغام موت ہے۔

دلبری بے قاہری جادوگری است
دلبری با قاہری پیغمبری است

میں چاہتا ہوں کہ آپ کی توجہ کو ایک مرکزی نقطہ کی طرف مبذول کراؤں۔ حیاتِ نبوی ﷺ کی واقعات میں سے ایک واقعہ ہے، روایت ہے کہ ایک مرتبہ انحضرت ﷺ کے حضور امراؤ القیس کے جو مشہور عرب شاعر ہے کچھ اشعار پڑھے گئے ارشاد ہوا:

"الشعرا و قائدھم الی النار"

ترجمہ: تمام شاعروں میں بہتر شاعر اور ان کو دوزخ کی طرف لے جانے والا۔

اس ارشاد سراسر رشاد سے واضح طور پر روشن ہوتا ہے کہ شعر کا کمال بعض اوقات لوگوں پر برا اثر ڈالتا ہے۔ ایک قوم کی زندگی کی موقوف علیہ چیزیں محض شکل و صورت نہیں بلکہ جو چیز حقیقتاً قوم کی زندگی کے ساتھ تعلق رکھتی ہے وہ "تخیل" ہے جس کو شاعر قوم کے سامنے پیش کرتا ہے اور وہ بلند نظریات ہیں جن کو وہ اپنی قوم میں پیدا کرنا چاہتا ہے۔ قومیں شعرا کی دستگیری سے پیدا ہوتی ہیں اور اہلِ سیاست کی پامردی سے نشو و نما پا کر مر جاتی ہیں۔ پس یہ خواہش ہے کہ نوجوان افغانستان کے شعرا و انشا پرداز ہم عصروں میں ایسی روح پھونکیں جس سے وہ رفتہ رفتہ اخیر میں اپنے آپ کو پہچان سکیں۔ جو قوم ترقی کے راستہ پر چل رہی ہے اس کی انانیت خاص تربیت کے ساتھ وابستہ ہوتی ہے۔ تربیت جس کا خمیر احتیاط کے ساتھ اُٹھایا جائے۔ پس انجمن کا کام یہ ہے کہ نوجوان نسلوں کی فکروں کو ادبیات کے ذریعہ سے متشکل کرے اور ان کو ایسی روحانی صحت بخشے کہ وہ بالآخر اپنی انانیت کو پا کر اور قابلیت بہم پہنچا کر پکار اُٹھیں:

دو دستہ تیغم و گردون برہنہ ساخت مرا
فسان کشید بر وئی زمانہ آخت مرا
من آن جہان خیالم کہ فطرت ازلی
جہان بلبل و گل راشکست و ساخت مرا
نفس بہ سینہ گدازم کہ طائر حریم
توان ز گرمی او از من شناخت مرا

میں ایک اور نکتہ بھی کہنا اور گزر جانا چاہتا ہوں۔ موسیولینی نے ایک اچھا نظریہ قائم کیا ہے جس کا مقصد یہ ہے کہ اٹلی کو چاہیے کہ اپنی نجات حاصل کرنے کے لیے ایک کروڑپتی کو پیدا کرے جو اٹلی کے گریبان کو اینگلوسکن اقوام کے قرضہ جات کے چنگل سے چھڑا سکے یا کسی دوسرے دانتے کو پیدا کرے جو نئی جنت پیش کرے یا کسی نئے کولمبس کو حاصل کرے جو ایک نئے براعظم کا پتا چلائے۔ اگر آپ مجھ سے افغانستان کی نجات کے متعلق سوال کریں تو میں کہوں گا کہ افغانستان کو ایک ایسے مرد کی ضرورت ہے جو اس ملک کو اس کی قبائلی زندگی سے نکال کر وحدتِ ملی کی زندگی سے آشنا کرے لیکن مجھے خوشی ہے کہ اعلیٰ حضرت نادر شاہ کی شخصیت ایجاد کار کو اسی لیے پیدا کیا گیا ہے کہ افغانستان میں ایک نئی قوم بنا کر دنیا سے تعارف کرائیں۔ اس وقت کے نوجوانوں کو چاہیے کہ اس بزرگ رہنما کو اپنی تعلیم و تربیت کا معلم سمجھیں کیونکہ ان کی تمام زندگی ایثار، اخلاص اور اپنے ملک کے ساتھ صداقت اور اسلام کے ساتھ عشق و محبت سے لبریز ہے۔[49]

سفر افغانستان سے متعلق مجلّہ کابل کے مندرجہ بالا مشمولات شروع سے آخر تک افغانستان و اقبال[50] اور اس کے بعد سیر اقبال شناسی در افغانستان میں شائع ہوئے ہیں۔[51]

دلو ۱۳۱۳ھ ش / ۲۱ر جنوری ۱۹۳۴ء:

علامہ عبدالحیٔ حبیبی کی طویل فارسی نظم "قطرات سر شک دربار گاہ محمود و سنائی یا برخرابہ زار شہرستان تاریخی غزنی" مجلّہ کابل میں شائع ہوئی ہے۔[52]

یہ نظم جناب حبیبی نے حضرت علامہ کے فنی و فکری اسلوب میں لکھی ہے اور جا بجا حضرت علامہ کے ابیات پر تضمین کی گئی ہے۔ ساتھ ہی درج ذیل اشاریہ درج کیا ہے:

ابیاتیکہ بعد ازین در بین این علامت" گرفتہ شدہ تضمین است از کلام حضرت علامہ دوکتور اقبال شاعر اسلامی ہند۔[۵۳] مزید تفصیل علامہ عبدالحئ حبیبی کے سوانحی نوٹ میں شامل ہے۔

اول جدی ۱۳۱۳ھ ش / ۲۳ر دسمبر ۱۹۳۴ء:

انجمن ادبی کابل کی جانب سے سرور خان گویاؔ کی لکھی ہوئی تقریظ مثنوی مسافر پر مجلّہ کابل میں شائع ہوئی۔[۵۴]

سرور خاں گویا کی یہ تقریظ سیر اقبال شناسی در افغانستان[۵۵] میں بھی شائع ہوئی ہے۔

۲۲ر مارچ ۱۹۳۵ء

مجلّہ کابل میں تاریخ افغانستان پر حضرت علامہ کی لکھی ہوئی تقریظ کا فارسی[۵۶] ترجمہ بعنوان "تقریظ و انتقاد افغانستان بہ یک نظر اجمالی" شائع ہوا ہے۔ یہ تقریظ بعد میں سیر اقبال شناسی در افغانستان میں بھی شائع ہوئی ہے۔[۵۷]

اول ثور ۱۳۱۴ھ ش / ۲۲ر اپریل ۱۹۳۵ء:

مجلّہ کابل میں "بہار" سے متعلق مختلف شعرا کے بہاریہ اشعار و قصائد شائع کیے ہیں۔ ان شعرا میں متقدمین متوسطین اور متاخرین کے ساتھ ساتھ معاصر شعرا کے کلام بھی شامل ہیں۔ ان شعرا میں درج ذیل شامل ہیں:

ملک الشعرا قاری عبداللہ خان (عضو انجمن ادبی، ص۳ تا ۷) محمد سرور خان ص۔ با (عضو انجمن، ص۷ تا ۱۰)، شایق (ص۱۱-۱۲)، عبدالحکیم خان (ص۱۲-۱۴)، عبدالسلام مجددی (ص۱۵-۱۷)، رابعہ بلخی (قرن چہارم، ص۱۸)، دقیقی بلخی (ص۱۸)، عنصری بلخی، فرخی سیستانی، منوچہری دامغانی (ص۱۹)، مسعود سعد سلمان (ص۲۰)، ادیب صابر ترمذی، عبدالواسع جبلی غرجستانی (ص۲۱)، سید حسن غزنوی، عبدالرافع ہروی، رشید الدین وطواط بلخی (ص۲۲)، انور ابیوردی، امیر معزی سمرقندی (ص۲۳)، ارزقی ہروی، ظہیر فاریابی

(ص۲۴)، ابوالفاتح ہروی حضرت سعدی (ص۲۵)، امامی ہروی (ص۲۶)، سلمان ساوجی (ص۲۷)، سلم تہرانی، کلیم ہمدانی (ص۲۸-۲۹)، میرزا بیدل (ص۳۰-۳۲)، شوکت بخاری (ص۳۳)، عاجز افغان (ص۳۴)، وصفی کابلی، الفت کابل (ص۳۵)، میر ہوتک خان افغان طرازی افغان (ص۳۶)، ندیم مرحوم (ص۳۷)، مستغنی مرحوم (عضوفقید انجمن ادبی کابل (ص۳۸)، جناب ڈاکٹر سر محمد اقبال (ص۳۹-۴۰)، صوفی عبدالحق خان بیتاب (ص۴۰-۴۱)۔

حضرت علامہ کے درج ذیل بہاریہ اشعار شائع ہوئے ہیں:

خوشا روزگاری، خوشا نوبہاری　　　نجوم پرن رست از مرغزاری

زمین از بہاران چو بال تدروی　　　ز فوارہ الماس بار آبشاری

نہ پیچد نگہ جز کہ در لالہ و گل　　　نہ غلطد ھوا جز کہ بر سبزہ زاری

چہ شیرین نوائی، چہ دلکش صدائی　　　کہ می آید از خلوت شاخساری

بہ تن جان، بجان آرزو زندہ گردد　　　ز آوائی ساری، زبانگ ھزاری

نواھائی مرغ بلند آشیانی　　　در آمیخت بانغمۂ جویباری

تو گوئی کہ یزدان بہشت برین را　　　نہاد است در دامن کوہساری

کہ تا رحمتش آدمی زادگان را　　　رھا سازد از محنت انتظاری

چہ خواہم درین گلستان گر نہ خواھم　　　شرابی، کتابی، ربابی، نگاری

سرت گردم ای ساقی ماہ سیما　　　بیار از نیاگانِ ما یادگاری

بہ ساغر فرو ریز آبی کہ جان را　　　فروزد چو نوری بسوزد چو ناری

شقایق برویان زخاک نژندم　　　بہشتی فروچین بمشت غباری

نہ بینی کہ از کاشغر تا بہ کاشان　　　ہماں یک نوا بالد از ہر دیاری[۵۸]

حضرت علامہ کے یہ اشعار پیامِ مشرق کے ساقی نامہ میں شائع ہو چکے ہیں۔[۵۹]

تذکرہ بالا بہاریہ نظم کے بعد حضرت علامہ کی درج ذیل بہاریہ غزل بھی اس شمارے کی زینت بنی ہوئی ہے:

رخت بہ کاشمر کشا، کوہ و تل و دمن نگر　　　سبزہ جہاں جہاں بہین، لالہ چمن چمن نگر

بادِ بہار موج موج، مرغِ بہار فوج فوج　　صلصل و سار زوج زوج، بر سر نارون نگر
تا نہ فتد بہ زینتش چشمِ سپہرِ فتنہ باز　　بستہ بہ چہرۂ زمین برقع نسترن نگر
لالہ زخاک بر دمید، موج بآب جو تپید　　خاک شرر شرر ببین، آب شکن شکن نگر
زخمہ بہ تارِ ساز زن، بادہ بہ ساتگین بریز　　قافلۂ بہار را انجمن انجمن نگر[۶۰]

حضرت علامہ کے یہ اشعار ''کشمیر'' کے عنوان سے ''پیامِ مشرق'' میں شائع ہو چکے ہیں۔[۶۱]

جوزا ۱۳۱۴ھ ش / ۲۳ر مئی ۱۹۳۵ء:

مجلّہ کابل نے دورۂ چہارم کے مندرجات کی فہرست حروفِ تہجی کے ترتیب سے شائع کی ہے۔ اس فہرست میں حضرت علامہ سے متعلق درجہ ذیل یادداشت محفوظ ہیں:

موضوع	نگارندہ	صفحہ مسلسل
	(الف)	
افغانستان بیک نظرِ اجمالی	سر محمد اقبال	۹۹۳
	(ب)	
بہاریہ ھا	داکتر اقبال	۱۰۴۵[۶۲]

۱۳۱۴ھ ش / جنوری ۱۹۳۷ء:

مجلّہ کابل میں حضرت علامہ کے کلام کا منظوم پشتو ترجمہ شائع ہوا ہے:

پیامِ مشرق کی نظم ''زندگی'' کا یہ منظوم پشتو ترجمہ قیام الدین خادم نے کیا ہے:

زندگی

شبے زار نالید ابر بہار　　کہ ایں زندگی گریۂ پیہم است
درخشید برقِ سبک سیر و گفت　　خطا کردۂ، خندۂ یکدم است
ندانم بہ گلشن کہ بُرد ایں خبر
سخنہا میانِ گل و شبنم است[۶۳]

پشتو منظوم ترجمہ: ژوند

وریځي دسپرلی یوه شپه ډیري اوښکې توی کړی
دغه ژوندن تمامی عمر په ژړا
داسی کرندی بریښنا په منډه ورته ووئیل
زه ئی خپله بولمه په نیمه خوله خندا
دا خبره خدای زده چا د باغ په خوله کی وکړله
دغسی مجلس د ګل و پرخی و سبا[۶۴]

(ج) افغانستان میں پہلا اقبال ڈے اور دیگر تقاریبِ اقبال

پنجشنبہ ۸ ثور ۱۳۱۷ھ ش / ۲۸، اپریل ۱۹۳۸ء:

افغان علما، فضلا اور اہلِ علم و ادب کی جانب سے حضرت علامہ کی وفات کے صرف ایک ہفتے بعد کابل میں وزارت معارف کے ہال میں ایک پُر وقار تقریب کا انعقاد کیا گیا۔ اس تعزیتی تقریب میں مشاہیر افغانستان، اعلیٰ سرکاری افسران، ادبا اور اہلِ قلم حضرات نے حصہ لیا۔ علامہ کی تعزیت کی اور ان کی فکری اور علمی خدمات کو خراجِ تحسین پیش کیا۔

تقریب کا آغاز صبح ساڑھے دس بجے قرآن کریم کی تلاوت سے ہوا۔ اس کے بعد سرور خان گویاؔ مدیر شعبہ ادبیات اور حفظ آثار انجمن ادبی کابل نے وزارت معارف اور انجمن ادبی کی نمائندگی کرتے ہوئے خطاب کیا۔

انجمن ادبی کے مدیر عمومی احمد علی خان درانی نے 'شرح حال اقبال' اور غلام جیلانی خان اعظمی نے 'روابط اقبال با افغانستان' سے متعلق اپنا مقالہ پیش کیا۔ اس پروگرام کے دوران وقتاً فوقتاً حضرت علامہ کے چند منتخبات بھی پیش کیے گئے۔ غلام جیلانی خان اعظمی کے مقالے کے بعد جناب قیام الدین خادم رکن انجمن ادبی کابل نے اقبال کا پشتو مرثیہ پیش کیا۔[۶۵]

افغانستان میں علامہ سے متعلق منعقدہ اس پہلی تقریب کی رپورٹ مجلّہ کابل کے علاوہ کابل کے اخبار انیس میں شائع ہوئی۔[۶۶]

۱۳۳۱ھ ش کابل میں ادارۂ مطبوعات کے زیرِ اہتمام حضرت علامہ کی برسی کی تقریب کا اہتمام کیا گیا تھا۔ اس تقریب میں دیگر امور کے علاوہ افغانستان کے مشہور شاعر اور خطاط محمد ابراہیم خلیل نے بھی حضرت علامہ کے حضور فارسی منظوم خراجِ تحسین پیش کیا۔ اس خراجِ تحسین کو ابراہیم خلیل کے سوانح کے ساتھ شاملِ تحقیق کیا گیا ہے۔[۶۷]

۲ ثور ۱۳۴۶ھ ش:

پاکستانی سفارتخانہ کابل میں یومِ اقبال کے حوالے سے ایک تقریب منعقد ہوئی۔ اس تقریب کی تفصیلات کا پتا تو نہیں چل سکا البتہ اس تقریب میں پڑھا گیا ایک مقالہ پشتو میں جناب عبدالشکور رشادؔ صاحب نے سنایا تھا۔ یہ مقالہ بعد میں افغانستان کے مجلّہ "وږمه" میں شائع ہوا۔ مقالے کے ساتھ مقالہ نگار کی متعلقہ تقریب کی تصویر بھی شائع ہوئی ہے۔[۶۸]

۱۹۶۶ء میں پاکستانی سفارتخانے میں یومِ اقبال کے حوالے سے ایک اور تقریب کا پتا چلتا ہے جس کی صدارت مشہور افغان اقبال شناس استاد خلیل اللہ خلیلیؔ مرحوم نے کی تھی جبکہ اس میں کابل یونیورسٹی کے شعبہ ادبیات کے ڈین ڈاکٹر پروفیسر غلام حسن مجددی نے ایک مقالہ پیش کیا تھا۔ یہ مقالہ اقبال ریویو نے تقریب کی تصویر کے ساتھ شائع کیا ہے۔[۶۹]

ڈاکٹر محمد ریاض مرحوم نے پروفیسر غلام حسن مجددی کے دو مقالات کا حوالہ دیا ہے جو بقول ان کے موصوف کے یہ دونوں مقالے ان کے وہ خطاب ہیں جو "یومِ اقبال" کے موقع پر پاکستانی سفارتخانے نے (کابل) کے زیرِ اہتمام انھوں نے پڑھے تھے۔ یہ مقالات (۱) دو ماہی ادب کابل جون جولائی ۱۹۶۵ء، یاد بود علامہ اقبال، صفحہ ۳۰ تا ۳۸۔ (۲) اپریل تا جولائی ۱۹۶۷ء، فلسفۂ اقبال، صفحہ ۳ - ۸ شائع ہو چکے ہیں۔[۷۰]

۳؍ دسمبر ۱۹۷۷ء:

حضرت علامہ کے صد سالہ جشنِ ولادت کی مناسبت سے افغانستان میں بھی تقاریب منعقد ہوئیں۔ اس موقع پر ریڈیو افغانستان کابل کے آڈیٹوریم میں ایک عظیم الشان سیمینار منعقد ہوا جس میں سفارت کاروں اور افغانستان کے ممتاز سکالروں، شعرا اور ادبا نے کثیر تعداد میں شرکت کی۔ سیمینار کے آغاز میں افغانستان کے صدر جناب سردار محمد داؤد خان کا مندرجہ ذیل پیغام پڑھ کر سنایا گیا:

> I am pleased to express my sincere congritulation on the observation of the centenary of birth of Allama Muhammad Iqbal, the valiant thinker, poet and man of letters of east and the world of Islam. Allama Muhammad Iqbal undoubtedly, is one of the Humanist and pious figures who are bestowed upon the world of Humanity and occasionally. This renowned philosopher, as he endowed his valuable work to the richness of thought and human civilisation had a profound interest in our country. Afghanistan, and left as legacy part of his eloquent poems to our people
>
> The people of our country hold in respect this great son of east, who was amply inspired by the thought of our scholar such as Hakeem Sanai Ghaznawi and Maulana Jalal-ud-Din Bulkhi and has enmished their valuable teaching with this own propound thoughts and sensitiveness.
>
> With the expression of the best wishes I wish for the success of the scholars who have gathered in this scholarly meeting.
>
> Muhammad Daud
> President
> Of the Republic of Afghanistan

اس کے بعد افغانستان کے وزیرِ اطلاعات و ثقافت پروفیسر ڈاکٹر عبدالرحیم نے اپنے افتتاحی خطاب میں اور سیمینار کے اعزازی چیئرمین پروفیسر عبدالہادی داویؒ اور کابل یونیورسٹی کے ریکٹر پروفیسر عبدالسلام عظیمیؒ نے اپنے خطبات میں مفکرِ اسلام شاعرِ مشرق علامہ محمد اقبال کو زبردست خراجِ تحسین پیش کیا۔ جبکہ کابینہ کے وزیر سید محمد قاسم رشتیا نے اقبال و افغانستان ڈاکٹر سید مخدوم رحیم نے عظیم افغان مفکر اقبال اور افغانستان کے نامور محقق پروفیسر آقائے حبیبیؒ نے ”د اقبال نظریات و افکار“ پر پُر مغز مقالات پیش کیے۔ وزارت اطلاعات کی طرف سے اس موقع پر اقبال کے بارے میں مطبوعات بھی تقسیم کی گئیں۔ جبکہ ریڈیو کابل نے بھی اسی یوم کی مناسبت سے علامہ کے فارسی اور اردو اشعار برابر نشر کیے۔

The Kabul Times کے علاوہ روزنامہ جمہوریت (پشتو) اور روزنامہ هیواد (پشتو) نے اپنے ۴؍دسمبر ۱۹۷۷ء کی اشاعت میں سیمینار کی خبر کو صفحہ اول پر جلی سرخیوں سے شائع کیا اور سیمینار کے فوٹو بھی شائع کیے۔ اس کے علاوہ روزنامہ انیس کابل (فارسی) یکم؍دسمبر اور ۳؍دسمبر کی شماروں میں ”آثار اقبال“ کے عنوان کے تحت فارسی میں ایک

مقالہ دو قسطوں میں شائع ہوا۔ اور سردار محمد داؤد خان کے پیغام کے علاوہ "د علامہ اقبال لنڈہ پیرند ګلو "(علامہ اقبال کا مختصر تعارف) کے عنوان سے ایک اداریہ بھی شائع کیا اور سیمینار کی خبروں کے علاوہ اقبال کے فوٹو بھی شامل اشاعت ہیں۔

اس سیمینار میں پڑھے گئے مقالات کو پروفیسر ڈاکٹر روان فرہادی نے مرتب کر کے معنی عشق نزد اقبال کے نام سے کتابی شکل میں شائع کیا۔

(د) افغانستان میں اقبالیاتی کتب کا مختصر تحقیقی جائزہ

افغانستان میں حضرت علامہ کے فکر و فن پر مختلف زبانوں میں وقتاً فوقتاً مختلف کتب شائع ہوتی رہی ہیں۔ سنۂ اشاعت کی ترتیب کو مدِ نظر رکھتے ہوئے ان کتب کی تفصیل و تحقیق حسب ذیل ہے:

۱۔ پښتانه د علامه اقبال په نظر کې۔ **(پشتو) (پشتون علامہ اقبال کی نظر میں) از عبد اللہ بختانی خدمتگار**

افغانستان میں حضرت علامہ سے متعلق لکھی جانے والی پہلی باقاعدہ پشتو کتاب ہے جو پشتو ٹولنہ کابل کے مسلسل نمبر ۱۲۲ کے تحت ۱۳۳۵ھ ش میں شعبہ ترجمہ کی جانب سے شائع ہوئی ہے۔ مؤلف عبد اللہ بختانی اور مصحح و مہتمم راز محمد ویښ ہے۔ کتاب کے تعارفی کلمات پشتو ٹولنہ کابل کے سربراہ مشہور اقبال شناس گل باچا الفت نے لکھے ہیں جس میں افغانستان میں اقبال شناسی کے حوالے سے جناب بختانی کی اس ابتدائی کاوش کو سراہا گیا ہے۔

کتاب کے ٹائٹل پر دائیں جانب کونے پر حضرت علامہ کی تصویر ہے جبکہ ٹائٹل کے وسط میں درہ خیبر کی تصویر اور نیچے علامہ کا یہ شعر درج ہے:

خیبر از مردان حق بیگانہ نیست
در دل او صد ہزار افسانہ ایست

صفحہ الف، ب پر بختانی صاحب کا تعارفی دیباچہ ہے جبکہ درج ذیل عنوانات کے تحت حضرت علامہ کے فکر و فن کی روشنی میں بحث کی گئی ہے۔ جا بجا حسبِ ضرورت کلامِ اقبال کے حوالے دیے گئے ہیں۔

علامه اقبال څوك وو (اقبال کون تھے)		صفحه ۱
د اقبال نظريات (نظریاتِ اقبال)		۲ تا ۳
په مغرب باندې انتقاد (مغرب پر تنقید)		۴ تا ۷
مشرق ته خطاب (مشرق کو خطاب)		۸ تا ۱۱
پښتنو ته خطاب (پشتونوں کو خطاب)		۱۲ تا ۲۰
د افغانستان سفر (سفر افغانستان)	–	۲۱ تا ۲۳
خیبر	–	۲۳
کابل	–	۲۴ تا ۲۵
غزنی	–	۲۶
قندھار	–	۲۷
پښتانه مشاهير (پشتون مشاہیر)	–	۲۸
المتوکل علی اللہ محمد ظاہر شاہ	–	۲۸ تا ۳۳
اعلیٰ حضرت محمد نادر شاہ	–	۳۴تا ۳۸
والا حضرت امیر امان اللہ خان	–	۳۸ تا ۴۱
اعلیٰ حضرت احمد شاہ بابا	–	۴۲ تا ۴۶
سوری شیر شاہ	–	۴۷ تا ۴۸
خوشحال خان خٹک	–	۴۹ تا ۵۸
اقبال دا افغانی شاعرانو په نظر کی (اقبال افغان شعرا کی نظر میں)	–	۵۸ تا ۵۹
اقبال کیست (مرحوم ملک الشعرا قاری)	–	۶۰
بر مزار اقبال در لاہور (استاد خلیلی)	–	۶۱
د علامه اقبال په تصویر (حمزه شینواری)	–	۶۲
اقبال ته خطاب (قیام الدین خادم)	–	۶۳ تا ۶۴
علامه مشرق (ملک الشعرا بیتاب)	–	۶۵

د اقبال ویر (مرثیہ اقبال) (گل باچا الفتؔ) - ۶۶
بہ یاد علامہ محمد اقبال (محمد ابراہیم خلیل) - ۶۷
مأخذات - ۶۸

اس کتاب کے مأخذات میں علامہ کی (۱)مثنوی مسافر، (۲)پس چه باید کرد اے اقوامِ شرق، (۳)پیامِ مشرق، (۴)جاوید نامہ، (۵)سیر تِ اقبال از محمد طاہر فاروقی، (۶)دیوان خوشحال خان خٹک، (۷)خوشحال خان ختٹك څه وايي از عبدالرؤف بینوا شامل ہیں۔ [ے]

جناب بختانی صاحب کے ساتھ مأخذات کے سلسلے میں فضل محبوب مجددی نے جبکہ مولانا قیام الدین خادمؔ نے علامہ کے اردو اشعار کے ترجمہ و تفہیم میں ان کی مدد کی تھی۔

بحیثیت مجموعی افغانستان میں پشتو زبان میں تفہیم فکرِ اقبال کے سلسلے میں یہ ایک بہتر کاوش ہے جو کہ ابتدائی طور پر افغانستان میں فکرِ اقبال کو روشناس کرانے کے سلسلے میں بنیادی اہمیت کی حیثیت اختیار کر گئی ہے۔

۲- آثار اردوی اقبال (جلد اول فارسی) از عبدالہادی داویؔ

قوس ۱۳۵۶ھ ش میں افغانستان میں بھی حضرت علامہ کے صد سالہ جشنِ ولادت کی تقریبات کا انعقاد ہوا۔ اس سلسلے میں کئی نشریات شائع ہوئیں۔ اس میں ایک اہم کام افغانستان میں اقبال شناسی کے حوالے سے عبدالہادی داویؔ کا آثار اردوی اقبال کا شائع ہونا ہے۔ یہ کتاب دو جلدوں میں شائع ہوئی اور اس کی اشاعت کا اہتمام افغانستان کی وزارت اطلاعات و کلتور کی مؤسسہ انتشارات بیہقی نے کیا تھا۔

جلد اول آثار اردوی اقبال

اس جلد میں ۱۴ عنوانات اور ۷۶ ضمنی عنوانات کے ذریعے علامہ کی آفاقی شخصیت کے مختلف فنی و فکری نکات پر بحث کی گئی ہے۔ صفحات درج ذیل ہیں۔

۵ (تذکر و فہرست) + ۱۳۰ (متن) + ۲۵ (تصاویر علامہ و خطاطی کے نمونے)

جملہ = ۱۶۰

کتاب کی فہرست بلحاظِ عناوین ضمنی عناوین و صفحہ نمبر ذیل ہے:

عنوان	اجزائے عنوان	صفحہ نمبر
حمد و نعت	حمد	۱
	نعت	۲
مقدمہ	اقبال ما	۳
	لہجہ وطنیہ و محاورہ	۹
	تشریح بعضی کلمات	۱۰
	آثار اردوی علامہ	۱۱
قدردانی ملت	موسسات دایمی	۱۳
	یومِ اقبال	۱۵
	طبع آثار	۱۶
	اقبالیست ھا	۱۶
	ترجمۂ آثار	۱۶
	در خارج	۱۶
حیات	خاندان	۱۷
	ازدواج	۱۹
تصوف	علامہ صوفی است	۲۱
	تفسیر خودی یا فلسفہ او	۲۴
مقاصد	دفع استعمار	۲۶
	اصلاح نوجوانان	۳۱
سیاست زبان و بیان	علاقہ زبان دری با اردو	۳۱ - ۳۲
	علت شعر گوئی	۳۳
	کیف استعمال زبان دری	۳۴
	مراحل شعر او	۳۵

	پر نویسی	۳۶
اسلوب شعر	آمد شعر	۳۷
	سبک	۳۸
	حوالہ بہ رجال	۳۸
	ناموائی خیالی	۳۹
	علامہ و ادبائی سلف	۳۹
	بدیع و بیان	۴۱
	ملاحت یا اغلاق	۴۲
	عناوین اشعار	۴۴
	تاریخ و مقام انشاد	۴۴
	گریز از لفاظی	۴۵
جلد اول اقبال نامہ	تمہید	۴۷
	مولانا سید سلیمان ندویؔ	۵۱
	سید راس مسعود	۵۸
	محمد عباس لمعہ	۶۱
	عبد الماجد	۶۳
	مخدوم الملک	۶۵
	غلام السیدین	۶۷
	پروفیسر الیاس برنی	۶۸
	مولوی مسعود ندویؔ	۶۹
	پروفیسر شجاع	۷۰
	صفرا ہمایون بیگم	۷۰
	منشی انجمن تبلیغ اسلام نیرنگ	۷۲
	عشرت رحمانی	۷۳

جوابیہ انتقادات	مقالہ بر فلسطین	۷۴ - ۷۵
جلد دوم اقبال نامہ	تمہید	۷۶
	قائد اعظم	۷۶
	کش پرشاد	۷۷
	عبدالرحمٰن و عبداللہ چغتائی	۸۱
	مولوی صالح محمد	۸۴
	مولوی محمد اکبر	۸۵
	خواجہ حسن نظامی	۸۹
	پیغلہ عطیہ فیضی	۹۱
	پروفیسر محمد اکبر	۹۳
	محمد جمیل	۹۵
	مولوی عبدالحق	۹۶
	شاطر	۹۷
	محمد دین	۹۸
	سید نذیر نیازی	۹۸
	قاضی نذیر احمد	۹۹
	صاحبزادہ آفتاب احمد خان	۱۰۱
	خلیل خالد	۱۰۳
مکتوبات اقبال	سید نذیر نیازی	۱۰۶
ضربِ کلیم	تمہید	۱۰۸
	اسلام و مسلمانان	۱۱۰
	تعلیم و تربیت	۱۱۲
	جنس لطیف	۱۱۳
	ادبیات و فنون لطیفہ	۱۱۶

	سیاسیات شرق و غرب	۱۱۹
	محراب گل افغان	۱۲۱
ارمغانِ حجاز	تمہید و تعریف	۱۲۵
	مجلس مشاورۂ ابلیس	۱۲۶
	نصیحت بلوچ	۱۲۸-۲۷
	بیاض ضیغم کشمیری	۱۲۹

اس جلد میں علامہ سے متعلق بعض تصاویر بھی شائع ہوئی ہیں۔ جن کی ترتیب وار تفصیل حسب ذیل ہے۔

شمار	عنوان	ملحقہ صفحہ نمبر
۱-	علامہ اقبال	۱۶
۲-	شیخ نور محمد قبلہ گاہ، علامہ اقبال ۱۷/ اگست ۱۹۳۰ء وفات یافت	۱۷
۳-	مسجد حسام الدین در سیالکوت درس گاہ اول اقبال	۱۸
۴-	پوھنتون پنجاب کہ علامہ سالہا در آن ممتحن زبان عربی بود	۱۹
۵-	مزار مبارک حکیم سنائی در غزنی کہ سبب گریۂ زیاد علامہ مرحوم گردید	۲۲
۶-	مولانا جلال الدین بلخی ثم الرومی (۱۲۰۷ - ۱۲۷۳م)	۴۰
۷-	ورود علامہ اقبال بہ الہ آباد برائی ریاست اجتماع آل انڈیا مسلم لیگ کہ دران برائی یک کشور مستقل مسلمانان ہند و حفظ آزادی افغانان صوبۂ سرحد (پشتونستان نطق داد)	۴۱
۸-	ریاض منزل بھوپال (۱۹۳۶ء)	۴۴
۹-	علامہ را مرحوم صلاح الدین سلجوقی جنرال قونسل افغانستان در ہند بر سیشن لاہور مشایعت و وداع میکند وقتیکہ علامہ برائی روند تیبل کانفرنس بہ لندن رفتن میخواھد	۴۵
۱۰-	علامہ مرحوم باپسرش بنا پغلی جاوید ۱۹۲۹ء	۱۰۴
۱۱-	علامہ مرحوم در مسجد شاہی لاہور آن شعر خود رامی شنواند کہ عنوان آن است بحضور حضرت رسالتمآب	۱۰۴ (الف)

۱۲- مولوی سید حسن متوفائی ۱۹۲۹ء معلم عربی و دری ورہنمائی علامہ اقبال ۱۰۴(ب)
۱۳- لسان العصر سید اکبر الہ آبادی مرحوم ۱۰۴(ج)
۱۴- علامہ اقبال در مسجد قرطبہ نمازی گزارد ۱۰۴(د)
۱۵- علامہ وسید سلیمان ندوی وسر راس مسعود رحمہم اللہ تعالیٰ در باغ بابر کابل ۱۰۴(ھ)
۱۶- دعوتی کہ بہ شرف ورود علامہ سید سلیمان ندوی و سر راس مسعود در کابل دادہ شدہ است ۱۰۴(و)
۱۷- حیات علامہ درلیسہ کمیبرج (انگلستان) باھموطنانش خصوصاً شیخ عبد القادر وپیغلہ عطیہ ۱۰۴(ز)
۱۸- لیسۂ دولتی لاہور درس گاہ علامہ ۱۰۴(ح)
۱۹- علامہ اقبال باھیت سیار الازھر (پوھنتون قدیم و مشہور مصر) کہ بہ لاہور بودند ۱۹۳۷ء ۱۰۴(ط)
۲۰- مرحومہ امام بی بی مادر علامہ اقبال کہ در ۹/ نومبر ۱۹۱۴ء وفات یافت ۱۰۴(ی)
۲۱- پوھان ولفگانگ فان گویتہ شاعر المانی (۱۷۴۹ - ۱۸۳۲م) ۱۰۴(ث)
۲۲- علامہ بانواب ذوالفقار علی خان در شملہ ہند با محمد حیدر خان جنرال قونسول افغانستان و ہمکاران افغان او ۱۳۰
۲۳- منظرہ اشتراک اھالی لاہور در جنازہ علامہ مرحوم ۱۳۱
۲۴- علامہ در وسط اعضائی ادارہ معارف اسلامیہ لاہور ۱۹۳۳ء آخر
۲۵- مزار علامہ کہ سنگ قبر آن در افغانستان لاجورد نشانی شدہ است آخر

کتاب کے آغاز میں ''تذکر'' کے عنوان سے افغانستان کے وزیرِ اطلاعات وکلتور پوہاند نوین کے چند تعارفی کلمات شائع ہوئے ہیں۔

یکی از مردانیکہ در عصر حاضر تمام عمرش را وقف گستن زنجیر ھائی استعمار و خدمت بہ ملل مشرق زمین کردہ است علامہ اقبال میباشد۔ او نہ تنہا بہ عنوان یکی از آغاز گران نہضت آزادیخواھی در نیم قارہ شہرت دارد بلکہ بہ حیثیت شاعر و فیلسوف وسخندانی بزرگ نیز حایز

مرتبت والایست کہ بہ شخصیت و چہرۂ درخشانش ابعاد متنوع میدہد۔ و اما احساس و قضاوت ما افغانہا بر علاوۂ ارج گزاری بہ مقام سیاسی و ادبی این فرزند نامی خاور زمین از منبع دیگری نشان می کند از جائیکہ اقبال می گوید۔

آسیا یک پیکر آب و گل است
کشور افغان در آن پیکر دل است

او افغان دوستی بزرگ بود و ہمیشہ در امر بیداری مشرق زمین نظری خاص بسر زمین ماداشت و در آثار چون پیامِ مشرق، پس چہ باید کرد اقوام مشرق و مسافر و دیگر مجموعہ ھائی شعرش از ملت افغان بعنوان ملتی آزادہ سرفراز و زنجیر گسل استعمار و استبداد یاد کردہ است۔ ماھموارۂ یاد این بزرگ مرد را گرامی میداریم و خوشحالیم کہ در ازا آنھمہ محبت عالمانہ و شاعرانہ این کتاب ارزشمند رابہ کوشش و تدوین و تالیف استاد گرانمایہ بنا علی عبدالہادی داوی بہ زیور طبع می آراییم و معناً ادائی دین می کینم۔ [۴۳]

ترجمہ: عصرِ حاضر کے ان مردان حق میں سے ایک علامہ محمد اقبال ہیں جنھوں نے زندگی بھر استعماری قوتوں کی زنجیروں کو توڑنے اور مشرقی اقوام کی خدمت کرنے میں انتھک جدوجہد کی۔ وہ نہ صرف برصغیر کی جدوجہد آزادی کے بانیوں میں سے تھے بلکہ بحیثیت شاعر و فلسفی ان کے گراں قدر خیالات نے ان کی شخصیت میں شاندار اضافہ کیا تھا۔ البتہ ہم افغانوں کے لیے ادبی و سیاسی مقام کے علاوہ بھی سرزمین مشرق کے اس عظیم فرزند کے احسانات ہیں جنھوں نے فرمایا:

آسیا یک پیکر آب و گل است
کشور افغان در آن پیکر دل است

وہ افغانوں کے بہت بڑے دوست تھے۔ وہ مشرق کی بیداری میں ہمیشہ ہماری سرزمین کو ایک خاص توقع آمیز نگاہ سے دیکھتے تھے۔ اپنے آثار خاص کر پیامِ مشرق، پس چہ باید کرد اے اقوامِ شرق و مسافر اور دیگر شعری آثار میں ملتِ افغان کو ملتِ آزاد و سرفراز، زنجیر گسل استعمار و استبداد کے نام سے یاد کیا ہے۔ ہم اس عظیم محسن کی یاد کو احترام

سے منا رہے ہیں اور خوش ہیں کہ ان کی اس عالمانہ و شاعرانہ محبت کی بنیاد پر ہم جناب عبدالہادی داوی کی کوشش و تدوین سے یہ کتاب شائع کر رہے ہیں۔

کتاب کے آغاز میں مولانا جامی قدس سرہ کی مثنوی یوسف زلیخا سے حمد شامل کی ہے جس کا مطلع اور آخری بیت درج ذیل ہیں:

الٰہی غنچۂ امید بکشائی   گلی از روضۂ جاوید بنمائی

بیا ساقی رہا کن شرمساری   زصاف و درد پش آر آنچہ داری [۴۴]

حمد کے ذیل میں حکیم سنائی غزنوی کے ۱۴ نعتیہ ابیات نعت کے عنوان سے شامل کیے ہیں پہلا اور آخری بیت درج ذیل ہے:

چون تو بیماری از ھوا و ھوس   رحمت للعالمین طبیب تو بس

در حریم وی سلامت جوئی   شرم دار از حرام دست بشوئی

مولانا جامی اور حکیم سنائی کی حمد و نعت کی اس اشاعت کو مؤلف نے افغانستان کے ان زعما سے اقبال کے اخلاص و عقیدت کا سبب لکھا ہے۔[۴۵]

اس کے بعد جناب داویؔ کے پانچ صفحات پر مشتمل مقدمہ شروع ہوتا ہے جس میں واضح کیا گیا ہے کہ اس کتاب میں فقط علامہ کے اردو آثار کے نام وغیرہ درج کرانا نہیں بلکہ علامہ کے مقاصدِ حیات و افکار خصوصاً افغانوں کے لیے دلچسپی کے امور کو اجاگر کرنا ہے۔ ''اقبال ما'' کے عنوان کے تحت اقبال کو خالصتاً ایک مسلم شاعر ہونے کی بنا پر اپنا شاعر کہا ہے۔ علامہ کی اس رباعی کا حوالہ دیا ہے:

''تواے کودک منش خود را ادب کن   مسلمان زادۂ ترک نسب کن

برنگ احمر و خون و رگ و پوست   اگر نازد عرب ترک عرب کن''[۴۶]

اقبال نے کبھی بھی مسلمانانِ ہند کے ہندی ہونے کی بنا پر خدمت نہیں کی ہے بلکہ فقط مسلمان ہونے کے ناتے ان کے لیے سرگرمِ عمل رہے۔ بقول سنائی:

سخن کز بہر حق گوئی چہ عبرانی چہ سریانی

مکان کز بہر حق جوئی چہ جا بلقاء چہ جا بلساء

اقبال افغانوں سے قلبی و صمیمی محبت رکھتے تھے۔ جاوید نامہ میں افغانستان سے متعلق ارشاد فرمایا۔ پیامِ مشرق میں ملت اسلامیہ کے ممالک کی حالت پر افسوس کا اظہار کیا۔ جبکہ افغانستان سے کئی توقعات وابستہ رکھتے ہوئے افغانوں کی تعریف و توصیف کی۔"[۷۷]

داویؔ نے ان تمام دلائل کے اثبات میں جابجا علامہ کے اشعار کے حوالے دیے ہیں۔ ساتھ ہی جابجا علامہ کی ان لغات، اصطلاحات و تعبیرات کی نشاندہی کی ہے جو انھوں نے مثنوی معنوی، عطارؔ، حدیقہؔ، حکیم سنائی اور آثار جامیؔ سے مستعار لی ہیں۔

عبدالہادی داویؔ نے آثار اردوی اقبال میں علامہ کے درج ذیل اردو آثار متعارف کرائے ہیں:

۱- مکتوبات الف۔ اقبال نامہ دو جلد از پروفیسر شیخ عطاء اللہ۔
ب۔ مکتوباتِ اقبال ایک جلد از سید نذیر نیازی۔
ج۔ خطوط اقبال ایک جلد از عطیہ فیضی۔

۲- ضربِ کلیم شعری مجموعہ۔

۳- ارمغانِ حجاز حصہ اردو۔

۴- خطباتِ اقبال مختلف تقاریر، بیانات و خطبات کا اردو ترجمہ۔

۵- بانگِ درا اردو اشعار کا مجموعہ۔

۶- اخبارات و رسائل کے لیے لکھے گئے نثری مضامین۔

۷- بالِ جبریل اردو شعری مجموعہ۔

۸- شاد اقبال مجموعہ مکاتیب۔

۹- مکاتیب اقبال رئیس جالندھر نیاز الدین خان کے نام ۷۹ مکاتیب کا مجموعہ۔

۱۰- مضامین اقبال علامہ کے چودہ مضامین کا مجموعہ جو ۱۹۶۴ء میں شائع ہوا۔

۱۱- علم الاقتصاد اردو میں لکھی گئی علامہ کی پہلی کتاب لیکن چونکہ علامہ کے شاعرانہ و فلسفیانہ افکار سے ہم آہنگ نہیں اس لیے ان پر بحث نہیں کی جائے گی۔

۱۲- فلسفہ عجم میر حسن الدین نے انگریزی سے اردو میں ترجمہ کیا۔[۷۸]

جناب عبد الہادی داویؔ نے جلد اول میں صرف ان چار کتب کو منتخب کیا ہے:

(۱) اقبال نامہ

(۲) مکتوباتِ اقبال

(۳)ضربِ کلیم

(۴)ارمغانِ حجاز

"مؤسسات دائمی" کے عنوان سے علامہ اقبال کے نام پر بنائی گئی مختلف انجمنوں کا حوالہ دیا گیا ہے۔ بزمِ اقبال، اقبال سوسائٹی، اقبال اکادمی، ادارہ اقبال وغیرہ۔

اس کے ساتھ اس شدید خواہش کا اظہار بھی کیا گیا ہے کہ کاش اگر افغانستان میں بھی علامہ کے نام سے منسوب کوئی تنظیم بنائی جائے یا علامہ کے نام سے کسی عمارت کو موسوم کیا جائے تو اس عظیم شخصیت کے حق کی ادائیگی میں پیش رفت ہو جائے۔[۷۹]

آثار اردوی اقبال کے لکھنے تک اقبال پر کیے گئے بنیادی کام کو زیر تحقیق لایا گیا ہے۔ یومِ اقبال، طبع آثار اقبال، اقبالست ھا، اقبالیات کے تراجم، عالمی سطح پر اقبال پر کیا گیا کام وغیرہ۔ اقبال کی حیات اور ازواج پر بحث کے ساتھ ساتھ تصوفِ اقبال، تفسیر خودی یا فلسفۂ اقبال پر بحث کی گئی ہے۔

علامہ کے مقاصد کا تعین کیا گیا ہے، جن میں دفع استعمار و محکومیت از ہند، و اصلاح جوانان شامل ہیں۔ علامہ کی سیاست، اردو و دری کی مماثلت، علامہ کی علتِ شعر گوئی، علامہ و استعمال زبان دری، مراحل شعرِ اقبال، پُر نویسی وغیرہ بھی زیرِ بحث لائے گئے ہیں۔

علامہ کے اسلوب شعر کو درج ذیل عنوانات میں تقسیم کیا گیا ہے:

آمد شعر، سبک، حوالہ بہ رجال گذشتہ، نام ہائے خیالی علامہ و ادبائے سلف ما، علامہ و بدیع و بیان، ملاحت یا اغلاق، عناوین اشعار تاریخ و مقام، انشا، گریز از لفاظی و لسانی۔

اردو آثار کے سلسلے میں پہلے اقبال نامہ کا مجموعی تعارف تمہید کے عنوان سے پیش کیا گیا ہے اور ساتھ ہی بتایا گیا ہے کہ اقبال نامہ میں درج ذیل تین ہستیوں کے نام مکاتیب موجود ہیں:

۱۔ مولانا سید سلیمان ندوی ؒ ۷۰ مکتوبات۔

۲۔ ڈاکٹر سید راس مسعود مرحوم اور ان کی اہلیہ اور اسی طرح ممنون حسن خان ۳۷ مکتوبات۔

۳۔ ڈاکٹر محمد عباس علی خان المتخلص لمعہ ۲۹ مکتوبات۔

سید سلیمان ندوی ؒ کے نام اقبال کے کئی مکتوبات کا فارسی ترجمہ جناب داوی ؒ نے پیش کیا ہے۔ ان میں مکتوب ۲۰ - ۲۵ - ۲۸ - ۳۳ - ۳۷ - ۳۸ شامل ہیں۔ جبکہ جناب ندوی ؒ کے ساتھ علامہ کے ان تمام مکتوبات کا حوالہ دیا گیا ہے۔ ان مکتوبات میں مکتوب نمبر ۳۳ بنام سید سلیمان ندوی ؒ کا فارسی ترجمہ درج ذیل ہے:

لاہور ۱۸/ اگست ۱۹۲۴ء

مخدومی السلام علیکم

درین ایام پوھنتون مشہور جماہیر متحدہ امریکا (کولمبیا) یک کتابی بنام (نظریات مسلمین درباب مالیات) شایع نمودہ درین کتاب نوشتہ است کہ اجماع امت نص قرآنی را منسوخ کردہ میتواند......

مصنف علاوہ میکند کہ نزد بعضی حنفا و معتزلہ اجماع امت این اختیار را دارد۔ ولی او ھم حوالہ نمی دہد لہٰذا از حضور شما این سوال را میکنم کہ ایا در آثار فقہی ازین قبیل چیزی یافتہ میشود؟ سوال دیگر اینکہ رائی شخص شما درین باب چہ است؟ بندہ از حضور مولوی ابو الکلام صاحب نیز در عریضہ ئی پرسیدہ ام اگر جناب شما زود جواب بدھید نہایت ممنون خواھم شد۔

مخلص شما محمد اقبال بیرستر

۴۳ میکلو درود لاہور[۸۰]

سر راس مسعود کے نام علامہ کے مکاتیب نمبر ۵ - ۳ - ۷ - ۸ - کے فارسی تراجم دیے گئے ہیں۔ مکتوب نمبر ۸ کا فارسی ترجمہ پیش ہے:

لاہور ۲۷/ جولائی ۱۹۳۳ء

جناب مکرم السلام علیکم

نوازش نامۂ شما حال رسید۔ شکران مرا بپذیرید۔ من بہ بیسار خوشی مضمون را خواھم نوشت۔ ولی نہ درین دسمبر زیرا اولا شاید خارج بردم اگر باشم ھم برائی نوشتن یک مقالۂ دیگر وعدہ کردہ ام اگر سید راس مسعود برائی سال آئیندہ بخواھند من حاضرم۔

شمار در اخبار خود مضمون مرا کہ در جراید انگلیسی طبع شدہ است ذکر کردہ اید۔ آن در اصل یک (مخاطبہ) بود کہ در جواب سوالات با نامہ نگار یک اخبار (ھنگری) کردہ بودم۔ چنان معلوم میشود کہ نامہ نگار مذکور آنرا بصورت یک مضمون مستقل ساختہ و بہ اخبارات انگلیسی فرستادہ است و بسی مطالب ضروری را کشیدہ و ترک نمودہ است شاید بجہت حفظ ربط مضمون خود عجبست کہ در جریدۂ (ھمدم) لکھنو کدام آقائی بران اعتراضات کردہ است زیرا مقاصد مضمون مذکور را درست فہمیدہ نتوانستہ است۔

شمار در مکتوب سابق خود بسبب ترجیح دادن من اصول اجتماعی اسلام را بر اصول وطنیت مرا امام العصر خواندہ اید من عرض شکران میخایم۔

یک جریدۂ نیشنلست (قوم پرست) کہ چھار مدیر مسلمان دارد و شمارۂ اول آن امروز در لاھور نشر شدہ است مینویسد کہ "اقبال عذر لنگ وطنیت تراشیدہ است"۔ ببینید کہ نوجوانان مسلمانی کہ در کالج ھائی مغربی تحصیل کردہ از نقطۂ نظر روحانی چقدر فرومایہ اند آنھا نمید انند کہ اسلامیت چیست و وطنیت چیست۔ نزد آنھا وطنیت محض یک اشتقاق لفظ وطن است وبس۔

امید ست بعافیت باشید
محمد اقبال[81]

داوی صاحب نے پروفیسر خواجہ ایف ایم شجاع کے نام دو مکاتیب کا فارسی ترجمہ و تلخیص (محررہ ۲۰؍ جنوری ۱۹۳۱ء از لاہور و ۲۱؍ اگست ۱۹۳۲ء) بھی پیش کیے ہیں۔ اس کے علاوہ میر سید غلام بھیک نیرنگ کے نام ۵؍ دسمبر ۱۹۲۸ء کے مکتوب کا فارسی ترجمہ بھی کیا ہے۔ ان مکتوبات کے علاوہ درج ذیل مکتوبات کے فارسی تراجم و تلخیصات بھی کتاب میں شامل ہیں۔

- بنام حافظ محمد فضل الرحمٰن انصاری
- بنام سر کشن پرشاد محررہ یکم؍ نومبر ۱۹۱۶ء
- ایضاً محررہ ۳۰؍ جون ۱۹۱۷ء

- بنام محمد عبداللہ چغتائی محررہ ۱۴/ جون ۱۹۳۷ء
- بنام مولوی صالح محمد
- بنام لسان العصر مولوی اکبر الٰہ آبادی محررہ ۹/ نومبر ۱۹۱۱ء
- ایضاً محررہ ۲۵/ جولائی ۱۹۱۸ء
- بنام خواجہ حسن نظامی محررہ ۲۵/ اپریل ۱۹۰۶ء
- ایضاً محررہ ۱۰/ فروری ۱۹۰۸ء
- بنام عطیہ فیضی محررہ ۳۱/ اگست ۱۹۲۰ء

یہاں اس امر کی وضاحت ضروری ہے کہ متذکرہ بالا مکتوبات کے تراجم دیتے وقت جناب داویؔ نے وضاحتی نوٹ بھی تحریر فرمائے ہیں۔ متذکرہ بالا اور ان کے علاوہ علامہ کے مکتوبات کے حوالے سے بعض نکات پر جابجا تفصیلی تحقیقی و تنقیدی جائزے بھی پیش کیے ہیں جن میں سے بعض خاصے اہم ہیں۔ بعض اشخاص سے متعلق اہم یادداشتیں بھی اہمیت کی حامل ہیں۔

مکتوبات اقبال پر دو صفحات کی مختصر بحث کے بعد ضربِ کلیم کے مشمولات کا صفحہ نمبر ۱۰۸ تا ۱۲۴ کا عالمانہ و محققانہ جائزہ لیا گیا ہے۔ جابجا مختلف اشعار کی تشریحات کی گئی ہیں۔ جبکہ حسبِ ضرورت بعض اشعار کے منظوم فارسی تراجم بھی پیش کیے ہیں۔

اگرچہ جناب داویؔ نے ”لالی ریختہ“ میں ضرب کلیم کے ۶۷ قطعات کے فارسی منظوم تراجم پیش کیے ہیں لیکن یہاں بھی بعض تراجم کے حوالے دیے گئے ہیں مثلاً:

خودی است تیغ فساں لا الہ الا اللہ
دروست سر نہاں لا الہ الا اللہ
بہ جستجوی براہیم خود بود ایں عصر
صنم کدہ است جہان لا الہ الا اللہ[82]

کتاب کے آخر میں پانچ صفحات میں ارمغانِ حجاز کے مشمولات پر عالمانہ و محققانہ تجزیہ پیش کیا گیا ہے۔

آثار اردوی اقبال جلد دوم از عبد الہادی داوی

یہ جلد بھی افغانستان کی وزارتِ اطلاعات و کلتور کی مؤسسۂ انتشارات بیہقی کی جانب سے قوس ۱۳۵۶ھ ش (۱۹۷۷ء) میں شائع ہوئی۔

صفحات ۲(فہرست) + ۲ (تذکر) + ۴ مقدمہ بانگ درا + ۹۵ (متن کتاب) + ۶ (درست نامہ)

جملہ = ۱۰۹

جلد دوم آثار اردوی اقبال کی فہرست درج ذیل ہے:

عنوان	اجزائے عنوان	صفحہ نمبر
تذکر		الف
	مقصدِ مترجم	ب
	دیباچہ	۱
اطفال و جوانان		۱۳
	ہمدردی	۱۳
	سرود ملی	۱۴
مناظر طبیعیہ		۱۵
	گل رنگیں	۱۶
	گل پژمردہ	۱۷
	نوید صبح	۱۸
	موتر	۱۹
اسلامیات		۲۰
	فاطمہ	۲۰
	قطعہ	۲۱
	ترانہ ملی	۲۲
	غرہ شوال	۲۳

مسلم ۲۵
عشق و محبت ۲۶
عاشق ہر جائی ۲۸
وصال ۳۰
غزل ۳۲
ایقاظ و اخطار ۳۵
تصویر ۳۵
شکوہ ۴۳
جواب شکوہ ۴۹
شفاخانہ حجاز ۵۷
شمع و شاعر ۵۸
خضر راہ ۶۲
طلوع اسلام ۶۷
فلسفہ ۷۰
استفسار از خفتگان خاک ۷۰
عید ۷۴
پیام ۷۵
فلسفۂ غم ۷۵
مراثی ۷۷
غزلیات ۸۲
ظرافت ۸۴
مقالات ۸۷

کتاب کے آغاز میں افغانستان کے وزیر اطلاعات و کلتور داکتر پوھاند نوین کی تعریفی و توصیفی تحریر ”تذکر“ کے عنوان سے شائع ہوئی ہے:

اقبال چہرہ ایست درخشان و الہام بخش کہ فلسفہ آزادی و وطن پرستی با نام آن رابطہ ناگسستنی دارد۔

اقبال شاعریست شیوا بیان و شیریں کلام کہ شعر و ادب دری وار و اذان رنگ جاویدان داشتہ وطنین آہنگ آن بر دل ہر صاحب دل اثر می گزارد۔

اقبال فرزند ارجمند یست کہ مادر مشرق افتخار پرورش آنرا داشتہ و خجستہ ترین آرزو ھا و آمال رادر شخصیت گرانمایہ او خلاصہ کردہ است۔ اقبال این شاعر و فیلسوف ھماپایۂ شرق بنابر علایق و دلبستگی عمیقیکہ بہ مردم فرہنگ و آزادی کشور افغان داشتہ افغانستان را مشعلدار آزادی شرق ومایۂ امید وراستی از استعمار میداند۔

(ملتی آوارۂ کوہ و دمن
در رگ او خون شیران موجزن)
(زیرک و روئین تن و روشن جبین
چشم او چون جرہ بازان تیز بین)

در پاسخ بہ نکوترین و ژرفترین احساسات علامہ بافغانستان ما از اقبال رسالت انسانی اقبال۔ تابش نبوغ فکری و مبارزۂ اقبال در قبال تحریک حسن آزاد یخواھی جوامع شرق خاصا جنبش ھائی نجا تبخش از سلطۂ استعمار وقت در نیم قارہ بامنت داری خاصی ہموارہ استقبال می نمایم و در مقام تجلیل از شخصیت بزرگوار شان کہ خیرا باہمکاری مؤسسہ فرہنگی یونیسکو برگزاشد یاد آوری نمودہ رہبر انقلاب جمہوری افغانستان نباغلی محمد داؤد در پیامیکہ بدین مناسبت بہ اجتماع لاہور فرستادند چنین ارشاد فرمودہ اند "علامہ اقبال بدون شبہ یکی از رجال بشر دوست و پاکیزہ سرشتیست کہ روزگار گاھگاھی بہ جہان انسانیت ارمغان می نماید آن فیلسوف شہیر چنانکہ آثار گرانبہائی خود را وقف غنائی اندیشہ و ثقافت انسانی نمود علاقہ خاصی بہ کشور ما افغانستان ابراز میداشت و بخشی از اشعار ابدار خود بمردم ما بہ یادگار گذاشت۔

با این تذکر مختصر مسروریم جلد دوم آثار اردوی اقبال را کہ در نتیجہ سعی استاد عبدالہادی داوی گردیدہ واین دست آورد ارزندہ مبین احساسات عمیق و احترام بی شائبہ ملت افغان بمقام والای علامہ می باشد جہت آشنائی بہتر ھموطنان عزیز با علامہ اقبال و افکار و آثارش تقدیم می نمائیم"

پوهاند دکتور نوین
وزیر اطلاعات و کلتور[۸۳]

ترجمہ: اقبال ایک ایسا روشن و منور چہرہ ہے جس کے پرتو سے فلسفۂ آزادی و وطن پرستی کو روشنی عطا ہوئی ہے۔ اقبال ایک ایسا شاعر شیوا بیان ہے جس کے کلام کی شیرینی سے فارسی شعر و ادب کو شیرینی ملی ہے۔ ان کے اشعار کے آہنگ نے ہر صاحبِ دل کے دل پر گہرے اثرات مرتب کیے ہیں۔

اقبال ایک ایسا فرزندِ ارجمند ہے جس کی پرورش مادرِ مشرق کے لیے باعثِ فخر ہے۔ ان کی شخصیت کی تشکیل میں اعلیٰ اوصاف کو یکجا کیا گیا ہے۔ اقبال مشرق کے عظیم شاعر و فلسفی ہونے کے ساتھ ساتھ افغانوں، ان کی سرزمین آزادی اور تہذیب سے بھی محبت رکھتے تھے۔ وہ سرزمین افغانستان کو آزادی مشرق کا منبع اور استعمار سے نجات دہندہ تصور کرتے تھے......

بانگِ درا پر جناب داویؔ نے فارسی میں مختصر مقدمہ تحریر کیا ہے۔ ان کے زیر مطالعہ بانگِ درا کے بائیسویں ایڈیشن ۱۹۶۳ء کا مطبوعہ نسخہ رہا ہے۔ بقول ان کے طبع اول ۱۹۲۴ء تا ان زیرِ استعمال نسخہ ۱۱۹۲۰۰ (ایک لاکھ انیس ہزار دو سو) نسخے شائع ہو چکے ہیں اور بقول ان کے ہندوستان و پاکستان میں کسی بھی شاعر کو اتنی محبوبیت و مقبولیت نصیب نہیں ہوئی ہے۔

مقدمہ میں علامہ کی شاعری کے ادوار، ان کے اشعار، غزلیات، رباعیات، قطعات وغیرہ کی تعداد پر تحقیق کی گئی ہے۔ بانگِ درا کے مضامین کو نو اصنافِ عناوین میں تقسیم کیا گیا ہے:

(۱) برائے اطفال

(۲) مناظر طبعیہ

(۳) اسلامیات

(۴) عشق و محبت

(۵) ایقاظ

(۶) فلسفہ

(۷) قدردانی شاہ و مراتی

(۸) غزلیات

(۹) ظرافت

شیخ عبدالقادر بیرسٹر ایٹ لا کے مکمل دیباچے کا فارسی ترجمہ کیا گیا ہے۔ اس دیباچے کے ترجمے کے ساتھ ساتھ جناب داویؔ نے جابجا علمی و معلوماتی تشریحات و حاشیے تحریر کیے ہیں۔ جناب داویؔ نے علامہ کی شاعری کو جن نو عناوین اصناف میں تقسیم کیا ہے ان میں سے ہر عنوان کے تحت بحث اور جابجا حسبِ ضرورت منظوم فارسی تراجم کیے ہیں۔ ان عناوین کے تحت ان موضوعات سے متعلق علامہ کے فکری زاویوں کا جائزہ لیا گیا ہے۔ اقبال کے کلام کے ان حصوں کی نشاندہی کی گئی ہے جو ان موضوعات سے متعلق ہیں۔ حصہ اول اطفال و نوجوانان میں نظم ہمدردی کا منظوم فارسی ترجمہ شامل کیا گیا ہے:

ٹہنی پہ کسی شجر کی تنہا بلبل تھا کوئی اداس بیٹھا
کہتا تھا کہ رات سر پر آئی اُڑنے چگنے میں دن گزارا
پہنچوں کس طرح آشیاں تک ہر چیز پہ چھا گیا اندھیرا
سن کر بلبل کی آہ و زاری جگنو کوئی پاس ہی سے بولا
حاضر ہوں مدد کو جان و دل سے کیڑا ہوں اگرچہ میں ذرا سا
کیا غم ہے جو رات ہے اندھیری میں راہ میں روشنی کروں گا
اللہ نے دی ہے مجھ کو مشعل چمکا کے مجھے دیا بنایا

ہیں لوگ وہی جہاں میں اچھے
آتے ہیں جو کام دوسروں کے[۸۴]

(۸۴)

نظم ہمدردی کا منظوم فارسی ترجمہ:

بلبلی بر شاخۂ خشک درخت از غم تنہا پیش خاطر کرخت
گفت روزم در پریدنہا گذشت شب رسید کل جہان تاریک گشت

کی رسم تا آشیان خویشتن مشکلی دارد بہ شب رہ کافتن

کرم شبتابی شنید اینقصہ را گفت من حل میکن این غصہ را

شب شنیدم بلبلان فریاد را حاضرم با جان و تن امداد را

گرچہ من چیزی نیم در تاب تن حق تعالیٰ روشنی دادہ بمن

راہ را از بر تو روشن کنم تا ترہ آسودۂ مسکن کنم

ہر کس کہ بدرد دیگران خورد

وی بودہ بزرگ و دیگران خورد[۸۵]

(۸۵)

ہمدردی کے بعد جناب داوی نے ”ہندوستانی بچوں کا قومی گیت“ کا بھی فارسی منظوم ترجمہ کیا ہے:

چشتی نے جس زمیں میں پیغامِ حق سنایا نانک نے جس چمن میں وحدت کا گیت گایا

تاتاریوں نے جس کو اپنا وطن بنایا جس نے حجازیوں سے دشتِ عرب چھڑایا

میرا وطن وہی ہے، میرا وطن وہی ہے

یونانیوں کو جس نے حیران کر دیا تھا سارے جہاں کو جس نے علم و ہنر دیا تھا

مٹی کو جس کی حق نے زر کا اثر دیا تھا ترکوں کا جس نے دامن ہیروں سے بھر دیا تھا

میرا وطن وہی ہے، میرا وطن وہی ہے

ٹوٹے تھے جو ستارے فارس کے آسماں سے پھر تاب دے کے جس نے چمکائے کہکشاں سے

وحدت کی لے سنی تھی دنیا نے جس مکاں سے میرِ عرب کو آئی ٹھنڈی ہوا جہاں سے

میرا وطن وہی ہے، میرا وطن وہی ہے

بندے کلیمؑ جس کے، پربت جہاں کے سینا نوحِؑ نبی کا آکر ٹھیرا جہاں سفینا

رفعت ہے جس زمیں کی بامِ فلک کا زینا جنت کی زندگی ہے جس کی فضا میں جینا

میرا وطن وہی ہے، میرا وطن وہی ہے[۸۶]

منظوم فارسی ترجمہ:

سرود ملی برائے بچہ ھائے ہندوستانی

زمینی چشتیؒ دران پیغام حق شنواند　　چمنی کے نانک دران ترانہ وحدت خواند
و تاتارھا آنرا وطن خود ساختند　　حجازھا در شوق آن دشت عرب را فراموش کردند
وطن من همان ست، وطن من همان ست

آنجا کہ یونانی ھا را حیرت زدہ ساختہ بود　　ویتام جھاں علم وہنر گستر دہ بود
خاکش راحق تعالیٰ تا شیر زر بخشیدہ　　و دامن تر کھارا از الماس معلو نمودہ بود
وطن من همان ست، وطن من همان ست

جایکہ انجم شکستہ وریختہ فضائی فارس را　　دوبارہ چوں کہکشاں درخشانید
جا یکہ دنیا را سرور وحدت شنوانیدہ　　و میر عربؐ رانیسم گوارا ازانسو رسیدہ
وطن من همان ست، وطن من همان ست

پربت سینائی کہ بندھا کلیم آیندہ　　و کشتی نوح آنجا آرامیدہ
زمینی کہ در رفعت نرد پان فلک است　　و در فضائی آن حیات بہشتی موجود ست
وطن من همان ست، وطن من همان ست[۸۷]

گل رنگین

عنوان دوم مناظر فطرت کے مد میں نظم "گل رنگین" کا منظوم فارسی ترجمہ کیا ہے:

تو شناسائے خراشِ عقدۂ مشکل نہیں　　اے گلِ رنگیں ترے پہلو میں شاید دل نہیں
زیب محفل ہے، شریکِ شورشِ محفل نہیں　　یہ فراغت بزمِ ہستی میں مجھے حاصل نہیں
اس چمن میں میں سراپا سوز و ساز آرزو
اور تیری زندگانی بے گدازِ آرزو

توڑ لینا شاخ سے تجھ کو مرا آئیں نہیں　　یہ نظر غیر از نگاہِ چشمِ صورت بیں نہیں
آہ! یہ دستِ جفاجو اے گلِ رنگیں نہیں　　کس طرح تجھ کو یہ سمجھاؤں کہ میں گل چیں نہیں
کام مجھ کو دیدۂ حکمت کے الجھیڑوں سے کیا
دیدۂ بلبل سے میں کرتا ہوں نظارہ ترا

سو زبانوں پر بھی خاموشی تجھے منظور ہے — راز وہ کیا ہے ترے سینے میں جو مستور ہے

میری صورت تو بھی اک برگِ ریاضِ طور ہے — میں چمن سے دور ہوں تو بھی چمن سے دور ہے

مطمئن ہے تو، پریشاں مثلِ بُو رہتا ہوں میں
زخمیٔ شمشیرِ ذوقِ جستجو رہتا ہوں

یہ پریشانی مری سامانِ جمعیت نہ ہو — یہ جگر سوزی چراغِ خانۂ حکمت نہ ہو

ناتوانی ہی مری سرمایۂ قوت نہ ہو — رشکِ جامِ جم مرا آئینۂ حیرت نہ ہو

یہ تلاشِ متصل شمعِ جہاں افروز ہے
توسنِ ادراکِ انساں کو خرام آموز ہے[۸۸]

منظوم فارسی ترجمہ:

”گلِ رنگین“

چون شناسائی خراش عقدۂ مشکل نہ ئی — ای گل رنگین مگر داری حسن و دل نہ ئی

زیب بزم اما شریک شورش محفل نہ ئی — ہمچو مشغول بزم ہستی عاجل نہ ئی

من درین گلشن سراپا سوز و ساز آرزو
زندگانی تو لیکن بی گداز آرزو

کندنت از شاخسار ای گل مرا آئین نہ بود — این نظر غیر از نگاہِ چشم صورت بین نہ بود

اینچنین دست جفایم ای گل رنگین نہ بود — چون بفهمانم مرا خاصیت گلچین نہ بود

کی برائی دیدۂ حکمت نمایم پارہ ات
میکنم با چشمهائی بلبلی نظارہ ات

باوجود صد زبانست خامشی منظور شد — این چہ اسرار کاندر سینہ ات مستور شد؟

صورت من نیز چون برگ ریاض طور شد — بھر تو ہم ہمچو من طرف چمن ہا دور شد

مطمئنی تو ولی آشفتہ من چون بو شدم
زخمی شمشیر ذوق جستجو ہر سو شدم

این پریشانی مگر سامان جمعیت شود — این جگر سوزی چراغ خانہ حکمت شود

ناتوانیهائی ما سرمایۂ قوت شود رشک جام جم همین آئینۂ حیرت شود

این تلاش متصل شمع جهان افروز شد

تو سن ادراک انسانی را خرد آموز شد[۸۹]

گل پژمردہ

کس زباں سے اے گلِ پژمردہ تجھ کو گل کہوں کس طرح تجھ کو تمنائے دلِ بلبل کہوں

تھی کبھی موجِ صبا گہوارۂ جنباں ترا نام تھا صحنِ گلستاں میں گلِ خنداں ترا

تیرے احسان کا نسیم صبح کو اقرار تھا

باغ تیرے دم سے گویا طبلۂ عطار تھا

تجھ پر برساتا ہے شبنم دیدۂ گریاں مرا ہے نہاں تیری اداسی میں دلِ ویراں مرا

میری بربادی کی ہے چھوٹی سی اک تصویر تو خواب میری زندگی تھی جس کی ہے تعبیر تو

ہمچو نے از نیستانِ خود حکایت می کنم

بشنو اے گل! از جدائی ها شکایت می کنم[۹۰]

گل پژمردہ کا منظوم فارسی ترجمہ:

باچہ جرأت ای گل پژمردہ جان گل گویمت با تمنائی دل مشتاق بلبل گویمت

یاد وقتی کت صبا گھوارہ جنباں بودہ ست "نو گل خنداں" ترا درباغ عنوان بودہ ست

ہر نسیم صبح احسان تر اقرار داشت

نفخہ ات باغ و چمن را طبلۂ عطار داشت

بر تو شبنم ریز باشد دیدۂ گریاں من شد نہاں در یاس تو گویا دل ویران من

میںنائی می حال برباد سرا تصویر تو زندگانی جو خوایم رایکی تعبیر تو

ہمچو نی از نی ستانِ خود حکایت می کنم

بشنوای گل! کز جداہا شکایت می کنم[۹۱]

موٹر

نظم نویدِ صبح کے منظوم فارسی ترجمے کے بعد نظم "موٹر" کا فارسی منظوم ترجمہ دیا گیا ہے:

کیسی پتے کی بات جگندر نے کل کہی موٹر ہے ذوالفقار علی خان کا کیا خموش
ہنگامہ آفریں نہیں اس کا خرامِ ناز مانندِ برق تیز، مثالِ ہوا خموش
میں نے کہا نہیں ہے یہ موٹر پہ منحصر ہے جادۂ حیات میں ہر تیز پا خموش
ہے پا شکستہ شیوۂ فریاد سے جرس نکہت کا کارواں ہے مثالِ صبا خموش
مینا مدام شورشِ قلقل سے پا بگِل لیکن مزاجِ جامِ خرام آشنا خموش
شاعر کے فکر کو پرِ پرواز خامشی
سرمایہ دارِ گرمیٔ آواز خامشی[۹۲]

منظوم فارسی ترجمہ نظم موتر:

وی حرف پختہ ئی ز جگندر شنیده ام موتور ذوالفقار علی شد خموش
هنگامه آفرین نبود خرام ناز مانند برق تیز برنگ هوا خموش
گفتم که نیست منحصر موتر این کمال در راه زندگی شده هر تیز پا خموش
کرده ست پا شکسته جرس رافغان خموش شد کارواں وی مثال صبا خموش
میناست پا به گل ز فغانهائی قلقلش لیکن مزاج جام خرام آشنا خموش
از بهر شاعران بر پرواز خامشی
سرمایه دار گرمی آواز خامشی[۹۳]

یہاں پر جناب داویؔ نے حاشیہ میں نواب ذوالفقار علی خان کو علامہ کا دوست بتایا ہے اور ان سے اپنی ملاقات کا حوالہ دیا ہے۔

فاطمہ بنت عبداللہ

عنوان "اسلامیات" کے تحت نظم "فاطمہ بنت عبداللہ" کا منظوم فارسی ترجمہ دیا گیا ہے۔

فاطمہ! تو آبروئے امتِ مرحوم ہے ذرہ ذرہ تیری مشتِ خاک کا معصوم ہے
یہ سعادت حورِ صحرائی تری قسمت میں تھی غازیانِ دیں کی سقائی تری قسمت میں تھی

یہ جہاد اللہ کے رستے میں بے تیغ و سپر! ہے جسارت آفریں شوقِ شہادت کس قدر!
یہ کلی بھی اس گلستانِ خزاں منظر میں تھی! ایسی چنگاری بھی یارب اپنی خاکستر میں تھی!

اپنے صحرا میں بہت آہو ابھی پوشیدہ ہیں
بجلیاں برسے ہوئے بادل میں بھی خوابیدہ ہیں!

فاطمہ! گو شبنم افشاں آنکھ تیرے غم میں ہے نغمۂ عشرت بھی اپنے نالۂ ماتم میں ہے
رقص تیری خاک کا کتنا نشاط انگیز ہے! ذرہ ذرہ زندگی کے سوز سے لبریز ہے
ہے کوئی ہنگامہ تیری تربتِ خاموش میں پل رہی ہے ایک قومِ تازہ اس آغوش میں
بے خبر ہوں گرچہ ان کی وسعتِ مقصد سے میں آفرینش دیکھتا ہوں ان کی اس مرقد سے میں
تازہ انجم کا فضائے آسماں میں ہے ظہور دیدۂ انساں سے نامحرم ہے جن کی موجِ نور
جو ابھی ابھرے ہیں ظلمت خانۂ ایام سے جن کی ضو ناآشنا ہے قید صبح و شام سے

جن کی تابانی میں اندازِ کہن بھی، نو بھی ہے
اور تیرے کوکبِ تقدیر کا پرتو بھی ہے[۹۴]

نظم ''فاطمہ بنتِ عبداللہ'' کا منظوم فارسی ترجمہ:

فاطمہ! تو آبروئی امت مرحومہ ئی ذرۂ محرومۂ خاکی ولی معصومہ ئی
در صف غزاۃ سقائی نصیب گشتہ ئی خوش سعادت حور صحرائی نصیب گشتہ ئی
بین جہاد فی سبیل اللہ بی تیغ و سپر شد جسارت آفرین شوق شہادت آنقدر
غنچہ ئی در این گلستان خزان منظر عجب اینچنین آتش الٰہی بین خاکستر عجب

آھوئی بسیار در صحرا ست پوشیدہ ھنوز
برقھا در آبر باریدہ ست خوابیدہ ھنوز

فاطمہ گر شبنم افشان ست چشم در غمت نغمۂ فرحت ہم آمد در زمین ماتمت
تا ز سوز زندگی ھر ذرہ اش لبریز شد رقص ھائی خاک تو در دل نشاط انگریز شد
زادہ ئی ھنگامہ ھا از تربت خاموش خود تا کہ قوم تازہ پروردہ ست در آغوش خود
گرچہ ماندم بیخبر از وسعتِ این مقصدت آفرینش پیش بینی میکنم از مرقدت

انجم تازہ کند در چرخ دیرینہ ظہور — دیدۂ انسان بود نا محرم آنموج نور
نو برآمد ھائی ظلمت خانۂ ایام ما — تابشش نا آشنائی قید صبح و شام ما

تابشش با کھنہ گی طرز نوی آرد دران
کوکب تقدیر تو خرش پرتوی آرد دران[۹۵]

عنوان اسلامیات کے تحت غرّہ شوال یا ہلالِ عید اور نظم "مسلم" کے فارسی منظوم تراجم کیے گئے ہیں۔ جبکہ عنوان عشق و محبت کے تحت "عاشق ہر جائی" کا فارسی منظوم ترجمہ کیا گیا ہے۔ دونوں حصوں کے فارسی تراجم ذیل ہیں:

(۱)

بوالعجب مجموعۂ اضداد شد (اقبال) ما — رونق ھنگامۂ محفل ہم و تنہا ھم است
دارد آن دیوانۂ رنگین نواھنگامہ ھا — زینت گلشن ھم و آرایش صحرا ھم است
ہمنشین انجم آمد رفعت پرواز او — کاک دان فرسا قدوم او فلک پیما ھم است
باوجود می پرستی جبھہ دارد سجدہ ریز — در مزا یائی مزاجش مشرب مینا ھم است
از لباس رنگ عریان مست مثل بوئی گل — طبع حکمت آفرینش مایل سودا ھم است
جانب منزل رواں ئی نقش پا مانند موج — لیکن افتادہ مثال ساحل دریا ھم است
حسن نسوانی بود چون برق بھر فطرتش — وین عجب بنگر کہ عشقش بازی بی پروا ھم است
گشتہ آبین تفنن ھستی او نامدار — آہ بریک استان گاھی جبین فرسا ھم است
در حینان شہرت او شد وفا نا آشنا — این تلون کیش سامشہور ھم رسا ھم است

آمدہ اندر جھان با خصلت سیمابی
جان فدائی عادتش دارد عجب بیتابی

(۲)

کردہ مست آشوب عشق آنراچو صحرائی وسیع — مشت خاکی کش نھان زیر قبا آوردہ ام
ھر سویش پھلو و ھر پھلو رنگ دیگر است — خوش تراش الماس در سینہ فرا آوردہ ام
رستخیز کیفیت ھاگو دل شاعر مگو — کی خبرداری کہ در سینہ چھپا آوردہ ام

آرزوها جلوهٔ نو داشت در هر کیف آن اضطرابم دل سکون آشنا آورده ام
گرچه روی نو بود هر لحظه مقصود نظر لیک بهر حسن پیمان وفا آورده ام
تا مزاج فطرتم از بینیازی جان گرفت سوز و ساز جستجو مثل صبا آورده ام
کی دهد تسکین تماشائی شرار جسته ي تا دل خون گشته بی برق آشنا آورده ام
هر تقاضائی مزاج عشق را ساز و خموش تا تجلیٔ چنان کامل وفا آورده ام
جستجوی کل درا جزائی وجودم ساری ست حسن بیابان و درد بیدوا آورده ام
چون حیات من ز درد انجامی الفت بود عشق را از قید وفا آورده ام
راست گر پرسی ز افلاس تخیل شد وفا محشر نو هر دمی دردل بے آورده ام
فیض ساقی شبنم آسا ظرف دل دریا طلب عطش دایم دارم آتش زیر پا آورده ام
حسن گر در محفل هستی چنین کم جلوه بود پس تخیل ئی نهایت من چرا آورده ام

در بیابان طلب پیوست می کوشیم ما
موج بهر یم و شکست خویش بردو شیم ما[۹۶]

جناب داوی نے نظم ''تصویر درد'' کا مکمل فارسی منظوم ترجمہ کیا ہے جبکہ شکوہ کا تعارف بڑی شد و مد کے ساتھ پیش کیا ہے۔ شکوہ پر بعض لوگوں کے اختلافات سے لے کر ملتِ اسلامیہ کی مجموعی بیداری تک مختلف نکات پر بحث کی گئی ہے۔ شکوہ کا تقریباً نصف یعنی ۳۱ میں سے ۱۵ بند منظوم ترجمہ ہو سکے ہیں۔ فارسی ترجمہ شدہ بند نمبر ترتیب سے درج ذیل ہیں:

۵ - ۶ - ۷ - ۸ - ۹ - ۱۱ - ۱۳ - ۱۵ - ۲۴ - ۲۵ - ۲۷ - ۲۸ - ۲۹ - ۳۰ - ۳۱

جبکہ جوابِ شکوہ کے سلسلے میں وجہ تخلیق اور اس نظم سے وابستہ اسرار و رموز کا دقیق جائزہ پیش کیا گیا ہے۔ درج ذیل بند فارسی منظوم ترجمہ ہو چکے ہیں:

۷ - ۹ - ۱۰ - ۱۱ - ۱۳ - ۱۴ - ۱۵ - ۱۶ - ۱۷ - ۱۸ - ۱۹ - ۲۰ - ۲۱ - ۲۲ - ۲۳ - ۲۴ - ۲۵ - ۲۷ - ۲۸ - ۲۹ - ۳۰ - ۳۱ - ۳۲ - ۳۴ - ۳۶

ذیل منظومات میں بعض کے مکمل اور بعض کے جزوی منظوم فارسی تراجم ہوئے ہیں۔
شمع و شاعر، خضر راہ، طلوعِ اسلام، فلسفہ، فلسفہ عجم، مراثی، ظرافت

مقالات علامہ کے عنوان سے ایک صفحے کی تحریر علامہ کے بعض مقالات کے تعارف میں ہے جبکہ پیامِ مشرق اگرچہ فارسی میں ہے لیکن اس کا دیباچہ اردو میں ہے لہٰذا داوی نے کتاب کے آخر میں پیامِ مشرق کے اس دیباچے کا فارسی ترجمہ شامل کیا ہے۔

۳۔"افغانستان و اقبال"

حضرت علامہ کے جشنِ ولادت کی صد سالہ تقریبات کے سلسلے میں افغانستان میں بھی خصوصی انتظامات کیے گئے تھے۔ اخبارات نے خصوصی مقالات شائع کیے۔ اس سلسلے میں کتب بھی شائع ہوئیں۔ ان میں صدیق رہپو کی ترتیب کردہ افغانستان و اقبال بھی شامل ہے۔ جو وزارتِ اطلاعات و کلتور کی مؤسسہ بیہقی نے دولتی مطبع کابل سے ۱۳۵۶ھ ش / ۱۹۷۷ء میں شائع کرایا۔ صفحات کی ترتیب و تفصیل درج ذیل ہے۔

۶ (دیباچہ و تعارف) + ۸۷ (مقالات) + ۱۲ (خطاطی کے نمونے) + ۱۱ (تصاویر) = ۱۱۰ جملہ صفحات۔

سرورق پر حضرت علامہ کی تصویر ہے جبکہ کتاب کے آغاز میں افغانستان کے وزیرِ اطلاعات و کلتور پوھاند دکتور نوین کی ۱۱ قوس ۱۳۵۶ھ ش کے محررہ تعارفی کلمات ہیں۔ ان کلمات میں جناب نوین نے بیسویں صدی کے آغاز ہی سے افغانستان میں معارف کی جدید معاصر دور کے آغاز اور اقبال شناسی کی ابتدا پر مختصراً بحث کی ہے۔[۹۷]

کتاب کا دیباچہ "پیش گفتار" کے عنوان سے دکتور عبدالحکیم طبیبی کا تحریر کردہ ہے۔ چار صفحات پر مشتمل اس دیباچے میں عالمانہ انداز میں علامہ کے اشعار کی روشنی میں علامہ کی افغانستان سے وابستگی پر بحث کی گئی ہے۔ علامہ کے عرفانی مآخذات حکیم سنائی، غزنوی، مولانا رومی، مولانا جامی اور سیاسی پیشرو سید جمال الدین افغانی وغیرہ سے اقبال کے تعلق کا تذکرہ کیا گیا ہے۔[۹۸] اقبال کے نظریہ خودی، زبورِ عجم کی غزلیات اور پیامِ مشرق کا انتساب بنام غازی امان اللہ خان اور مثنوی مسافر اقبال کے ادبی شاہکار قرار دیے گئے ہیں۔

کتاب میں افغانستان میں اقبال سے متعلق لکھے گئے ۱۹۷۷ء تک کے بعض مقالات، اخباری بیانات اور دیگر منظومے شامل کیے گئے ہیں۔

افغانستان کے معروف خطاط عزیز الدین وکیلی فوفلزئی کی خطاطی کردہ حضرت علامہ کی مختلف رباعیات، منظومات اور ابیات درج ذیل صفحات پر شائع کیے گئے ہیں:

۱ د ۲ ۲ ۳ ۶ ۴ ۱۰ ۵ ۱۸ ۶ ۸ ۲ ۷ ۲۴ ۸ ۸ ۳ ۹ ۶ ۵ ۱۰ ۶۶ ۱۱ ۷۰ ۱۲ ۷۶

جبکہ کتاب میں جابجا علامہ کی درج ذیل تصاویر بھی شائع ہوئی ہیں:

۱۔ ملحقہ صفحہ نمبر ۱۴: اقبال پس آزانکہ درجہ ماستری را در سال ۱۸۹۹ء بہ دست می آورد

۲۔ ملحقہ صفحہ نمبر ۲۲: تصویری از اقبال بہ نام شاعر مشرق

۳۔ ملحقہ صفحہ نمبر ۲۶: علامہ اقبال بہ جمعی از میزبانان افغان در کابل ۱۹۳۳ء

۴۔ ملحقہ صفحہ نمبر ۳۰: علامہ اقبال سید سلیمان ندویؒ و داکتر سر راس مسعود در کابل سال ۱۹۳۳ء

۵۔ ملحقہ صفحہ نمبر ۴۶: پیامی کہ اقبال بہ خط خویش بہ انجمن ادبی کابل فرستاد بود

۶۔ ملحقہ صفحہ نمبر ۵۰: شیخ نور محمد پدر اقبال

۷۔ ملحقہ صفحہ نمبر ۵۴: امام بی بی مادر اقبال

۸۔ ملحقہ صفحہ نمبر ۵۸: علامہ اقبال برائی شرکت در شورائی ملی مسلمانان می رسد

۹۔ ملحقہ صفحہ نمبر ۶۲: اقبال با دوستش دکتور سر راس مسعود در پوھنتون علی گر در سال ۱۹۲۹ء

۱۰۔ ملحقہ صفحہ نمبر ۷۴: علامہ اقبال ھنگام ادائی نماز در مسجد کورروای ھسپانیہ ۱۹۳۳ء

۱۱۔ ملحقہ صفحہ نمبر ۷۸: علامہ اقبال و پسرش جاوید اقبال در سال۔

- کتاب کے صفحہ ۱ تا ۲۱ کابل کے اخبار امان افغان کے شمارہ ۹ - ۱۰ - ۱۱ - ۱۳ اور ۱۷ میں شائع شدہ پیامِ مشرق پر طویل تبصرہ شائع ہوا ہے۔
- صفحہ ۲۲ پر مجلّہ کابل شمارہ پنجم سال سوم عقرب ۱۳۱۲ھ ش حضرت علامہ اور ان کے ہمسفرانِ افغانستان کی افغانستان آمد کی خبر شائع ہوئی ہے۔

- صفحہ ۲۳ تا ۳۷ مجلّہ کابل سال سوم شمارہ ۷ جدی ۱۳۱۲ھ ش مقالہ "افغانستان از نقطہ نظر فضلائی ہندوستان"
- صفحہ ۳۸ تا ۴۹ مجلّہ کابل شمارہ اول سال دوم "علامہ اقبال" بہ قلم احمد علی خان مدیر انجمن ادبی
- صفحہ ۵۰ - ۵۱ مجلّہ کابل شمارہ سوم سال ہشتم جوزای ۱۳۱۷ھ ش وفات "داکتر اقبال شاعر و فیلسفوف شہیر" بہ قلم سید قاسم رشتیاؔ۔
- صفحہ ۵۲ تا ۶۰ مجلّہ کابل سال ہشتم شمارہ سوم جوزای ۱۳۱۷ھ ش "اقبال" از مدیر عمومی انجمن (احمد علی خان درانی)
- صفحہ ۶۱ - ۶۲ قصیدہ در مرثیہ فیلسوف وطن خواہ پروفیسر اقبال غفر اللہ از طبع ملک الشعرا قاری عبد اللہ
- صفحہ ۶۳ - ۶۸ مجلّہ کابل سال سوم شمارہ ہشتم جوزای ۱۳۱۷ھ ش اقبال و افغانستان از غلام جیلانی اعظمی
- صفحہ ۶۹ - ۷۰ منتخبات اشعار اقبال از سرور خان گویاؔ
- صفحہ ۷۱ - ۷۳ وفات۔ اقبال انیس چار شنبہ ۱۴ ثور ۱۳۱۷ھ ش
- صفحہ ۷۳ - ۷۶ وفات علامہ سر محمد اقبال اخبار اصلاح یک شنبہ ۴ برج ثور ۱۳۱۷ھ ش
- صفحہ ۷۷ - ۷۸ فارسی نظم "اقبال" از مایل ہروی

کتاب کے آخر میں مؤلف صدیق رہپو کی درج ذیل یادداشت اہمیت کی حامل ہے:

بہ نسبت تنگی فرصت تمام مقالاتی کہ در مورد اقبال در مطبوعات افغانستان نشر شدہ است جمع و نشر شدہ نتوانست باز ھم از کمک و زحمتکش کارکنان فعال مطبع دولتی درین فرصت کوتاہ کمال امتنان دارد۔

صدیق رہپو[99]

ترجمہ: مصروفیت اور وقت کم ہونے کی نسبت میں اقبال سے متعلق افغانستان کے مطبوعات میں شائع شدہ تمام مواد کو یکجا نہیں کر سکا۔ مگر قومی پریس کے انتھک اور محنتی کارکنوں کے تعاون پر تہہ دل سے مشکور ہوں۔

گویا اس کا مطلب یہ ہوا کہ اس کتاب میں شائع شدہ مواد کے علاوہ بھی اقبال پر افغان پریس میں کئی مطبوعات آچکی تھیں جو صدیق رہپو کو نہیں ملیں۔ میں ان سے متفق ہوں کیونکہ ۱۹۷۷ء تک افغانستان میں کئی اور مضامین اور مقالات بھی اقبال پر شائع ہو چکے تھے جو صدیق رہپو کو تو نہیں ملے لیکن الحمد للہ دورانِ تحقیق ھٰذا مجھے ان میں بعض چیزیں ملیں جو جابجا مقالہ ہذا میں مختلف عنوانات کے تحت شامل تحقیق کی گئی ہیں۔

بحیثیت مجموعی یہ کتاب افغانستان میں اقبال شناسی کی روایت کے آغاز کے حوالے سے ایک اہم بنیادی مأخذ کی حیثیت رکھتی ہے اور افغانستان میں اقبال شناسی کے سلسلے میں اس کتاب کے حوالہ جات مستند ہیں۔ لہٰذا صدیق رہپو افغانستان میں اقبال شناسی کے ایک بنیادی مأخذ کو مرتب کرنے پر سپاس و تحسین کے مستحق ہیں۔

۴۔ "یارِ آشنا"

افغانستان میں اقبال شناسی کے بانیوں میں استاد خلیل اللہ خلیلیؒ کا شمار ہوتا ہے۔ آپ نے نہ صرف علامہ پر مقالات تحریر کیے تھے بلکہ آپ کی کلیات میں جابجا علامہ کے حضور منظوم خراجِ تحسین بھی ملتا ہے۔ افغانستان میں خونیں انقلاب کے بعد جب استاد خلیل اللہ خلیلیؒ پاکستان مہاجر ہوئے ہیں تو علامہ پر ایک مستقل اثر "یار آشنا" کے نام سے شائع کرایا ہے۔

یہ کتاب ۱۹۸۲ء میں افغانستان کی جمعیت اسلامی کی جانب سے شائع ہوئی تھی۔[۱۰۰]

تلاشِ بسیار کے باوجود یہ کتاب مجھے نہیں مل سکی البتہ اس کتاب سے متعلق تفصیلات جابجا ملیں جس کے مطابق یارِ آشنا کے صفحات کی تعداد ۸۰ ہے۔[۱۰۱]

اس کتاب میں دیگر امور کے علاوہ علامہ کے افغانستان سے تعلق پر بحث کی گئی ہے۔[۱۰۲]

دکتور سید علی رضا نقوی اس کتاب کے مجموعی خدوخال کا جائزہ لیتے ہوئے لکھتے ہیں:

رسالہ ایست دارائی ۸۰ صفحہ دربارہ اقبال و علاقۂ وی بہ سرزمین افغانستان کہ بہ ھمت انجمن علمی و مشورتی اسلامی افغانستان بہ سال ۱۴۰۲ھ ق / ۱۹۸۲ء بطبع رسیدہ است۔ استاد درین

رسالہ مسافرت اقبال باتفاق سر راس مسعود و سید سلیمان ندویؔ در سال ۱۳۱۲ھ ش / ۱۹۳۳ء وملاقات وی با اقبال در کابل رابہ نثر شرح دادہ است۔ همچنین بعضی اشعار اقبال در مدح افغانستان ومشاہیر وعرفا وشعرائی آن سرزمین مانند شیخ ہجویری وسنائی ورومی و همچنین قصیدۂ وی در وصف کابل را آوردہ است۔ و بعضی قصائد و اشعار را کہ استاد در مدح اقبال سرودہ است نیز نقل کردہ است۔ مخصوصاً ترجمۂ فارسی قصیدہ ای کہ اقبال بہ اردو سرودہ است کاملاً نقل کردہ (ص ۳۴-۳۹) کہ بیسار جالب است۔[۱۰۳]

جناب خلیلی کا یہ فارسی منظوم ترجمہ اصل کلامِ اقبال کے ساتھ سوانح خلیلی کے ساتھ شامل تحقیق ہے۔

جناب خلیل اللہ خلیلی کی یہ نگارش یار آشنا (پیوند علامہ اقبال با افغانستان) جون ۲۰۱۰ء میں جناب عارف نوشاہی کی پیش گفتار اور حواشی کے ساتھ کتابخانہ استاد خلیل اللہ خلیلی انستیتیوت شرقشناسی ومیراث خطی اکادمی علوم جمہوری تاجیکستان دوشنبہ کی جانب سے دوبارہ شائع ہوئی ہے۔ اس کتاب کی فہرست کے مطالب ذیل ہیں:

- پیش گفتار (عارف نوشاہی)

سفر علامہ محمد اقبال بہ افغانستان۔ نگاہی بہ تحقیقات در موضوع "پیوند محمد اقبال با افغان وافغانستان"۔ بررسی یار آشنا نگاشتہ استاد خلیل اللہ خلیلی۔ حواشی۔

- یار آشنا (خلیل اللہ خلیلی)

با یار آشنا سخن آشنا بگو۔ آسنائی با احرار ہندوستان۔ دولت دیدار۔ خواستہ ما ازین نگاشتہ اقبال، پاکستان ہندوستان۔ افغانستان واقبال۔

- رهبران نخستن

علی بن عثمان بن علی جلابی ہجویری غزنوی "داتا گنج بخش"۔ حکیم سنائی۔ مولانا جلال الدین محمد بلخی رومی۔ سید جمال الدین اسعد آبادی افغانی۔ اقبال وملت افغانستان۔ در وصف کابل گوید۔ در وصف غزنی ومزار سلطان محمود۔ شوریدۂ غزنی۔ خرقہ مبارک پیغمبر اسلام وشہر قندھار۔ افکار محراب گل افغان۔ اقبال در دل مردم افغانستان۔ حواشی (عارف نوشاہی)

- شگوف ھائی شجرہ اخلاص

تربت اقبال۔ چشم عقاب۔ کعبہ و اقبال۔ بلال عصر۔

- پیوست ھا

دمی با اقبال۔ سفیر ماتم۔ مشاہدۂ رؤیا۔

- نمایہ ھا

اعلام تاریخی (کسان، ادیان، مذاہب، فرق، اقوام)

اعلام جغرافیائی (کشورھا، شہرھا، موسسات)

کتاب ھاو مجلّہ ھا

- عکس ھاو نمونہ ھا[۱۰۴]

۵۔"از سنائی تا مولانا و اقبال"

افغانستان میں حکیم سنائی غزنوی کے نوسوسالہ جشنِ ولادت کی تقریبات کے سلسلے میں کئی تقاریب کا انعقاد کیا گیا تھا۔ اس سلسلے میں بعض اہم کتب بھی شائع ہوئی ہیں۔ ان کتابوں میں کابل یونیورسٹی کے نشرات پوھنحیٔ کے زیرِ اہتمام دیگر کتب کی اشاعت کے ساتھ ساتھ ایک کتاب از سنائی تا مولانا و اقبال کا بھی ذکر ملتا ہے۔

افغانستان میں گذشتہ ڈھائی عشروں کی جنگ کے باعث کتب خانوں کی بربادی کی وجہ سے انتہائی تلاش کے باوجود میں متعلقہ کتاب کو حاصل نہیں کر سکا۔ اس لیے سوائے کتاب کے نام کے اس کتاب کے مشمولات پر مزید کچھ لکھنے سے قاصر ہوں۔ اس کتاب کا نام حکیم سنائی و جهان بینی او کے بیک ٹائیٹل پر شائع ہے۔[۱۰۵]

۶۔"لآلی ریختہ"

یہ کتاب بھی افغانستان کے معروف اقبال شناس عبدالہادی داویؔ کی تحریر کردہ ہے۔ جو ابھی تک زیورِ طبع سے آراستہ نہیں ہوئی۔ اس کتاب میں داویؔ نے حضرت علامہ کی اردو منظومات کے فارسی منظوم تراجم پیش کیے ہیں۔[۱۰۶] آثار اردو اقبال کی دونوں جلدوں میں جابجا مختلف موضوعات پر تحریر کے دوران لآلی ریختہ کا حوالہ دیتے ہیں۔

مثلاً آثار اردوی اقبال جلد اول میں ضربِ کلیم کی بعض منظومات سے متعلق لکھتے ہیں:

قسمت اول تحت عنوان (اسلام و مسلمانان) ۶۷ حصہ یا قطعہ دارد کہ اکثر آن عاید بہ احوال ہندوستان در ھمان عصر میباشد۔ ابتدائی آن با قطعہ (صبح) نام آغاز میشود کہ اذان بندۂ مومن را موجد چنان سحر وصباح می بیند کہ لرزانندہ شبستان وجود است و در قطعہ دوم آخر ہر بیت جملہ جمیلہ لا الہ الا اللہ راذکر نمودہ از آں خطوجوشی کہ می گیرد قارئین رانیز ذاکر و متذکر میسازد...... [۱۰۷]

یہاں پر حاشیے میں تحریر کرتے ہیں:

در لالی ریختہ کامل ترجمہ شدہ است نہ تنھا ھمین قطعہ بلکہ بہ تعداد ۷۶ قطعہ دیگر نیز از ضربِ کلیم نظماً ترجمہ شدہ اند“[۱۰۸]

بانگِ درا کو جناب داویؔ نے فکری و معنوی اعتبار سے نو عناوین میں تقسیم کیا ہے۔ ان عناوین میں ایک عنوان اسلامیات ہے۔ اس موضوع سے متعلق فکرِ اقبال اور لالی ریختہ میں اپنے تراجم کے حوالے سے تحریر کرتے ہیں:

اگرچہ تمام غم و ھم علامہ مرحوم برائی اسلام و اسلامیان ست مقصد اصلی حیات خود را ھمین میداند و ہر قلم و قدم و درم او مصروف ھمین مدعائی عالی و مقبول ست ولو عنوان شعر او از (مناظر طبیعیہ) یا (ایقاظ) باشد۔ (غزل) و (ظرافت) یا (عشق) و (جدیت) باشد غایۂ آں برائی مسلمانان و اسلامیات میباشد ولی بعض ازینھا از عنوان گرفتہ تا شرح و بیان و از ابتدا تا انتھای آن بصراحت ئی ایما و اشارت بی ابھام و کنایت خالص اسلامی است لہٰذا من آنرا عنوان اسلامیات دادہ ام ازین قبیل قطعات در ھر سہ حصۂ بانگِ درا بطورِ متفرق موجودند۔

در حصہ اول و دوم دو قطعہ و در حصہ سوم ۲۷ قطعہ ست بندہ چند تائی آنرا نظماً یا نثراً ترجمہ میکنم عنوانھائی باقی آنھارا در فہرست آخرین و ترجمۂ بعضی قطعات آنرا دور لالی ریختہ قارئین گرامی یافتہ خواھند توانست...... [۱۰۹]

۷۔"معنی عشق نزد اقبال"

حضرت علامہ کے صد سالہ جشنِ ولادت کی تقریبات کے سلسلے میں ۳۰ر دسمبر ۱۹۷۷ء کو ریڈیو افغانستان کابل کے آڈیٹوریم میں ایک عظیم الشان سیمینار کا انعقاد کیا گیا تھا۔ اس سیمینار میں پڑھے گئے مختلف مقالات کو جناب ڈاکٹر روان فرہادی نے یکجا کر کے معنی عشق نزد اقبال کے نام سے کتابی شکل میں شائع کیا۔

یہ کتاب اگرچہ مجھے نہیں ملی البتہ اس کتاب کے مشمولات سے متعلق اکرام اللہ شاہدؔ کے مقالے سے پتا چلا جس کے مطابق:

افغانستان کے وزیرِ اطلاعات و ثقافت ڈاکٹر عبدالرحیم کے افتتاحی خطاب اور سیمینار کے اعزازی چیئرمین پروفیسر عبدالہادی داویؔ کابل یونیورسٹی کے ری ایکٹر پروفیسر عبدالسلام عظیمی کے خطبات کے علاوہ درج ذیل مقالات شامل تھے:

سید قاسم رشتیا (وزیرِ کابینہ) اقبال و افغانستان

ڈاکٹر سید مخدوم رحیم عظیم افغان مفکر اقبال

آقائے عبدالحیٔ حبیبی اقبال نظریات اور افکار۔[۱۱۰]

معنی عشق نزد اقبال مجلّہ آریانا میں بھی شائع ہوا ہے۔[۱۱۱]

۸۔افغانستان از زبان علامہ اقبال

نامور افغان اقبال شناس م۔ لمر احسان کی یہ تالیف مجھے نہیں مل سکی البتہ دکتر اسد اللہ محقق نے "علامہ اقبال در ادب فارسی و فرہنگ افغانستان" میں اس کتاب کے حوالے دیے ہیں اور یہ کتاب انشرات اسلامی، صبور پشاور کی طرف سے ۶۷ھ ش میں شائع ہوئی ہے۔[۱۱۲]

۹۔ علامہ اقبال در ادب فارسی و فرہنگ افغانستان

افغانستان کے معروف محقق ڈاکٹر اسد اللہ محقق کے ڈاکٹریٹ کا مقالہ ہے جو مرکز تحقیقات فارسی ایران و پاکستان اسلام آباد کی جانب سے ۱۳۸۴ھ ش ۱۴۲۶ق / ۲۰۰۵ء میں ۳۲۵ صفحات پر شائع ہوا ہے اس کتاب کے مشمولات ذیل ہیں:

فصل اول

اندیشۂ اقبال و زبان شعر

۱- آثار منظوم فارسی ۲- اسرار خودی ۳- رموز بیخودی ۴- پیام مشرق ۵- زبور عجم ۶- جاوید نامہ ۷-پس چہ باید کرد اے اقوام شرق ۸-ارمغان حجاز ۹-جوھری شعر اقبال

فصل دوم

فکرش اقبال بہ جھان اسلام

۱-اقبال و ملت ایران۔ پیام سید جمال الدین افغانی بہ ملت روسیہ۔ پیام امام خمینی بد گورباچف ۲- اقبال و ملت ترکیہ ۳- اقبال و ملت افغانستان ۴- اقبال و جھان عرب۔ حرفی چند با امت عربیہ ۵- اقبال و ترکستان ۶- عصر اقبال و اشغال سرزمین ھائی اسلامی توسط اتعمار گرانی ۸- ناسیونالیزم و جھان وطنی اسلام از دید گاہ اقبال

فصل سوم

اوضاع سیاسی افغانستان در وایل قرن بیستم

انتظار اقبال از مردم افغنستان ۱-ماہر القادری ۲-شکوہ قرآن

دیدار اقبال ازافغانستان۔ ۱- باز دید از مزار بابر در کابل ۲- دیدار علامہ اقبال از مزار حکیم سنائی ۳- علامہ اقبال بر مزار سلطان محمود ۴- مناجات مر شوریدہ درویرانہ غزنی ۵- اقبال و نادر شاہ ۶-خطاب بہ اقوام سرحد

فصل چہارم

جانگاہ افغانستان در اشعار اقبال

۱-اقبال و زیارت خرقہ مبارک در قندھار ۲-غزل

جایگاہ افغانستان در آثار منظوم اردوی علامہ اقبال

۱- افکار محراب گل افغان۔ لا شریک لہ۔ دعائی نو۔ تقدیر ملت۔ ہنر مند۔ تجدد خود شناسی۔ شھباز۔ تربیت قلب۔ افتخار قبیلہ۔ شتر تقدیر۔ رستخیز افکار۔ خلوت کوہسار۔ فقر غیور۔ حفظ مرکز۔ آسمان وزمین۔ تفریق قبائل۔ منزل مرد مومن۔ صھبان مسلمانی

فصل پنجم

پیوند فکری اقبال بابزرگان شعر و ادب ورجال سیاسی افغانستان و مسالہ تاثیر پذیری اواز آنھا

ا۔ تاثیر مولوی درہنر و اندیشہ اقبال۔ در کلیات فارسی۔ در کلیات اردو۔

۲-تتبع و استقبال اقبال از مولانای روم۔ ۳- تضمین ۴-پیوند فکری اقبال باسنائی و مسالہ تاثیر پذیری و از حکیم غزنہ ۵- اقبال و جامی ۶- علامہ اقبال و حکیم ناصر خسرو ۷- فلسفہ خود شناسی ناصر خسرو و فلسفۂ خودی علامہ اقبال ۸- بیدل ۹- اقبال و بیدل ۱۰- علامہ اقبال و سید جمال الدین ۱۱-زیارت ارواح جمال الدین و سعید حلیم پاشا۔

فصل ششم

بازناب اندیشہ ی اقبال در فرهنگ افغانستان

ا۔ جهش ها۔ ۲- هنر مندان و آهنگ خوانان افغانی ۳- شکوه ۴- جواب شکوه ۵- یار آشنا ۶- علامہ اقبال مرحوم ۷- سهم افغانستان در اقبال شناسی۔

فصل هفتم

علامہ اقبال از نظر دولتمردان وسیاستمداران افغانستان

ا- پیام جلالتماب آقائی محمد داؤد رئیس جمهور فقید و اسبق افغانستان۔ ۲- استاد نعمت اللہ شهرای معاون رئیس جمهور ۳- دکتور سید مخدوم رهیں وزیر اطلاعات فرهنگ ۴-استاد دکتر نوری وزیر اطلاعات و فرهنگ علامہ اقبال از دید گاہ بعض از استادان دانشجویان و عامہ مردم افغانستان

فصل هشتم

علامہ اقبال از دید گاہ شاعران افغانستان

ا- قاری عبد اللہ ملک الشعرا۔ ۲-غلام دستگیر خان مهمند۔ ۳-ابراهیم خلیل۔ ۴-مایل هروی ۵-عبد الحئ شیدا ۶- ملک الشعرا بیتاب ۷- دکتر محمد رحیم الهام ۸- استاد خلیل اللہ خلیلی ۹- ترجمہ قصیدہ در اردوی اقبال بہ زبان دری۔ ۱۰-عبد الهادی راوی پریشان ۱۱-میر بهادر واصفی ۱۲-غلام ربانی ادیب ۱۳-عزیز اللہ مجددی ۱۴-استاد رحمت اللہ منطقی

فصل نهم

علامہ اقبال از دید گاہ نویسندگان افغانستان

ا-شهزادہ احمد علی خاں درانی ۲- جاوید نامہ ۔۳-پیام اقبال بہ ملت کهسار۔ ۴-پروفیسر سرور خاں گویا اعتمادی ۵- استاد خلیل اللہ خلیلی ۶- پروفیسر غلام حسن مجددی۔ ۷- استاد عبد السلام عظیمی ۸-استاد عبد الحی حبیبی ۹-دکتر عبد الحی حبیبی ۱۰-دکتر روان فرهادی ۱۱-دکتر

حق شناس۔ اقبال در کابل۔ اقبال در غزنہ و بر تربت سنائی۔ اقبال بر ویرانہ ھاو خرابہ ھای غزنہ۔ اقبال در قندھار۔ اقبال بر تربت احمد شاہ۔ اقبال و ظاہر شاہ۔ نتیجہ۔ ۱۲- دکتر خلیل اللہ ھاشمیان۔ اقبال بزرگ ریک چمن گل۔ یک نیستان نالہ۔ یک خمخانہ می۔ ایمای اقبال۔ اقبال و زبان دری۔ اقبال و افغانستان۔

۱۳- آقای حیدری وجودی۔ اسرار خودی و رموز بیخودی از دید گاہ اقبال۔ جلوہ ھای سبز آزادی در بندگی نامہ علامہ اقبال ۱۴- دکتر ار داؤد راوش۔ ۱۵- عبدالقیوم قیومی ۱۶- پروفیسر دکتر عبدالقیوم قویم ۱۷- عبدالقھار جویا ۱۸- قاضی عبدالغفار مظفری ۱۹- آقای تقوی جار اللہ ۲۰- آقای غلام ربانی ادیب ۲۱- آقای جلال فرھیختہ ۲۲-جناب محبوب اللہ حامد۔ ۲۳-پوھیالی سید روضت اللہ

فصل دھم

علامہ اقبال در برنامہ ی درسی افغانستان

مومن خود کافر افرنگ شو۔ ذلت و غلامی۔ نغمہ مولانا۔ بھار آرزوی شاعر۔ نتیجہ۔

الف۔ فھرست اعلام۔ اسامی اشخاص۔ اسامی اماکن۔ اسامی کتاب ھا مجلّہ معاو خبرید۔ ھا فہرست منابع و مآخذ۔

ب۔ تصاویر[۱۱۳]

۱۰- اکسیر خودی—جوھر پیام علامہ اقبال

مشہور افغان اقبال شناس سکتر سعید کی یہ تحقیقی و تنقیدی کتاب حال ہی ۲۰۱۰ء / ۱۳۸۹ھ ش میں انجمن حمایت از انکشاف اجتماعی (کابل مطبعہ فجر) کی جانب سے ۱۸۵ صفحات پر شائع ہوئی۔ اس کتاب کے مشمولات ذیل ہیں:

شناخت خودی ۱۹

داشتن وجود مستقل مستلزم خودی است ۲۲

شناخت خودی متقاری بہ انکشاف آن است ۲۲

خودی بلاواسطہ قابل درک است ۲۴

انکشاف خودی ۲۴

علامہ صلاح الدین سلجوقی انکشاف خودی را بہ سہ مرحلہ تقسیم کردن است ۲۵
کمال انکشاف در حفظ خودی است ۲۸
جاودانہ گی خودی ۳۴
زیبای اصلی در خودی است ۳۹
لذت اصلی در شناخت خودی است ۳۹
خودی منبع تمام نشدن امکانات نهفتہ است ۴۰
درک کامل خودی ضرورت بہ تجربہ شخصی دارد ۴۱
پیام منصور حلاج تصدیق خودی است ۴۴
خودی از تکبر و خودخواهی فرق دارد ۴۵
انکشاف خودی شرطی برای داشتن صحت کامل است ۲۵
خودی از نظریہ موناد گرامی لائبنتیز فرق دارد ۴۶
خودی اقبال شباهت بہ فلسفہ خودشناسی ناصر خسرو دارد ۴۶
ریشہ بیساری مشکلات عدم شناخت خودی و دوری از آن است ۴۷
هر انساں یک موجود منحصر بہ فرداست ۴۸
خودی اجتماعی ۵۳
خودی از دروں در حال انکشاف است ۵۴
تاریخ همچوں حافظہ اجتماع است ۵۵
جامعہ دیدہ آل محمد عربی از افراد خود آگاہ است ۵۶
ارزش همراهی با اجتماع ۵۶
برآمدن بہ اجتماع ۵۷
ارزش طرز فکر و پنداشت شخص در انکشاف خودی ۶۰
انساں یعنی طرز افکارش ۶۰
ریشہ اکثریت ناتوانی ها در طرز فکر ماست ۶۳
یک طرز فکر نادرست این است کہ عدہ ی عصر حاضر را ید و پر از شیطنت می داند ۶۴
ترس از جن زدگی جادو و سایر تاثیرات غیر مرئی ۶۵

دلیل کامیابی ھا و ناکامی ھا در خود ماست ۶۶
باید متوجہ اھداف بلند بود ۶۷
مخالفان و دشمنان ھجبر می توانند بہ نفع انساں باشند ۶۸
دین اسلام بخش عمدہ خودی ماست ۶۹
اسلام دین فطرت است ۶۹
ارادت بہ قرآن میخنست رھنمود عالی بشریت ۷۰
قرآن انساں را دگر گوں می سازد ۷۱
ھر کس باید در معنی آیات قرآں تعمق کند ۷۲
درک درست آیات قرآن میسر نمی شود مگر اینکہ بہ تلاوت کنندہ وی راپید ۷۴
قرآن وجہ مشترک اقبال با ساید عرفائی اسلامی است ۷۶
نظریات اقبال مرحوم از قرآن اند ۷۶
قرآن کتاب تشریح فطرت انسان است ۷۷
استفادۂ عامیانہ از قرآن ۷۷
تشویق بہ اسلام تحقیقی بہ جای اسلام تقلیدی ۷۸
تعالیم قرآن غیر از آرای فلسفی یونان است ۷۹
مسلمانان آغاز گر د اساس گذار تمدن و علوم جدیدہ بودہ اند ۸۱
علم و تکنالوژی امروزی در دامان تمدن اسلامی بہ دنیا آمدہ اند ۸۳
حضرت محمدؐ اساس گذار جھان نو است ۸۵
فھم و دانش حقیقی از اتحاد عقل و عشق حاصل می گردد جمع سائنس و دینداری ۸۶
مولانا مظھر آمیزش عقل و عشق است ۸۸
تشویق مسلمانان بہ فدا گیری علوم جدید ۸۸
فراگیری علم و سائنس نباید از دین غافل مان سازد ۸۹
خودی راہ مطمئن خدا شناس است ۹۱
فردیت شخص دلیل مستحکم بدای وحدت معبود حقیقی است ۹۱
از ''لا'' بہ ''الا'' باید رفت ۹۲

وحدت اندیشی	۹۳
وحدت افکار و کردار شرط اساسی انکشاف خودی است	۹۳
وحدت روح و جسم	۹۴
وحدت دنیا و آخرت	۹۵
وحدت علم و دین	۹۸
اثبات ادعای وحدت همانا موجودیت خدای واحد است	۹۸
وحدت عشق و عقل	۹۹
وحدت دین و سیاست	۱۰۰
شیطان کرام نیروی مستقل نیست	۱۰۱
زمان و مکان مظاهر خودی انسان اند	۱۰۲
درک زمان ضرورت بدیک موجود خود آگاه دارد	۱۰۳
انکشاف خودی ضرورت به حرکت و تلاش دوامدار دارد...	۱۰۷
عناد و آشتی ناپذیری ابا ایستابودن و به اصطلاح به مقام فزیدی	۱۰۷
خودی و حرکت دائمی است	۱۰۸
بهشت انسانهای بزرگ در سیر و حرکت مداوم است	۱۰۹
آرامش اصلی در نا آرامی است	۱۱۰
عمل ملاک اصلی علم و دانش است	۱۱۲
بیم و ترس مانع از حرکت و عمل می شود	۱۱۴
حرکت و آزاد و خلاق	۱۱۴
نیکی ها (ثواب) به اثر اقدام عملی به انجام کار حیاتی شایسته حاصل می شوند	۱۱۸
خودی مربوط به عالم دل است	۱۲۰
موضوعات دنیای دل توسط نطق و سخن بیان شده نمی توانند	۱۲۱
انسان موجود خیلی پیچیده است	۱۲۳
دنیای دل دنیای انفرادی است	۱۲۳
موضوعات دنیای دل در چوکات استدلال محض نمی گنجند	۱۲۴

درک موضوعات دنیای دل ضرورت به تجربه شخصی دارد ۱۲۵

تلاش برای درک کامل موضوعات دنیای دل با عقل واستدلال محض می تواند گمراه کننده باشد ۱۲۷

پس ضرورت به این همه قیل و قال در مورد موضوعات دنیای دل چیست؟ ۱۳۰

وضاحت بیش از حد موضوعات دنیای دل باعث تولید ابهام در موجودیت آنها شده است ۱۳۴

طرز پرورش وعادت تیز باعث بی توجهی به موضوعات دنیای دل شده است ۱۳۴

بزرگان اسلام جز پر شکوه خود ماهستند ۱۳۶

عشق به حضرت محمد شرط مسلمان است ۱۳۶

ارادت به مولانا ۱۳۷

رقص سماع ۱۳۹

ارادت به شیخ احمد سرهندی مشهور به حضرت مجدد الف ثانی ۱۴۰

ارادت به سید جمال الدین افغانی ۱۴۳

فقر وبی نیازی لازمه انکشاف خودی اند ۱۴۵

فقر وبی نیازی سرط برای آزادی ۱۴۷

فقیر یعنی شخص خود آگاه ۱۴۷

فقر حقیقی اختیاری است نه از مجبوری ۱۴۸

راه خوشبختی وانکشاف خودی تنها به وسائل مادی متکی نیست ۱۴۸

رضانشانه مراحل پیشرفته انکشاف خودی است ۱۴۹

مرحله رضاهمانا مرحله نفس مطمئنه است ۱۵۱

رضاخوشبینی آفرین است ۱۵۱

دنیا بیهوده نیست ۱۵۲

دنیا میدان مبارزه است ۱۵۴

تشویق به قدرتمند شدن ۱۵۴

عشق منبع قدرت واراده است ۱۵۶

هدف آموزش و تعلیم و تربیه تولید اراده است ۱۵۷

هنر باید در خدمت اعتلای زندگی بشر وانکشاف خودی باشد ۱۵۸

ارزش دوست واقعی در انکشاف خودی ۱۶۲

شکست و غم از نظر خودی	۱۶۸
عبادت و نیایش	۱۷۲
نزدیکی باری تعالیٰ بہ نیدہ	۱۷۴
خاتمہ	۱۷۶[۱۱۴]

(ب) افغانستان میں اقبال شناسی کے چند دیگر مصادر

اقبال اور افغانستان

ادارہ اشاعت مدارالعلوم مردان کی جانب سے اکرام اللہ شاہد کے ایم فل کا یہ مقالہ نومبر ۲۰۰۲ء ۲۸۱ صفحات میں شائع ہوا۔ اس کے مشمولات ذیل ہیں:

شمار	عنوانات	صفحہ
۱	تقریظ پروفیسر محمد نواز طائر	۱
۲	دیباچہ پروفیسر فتح محمد ملک	۴
۳	پیش لفظ	۷
۴	باب اول	
	اقبال اور افغان (پس منظر و پیش منظر)	۱۶
۵	باب دوم	
	اقبال کا سفر افغانستان	۶۱
۶	باب سوم	
	اقبال اور سید جمال الدین افغانی	۱۲۰
۷	باب چہارم	
	اقبال کی افغانوں سے محبت	۱۵۰
۸	باب پنجم	
	افغانوں کی اقبال سے محبت (افغان ادبیات کی روشنی میں)	۱۸۱
۹	باب ششم	
	اقبال اور جہاد افغانستان (منظر و پیش منظر)	۲۲۴

۱۰ خلاصہ بحث ۲۶۹[115]

سیر اقبال شناسی در افغانستان

افغانستان میں اقبال شناسی کی روایت پر ڈاکٹریٹ کا زیر نظر مقالہ لکھتے وقت افغانستان میں علامہ پر لکھے گئے مواد اکٹھے کرنے شروع کیے۔ ان میں سے فارسی مقالات کو مرتب کر کے سیر اقبال شناسی در افغانستان کے نام سے اقبال اکادمی پاکستان کی جانب سے ۲۰۰۴ء میں ۲۶۴ صفحات میں یہ کتاب شائع کی گئی ہے۔ اس کتاب کے مشمولات ذیل ہیں:

الف ابتدائیہ ۵

--باب اول--(حیات اقبال، تحریرات)

۱ دکتور اقبال۔ سرور خاں گویا ۱۳

۲ علامہ اقبال۔ شہزادہ احمد علی خاں دران (مدیر انجمن ادب) ۱۹

۳ افغان و ایران۔ علامہ محمد اقبال ۲۸

۴ زوال و انحطاط اسلام۔ محمد سکندر خاں معلم دارالمعلمین ۲۹

۵ افغانستان از نقطہ نظر فضلای ھندوستان ۳۴

الف۔ سواد بیانیہ رئیس انجمن ادب ۳۶

ب۔ خیر مقدم جناب قاری عبداللہ خان ۳۹

ج۔ ترجمہ نطق جناب سرراس مسعود ۴۲

د۔ ترجمہ نطق جناب سید سلیمان ندوی ۴۳

ھ۔ ترجمہ نطق جناب علامہ سر محمد اقبال ۴۶

۶ تقریظ و انتقاد بر مسافر۔ سرور خاں گویا ۴۸

۷ افغانستان بہ یک نظر اجمالی تقریظ از علامہ محمد اقبال ۵۴

--باب دوم--(وفات اقبال تا ۱۹۷۷ء تحریرات)

۸ وفات دکتور اقبال شاعر و فیلسوف ھند۔ سید قاسم رشتیا ۵۹

۹ اقبال۔ شہزادہ احمد علی خاں ۶۰

۱۰ اقبال و افغانستان۔ غلام جیلانی اعظمی ٦٧
۱۱ منتخبات اشعار اقبال۔ سرور خاں گویا ۷۳
۱۲ مجلس یاد بود علامہ در معرو علاقہ مندی انجمن ادبی بہ آن ۸٦
۱۳ خودی در نظر اقبال از دکتور عبد حسین ترجمہ خیام الدین خادم ۸۷
۱۴ خطاب او قیانوس بہ قطرہ -- علامہ اقبال ۱۲۰
۱۵ اقبال۔ آریانا دائرہ المعارف ۱۲۳
۱٦ اقبال و افغانستان۔ دکتور عبدالحکیم لحبیبی ۱۴۴
۱۷ پیام مشرق۔ جریدہ اسان افغان (عبدالہادی داوی) ۱۴۸

--باب سوم--(۱۹۷۸ء تا ۲۰۰۰ء)

۱۸ اقبال و افغانستان دکتور حق شناس ۱٦۹
۱۹ برگزاشت اقبال بزرگ۔ دکتور سید خلیل اللہ ہاشمیان ۱۷۹
۲۰ امروز زدای ہران فردا لاجو ابنھشری ۱۹۵
۲۱ فغانستان در آئینہ قرآن احمد جان امینی ۰۷
۲۲ اعتی در خدمت علامہ اقبال۔ سید قاسم رشتیا ۱۴
۲۳ قلب آسیا گذر گاہ نظر گاہ علامہ اقبال۔ سر محقق عبداللہ خدمتگار ۲۱۷

--باب چہارم--(عقیدت منظوم افغانہا بہ حضور اقبال)

۲۴ علامہ شرق۔ بیتاب ملک الشعرا ۲۲٦
۲۵ قصیدہ در مرثیہ فیلسفوف وطن خواہ۔ پروفیسر اقبال غفر اللہ
لک الشعرا قاری عبداللہ ۲۲۷
۲٦ اقبال کیست ملک الشعرا۔ قاری عبداللہ ۲۲۹
۲۷ بیاد علامہ محمد اقبال۔ محمد ابراہیم خلیل ۲۳۰
۲۸ رثائی اقبال۔ غلام دستگیر خاں مہمند ۲۳۲

افغانستان میں اقبال شناسی کی روایت ۲۲۸

۲۹ خطابہ بہ اقبال۔ عبد الہادی راوی ۲۳۴
۳۰ امام مشرق وشاعر مشرق سید جمال الدین وعلامہ اقبال عبد الحئ حبیبی ۲۳۵
۳۱ علامہ اقبال مرحوم عبد الحی حبیبی ۲۳۸
۳۲ بیاد اقبال مایل ہروی ۲۴۰
۳۳ غزل حکیم شرق علامہ اقبال۔ استاد خلیل اللہ خلیلی ۲۴۲
۳۴ بہ پیشگاہ علامہ دکتور محمد اقبال لاہور۔ استاد خلیل اللہ خلیلی ۲۴۳
۳۵ آموز گار بزرگ بر مزار اقبال در لاہور۔ استاد خلیل اللہ خلیلی ۲۴۷
۳۶ بر آرامگاہ عارف شرق علامہ محمد اقبال لاہوری استاد خلیل اللہ خلیلی ۲۴۹
۳۷ کعبہ و اقبال۔ استاد خلیل اللہ خلیلی ۲۵۱
۳۸ دمی با اقبال استاد خلیل اللہ خلیلی ۲۵۴
۳۹ جواب مسافر دکتور محمد رحیم الیاس ۲۵۸
کتابیات ۲۶۳ - ۱۱۶

اقبال، افغان اور افغانستان (اردو، فارسی، پشتو، انگریزی)

ترتیب، تدوین و تالیف محمد اکرام چغتائی

اقبال، افغان اور افغانستان سے متعلق چغتائی صاحب کی اس تالیف (مطبوعہ سنگ میل پبلی کیشنز لاہور، ۲۰۰۴ء تعداد صفحات ۲۵۶ + ۸۸۰ = ۱۱۳۶) میں ذیل عناوین کے مطابق مواد شامل ہے:

پیش گفتار ۸

--حصہ اول ---اقبال، افغان اور افغانستان **۱۷-۱۰۲**

۱ مکتوبات، منظومات اور دستاویزات ۱۷-۶۴
۲ گفتار اقبال مرتبہ رفیق افضل ۶۷-۷۰
۳ حیات اقبال کے چند مخفی گوشے مرتبہ محمد حمزہ فاروقی ۷۰-۷۸
۴ اقبال کا سیاسی سفر مرتبہ محمد حمزہ فاروقی ۷۹-۱۰۲

--حصہ دوم-- مثنوی "مسافر" ۲۷۸-۱۰۳

۱ "مسافر" (بیاض و طبع اول) از مرتب ۱۰۴-۱۰۳

۲ "مسافر" - طبع اول، ۱۹۳۴ء ۱۳۳-۱۰۵

۳ "مسافر" - بیاض (مخزونہ اقبال میوزیم، لاہور) ۱۴۶-۱۳۴

۴ منظوم اردو ترجمہ از محمد رفیق خاور ۱۶۱-۱۴۸

۵ "مسافر" از پروفیسر یوسف سلیم چشتی ۲۱۰-۱۶۱

۶ "پس چہ باید کرد مع مسافر --ایک جائزہ" از محمد رفیق خاور ۲۵۹-۲۱۰

۷ علامہ اقبال کی ایک مثنوی "مسافر" از میرزا ادیب ۲۷۴-۲۶۰

۸ مثنوی "مسافر" کے مترجمین و شارحین از محمد اکرام چغتائی ۲۷۷-۲۷۵

--حصہ سوم-- اقبال کے رفقائے سفر ۳۰۳-۲۷۹

۱ علامہ اقبال اور سید سلیمان ندوی از ڈاکٹر محمد عبد اللہ چغتائی ۲۹۰-۲۷۹

۲ اقبال اور سر راس مسعود از ڈاکٹر رحیم بخش شاہین ۲۹۸-۲۹۰

۳ پروفیسر ہادی حسن از محمد اکرام چغتائی ۳۰۰-۲۹۸

۴ غلام رسول خاں از محمد اکرام چغتائی ۳۰۳-۳۰۰

--حصہ چہارم-- اقبال اور افغانی شخصیات (بحوالہ "مسافر") ۴۰۶-۳۰۵

۱ سنائی اور اقبال از بشیر احمد ڈار ۳۲۶-۳۰۴

۲ سنائی و اقبال از صوفی غلام مصطفی تبسم ۳۳۲-۳۲۶

۳ اقبال اور سنائی از پروفیسر ڈاکٹر محمد باقر ۳۳۶-۳۳۲

۴ سنائی (مصادر) از محمد اکرام چغتائی ۳۳۹-۳۳۷

۵ جمال الدین افغانی اور اقبال از ڈاکٹر محمد ریاض ۳۵۲-۳۳۹

۶ اقبال اور سید جمال الدین افغانی از ڈاکٹر غلام حسین ذوالفقار ۳۶۸-۳۵۲

۷ سید جمال الدین افغانی اور اقبال از ڈاکٹر معین الدین عقیل ۳۹۱-۳۶۸

۸ جمال الدین افغانی اور اقبال از ایس-ایم-عمر فاروق ۳۹۱-۳۹۵

۹ علامہ اقبال مزار بابر پر از ڈاکٹر عبد الغنی ۳۹۵-۴۰۰

۱۰ علامہ اقبال اور نادر شاہ از اختر راہی ۴۰۰-۴۰۶

--حصہ پنجم--اقبال اور افغانی دانشور از محمد اکرام چغتائی ۴۰۷-۴۲۷

۱ سردار صلاح الدین سلجوقی

۲ سرور گویا اعتمادی

۳ استاد خلیل اللہ خلیلیؔ

۴ عبد الہادی داوی

۵ عبد اللہ بختانی

۶ قاری عبد اللہ

۷ متفرقات

(الف) انجمن ادبی کابل (ب) مجلّہ کابل (ج) اصلاح (د) امان افغان (ھ) افغانستان و شاہان افغانستان (بہ عہد اقبال) (و) اقبال کے دورۂ افغانستان کی تاریخ وار تفصیل (۱۹۳۳ء) (ز) خرقہ در قندھار

--حصہ ششم--اقبال، افغان اور افغانستان (مطالعات) ۴۲۹-۸۳۶

۱ اقبال کا سفر افغانستان از ڈاکٹر جاوید اقبال ۴۲۹-۴۴۳

۲ اپنی خودی پہچان: اقبال اور افغانستان از پروفیسر فتح محمد ملک ۴۴۳-۴۵۶

۳ سفر افغانستان از فقیر سید وحید الدین ۴۵۶-۴۵۷

۴ مسافر غزنی و افغانستان از ابو الحسن علی ندوی ۴۵۷-۴۶۷

۵ افغانستان اور اقبال از خلیل اللہ خلیلیؔ ۴۶۷-۴۹۶

۶ اقبال اور افغانستان از سرور گویا اعتمادی ۴۹۶-۵۰۰

۷ اقبال کا سفر افغانستان از مقبول احمد ۵۰۰-۵۰۲

۸	اقبال اور افغان از میر عبد الصمد خان	۵۰۳-۵۶۸
۹	افغانستان کا سفر از ڈاکٹر محمد عبد اللہ چغتائی	۵۶۸-۵۷۱
۱۰	علامہ اقبال اور افغان از میاں رسول رسا	۵۷۲-۵۸۲
۱۱	اقبال اور سرزمین سرحد از ڈاکٹر عبد السلام خورشید	۵۸۲-۵۸۶
۱۲	اقبال کا سفر افغانستان از ڈاکٹر افتخار احمد صدیقی	۵۸۶-۵۸۹
۱۳	اقبال افغانستان میں از حافظ عباد اللہ فاروقی	۵۸۹-۶۰۰
۱۴	علامہ اقبال کا سفر افغانستان از اختر راہی	۶۰۰-۶۱۴
۱۵	اقبال اور افغانستان از ڈاکٹر محمد ریاض	۶۱۴-۶۲۱
۱۶	اقبال اور ملت افغانیہ از عابد پشاوری	۶۲۱-۶۳۳
۱۷	اقبال کا سفر افغانستان از محمد علی خان	۶۳۴-۶۶۶
۱۸	اقبال، افغانستان اور اشتراکیت از نعیم صدیقی	۶۶۶-۶۷۶
۱۹	اقبال اور خوشحال خاں خٹک از پریشان خٹک	۶۷۷-۶۸۲
۲۰	خوشحال خان خٹک اور اقبال از اختر راہی	۶۸۲-۶۸۷
۲۱	نور المشائخ مُلّا شور بازار از ڈاکٹر محمد عبد اللہ چغتائی	۶۸۷-۶۸۸
۲۲	علامہ اقبال اور شاہان افغانستان از محمد امین زبیری	۶۸۸-۶۹۴
۲۳	علامہ اقبال اور شاہان افغانستان از ایوب صابر	۶۹۵-۶۹۸
۲۴	اقبال افغانستان اور ایران میں از ڈاکٹر محمد ریاض	۶۹۹-۷۱۱
۲۵	افغانوں سے اقبال کی محبت از اکرام اللہ شاہد	۷۱۱-۷۳۱
۲۶	سیر افغانستان از سید سلیمان ندوی	۷۳۲-۸۳۲
۲۷	تعویذ مزار از غلام رسول عدیمؔ	۸۳۲-۸۳۶
	--حصہ ہفتم--: فارسی مضامین، منظومات اور تعزیت نامے	۸۳۷-۸۶۶
۱	اقبال در کشور افغان از سید محمد موسیٰ رضوی	۸۳۷-۸۳۹

۲ علامہ اقبال ورفقای سفرش ۸۴۱-۸۴۰

۳ رابطۂ فکری لاہور بابلخ ۸۴۹-۸۴۲

۴ علامہ اقبال در افغانستان ۸۵۲-۸۴۹

۵ یوم اقبال در افغانستان از غلام حسین مجددی ۸۵۹-۸۵۲

۶ بہ پیش گاہ علامہ دکتور محمد اقبال لاہوری از خلیل اللہ خلیلیؔ (نظم) ۸۶۴-۸۶۰

۷ تعزیت نامے (صلاح الدین سلجوقی، مبشر طرازی) ۸۶۶-۸۶۴

فہرست مآخذ ۸۷۶-۸۶۷

حصۂ انگریزی ۱۱۷

مآخذات باب سوم

۱ اقبال ممدوح عالم، ص ۲۸۴

۲ مجلّہ کابل، مارچ ۱۹۳۱ء، ص ۱۹ تا ۲۳

۳ خطوط اقبال، ص ۲۰۴

۴ اقبال اور بھوپال، ص ۲۴۳

۵ اقبال ریویو، اپریل ۱۹۶۷ء، ص ۴۴

۶ مجلّہ کابل، جون ۱۹۳۲ء، ص ۱۲ - ۲۰

۷ ایضاً، دسمبر ۱۹۳۲ء، ص ۳۲

۸ سیر افغانستان، ص ۷

۹ مجلّہ کابل، جنوری ۱۹۳۴ء، ص ۶۵ - ۷۱

۱۰ ایضاً، جنوری فروری ۱۹۳۷ء، ص ۱۰۸۹

۱۱ ہفت روزہ وفا، ۱۱ جدی ۱۳۷۵ھ ش

۱۲ مجلّہ کابل، مئی جون ۱۹۳۸ء، ص ۷۸

۱۳ ایضاً، ص ۹۲ - ۹۳

۱۴ ایضاً، ص ۹۳

۱۵ افغانستان و اقبال، ص۱
۱۶ ایضاً، ص ا ت ۲۱
۱۷ سیر اقبال شناسی در افغانستان، ص۱۴۸ تا ۱۶۶
۱۸ اقبال کامل، ص۲۴۲
۱۹ افغان بادشاہ، ص۲۲
۲۰ مجلّہ کابل، ۵/مارچ ۱۹۳۱ء، ص۱۹ تا ۲۳
۲۱ سیر اقبال شناسی در افغانستان، ص۱۳ تا ۱۸
۲۲ ایضاً، ۲۲/جون ۱۹۳۲ء، ص۱۲ تا ۲۰
۲۳ افغانستان و اقبال، ص۳۸ تا ۳۹
۲۴ سیر اقبال شناسی در افغانستان، ص۱۹ تا ۲۷
۲۵ مجلّہ کابل ۲۲/جون ۱۹۳۲ء، ملحقہ ص ۲۰
۲۶ افغانستان و اقبال ملحقہ ص ۶۷
۲۷ مجلّہ کابل، ۲۲/اگست ۱۹۳۲ء، ص۱۷
۲۸ کلیاتِ اقبال، شیخ غلام علی اینڈ سنز، ۱۹۸۵ء، ص۶۸۷
۲۹ سیر اقبال شناسی در افغانستان، ص۲۸
۳۰ مجلّہ کابل، ۲۲/اگست ۱۹۳۲ء، ص۳۷
۳۱ سالنامہ کابل ۱۱ - ۱۳۱۲ھ ش، ص۱۸۰
۳۲ ایضاً، ملحقہ ص نمبر ۱۸۰
۳۳ مجلّہ کابل ۲۲/دسمبر ۱۹۳۲ء، ص۹ تا ۳۲
۳۴ سیر اقبال شناسی در افغانستان، ص۲۹ تا ۳۴
۳۵ اقبال ریویو، جنوری ۱۹۷۶ء، صنمبر ۴۴
۳۶ مجلّہ کابل، عقرب ۱۳۱۲ھ ش، ص
۳۷ افغانستان و اقبال، ص۲۲
۳۸ سیر افغانستان، ص۱۵
۳۹ مجلّہ کابل، ۲۲/دسمبر ۱۹۳۳ء، ص۸۳ - ۸۴
۴۰ سیر افغانستان، ص۱۵

۴۱ ایضاً، ص۱۶
۴۲ مجلّہ کابل، ۲۲/ دسمبر ۱۹۳۳ء، ص۸۷ - ۸۸ - ۹۲
۴۳ سیر افغانستان، ص۱۵
۴۴ مجلّہ کابل، ۲۲/ دسمبر ۱۹۳۳ء، ص۸۷
۴۵ سیر افغانستان، ص۱۶
۴۶ مجلّہ کابل، ۲۲/ دسمبر ۱۹۳۳ء، ص۸۸ تا ۹۱
۴۷ سیر افغانستان، ص۱۷ - ۱۸
۴۸ مجلّہ کابل، ۲۲/ دسمبر ۱۹۳۳ء، ص۹۲
۴۹ سیر افغانستان، ص۱۸
۵۰ افغانستان و اقبال، ص۲۳ تا ۳۷
۵۱ سیر اقبال شناسی در افغانستان، ص
۵۲ مجلّہ کابل، ۲۱ جنوری ۱۹۳۴ء، ص۶۵ تا ۷۱
۵۳ ایضاً، ص۶۸
۵۴ مجلّہ کابل، ۲۳/ دسمبر ۱۹۳۴ء، ص ۴ ۸ تا ۸۹
۵۵ سیر اقبال شناسی در افغانستان، ص۴۸ تا ۵۳
۵۶ مجلّہ کابل ۲۲/ مارچ ۱۹۳۵ء، ص۸۶ تا ۹۰
۵۷ سیر اقبال شناسی در افغانستان، ص۵۴ تا ۵۷
۵۸ مجلّہ کابل، ۲۱/ اپریل ۱۹۳۵ء، ص۳۹
۵۹ پیامِ مشرق، ص۱۱۵ - ۱۱۶
۶۰ مجلّہ کابل، ۲۱/ اپریل ۱۹۳۵ء، ص۴۰
۶۱ پیامِ مشرق، ص۱۳۲ - ۱۳۳
۶۲ مجلّہ کابل، ۲۳/ مئی ۱۹۳۵ء، ص۳ - ۴
۶۳ پیامِ مشرق، ص۹۶
۶۴ مجلّہ کابل، جنوری فروری ۱۹۳۷ء، ص مسلسل ۱۰۸۹
۶۵ ایضاً، مئی جون ۱۹۳۸ء، ص۷۸
۶۶ اخبار انیس کابل، چار شنبہ ۱۴ ثور ۱۳۱۷ھ ش

۶۷ پښتانه د علامه اقبال په نظر کې، ص۶۷
۶۸ مجله وږمه، کابل،۱۹۶۷ء، ص۱۳
۶۹ اقبال ریویو، اپریل ۱۹۶۷ء، ص۱۶۵تا۱۷۰
۷۰ اقبال ممدوح عالم، ص۲۸۸
۷۱ پښتانه د علامه اقبال په نظر کې ص۲۸
۷۲ آثار اردوی اقبال، جلد۱، صالف تاد
۷۳ ایضاً، ص آغاز
۷۴ ایضاً، ص۱
۷۵ ایضاً، ص۲
۷۶ ایضاً، ص۵
۷۷ آثار اردوی اقبال، جلد۱، ص۷
۷۸ ایضاً، ص۱۲
۷۹ ایضاً، ص۱۶
۸۰ ایضاً، ص۵۴
۸۱ ایضاً، ص۶۴ - ۶۵
۸۲ آثار اردوی اقبال، جلد۱، ص۱۱۰
۸۳ آثار اردوی اقبال، جلد۲، صآغاز
۸۴ بانگِ درا، ص۳۵
۸۵ آثار اردوی اقبال، جلد۲، ص۱۳ - ۱۴
۸۶ بانگِ درا، ص۸۷
۸۷ آثار اردوی اقبال، جلد۲، ص۱۴ - ۱۵
۸۸ بانگِ درا، ص۲۴ - ۲۵
۸۹ آثار اردوی اقبال، جلد۲، ص۱۶ - ۱۷
۹۰ بانگِ درا، ص۵۱
۹۱ آثار اردوی اقبال، جلد۲، ص۱۷ - ۱۸
۹۲ بانگِ درا، ص۱۷۸

۹۳ آثار اردوی اقبال، جلد ۲، ص ۱۹
۹۴ بانگِ درا، ص ۲۱۴ - ۲۱۵
۹۵ آثار اردوی اقبال، جلد ۲، ص ۲۰ - ۲۱
۹۶ ایضاً، ص ۲۸ تا ۳۰
۹۷ افغانستان و اقبال، ص آغاز
۹۸ ایضاً، ص د
۹۹ افغانستان و اقبال، ص آخر
۱۰۰ دوړمو نخبنې، ص ۲۸
۱۰۱ دانش زمستان، ۱۳۶۶ھ ش، ص ۲۵
۱۰۲ قلم اپریل مئی ۱۹۸۷ء، ص ۶۹
۱۰۳ دانش زمستان، ۱۳۶۶ھ ش، ص ۲۵
۱۰۴ یار آشنا، ص ۲-۳
۱۰۵ حکیم سنائی و جهان بینی او بیک ٹائیٹل
۱۰۶ پښتانه شعرا، جلد ۵، ص ۳۲۸
۱۰۷ آثار اردوی اقبال، جلد ۱، ص ۱۱۰
۱۰۸ ایضاً، ص ۱۱۰
۱۰۹ آثار اردوی جلد ۲، ص ۲۰
۱۱۰ افغانستان اور اقبال، اکرام اللہ شاہدؔ، ص ۲۰۲
۱۱۱ مجلّه آریانا میدان قوس ۱۳۵۶ھ ش، ص ۵
۱۱۲ علامه اقبال در ادب فارسی و فرهنگ افغانستان، ص ۳۳۸
۱۱۳ ایضاً، ص ۹ تا ۱۴
۱۱۴ اکسیر خودی جوهر پیام علامه اقبال، صت تاخ
۱۱۵ اقبال اور افغانستان ص ھ
۱۱۶ سیر اقبال شناسی در افغانستان، ص ۱ تا ۳
۱۱۷ اقبال، افغان اور افغانستان، ص ۵ تا ۷

باب چہارم

افغانستان میں اقبال شناسی کا ارتقا

افغانستان میں اقبال شناسی کی ارتقا کو درج ذیل تین ادوار میں تقسیم کیا گیا ہے:

پہلا دور:	۲۲/اپریل ۱۹۳۸ء	تا	۱۹۵۰ء
دوسرا دور:	۱۹۵۱ء	تا	۱۹۷۷ء
تیسرا دور:	۱۹۷۸ء	تا	۲۰۱۰ء

پہلا دور: ۲۲/اپریل ۱۹۳۸ء/۳ثور ۱۳۱۷ھ ش/۱۳۵۹ھ ق تا ۱۹۵۰ء/ ۱۳۲۹ھ ش/ ۱۳۷۱ھ ق

یہ دور حضرت علامہ کی وفات کے بعد سے شروع ہوتا ہے۔ حضرت علامہ کی وفات کی خبر نشر ہوتے ہی دیگر ممالک کی طرح افغانستان میں بھی اخبارات و رسائل نے خصوصی خبریں، مضامین و مقالات شائع کیے۔ کابل کے اصلاح اور انیس اخبارات نے حضرت علامہ کے تعزیتی بیانات کے علاوہ حضرت علامہ کے سوانحی تذکرے، ادبی خدمات اور عالمی و آفاقی شخصیت پر علمی و ادبی مقالات شائع کیے۔

انجمن ادبی کابل کے زیرِ اہتمام حضرت علامہ کی وفات کے صرف آٹھ روز بعد کابل میں ایک تعزیتی کانفرنس کا انعقاد کیا گیا جس میں حضرت علامہ کی وفات پر تعزیت کے ساتھ ساتھ ان کی عالمگیر شخصیت کو خراجِ تحسین پیش کیا گیا۔

مجلّہ کابل نے خصوصی اقبال نمبر شائع کیا۔ جس میں حضرت علامہ کے فن و شخصیت کے حوالے سے افغان سکالروں کے علمی و تحقیقی مقالات کے علاوہ علامہ کے پشتو و فارسی مرثیے شائع کیے۔

مجلّہ کابل میں ڈاکٹر سید عابد حسین کے اردو مقالے کا فارسی ترجمہ "خودی در نظر اقبال" شائع ہوا۔ اس کے علاوہ مختلف رسائل میں حضرت علامہ کے متفرق ابیات شائع ہوتے رہے۔

اس دور کا تفصیلی تحقیقی جائزہ یوں ہے:

یکشنبہ ۴ ثور ۱۳۱۷ھ ش ۲۳، اپریل ۱۹۳۸

حضرت علامہ کی وفات پر کابل، افغانستان کے اخبار اصلاح میں صرف دو دن بعد درج ذیل تعزیتی خبر شائع ہوئی:

وفاتِ علامہ سر محمد اقبال:

شب جمعہ دو ثور بذریعہ منابع خبر رسانی خبرِ دل خراش شنیدیم کہ عبارت از وفات داکتر سر محمد اقبال متفکر بزرگ و فیلسوف معروف ھند بود۔

سر محمد اقبال در سنہ ۱۸۷۷ء در شہر سیالکوت (پنجاب) کہ وطن و مولد سعد سلمان، امیر خسرو فیضی، غنی، واقف، غنیمت و امثال آن ھابودہ متولد شد۔ ابا و اجداد این مردِ نامور از مسلمانان منور کشمیر بوداند چنانچہ خود گفتہ بود:

مرا بنگر کہ در ہندوستان دیگر نمی بینی
برہمن زادۂ، رمز آشنائی روم و تبریز است

اقبال بعد از فرا گرفتن تعلیمات مقدماتی در گورنمنت کالج لاہور داخل، و علاوہ بر زبان انگلیسی و علوم آن زبان تعلیمات فارسی را در سایہ عاطفت شمس العلما مولوی سید میر حسن صاحب مرحوم بہ پایان رساند۔ چون از ایام طفولیت استعداد زیادی شعری رادادہ بود ازین جہت وجود معلم مذکور برائی او وسیلہ تحریک استعداد نہفتہ اش گردید۔ و بعد از آن از نزد پروفیسور آرنلد کہ درس فلسفہ و حکمت گرفتہ بہ حکمت قدیم و جدید آشنا شد۔ درین وقت اقبال روز بروز شہرت پیدا میکرد ھمان بود کہ بہ گورنمنت کالج لاہور بہ معلمی فلسفہ پرداخت۔ از آن در سنہ

۱۹۰۵ء عازم اروپا شده۔ بعد از مرور سال در آلمان حائیز دیپلوم (پی ایچ دی) ولقب دکتوری شده بوطن خود عودت گرد۔

اقبال از خورد سالی اشعار خوب ورشیقی بزبانِ ہندی می گفت واز آن آوان اولیہ تاکنون ہر مصرعی از آثار او فاش کننده اسرار یک عالم عشق و جمال بوده وہست، چوں پرورده آغوش یک خانواده متصوف بود ازین جہت کلامش را بہ چاشنی تصوف چنان تزئین میداد کہ چشم تعقل را در امواج حیرت می غلطاند و بہ انکشاف اسرار کائنات و کشف غوامض الٰہیات از عالم رموز حکمت بہ آسانی عبور و مرور نموده، معماہای لاینحل مظاہر حقیقی را بہ تخیلات فلک پیمای، خود صورت سہل تری می بخشد۔

اقبال عموماً در مظاہر عشق و حسن ذوق را با چاشنی تصوف بہم آمیختہ کاروان خود را با قافلہ سالاری رومی دَرِ کنار رکن آباد و مقلی گلگشت میداد و در علو تفکر و نزاکت تخیل کلیم و بیدل را بیاد می آورد۔ و در حسن تخاطب روح بلبل شیر از را خورسند میساخت و در مثالیہ غنی را از کشمیر و صایب را از اصفہان و میانگیخت و پیمانہ تغزل را مثل خواجہ حافظ و نظیری سرشار مینمود۔

علاوه از محاسن شعری در فلسفہ و تاریخ حیات اقوام و امم و جملہ نکات حکمت والٰہیات کہ موجب انبتانہ بشر است بہ علوم دینیہ اسلامیہ معلوماتی وسیع و زیادی داشت۔ چون معلومات عمومیہ او از ہر جنبہ کامل بود و بدستیاری فلسفہ و علوم بہ حقائق روحی ملل اقوام آگاہی کاملی داشت لہٰذا در زمینہ خدمت و اصلاح قدرت و نیروی مطلوبی را دارا بوده است و مینوانست نبض ملت را دیده بہمان طوریکہ مقفی است امراض او را تداوی نماید۔

اقبال دارای کتب، رسائل، آثار متعدد و ضخیمی است کہ نام بردن تمام آہنا از احاطہ ہمچو یک مقالہ کوچکی کہ بغرض اظہار تاسف نوشتہ شده خارج می باشد۔

روی ہمرفتہ از جملہ آثار معروف و ذیقیمت او کہ بزبان فارسی طبع شده و شخصیت بلند و افکار ارجمند اقبال مرحوم را ترجمان مینماید کتب ذیل است۔

پیامِ مشرق جواب پیام مغرب گویتہ آلمانی، زبورِ عجم، رموز خودی، اسرار بیخودی، جاوید نامہ، مسافر وغیره۔ گرچہ داکتر اقبال مردی از سرزمین پنہاور ہند بود اما مقام علمی موثرات ادبی تعلیمات اخلاقی و فلسفی اورا نہ تنہا اولاد ہند بلکہ یک عضو مفید و صالح تمام دنیائی اسلام و حتیٰ بشریت جلوه داده، بود۔ زیرا داکتر اقبال از پرتو فروزان معارف

سرچشمہ عرفان بحدی سہم داشت کہ نہ خودش ونہ دیگران برای او وطنی قایل نمیشدند و وجود او را درماورای ذہنیت محدود وطنیت وملیت محصور نمیدانستند۔ بلی اقبال فیلسوف، شاعر، متصوف، مربی اخلاق بود و طبیعی است کہ این طور اشخاص کرہ ارض را وطن و بشریت راملت خود میدانند۔ از ہمیں جہت خدمات او بہ تمام عالم اسلام و شرق و عموم گروہ، بیچارہ و مظلوم بشریت انحصار داشت و دلیل تاسف و حزین بزرگی کہ از فقدان او بما دست دادہ زیادہ تر از حسن ھم جواری شخصیت بزرگ بین المللی او می باشد۔

داکتر اقبال بچندین زبان مقتدر بخدمت فکری و قلمی بود بوسیلہ کتب رسالہ ہا۔ مقالات منظوم و منثور حقائق امور را بہ گواراترین طرازی بسمع عالمیان افشامیکرد۔ اگر داکتر اقبال رادر زمرۂ حکما حساب کینیم واسطہ قدرتیکہ درافادہ مرام خود بوسیلہ شعر دارابود او را ممتازتر از حکمای سایرہ نشان میدہد و اگر اقبال رامرد ادیب و شاعر نام بگذاریم دہان فلسفہ او کہ یگانہ منبع و منشا الہامات بدیعی وادبی او بود او را در صنف ممتاز ترین ادباو شعرائی بشریت قرار خواہد داد۔ و اگر بگوییم اقبال مربی اخلاق و عالم اجتماع و مصلح ملی بود بواسطہ شوق و عشق و جذبہ و ہیجان کہ از تصوف در وجودش مرکوز بود او را جایگاہی بلند تر از مصلحین اخلاقیون و مربیون زمان می بخشد۔

اقبال در لفافہ اخلاق و تصوف و شعر و فلسفہ ملت ہند را بہ مفہوم وطنیت و دنیائی اسلام را بہ معنی وحدت اسلام و گروہ سایر بشر را بہ مضار مجزبہ اخلاق مادئ آشنا کردہ میخواست۔ دورۂ درخشندہ تمدن اخلاقی قدیم اسلام را کہ نمونہ ازیادگاری ہائی اسلاف نامور مسلمین است احیا نماید۔ پس ما زیک طرف بنام ہمجوری و زطرف دیگر بنا بر مقام بزرگ علمی، ادبی، فلسفی، اجتماعی، بین المللی او اظہار تاثر و تاسف نمود، از خداوند متعال برایش طلب غفران استدعا نمودہ، بہ بازماندگان و آقائی جاوید اقبال پسر شان و تمام علاقہ مندان شان مراتب تسلیمت خود ما نرا اظہار میداریم۔[۱]

ترجمہ: جمعرات دوثور کو خبر رساں ایجنسیوں نے ایک دل خراش خبر نشر کی جو ہندوستان کے مشہور مفکر اور عظیم فلسفی ڈاکٹر سر محمد اقبال کی وفات سے عبارت تھی۔

سر محمد اقبال ۱۸۷۷ء میں سیالکوٹ (پنجاب) میں پیدا ہوئے جو سعد سلمان، امیر خسرو، فیضی، غنی، واقف، غنیمت اور ان جیسے کئی ہستیوں کا مولد ہے۔ اس نامور ہستی کے آباو اجداد کا تعلق کشمیری مسلمانوں سے تھا چنانچہ خود فرماتے ہیں۔

مرا بنگر کہ در ہندوستان دیگر نمی بینی
برہمن زادہ ئی رمز آشنائی روم و تبریز است

اقبال نے ابتدائی تعلیم کے بعد گورنمنٹ کالج لاہور میں داخلہ لیا۔ اس کے علاوہ انگریزی اور فارسی زبانوں میں تعلیم شمس العلما مولوی سید میر حسن مرحوم کے زیرِ سایہ پایہ تکمیل تک پہنچائی۔ چونکہ بچپن ہی سے بہتر شعری استعداد کے مالک تھے اسی بنا پر مذکورہ استاد جیسی ہستی کی وساطت سے ان کی صلاحیتوں کو نکھار عطا ہوئی۔ اس کے بعد پروفیسر آرنلڈ کے ذریعے جو انھیں فلسفہ پڑھاتے تھے قدیم و جدید فلسفے سے آشنائی حاصل کی۔ اس زمانے میں اقبال کی شہرت میں روز بروز اضافہ ہوتا رہا اور گورنمنٹ کالج لاہور میں فلسفہ کے استاد مقرر ہوئے۔ ۱۹۰۵ء میں یورپ چلے گئے اور تین سال کے بعد جرمنی سے پی ایچ ڈی کا اعزاز حاصل کرنے کے بعد دوبارہ وطن تشریف لائے۔

اقبال بچپن ہی سے اردو زبان میں بہترین اشعار کہتے تھے۔ ابتدائی دنوں ہی سے ان کے ہر مصرع سے عشق و جمال کے اسرار فاش ہوتے تھے۔ چونکہ ایک روحانی گھرانے کی آغوش میں تربیت پائی تھی اسی وجہ سے ان کے کلام کو تصوف کی ایک ایسی چاشنی عطا ہوئی کہ تعقل کی نگاہ سراپا حیرت بن کر رہ جاتی۔ اسرارِ کائنات کا انکشاف اور الٰہیات کے عمیق نکتوں کے ادراک کو ایک آسان رازدارانہ سبیل عطا کی۔ مظاہرِ حق کے لاینحل معمات کو اپنے وسیع تخیلات سے نہایت آسانیاں عطا کیں۔

اقبال نے عام طور پر مظاہر حسن و عشق کو تصوف کی چاشنی سے نوازا۔ اپنے کاروان کو رومی کی سالاری میں منزل کامرانی تک پہنچانے کی سعی فرمائی۔ تفکر و نزاکت میں کلیمؔ اور بیدلؔ کی یاد تازہ کی۔ حسن تخاطب سے بلبل شیراز کی روح کو سرور عطا کیا۔ استعمالِ امثال کے سلسلے میں کشمیر کے غنیؔ اور اصفہان کے صائبؔ سے اکتساب لیا اور پیمانہ تغزل خواجہ حافظؔ و نظیریؔ کی طرح سرشاری سے لبریز کیا۔

شاعرانہ محاسن کے علاوہ فلسفہ تاریخِ اقوام اور ملتوں کے تمام امور حکمت اور الٰہیات جو بشر کے انبتانہ کے موجب ہیں میں وافر دینی و اسلامی معلومات رکھتے تھے۔

چونکہ عام معلومات پر واضح دسترس رکھتے تھے اور فلسفہ اور علوم کی رو سے اقوام کی نفسیات سے پوری آگاہی رکھتے تھے۔ اس لیے ان کی خدمت اور اصلاح کے لیے مطلوبہ نہج پر پرکھ کر اور ملت کے نبض پر ہاتھ رکھ کر ان کے مرض کی دوا تشخیص کرتے رہے۔

اقبال کئی کتب و رسائل اور مختلف ضخیم آثار کے مالک تھے۔ ان تمام کا یہاں نام لینا اس چھوٹے سے مقالے میں جو اظہار افسوس کے طور پر لکھا جا رہا ہے ناممکن ہے۔

اقبال کے مشہور اور قیمتی آثار جو فارسی میں لکھے گئے ہیں اور ان کی شخصیت اور بلند افکار کا احاطہ کیے ہوئے ہیں درج ذیل ہیں:

پیامِ مشرق،(جو جرمن شاعر گوئٹے کے دیوانِ مغرب کے جواب میں لکھی)- زبورِ عجم،رموزِ خودی اسرارِ بیخودی،جاوید نامہ اورمسافروغیرہ-

ڈاکٹر اقبال کا تعلق اگرچہ سرزمین ہندوستان سے تھا اپنے علمی مقام، ادبی تعلیمات، اخلاق اور فلسفیانہ افکار کی بدولت وہ نہ صرف ہند کے لیے بلکہ عالم اسلام کے لیے بالخصوص اور عالمِ انسانیت کے لیے بالعموم ایک مفید اور صالح فرد کی حیثیت رکھتے تھے۔ وہ معرفت، عرفان اور آگہی سے اس طرح سرفراز تھے کہ نہ وہ خود اپنے آپ کو اور نہ کوئی دوسرا ان کو کسی وطن سے منسوب کر سکتا ہے۔ ان کا وجود وطنیت اور ملت کی محدود ذہنیت سے ماورا تھا۔

یقیناً اقبال فلسفی، متصوف شاعر اور مربی اخلاق کے مالک تھے۔ ایسے افراد کرۂ ارض کو اپنا وطن اور بشریت کو اپنی ملت سمجھتے ہیں۔ اسی مناسبت سے ان کی خدمات عالمِ اسلام، مشرق اور عام مظلوم انسانی حلقوں کے لیے وقف ہیں۔ ان کے بچھڑنے سے اس افسوس اور عظیم صدمے کا ایک سبب یہ بھی ہے کہ وہ ایک بین الاقوامی شخصیت کے مالک تھے۔

ڈاکٹر اقبال نے کئی زبانوں میں گرانقدر فکری اور علمی خدمات انجام دی ہیں۔ مختلف منظوم اور منثور کتب، رسائل اور مقالات کے ذریعے مختلف حقائق نہایت عالمانہ انداز میں بیان فرمائے ہیں۔

اگر اقبال کو حکما کے زمرے میں شمار کروں تو اعلیٰ شاعرانہ اوصاف کی بنا پر وہ حکما سے ممتاز ترین مقام کے حقدار ہیں اور اگر اقبال کو ادیب و شاعر کے نام سے یاد کروں تو ان کے بلند فلسفیانہ افکار جو بدیعی و ادبی الہامات کا منبع ہیں ان کو عالمِ انسانیت کے اُدبا اور شعرا میں ممتاز مقام عطا کر دیتا ہے۔ اور اگر کہوں کہ اقبال ایک مربی اخلاق اور عالمِ اجتماع اور قومی مصلح ہیں

معشوق اور عشق کے جذبہ تصور کا وہ ہیجان جو ان کے وجود میں شامل ہے ان کو یگانہ بنا کر انھیں زمانے کے مصلحین، اخلاقیوں اور مربیوں سے ممتاز بنا دیتا ہے۔

اقبال نے اخلاق، تصوف، شاعری اور فلسفہ کے ذریعے ملتِ ہند کو مفہوم وطنیت اور دنیائے اسلام کو وحدتِ اسلامی اور عالمِ انسانیت کو مادی اخلاقی نقائص سے آگاہ کیا۔

مسلمانوں کے روشن تمدن، قدیم اخلاقی دور جو نامور اسلامی اسلاف کی یادگار ہے کے احیا پر زور دیا۔ پس ہمیں ایک طرف ان کی قربت اور دوسری طرف ان کی اعلیٰ علمی و ادبی، فلسفی، معاشرتی اور بین الاقوامی حیثیت کے ساتھ ارتحال کا دکھ ہے۔ پروردگار سے ان کی مغفرت طلب کرتے ہیں اور پسماندگان، ان کے بیٹے جناب جاوید اقبال اور تمام عقیدت مندوں سے ان کی تعزیت کرتے ہیں۔

اصلاح اخبار کی یہ تعزیتی خبر و مقالہ حضرت علامہ کے تعزیتی و توصیفی امور پر مشتمل ہے۔ جو کہ لکھنے والے کی علامہ سے عقیدت کا آئنہ دار ہے:

اصلاح کابل میں شائع شدہ حضرت علامہ کی وفات کی یہ خبر بعد میں افغانستان و اقبال میں بھی شائع ہوئی ہے۔[۲]

چار شنبہ ۱۴ ثور ۱۳۱۷ھ ش:

کابل کے انیس اخبار نے حضرت علامہ کی وفات پر درج ذیل تعزیتی خبر شائع کی۔

وفات:

هر آنکه زاد به ناچار بایدش نوشید ز جام دهر
می کل من علیها فان

شاعر اقبال، ادیب اقبال، حکیم اقبال، ڈاکٹر اقبال، علامہ اقبال بتاریخ ۲ ثور در شہر لاہور مرکز ولایت پنجاب بہ سن شصت و دو سالہ گی خلت فرمود۔

اناللّٰہِ و انا الیہ راجعون

تحصیلات:

داکتر اقبال بسال ۱۸۷۷ء در شہر سیالکوت تولد یافتہ بعد از فراغ دورۂ ابتدای در دارالعلوم حکومتی (گورنمنٹ کالج) لاہور شامل تحصیل گردید۔ چون اقبال طبع شعری داشت ذوق

ادیب باعث گشتہ نزد معلم خود جناب سید میر حسن شمس العلما علوم ادبی رابصورت خصوصی کمال نمود ھکذا تحصیلات علوم فلسفی رانزد پروفیسر آرنلد بہ پایۂ عالی رسانیدہ در گورنمنت کالج لاہور بہ معلمی فلسفہ مستخدم گردید۔ پس در سال ۱۹۰۵ء عازم آروپا گردیدہ درالمان تحصیلات خود را ادامہ دادہ، شہادت نامہ پی ایچ دی ولقب داکتری راحاصل کردہ بوطن خود مراجعت نمود۔

داکتر اقبال درفلسفہ قدیم و جدید و در مباحث الٰہیات و تاریخ ارتقا و انحطاط اقوام و تشخیص امراض اجتماعی وعلاج وتداوی آن مہارت نامی داشت۔

خدمات:

معنی قومیت، وطنیت، ملیت را در تالیفات خود روشن ساختہ زحمات تمدن غرب راباز لال تمدن مشرق آمیختہ زہر پرتو انوار قرآن اسرار عروج عالم متمدن رابہ عالم اسلام بصورت ارمغان سفر ورہ آورد خویش تقدیم نمود این نطاق معروف و مفکر مشہور شرق درشیوابیان خود شہرت سزاواری راحاصل کردہ، زبور عجم و رموز خودی و اسرار بیخودی، جاوید نامہ ورسالہ مسافر بزبانِ فارسی وترانہ ھای ملی خود رابزبان ہندی باسیاری از آثار دیگر خویش یاد گار گزاشت۔

قدردانی:

داکتر اقبال درحال حیات خویش ازروی افکار و علوم در مملکت پہناور ہند دارای اعتبار بزرگ در قلوب ادباو ارباب حل وعقد دول اسلامی صاحب محبت سرشاری بود۔

ضیاع این مشعل انوار علم و ادب در ہر گوشہ از گوشہ ھائ عالم تاثرات اسف آوری راتولید نمودہ۔ داکتر سر محمد اقبال مرحوم بہ استقلال ملت افغان افتخاری نمودہ بہ خیر خواہی افغانستان معروف بود بادشاہ افغانستان اعلی حضرت محمد نادر شاہ کبیر افغان رحمت اللہ علیہ ارادت مندہ ھای مخلصانہ داشت و بہ یاد گار سفر افغانستان و افتخار ملاقات شاہ افغان بنام مسافر رسالۂ تالیف نمودہ کہ احساسات محبت سرشار اورانمودار میسازد۔

علامہ اقبال درحال ممات خویش ہمچو حال حیات او از طرف ملت قدرشناس ہند بہ کمال اجلال تجلیل دیدہ بعد از مراسم تجہیز و تکفین بمقابل مسجد شاہی لاہور بکمال احترام دفن گردیدہ ولی درحال اقبال سزاوار است کہ گفتہ آید۔

بعد از وفات مدفن ما در زمین مجو
در سینہ ھای مردم عارف مزار ماست[۳]

ترجمہ: شاعر اقبال، ادیب اقبال، حکیم اقبال، ڈاکٹر اقبال، علامہ اقبال نے مؤرخہ دو ثور صوبہ پنجاب کے مرکزی شہر لاہور میں باسٹھ سال کی عمر میں رحلت فرمائی۔

اناللّٰہِ وانا الیہِ راجعون۔

تحصیلات:

ڈاکٹر اقبال ۱۸۷۷ء کو سیالکوٹ شہر میں پیدا ہوئے ابتدائی تعلیم حاصل کرنے کے بعد گورنمنٹ کالج لاہور میں داخلہ لیا۔ چونکہ اقبال شعری طبیعت اور ادیبانہ ذوق رکھتے تھے اسی لیے اپنے استاد شمس العلما جناب سید میر حسن سے ادبی علوم خصوصیت کے ساتھ پایۂ تکمیل تک پہنچائے۔

اس طرح پروفیسر آرنلڈ سے فلسفہ میں اعلیٰ تعلیم حاصل کی۔ اس کے بعد گورنمنٹ کالج لاہور میں فلسفہ کے استاد مقرر ہوئے۔ ۱۹۰۵ء میں یورپ تشریف لے گئے جہاں جرمنی میں حصولِ علم کا سلسلہ جاری رکھا جہاں سے پی ایچ ڈی کر کے ڈاکٹریٹ کا اعزاز پا کر وطن واپس ہوئے۔

ڈاکٹر اقبال قدیم و جدید فلسفہ کے نکات الٰہیات، تاریخ کے ارتقا، اقوام کی تشخص اور اجتماعی امراض کے علاج اور تشخیص میں مکمل مہارت رکھتے تھے۔

خدمات:

قومیت وطنیت اور ملیت کے معنی پر اپنی تالیفات میں روشنی ڈالی۔ مغربی ثقافت کے نقائص مشرقی ثقافت کے لیے آفت قرار دیے۔

قرآنی تعلیمات کے انوار اور اسرار کی روشنی میں عالمی ثقافتی ترقی کو اسلام کی صورت میں دیکھنے کی تلقین فرمائی۔ یہ عظیم شخصیت اور مشرق کا مشہور مفکر اپنی شعلہ بیانی میں بھی یکتا تھا۔

زبورِ عجم، اسرار خودی اور رموز بیخودی، جاوید نامہ اور رسالہ مسافر فارسی زبان میں ہیں، اس کے علاوہ اردو میں بھی قومی ترانے اور دیگر آثار یادگار چھوڑے ہیں۔

قدردانی:

ڈاکٹر اقبال اپنی زندگی میں ہی اپنے افکار اور علوم کی وجہ سے تمام ہندوستان کے ارباب اختیار، خواص اور ادبا اور اسلامی زعما کے دلوں میں نہایت قابلِ قدر مقام کے مالک تھے۔ علم و ادب

کے میدان سے اس مشہور ہستی کی رحلت پر سارے جہان کے گوشے گوشے سے افسوس کا اظہار کیا گیا ہے۔ ڈاکٹر محمد اقبال مرحوم افغان ملت کی آزادی پر فخر کرتے تھے اور افغان دوستی میں مشہور تھے۔ افغانستان کے بادشاہ اعلیٰ حضرت محمد نادر شاہ کبیر سے نہایت عقیدت و نیازمندی تھی۔ افغانستان کے سفر اور افغان بادشاہ سے ملاقات کی یادگار میں رسالہ مسافر تالیف کیا جس میں محبت سے بھرپور جذبات کا اظہار کیا گیا ہے۔
علامہ اقبال وفات کے بعد بھی ان کی زندگی کی طرح ہندوستان کی قدر شناس ملت کی جانب سے نہایت اعزاز کے ساتھ بادشاہی مسجد لاہور کے بالمقابل نہایت احترام کے ساتھ سپردِ خاک کیے گئے۔ ایسے میں اقبال یہ کہنے کا حق رکھتے ہیں:

بعد از وفات مدفن ما در زمین مجو
در سینہ ھائی مردم عارف مزار ماست

اس خبر کے ساتھ کابل میں اقبال کی وفات کے بعد انجمن ادبی کابل کے تعزیتی جلسے کی روداد ہے جو تقاریب اقبال میں ملاحظہ ہو۔ انیس کی اس رپورٹ کے لب ولہجہ پر بھی علامہ اقبال کی عقیدت کا عنصر غالب ہے۔
انیس کابل میں علامہ کی وفات کی یہ خبر بعد میں افغانستان و اقبال میں بھی شائع ہوئی ہے۔[۴]

جوزا ۱۷ ۱۳۱ء ھ ش مئی جون ۱۹۳۸ء
حضرت علامہ کی وفات کے فوراً بعد مجلّہ کابل کا خصوصی اقبال نمبر شائع ہوا۔ اس نمبر کے ٹائٹل پر سفر افغانستان کے دوران کابل میں اتاری گئی حضرت علامہ کی تصویر شائع کی گئی ہے اور چہرے سے نہایت توانا صحت مند اور تروتازہ لگ رہے ہیں۔ ان کی یہ تصویر پاکستانی مطبوعات میں اب تک نہیں پہنچی۔
اس خصوصی نمبر میں درج ذیل مطالب شامل ہیں:
وفات داکتر اقبال شاعر و فیلسوف شہیر
بہ قلم سید قاسم رشتیا۔

خبر جگر خراشی کہ بشب اول ثور از ہند بدست آمد، حاکی از فوت داکتر سر محمد اقبال شاعر و فیلسوف بزرگ ہند بود کہ باثر مرض ضیق النفس بہ تاریخ مذکور در شہر لاہور بعمر شصت و سہ سالگی پدر رود حیات گفت۔ (اناللّٰہِ وانا الیہ راجعون)

مرحوم داکتر اقبال نہ تنہا یک ادیب و یک فیلسوف عالی مقام بود، بلکہ علاوہ بتام معنی یک عالم عصری و در عین زمان از پیشوایان ملت ہند بشمار میرفت و از طرفی ہم علاقہ معرفی بہ افغانستان داشتہ، در تمام اشعار و آثار خود از ملت افغان ستایش و بسی اندر زھای خویش را بہ افغانیان خطاب کردہ است۔

باوصف تمام اینہا طبیعی است کہ فقدان ہمچہ یک رجل نامور چہ اندازہ اسباتاثر ملت و حکومت افغانستان گردیدہ و قلوب ہمہ را داغدار ساختہ است۔ خصوصاً وزارت معارف و انجمن ادبی کہ روابط قدی تری با فقید مذکور داشت ازین سانحہ بیش از ہمہ متاثر و بمجرد شنیدن خبر اسف انگیز ندبود بہ اظہار مراتب تالم عمیق خویش و ابراز ہمدردی بہ ملت ہند و بازماندگان آں مغفور پرداخت علاوہ برای آنکہ از شخصیت و خدمات ادبی و اجتماعی داکتر اقبال مرحوم تذکاری بعمل آمدہ باشد بتاریخ پنجشنبہ ہشت ثور مجلس یادبود باشکوھای در سالون مقابل وزارت معارف ترتیب......[۵]

ترجمہ: ”ہندوستان سے ثور کی یکم شب کو ایک رقت انگیز خبر موصول ہوئی وہ ہندوستان کے عظیم فلسفی شاعر ڈاکٹر سر محمد اقبال کی وفات کی خبر تھی جو متعلقہ تاریخ کو دمہ کے مرض سے لاہور میں تریسٹھ سال کی عمر میں وفات پا گئے۔ (اناللّٰہِ وانا الیہ راجعون)

مرحوم ڈاکٹر اقبال نہ صرف ایک ادیب اور اعلیٰ درجے کے فلسفی تھے بلکہ بحیثیت مجموعی اپنے دور کے ایک بے بدل عالم تھے اور خاص کر ہندوستان کے صفِ اول کے رہنماؤں میں شمار ہوتے تھے۔ افغانستان سے ایک خاص تعلق تھا۔ ان کے اشعار میں افغان ملت کے لیے تحسین اور اپنے مخصوص انداز میں افغانوں کے لیے خطاب موجود ہے۔

ان تمام امور کی بنا پر یہ ایک فطری امر ہے کہ ایک ایسی عظیم ہستی کا ہم سے جدا ہونا افغان حکومت اور افغان ملت کے لیے کتنا باعث افسوس ہو گا۔ ان کی مفارقت سے ہمارے دل داغدار ہو گئے۔ خصوصاً افغانستان کی وزارت معارف اور انجمن ادبی کو مرحوم سے قریبی روابط تھے۔ حضرت علامہ کے سانحہ ارتحال سے ناقابل تلافی صدمہ ہوا۔ دل کی گہرائیوں

سے ملت ہند اور مرحوم کے پسماندگان سے دلی تعزیت کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ ہم نے حضرت علامہ کی شخصیت، علمی و ادبی خدمات کے اعتراف کے سلسلے میں ۸ ثور کو وزارت میں ایک پروگرام منعقد کرایا......

مجلّہ کابل نے حضرت علامہ کی تاریخ وفات یکم ثور لکھی ہے جبکہ انیس کابل اور اصلاح کابل اخبارات نے یہ تاریخ دو ثور تحریر کی ہے جبکہ ۲۱/اپریل کو ثور کی یکم تاریخ تھی۔

اس کے بعد کی رپورٹ تقاریب اقبال میں ملاحظہ ہو:

سید قاسم رشتیا کی یہ فارسی تعزیتی تحریر افغانستان و اقبال[۶] اور بعد میں سیر اقبال شناسی در افغانستان[۷] میں بھی شائع ہوئی ہے۔

مئی جون ۱۹۳۸ء

مجلّہ کابل کے خصوصی اقبال نمبر میں مدیر عمومی انجمن ادبی کابل کے علی احمد خان کا مقالہ افغانستان و اقبال شائع ہوا ہے[۸] جس پر مقالات کے مباحث میں بحث ہوگی۔

احمد علی خاں درانی کا یہ مقالہ افغانستان و اقبال[۹] اور سیر اقبال شناسی در افغانستان[۱۰] میں بھی شائع ہوا ہے۔

مجلّہ کابل کے اقبال نمبر میں افغانستان کے ملک الشعرا قاری عبداللہ کا قصیدہ در مرثیہ وطن خواپروفیسور اقبال غفر اللہ شائع ہوا ہے۔[۱۱] جو قاری عبداللہ کی سوانح میں نقل کیا گیا ہے۔

قاری عبداللہ کا یہ کلام افغانستان و اقبال[۱۲] اور سیر اقبال شناسی در افغانستان[۱۳] میں بھی شائع ہوا ہے۔

متذکرہ بالا نمبر میں غلام جیلانی اعظمی کا مقالہ اقبال و افغانستان شائع ہوا ہے۔[۱۴] اس کے مشتمولات پر بھی مباحث مقالات میں بحث ہوگی۔

یہ مقالہ سیر اقبال شناسی در افغانستان[۱۵] میں بھی شائع ہو چکا ہے۔

مجلّہ کابل کے اس شمارے میں سرور خان گویا نے منتخبات اشعار اقبال پیش کیے ہیں۔[۱۶] یہ منتخب اشعار آپ نے کابل میں وزارتِ معارف کی جانب سے ۸ ثور/اپریل

۱۹۳۸ء منعقدہ تقریبِ اقبال میں سنائے تھے۔ یہ اشعار اختصار کے ساتھ افغانستان و اقبال[۱۷] اور بعد میں سیر اقبال شناسی در افغانستان[۱۸] میں بھی شائع ہوئے ہیں۔

مجلّہ کابل کے اس شمارے میں حضرت علامہ سے متعلق پہلا پشتو مرثیہ "د اقبال په وفات" از قیام الدین خادم شائع ہوا ہے۔[۱۹] جو خادم کے سوانح کے ساتھ شاملِ مقالہ ہے۔

حضرت علامہ سے متعلق گل باچا الفت ؒ کا پشتو مرثیہ "د اقبال وير" بھی اس خصوصی نمبر کی زینت ہے۔[۲۰] یہ مرثیہ بھی گل باچا الفت ؒ کے سوانح کے ساتھ شاملِ مقالہ ہے۔

غلام دستگیر خان مہمند کا لکھا ہوا حضرت علامہ کا فارسی مرثیہ "رثائی اقبال" بھی اس نمبر میں شامل ہے۔[۲۱] جو مہمند کے سوانح میں نقل کیا گیا ہے۔

۱۳۱۷ھ ش / فروری مارچ ۱۹۳۹ء

مجلّہ کابل میں "مجلس یار بود علامہ اقبال در معرو علاقہ مندی انجمن ادبی آن" کی رپورٹ شائع ہوئی ہے۔[۲۲]

یہ خبر بعد میں سیر اقبال شناسی در افغانستان میں بھی شائع ہوئی ہے۔[۲۳]

میزان ۱۳۱۸ھ ش ستمبر اکتوبر ۱۹۳۹ء

مجلّہ کابل میں ڈاکٹر سید عابد حسین کے اردو مقالے کا فارسی ترجمہ جناب قیام الدین خادم نے "خودی در نظر اقبال" کے عنوان سے شائع کرایا۔[۲۴]

یہ مقالہ بعد میں سیر اقبال شناسی در افغانستان میں بھی شائع ہو چکا ہے۔[۲۵]

دلو ۱۳۲۳ھ ش

۱۰ جدی ۱۳۲۳ھ ش (۱۹۴۴ء) استنبول سے حضرت علامہ کے سیاسی مرشد سید جمال الدین افغانی کا تابوت کابل لا کر یونیورسٹی کے احاطے میں دفن کیا گیا۔[۲۶]

اسی مناسبت سے مجلّہ کابل سے خصوصی شمارہ شائع کرایا۔ اس شمارے میں علامہ عبدالحیٔ حبیبی ؒ کی تین عدد پشتو رباعیات "خپل اصل ته رجوع" (اپنے اصل کی طرف رجوع) کے عنوان سے شائع ہوئی ہیں۔ اس کے نیچے حضرت علامہ کے درج ذیل سات اشعار "خطاب او قیانوس بہ قطرہ" شائع ہوئے ہیں۔

تماشای شام و سحر دیدئی — چمن دیدہ ئی دشت و در دیدہ ئی

به برگ گیاهی به دوش سحاب	در خشیدی از پرتو آفتاب
گهی همدم تشنه کامان راغ	گهی محرم سینه چاکان باغ
گهی خفته در تاک و طاقت گداز	گهی خفته درخاک و بی سوز و ساز
زموج سبک سیر من زاده ئی	زمن زاده ئی درمن افتاده ئی
بیا سای درخلوت سینه ام	چو جوہر و خشِ اندر آئینه ام

گهر شو در آغوش قلزم بزی
فروزان تر از ماه و انجم بزی[۲۷]

یہ نظم سیر اقبال شناسی در افغانستان میں بھی شائع ہوا ہے۔[۲۸]

۱۸-اسد ۱۳۲۴ھ ش

"الماس اوسکور" کے عنوان سے جناب محمد نسیم نوری نے حضرت علامہ کے کلام کا منظوم پشتو ترجمہ قندھار کے اخبار "طلوع افغان" میں شائع کرایا ہے۔[۲۹]

۱۳۲۹ھ ش

عبدالرؤف بینوآ نے خوشحال خان خٹک کی تعلیمات، سیاسی نظریات، پشتونوں کی سیاسی صورتحال اور دیگر فکری حوالوں سے ایک تحقیقی و تنقیدی کتاب مرتب کی جو "خوشحال خان ختك څه وائی" (خوشحال خٹک کیا کہتے ہیں) کے نام سے پہلی بارے ۱۹۴۳ھ ش میں ہندوستان سے طبع ہوئی جو پاکستان میں بعض سیاسی وجوہات کی بنا پر یہاں سے کابل لے جاتے ہوئے نذرِ آتش کی گئی۔ بعد میں یہ کتاب ۱۳۲۹ھ ش میں کابل سے دوبارہ شائع ہوئی۔

اس کتاب میں خوشحال کے افکار کی پختگی اور ان کے نظریات کے استحکام کے طور پر جابجا اقبال کے کلام کے حوالے دیے گئے ہیں جن سے عبدالرؤف بینوا کی اقبال شناسی اور حضرت علامہ کے افکار سے آشنائی کا پتا چلتا ہے۔ چنانچہ ایک مقام پر حضرت علامہ کے اشعار نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اقبال سرحد کے پشتونوں سے مخاطب ہو کر فرماتے ہیں:

ای زخود پوشیده خود را بازیاب	در مسلمانی حرامست این حجاب
رمز دین مصطفی دانی که چیست؟	فاش دیدن خویش راشاہنشہی است
چیست دین؟ دریافتن اسرار خویش	زندگی مرگ است بی دیدار خویش

بندۂ حق وارث پیغمبران　　او نگنجد در جہاں دیگران
تاجہانی دیگری پیدا کند　　این جہاں کہنہ را برہم زند

اندکی گم شو بہ قرآن و خبر　　باز ای ناداں بخویش اندر نگر
درجہان آوارہ ئی بیچارہ ئی　　وحدتی گم کردہ ئی صد پارہ ئی
بند غیراللہ اندر پای تست　　داغم از داغی کہ درسیمای تست
میر خیل از مکر پنہانی بترس　　از ضیاع روح افغانی بترس
ز آتش مردان حق می سوز مت　　نکتہ ئی از پیر روم آموز مت
رزق ز حق جو مجو از زیدوعمر　　مستی از حق جو، مجو از بنگ و خمر
شکوہ کم کن از سپہر لاجورد　　جز بہ گرد آفتاب خود مگرد
عالم موجود را اندازہ کن　　در جہاں خود را بلند آوازہ کن
برگ و ساز کائنات ز وحدتست　　اندریں عالم حیات ازوحدت است
درگذر از رنگ و بوھای کہن　　پاک شو از آرزو ھائے کہن

پور آزر کعبہ را تعمیر کرد　　از نگاہی خاک را اکسیر کرد
تو خودی اندر بدن تعمیر کن　　مشت خاک خویش را اکسیر کن[۳۰]

اقبال خیبر کی بے مرکزیت پر یوں افسوس کرتا ہے:

خیبر از مردانِ حق بیگانہ نیست　　در دل او صد ہزار افسانہ ایست
جادہ کم دیدم از و پیچیدہ تر　　یاوہ گردد در خم و پیچش نظر

سرزمینی کبک او شاہین مزاج　　آہوی او گیرد از شیران خراج
لیکن از بی مرکزی آشفتہ روز　　بی نظام و ناتمام و نیم سوز
فرباز ان نیست در پرواز شان　　از تذروان پست تر پرواز شان
آہ قومی بی تب و تاب حیات　　روز گارش بی نصیب از واردات

آن یکی اندر سجود این درقیام   کاروبارش چون صلوٰت بی امام
ریز ریز از سنگ او مینائی او   آه از امروز بی فردای او[۳۱]

دوسرادور: ۱۹۵۱ء/۱۳۳۰ھ ش / ۱۳۱۷۲ھ ق تا ۱۹۷۷ء/۱۳۵۶ھ ش

اس دور میں افغانستان میں اقبال شناسی کو زبردست ترقی حاصل ہوئی۔ اقبال پر پہلی باقاعدہ پشتو کتاب "پښتانه د علامه اقبال په نظر کښي" (پشتون علامہ اقبال کی نظر میں)عبداللہ بختانی نے کابل سے شائع کرائی۔ افغانستان کے آریانا دائرۃ المعارف (پشتو۔ فارسی) میں حضرت علامہ کے فن و شخصیت پر ایک نہایت علمی وادبی مقالہ شائع ہوا۔

وقتاً فوقتاً افغانستان کے مختلف مجلات، اخبارات اور دیگر مطبوعات میں حضرت علامہ کے اشعار شائع ہوتے رہے۔

کابل کے پاکستانی سفارتخانے میں تقاریب اقبال منعقد ہوئیں جن میں مختلف افغان سکالروں نے حضرت علامہ کے مختلف فکری گوشوں کو اُجاگر کرنے کی کوشش کی۔ مختلف افغان شعرا نے فکری وفنی لحاظ سے حضرت علامہ کے اثرات قبول کیے۔

کابل میں خوشحال خان خٹک کے ۲۸۶ ویں اور ۲۹۰ ء یومِ وفات کی مناسبت سے دو بین الاقوامی کانفرنسیں منعقد کی گئیں۔ جن میں مختلف سکالروں نے خوشحال اور اقبال کے مختلف مشترکہ نکات پر مقالات پیش کیے۔

کابل یونیورسٹی کے شعبۂ ادبیات کے غلام حسن مجددی کے مختلف مقالات حضرت علامہ سے متعلق شائع ہوئے۔

سردار داؤد خان نے منصب اقتدار سنبھالتے ہی حضرت علامہ کے اشعار کا حوالہ اپنے ابتدائی خطاب میں دے کر اقبال شناسی کا ثبوت دیا۔

افغانستان کے مشہور خطاط عزیز الدین وکیلی فوفلزئی نے حضرت علامہ کی کئی رباعیات وابیات کو فنِ خطاطی کی زینت بنایا۔

حضرت علامہ کے صد سالہ جشنِ ولادت کے سلسلے میں افغانستان میں کئی تقاریب کا انعقاد کیا گیا۔ عبد الہادی داویؔ کی آثار اردوی اقبال دو جلدوں میں فارسی میں شائع ہوئی۔

صدیق رہپو کی تالیف افغانستان و اقبال منظرِ عام پر آئی۔ سنائی غزنوی کی نو سو سالہ جشنِ ولادت کی تقریبات کے سلسلے میں "از سنائی تا مولانا و اقبال" شائع ہوئی۔

افغان شاعر ڈاکٹر محمد رحیم الہام نے حضرت علامہ کی مثنوی مسافر کا جواب تحریر کیا۔ جواب مسافر مختلف کتب میں اقبالیات کے منظوم پشتو تراجم کا تعارف کرایا گیا۔

اس دور کا تفصیلی تحقیقی جائزہ یوں ہے:

۱۳۳۱ھ ش

کابل کے شعبہ مطبوعات میں اقبال کی سالگرہ کی تقریب ہوئی۔ اس تقریب میں دیگر امور کے ساتھ ساتھ محمد ابراہم خلیل نے فارسی میں حضرت علامہ کو فارسی منظوم خراج تحسین "بیادِ علامہ محمد اقبال" پیش کیا جو ابراہم خلیل کے سوانحی تذکرے میں نقل کیا گیا ہے۔[۳۲]

۱۳۳۱ھ ش پشتون اقبال شناس عبداللہ بختانی کا پشتو مقالہ "په ځان ویسا د علامه اقبال په نظر کښې" جریدہ زیری کابل شمارہ ۲۹۔ ۳۰ میں شائع ہوا۔[۳۳]

۱۳۳۳ھ ش/۱۹۵۴ء

آریانا دائرۃ المعارف افغانستان کی جلد سوم میں "اقبال" کے عنوان سے علامہ کے فن و شخصیت پر ایک پرمغز علمی مقالہ شائع ہوا۔[۳۴]

یہ مقالہ بعد میں سیر اقبال شناسی در افغانستان میں شائع ہوا ہے۔[۳۵]

۳۱ جوزا / ۱۳۳۴ھ ش

افغانستان کے پشتون اقبال شناس عبداللہ بختانی خدمتگار نے کابل میں اقبال سے متعلق اپنی تالیف "پښتانه د علامه اقبال په نظر کښې" (پشتون علامہ اقبال کی نظر میں) کا دیباچہ تحریر کیا۔[۳۶]

اسد ۱۳۳۵ھ ش اگست ۱۹۵۶ء

انجمن آریانا دائرۃ المعارف افغانستان کی جانب سے آریانا دائرۃ المعارف فارسی کی جلد سوم (اسپ او کراین) شائع ہوئی جس میں حضرت علامہ کے فن و شخصیت سے متعلق ایک طویل مقالہ شائع ہوا۔[۳۷]

۱۳۳۵ھ ش

افغانستان میں اقبال پر پہلی باقاعدہ کتاب ”پښتانه د علامه اقبال په نظر کښې“ (پشتون علامہ اقبال کے نظر میں) از عبداللہ بختانی پشتو ٹولنہ کابل کی جانب سے ۶۸ صفحات میں شائع ہوئی۔[۳۸]

جوزا ۱۳۳۷ھ ش

انجمن آریانا دائرۃ المعارف افغانستان کی جانب سے آریانا دائرۃ المعارف پشتو کی جلد سوم شائع ہوئی۔ حضرت علامہ سے متعلق آریانا دائرۃ المعارف فارسی میں حضرت علامہ سے متعلق مقالہ کا پشتو ترجمہ شائع ہوا۔[۳۹]

اول حمل ۱۳۳۸ھ ش ۱۲ رمضان المبارک ۱۳۷۸ھ ق ۲۲ / مارچ ۱۹۵۹ء

کابل سے شائع ہونے والے ماہانہ پیامِ حق کے صفحات پر حضرت علامہ کے درج ذیل ابیات شائع ہوئے:

این نکتہ کشائندۂ اسرار نہان است ملک است تن خاکی و دین روح روان است
تن زندہ و جان زندہ زربط تن و جان است باخرقہ و سجادہ و شمشیر و سنان خیز

از خواب گراں خواب گراں خواب گراں خیز
از خواب گراں خیز[۴۰]

برونِ آ رز مسلمانان گریز اندر مسلمانی مسلمانان روا دارند کافر ماجرائی ھا[۴۱]
کہنہ رادر شکن و باز بہ تعمیر خرام ہر کہ در ورطہ ی ’لا‘ ماند بہ ’الا‘ نرسید
از کلیمی سبق آموز کہ دانائی فرنگ جگر بحر شگافید و بہ سینا نرسید[۴۲]

۱۳۳۷ھ ش

پشتو ٹولنہ کابل کے زیر اہتمام راز محمد ویښ کی تالیف ”پښتو کتابونه“ شائع ہوئی۔ اس کتاب میں پشتو زبان میں مطبوعہ و غیر مطبوعہ کتب کا تعارف پیش کیا گیا ہے جس میں سیریل نمبر ۸۸ کے تحت عبداللہ بختانی کی کتاب ”پښتانه د علامه اقبال په نظر کښې“ متعارف کی گئی ہے۔[۴۳]

اول ثور ۱۳۳۸ء ۱۴ شوال ھ ق ۲۲ اپریل ۱۹۵۹ء

کابل کے مجلّہ پیامِ حق کے بیک ٹائٹل سے پہلے حضرت علامہ کے ذیل رباعیات طبع ہوئی ہیں۔

زآب و گل خدا خوش پیکری ساخت جہانی از ارم زیبا تری ساخت
ولی ساقی بہ آن آتش کہ دارد زخاک من جہان دیگری ساخت

نہاں در سینۂ ما عالمی ھست بخاک ما دلے در دل غمے ھست
از آن صہبا کہ جان ما برافروخت ہنوز اندر سبوے ما نمے ھست[۴۴]

اول جوزا ۱۳۳۸ھ ش ۱۵ ذیقعدہ / ۱۳۷۸ھ ق ۲۳ مئی ۱۹۵۹ء

کابل کے مجلّہ پیامِ حق کے مختلف صفحات پر حضرت علامہ کے ذیل رباعیات شائع ہوئی ہیں:

تو می گوی کہ من ہستم خدا نیست جہان آب و گل را انتہا نیست
ہنوز این راز بر من ناکشود است کہ چشم آنچہ بیند ہست یا نیست[۴۵]
برون از ورطۂ بود و عدم شو فزون تر زین جہان کیف و کم شو
خودی تعمیر کن در پیکر خویش چو ابراہیم معمار حرم شو[۴۶]

۱۳۳۹-۳۸ھ ش

"د افغانستان کالنی" میں حبیب اللہ اولس یار کا ایک مقالہ معاصر افغانی ادب کے عنوان سے شائع ہو چکا ہے۔ اس میں عبدالرؤف بینوآ کے تحت ان کے اقبال کی مثنوی مسافر کے منظوم پشتو ترجمے کا ذکر کیا گیا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ خود ان کی اپنی شاعری پر اقبال کے گہرے اثرات کا ذکر کیا گیا ہے:

بینوا د ہند د سترو لیکوالو پہ تیرہ بیا د ټاګور او اقبال د آثار و څخہ پورہ متاثر دی ټاګور د ګیتانجلی او د اقبال د مسافر دہ ادبی ترجمې دی۔

ترجمہ: بینوآ ہندوستان کے لکھنے والوں خاص کر ٹیگور اور اقبال کے آثار سے خاصے متاثر ہیں۔ ٹیگور کی گیتانجلی اور اقبال کی مسافر کے ادبی تراجم کیے ہیں۔[۴۷]

اس سالنامہ کے مضمون میں قیام الدین خادمؔ کے فن و شخصیت کے حوالے سے بھی اقبال کے تراجم اور خود خادم کے حضرت علامہ سے متاثر ہونے کا تذکرہ ملتا ہے۔

خادم هم د ټاګور او اقبال د آثار و ډیر سخت متاثر دی او ښائسته زیاتی ترجمې هم ددوی د آثار و څخه کړی دی۔

ترجمہ: خادم بھی ٹیگور اور اقبال کے آثار سے بہت ہی زیادہ متاثر ہے ان کے آثار کے کئی تراجم کیے ہیں۔[۴۸]

۱۳۴۰ھ ش

نامور افغان اقبال شناس عبدالرؤف بینوا کی افغان معاصر اہل قلم ادبا و شعرا کے سوانحی تذکروں پر مشتمل تذکرہ "اوسنی لیکوال" کی پہلی جلد شائع ہوئی ہے اس تذکرہ میں ذیل حوالوں سے تذکرہ اقبال موجود ہے۔

☆ عبداللہ جان اسیر کی مطبوعہ و غیر مطبوعہ آثار کے تعارف میں بال جبریل کے منظوم پشتو مطبوعہ ترجمے کا ذکر کیا گیا ہے۔[۴۹]

☆ عبداللہ بختانی کی مطبوعہ آثار کے تعارف میں ان کی تالیف "پښتانه د علامه اقبال په نظر کښې" کا ذکر ہوا ہے۔[۵۰]

☆ قیام الدین خادم کے سوانحی تذکرے میں ان کے افکار پر اقبال کے فلسفیانہ افکار کے اثرات کا تذکرہ ہے۔[۵۱]

☆ راحت اللہ راحت زاخیلی کے سوانحی تذکرے میں زاخیلی کے علامہ کے شکوہ اور جواب شکوہ کے اولین منظوم پشتو ترجمے کا ذکر کیا گیا ہے[۵۲] اور ساتھ ہی زاخیلی کے "افغان اقبال" کی شہرت کا بھی ذکر کیا ہے۔[۵۳]

۱۳۴۳ھ ش

افغانستان کے نامور اقبال شناس شاعر خلیل اللہ خلیلیؔ نے لاہور میں مزارِ اقبال پر حضرت علامہ کو فارسی میں منظوم خراجِ تحسین "آموز گار بزرگ بر مزار اقبال" کے عنوان سے پیش کیا ہے۔ اس نظم کو جناب خلیلی کے سوانح کے ساتھ شامل کیا گیا ہے۔[۵۴]

جون، جولائی ۱۹۶۵ء

کابل میں پاکستانی سفارتخانے میں منعقدہ یومِ اقبال کی تقریب میں کابل یونیورسٹی کے شعبہ ادبیات کے سربراہ پروفیسر غلام حسن مجددی کا فارسی مقالہ "یادبود علامہ اقبال" کابل کے مجلّہ دوماہی ادب میں شائع ہوا۔[۵۵]

جدی ۱۳۴۴ھ ش جنوری، فروری ۱۹۶۶ء

مجلّہ قندھار میں سڑبن کا ترجمہ شدہ مضمون "قندھار او علامہ اقبال" پشتو زبان میں شائع ہوا۔[۵۶]

۱۳۴۴ھ ش

کابل کے مطبع معارف کی جانب سے عبدالرحمٰن پژواک کا فارسی شعری مجموعہ گلہای اندیشہ شائع ہوا۔ اس کتاب کا دیباچہ ڈاکٹر روان فرہادی نے لکھا۔ اس دیباچے میں پژواک کی غزلیات سے فارسی مشاہیر اساتذہ رودکی، سعدی، دیوان شمس، حافظ اور صائب جبکہ قصیدوں اور مثنویوں سے فرخی، مولانا بلخی اور اقبال لاہوری کی یاد کو منسوب کیا گیا ہے۔ "غزل پژواک یادی از رودکی، سعدی، دیوان شمس، حافظ و صائب مبدھد قصیدہ و مثنوی اومانند فرشی، مولانا بلخی و اقبال لاہوریست"[۵۷]

جوزا ۱۳۴۴ھ ش

مستقل ریاست قبائل افغانستان کی جانب سے خوشحال خاں خٹک کی فن و شخصیت پر گل پاچا الفت کی کتاب "ملی قھرمان" شائع ہوئی۔ اس کتاب میں خوشحال خاں خٹک کی شخصیت سے متعلق حضرت علامہ کے ذیل منظومات کا حوالہ دیا گیا ہے:

خوش سرود آں شاعر افغان شناس
آں حکیم راز قومی حمت[۵۸]

سوموار ۲۴ / اسد ۱۳۴۵ھ ش ۱۵/ اگست ۱۹۶۶ء تا ہفتہ ۳۰ / اسد ۱۳۴۵ھ ش بمطابق ۲۱/ اگست ۱۹۶۶ء

کابل میں پشتو ٹولنہ کے زیرِ اہتمام خوشحال خان خٹک کے ۲۸۶ویں یومِ وفات کی مناسبت سے ایک بین الاقوامی سیمینار میں مختلف سکالروں نے خوشحال اور اقبال کی فکری ہم آہنگی اور ان کے مشترک نکات پر گفتگو کی۔[59]

منگل ۲۵ اسد ۱۳۴۵ھ ش بمطابق ۱۶/ اگست ۱۹۶۶ء

سید رسول رساؔ نے خوشحال خان خٹک سے متعلق اس سیمینار میں مقالہ پیش کیا "د خوشحال خان اسلامی کردار" (خوشحال خان کا اسلامی کردار)۔

خوشحال خان کے کلام کی روشنی میں اعلیٰ انسانی کردار کے حوالے سے اشعار اکٹھے کیے گئے ہیں۔ اس دوران جا بجا اقبال کے اشعار کے حوالے دیے گئے ہیں۔ اور بتایا گیا ہے کہ خوشحال کے اعلیٰ انسان کا کردار ہی اقبال کے مردِ مومن کا کردار ہے:

ہاتھ ہے اللہ کا، بندۂ مومن کا ہاتھ — غالب و کار آفرین، کار کشا، کارساز

خاکی و نوری نہاد، بندۂ مولا صفات — ہر دو جہاں سے غنی، اس کا دلِ بے نیاز

اس کی امیدیں قلیل، اس کے مقاصد جلیل — اس کی ادا دلفریب اس کی نگہ دلنواز

نرم دمِ گفتگو، گرم دمِ جستجو — رزم ہو یا بزم ہو، پاک دل و پاکباز[60]

بدھ ۲۶ / اسد ۱۳۴۵ھ ش ۱۷/ اگست ۱۹۶۶ء

خوشحال خان کے سیمینار میں امیر حمزہ شینواری نے "د خوشحال خان د فلسفی او تصوفی اشعارو خوا" (خوشحال خان کا فلسفیانہ و صوفیانہ گوشہ) مقالہ پیش کیا۔ اس مقالے کے آغاز میں خوشحال خان خٹک کی شخصیت اور آفاقی حیثیت متعین کرتے ہوئے حضرت علامہ کا ذیل شعر پیش کیا ہے:

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

مقالے میں حضرت علامہ کے ان مطالعات کا ذکر کیا گیا ہے جو انھوں نے خوشحال خان خٹک سے متعلق کیے تھے اور خان بابا کے افکار سے خودی کے فلسفے کا مرکزی خیال اخذ کیا۔ حضرت علامہ نے اپنے آثار میں خان بابا کے افکار محراب گل افغان کے نام سے بیان کیے اور ملی وحدت کا تصور پیش کیا۔

اس مقالے میں امیر حمزہ شینواری نے جابجا خوشحال اور اقبال کے افکار کی مماثلت کے حوالے دیے ہیں۔ مثلاً خوشحال فرماتے ہیں:

راشه عشقه راشده چې وربوز مې راته مات کړې
بیا نارسا عقل په تدبیر راغلې دی

ترجمہ: آجا عشق آجا اس کا منہ توڑ آج پھر ناقص عقل تدبیر لے کر آئی ہے۔

یہی مضمون علامہ کے اشعار میں بھی نمایاں ہے۔ انھوں نے عشق کو عقل پر فوقیت دی ہے۔ اس مقالے کے دوران وجود کے حوالے سے حضرت علامہ کے خطبات کے اقتباس بھی پیش کیے گئے ہیں۔[۶۱]

جمعہ ۲۸ / اسد ۱۳۴۵ھ ش بمطابق ۱۹/ اگست ۱۹۶۶ء:

خوشحال کے سیمینار میں انوارالحق گران نے "خوشحال خان خٹک د افغانی ملیت علمبردار" کے عنوان سے پیش کیا۔ اس مقالے میں خوشحال خان خٹک کی توصیف و تعریف اور ان کے افکار کی تشہیر میں حضرت علامہ کی نظم کے درج ذیل ابیات کا حوالہ دیا گیا ہے:

قبائل ہوں ملت کی وحدت میں گم — کہ ہو نام افغانیوں کا بلند
محبت مجھے ان جوانوں سے ہے — ستاروں پہ جو ڈالتے ہیں کمند!
مغل سے کسی طرح کمتر نہیں — قہستان کا یہ بچۂ ارجمند
کہوں تجھ سے اے ہم نشیں دل کی بات — وہ مدفن ہے خوشحال خاں کو پسند
اڑا کر نہ لائے جہاں باد کوہ — مغل شہسواروں کی گرد سمند[۶۲]

اسی سیشن میں عبداللہ بختانی نے "خوشحال اور اقبال کے چند مشترک نکات" کے عنوان سے مقالہ پیش کیا۔ اس مقالے کے مشمولات پر حصہ مقالات اقبال میں بحث کی جائے گی۔[۶۳]

اسی روز پریشان خٹک نے "ننگیالی خوشحال خان خٹک" (غیرت مند خوشحال خان خٹک) کے عنوان سے مقالہ پیش کیا جس میں حضرت علامہ کے درج ذیل اشعار خوشحال کے حضور پیش کیے گئے:

خوش سرود آن شاعر افغان شناس — آنکه بیند باز گوید بے ہراس

آن حکیم ملت افغانیان آن طبیب علت افغانیان
راز قومی دید و بیباکانہ گفت حرف حق با شوخی رندانہ گفت

آگے فرمایا:

اس مقالہ کے ایک ضمنی عنوان ''توحید کیا ہے'' میں بھی حضرت علامہ کا حوالہ دیا گیا۔

......یہ اوصاف در حقیقت الٰہی اوصاف میں ' مردِ مومن کی مکمل شکل رسول اللہ ﷺ کی اپنی شخصیت ہے۔ اقبال کے مردِ مومن کا تصور بھی یہی ہے۔ وہ مردِ مومن میں یہی صفات دیکھنا اور پیدا کرنا چاہتا ہے۔ اسی وجہ سے اقبال کا مردِ مومن، مردِ آزاد، مردِ قلندر اور بندہ مولا صفات ہے۔ وہ نطشے کے محض ایک خیالی انسان کی طرح نہیں بلکہ ایک عملی انسان ہے۔ اسلام نے ایسے افرد پیدا کیے ہیں اور ہمیشہ پیدا کرتا رہتا ہے۔ اقبال مردِ مومن کی شان یوں بیان کرتے ہیں:

ہاتھ ہے اللہ کا، بندۂ مومن کا ہاتھ غالب و کار آفریں، کار کشا، کارساز
خاکی و نوری نہاد، بندۂ مولا صفات ہر دو جہاں سے غنی، اس کا دلِ بے نیاز
اس کی امیدیں قلیل، اس کے مقاصد جلیل اس کی ادا دلفریب اس کی نگہ دلنواز
نرم دمِ گفتگو، گرم دمِ جستجو رزم یا بزم ہو، پاک دل و پاکباز[۶۴]

ہفتہ ۳۰ / اسد ۱۳۴۵ھ ش بمطابق ۲۰/ اگست ۱۹۶۶ء:

کابل میں خوشحال خان خٹک سے متعلق منعقدہ، بین الاقوامی سیمینار سے فضل احمد غازی نے خطاب کیا۔ اس خطاب میں پشتونوں کے وسیع و عریض خطے کے حوالے سے حضرت علامہ کا ذیل شعر پیش کیا۔

سرزمین کبک او شاہیں مزاج
آہوے او گیرد از شیراں خراج

خطاب میں جابجا حضرت علامہ کا تذکرہ کیا۔ فرمایا کہ اقبال کو خوشحال کی جوانمردی پسند تھی اور پشتونوں سے بے پناہ عشق رکھتے تھے۔ یہی اقبال ہے جس نے خوشحال کے باز (شاہین) کا تصور مستعار لیا۔ فلسفۂ شاہین اور خودی جذبات کے ترجمان قرار دیے۔ مشرق

کے اس نابغہ پر آج اگر مسلم امہ کو فخر ہے تو دوسری طرف مشرق کا یہ ترجمان خوشحال بابا پر ناز کرتا ہے......

خطاب میں جابجا حضرت علامہ کے اشعار بھی پیش کیے گئے:

اگر یک قطرۂ خوں داری اگر مشت وپرے داری
بیا من با تو آموزم طریق شاہبازی را

خوش سرود آں شاعر افغان شناس آنکہ بیند باز گوید بے ہراس
آن حکیم ملت افغانیان آن طبیب علت افغانیان
راز قومی دید و بے باکانہ گفت حرف حق با شوخی رندانہ گفت

خطاب کا اختتام بھی حضرت علامہ کے درج ذیل اشعار پر کیا:

جہاں میں اہلِ ایماں صورت خورشید جیتے ہیں
ادھر ڈوبے، اُدھر نکلے، ادھر ڈوبے، ادھر نکلے![۶۵]

۱۳۴۵ھ ش / ۱۹۶۶ء

کابل میں خوشحال خان خٹک کے ۲۸۶ویں یومِ وفات کی مناسبت سے منعقدہ بین الاقوامی سیمینار (اسد / اگست) میں پڑھے گئے مقالات محمد اکبر معتمد کے زیرِ اہتمام پشتو ٹولنہ کابل نے ننگیالی پشتون کے عنوان سے شائع کیے۔ اس کتاب کے صفحات کی تعداد ۳۳۱ ہے جبکہ جابجا سیمینار کی بعض اہم تصاویر بھی شامل کی گئی ہیں۔ مختلف مقالات میں حضرت علامہ کے فن و شخصیت سے متعلق نکات شائع ہوئے ہیں جن کی تفصیل ترتیب سے شاملِ تحقیق کی گئی۔[۶۶]

قوس جدی ۱۳۴۵ھ ش نومبر دسمبر ۱۹۴۴ء

انجمن تاریخ افغانستان کے زیر اہتمام شائع ہونے والے آریانا مجلّہ میں پوھاند علامہ عبدالحی حبیبی کی تالیف رہنمایے تاریخ افغانستان کی ایک قسط شائع ہوئی ہے۔ اس میں افغانستان اور افغانوں سے متعلق شعر فارسی، اردو، عربی اور ترکی زبانوں میں لکھی گئی کتب اور ان میں شامل افغانستان اور افغانوں سے متعلق مباحث کی نشاندہی کی گئی ہے۔

ان کتب کی فہرست میں حضرت علامہ سے متعلق اقبال نامہ (اردو) کا تعارف بھی کیا گیاہے۔ مجموعہ مکتوبات اقبال لاہوری شاعر معروف در دو جلد بزبان اردو طبع لاہور۔

دریں مجموعہ آرا علامہ اقبال راجع با افغانستان دولت افغان و رجال آن موجود است دربارہ اعلیٰ حضرت محمد نادر شاہ افغان در چند مکتوب ذکری دارد و در مکتوب ۸۷ ج ۲ ص ۲۳۱ رای او دربارہ سید جمال الدین افغان موجود است کہ بہ عقیدہ وی مستحق لقب مجدد درین عصر است۔[۶۷]

اپریل ۱۹۶۷ء

کابل میں پاکستانی سفارتخانے میں منعقدہ یومِ اقبال کی تعزیت میں کابل یونیورسٹی کے شعبہ ادبیات کے سربراہ پروفیسر غلام حسن مجددی کا فارسی مقالہ اقبال ریویو لاہور میں شائع ہوا۔ اس تقریب کی صدارت مشہور افغان اقبال شناس استاد خلیل اللہ خلیلی نے کی تھی۔[۶۸]

پروفیسر غلام حسن مجددی کا مقالہ "فلسفۂ اقبال" کابل کے دوماہی ادب میں شائع ہوا۔[۶۹]

۱۹۶۷ء اقبال کونسل کراچی کے زیرِ اہتمام یومِ اقبال کی مناسبت سے منعقدہ تاریخی سیمینار میں معروف افغان اقبال شناس سرور خان گویا نے اپنا مقالہ "اقبال و افغانستان" پیش کیا۔[۷۰]

ثور ۱۳۴۵ھ ش

افغان اقبال شناس شاعر استاد خلیل اللہ خلیلی کو لاہور میں حضرت علامہ سے متعلق کانفرنس میں شرکت کی دعوت ملی مگر وہ دیدارِ حرمین شریفین کے لیے رختِ سفر باندھ چکے تھے۔ لہٰذا اپنی مشہور نظم "کعبہ و اقبال" لاہور میں منتظمین کانفرنس کو ارسال کی جو سوانح خلیلی کے ساتھ شامل مقالہ ہے۔[۷۱]

۱۲ ثور ۱۳۴۷ھ ش کابل کے انیس اور هیواد اخبارات میں پاکستانی سفارت خانہ کابل میں منعقدہ علامہ کے ۳۱ ویں یومِ وفات کی مناسبت سے پشتو ٹولنہ کے مدیرِ اعلیٰ عبداللہ بختانی کی تقریر کا متن شائع ہوا۔[۷۲]

اسد ۱۳۴۷ھ ش:

عبدالرحمٰن پژواکؔ کے فارسی شعری اثر ”گلہائے اندیشہ“ پر معروف افغان اقبال شناس سید خلیل اللہ ہاشمیان نے نقد لکھا۔ جو مجلّہ ”عرفان“ میں شائع ہوا۔ اس دیباچے میں پژواکؔ کی مثنوی اور قصیدے اور پژواکؔ کے فکر و فن پر حضرت علامہ کے اثرات کا ذکر کیا گیا ہے۔[۴۳]

۱۳۴۷ھ ش:

جناب سیلاب صافی نے خیبر سے متعلق مختلف پشتون شعرا کی منظومات کو یک جا کر کے دولتی مطبع کابل سے شائع کرایا۔ اس کتاب کے آغاز میں خیبر سے متعلق حضرت علامہ کے درج ذیل اشعار شامل کیے گئے:

خیبر از مردان حق بیگانہ نیست — در دل او صد ہزار افسانہ ایست
جادہ کم دیدم ازو پیچیدہ تر — یاوہ گردد در خم و پیچش نظر
سبزہ در دامان کہسارش مجوے — از ضمیرش بر نیاید رنگ و بوے
سرزمین کبک رو شاہین مزاج — آہوے او گیرد از شیران خراج
در فضائش جرہ بازان تیز چنگ — لرزہ برتن از نہیب شان پلنگ[۴۴]

منگل ۲۷ / اسد ۱۳۴۹ھ ش بمطابق ۱۸/ اگست ۱۹۷۱ء تا ۳۰ / اسد ۱۳۴۹ھ ش بمطابق ۲۱/ اگست ۱۹۷۱ء:

خوشحال خان خٹک کے ۲۹۰ ویں یومِ وفات کی مناسبت سے ایک بین الاقوامی سیمینار کا انعقاد کیا گیا۔ خوشحال سے متعلق مقالات میں جا بجا حضرت علامہ کا تذکرہ کیا گیا۔[۴۵]

جمعرات ۲۹ / اسد ۱۳۴۹ھ ش بمطابق ۲۰/ اگست ۱۹۷۱ء:

سلطان محمد صابرؔ نے کابل میں خوشحال خان خٹک سے متعلق منعقدہ سیمینار میں ”خوشحال خان خٹک اور انسانی کرامت“ کے عنوان سے مقالہ پیش کیا۔ اس مقالے میں مختلف حوالوں سے حضرت علامہ اقبال کا درج ذیل شعر پیش کیا گیا:

تقدیر کے قاضی کا یہ فتویٰ ہے ازل سے
ہے جرم ضعیفی کی سزا مرگِ مفاجات!

جفاکشی اور جہدِ مسلسل کے سلسلے میں اقبال نطشے سے سخت متاثر ہے چنانچہ اقبال شاہین کی زبانی کہتے ہیں:

ہے شباب اپنے لہو کی آگ میں جینے کا نام
سخت کوشی سے ہے تلخ زندگانی انگبین

اقبال پیر رومی اور مرید ھندی کے مکالمے میں پیر رومی سے پوچھتے ہیں:

کاروبار خسروی یا راہبی؟
کیا ہے آخر غایت دین نبیؐ؟

پیر رومیؒ جواب دیتے ہیں:

مصلحت در دین ما جنگ و شکوہ
مصلحت در دین عیسیٰؑ غار و کوہ

مغل سیم وزر کے بدلے پشتونوں کو زیر کرنا چاہتے تھے۔ اسی مطلب کی مناسبت سے خوشحال کے ابیات کا حوالہ دیا۔ اس کے بعد اپنے مادی مفادات کے نقائص کو اقبال کے درج ذیل ابیات کی روشنی میں بیان فرمایا:

دل کی آزادی شہنشاہی، شکم سامان موت
فیصلہ تیرا ترے ہاتھوں میں ہے دل یا شکم!

اے طائرِ لاہوتی اس رزق سے موت اچھی
جس رزق سے آتی ہو پرواز میں کوتاہی

اپنے مادی نقائص سے نجات اور ان پر غلبہ پانے کے لیے خودی کا ہونا از حد ضروری ہے۔

خودی کو نہ دے سیم و زر کے عوض
نہیں شعلہ دیتے شرر کے عوض[۷۶]

اسی روز امیر حمزہ شینواری نے بھی اپنا مقالہ '' د خوشحال په شاعری کښې باز او باتور ''(خوشحال کی شاعری میں باز اور بہادر کا تذکرہ) پیش کیا۔ اس مقالے میں اقبال اور خوشحال کے بعض مشترک نکات پر سیر حاصل گفتگو کی گئی ہے۔[۷۷]

بدھ ۲۸ / اسد ۱۳۴۹ھ ش ۱۹/ اگست ۱۹۷۱ء:

خوشحال خان کے سیمینار میں فضل احمد غازی کا مقالہ " خوشحال خان ختك د خپلو افکار په هنداره کی " (خوشحال خان خٹک اپنے افکار کے آئینے میں) پیش ہوا۔ اس میں علامہ کا درج ذیل شعر پڑھا گیا:

نگاہِ عشق دل زندہ کی تلاش میں ہے
شکار مردہ سزاوار شہباز نہیں

خوشحال خان سے متعلق حضرت علامہ کے فارسی تعریفی ابیات کے علاوہ حضرت علامہ اور خوشحال کے مشترک نکات پر بحث کی گئی۔[۷۸]

میزان ۱۳۵۰ھ ش

مجلّہ لمر نے حکمت زندگی کے عنوان سے خط شکستہ کی خوبصورت خطاطی میں حضرت علامہ کے درج ذیل ابیات شائع کیے ہیں:

شنیدم شبے در کتب خانۂ من — به پروانہ می گفت کرم کتابی
به اوراق سینا نشیمن گرفتم — بسے دیدم از نسخہ فاریابی
نفہمیدہ ام حکمتِ زندگی را — ہماں تیرہ روزم ز بے آفتابی
نکو گفت پروانۂ نیم سوزے — کہ ایں نکتہ را در کتابے نیابی
تپش میکند زندہ تر زندگی را — تپش می دہد بال و پر زندگی را[۷۹]

حمل ۱۳۵۱ھ ش صفر ۱۳۹۲ھ اپریل ۱۹۷۲ء:

کابل کے مجلّہ اوقاف میں میلاد مبارک ﷺ کی مناسبت سے محمد انور جانباز کا مقالہ "طلوع حقیقت یاد میلاد یا ارز شتیرین عنصر ہستی" شائع ہوا۔ اس مقالے کے آغاز میں حضرت علامہ کی درج ذیل رباعی دی گئی ہے:

نعرہ زد عشق کہ خونیں جگرے پیدا شد — حسن لرزید کہ صاحب نظری پیدا شد
خبری رفت ز گردوں بہ شبستان ازل — حذراے پردگیاں پردہ درے پیدا شد[۸۰]

اس مقالے کا اختتام بھی حضرت علامہ کے اس شعر پر ہوا ہے:

ہر کہ عشق مصطفی سامان اوست
بحر و بر در گوشۂ دامان اوست[۸۱]

یکم سنبلہ ۱۳۵۲ھ ش:

افغانستان کے سابق صدر سردار محمد داؤد خان نے منصب اقتدار سنبھالتے ہی ریڈیو اور ٹی وی پر قوم سے خطاب کیا۔ اس خطاب کا اختتام حضرت علامہ کے ارمغانِ حجاز کے اس شعر پر کیا گیا:

مذہب زندہ دلاں خواب پریشانے نیست
از ہمین خاک جہان دیگرے ساختن است[۸۲]

افغانستان کے معروف خطاط عزیز الدین وکیلی فوفلزئی خطاط ہفت قلمی نے حضرت علامہ کی ارمغان حجاز کی درج ذیل رباعی کی خطاطی کی:

مرا از منطق آید بوے خامی
دلیل او دلیلِ ناتمامی
برویم بستہ در ہا را کشاید
دو بیت از پیر رومی یاز جامی[۸۳]

سنبلہ ۱۳۵۳ھ ش افغان اقبال شناس عبد اللہ بختانیؔ خدمتگار نے کابل میں علامہ کی مدح و تضمین پر ایک طویل فارسی نظم ''بہ استقبال اقبال'' تحریر کی۔[۸۴]

میزان ۱۳۵۴ھ ش:

عزیز الدین وکیلی فوفلزائی خطاط ہفت قلمی افغانستان نے چار راہی کابل میں قندھار سے متعلق حضرت علامہ کے ذیل چار اشعار خطِ شکستہ میں خطاطی کیے:

قندھار آن کشور مینو سواد
اہلِ دل را خاکِ او خاکِ مراد
کوے آن شہر است ما را کوے دوست
ساربان بر بند محمل سوے دوست
خرقہ آن برزخ لایبغیان
دیدمش در نکتہ لی خرقتان
آمد از پیراہن او بوے او
داد ما را نعرہ اللہ ہو[۸۵]

جناب وکیلیؔ کی جانب سے درج ذیل اشعار کی خطاطی بھی میزان ۱۳۵۴ھ ش میں عمل میں آئی۔

عمرھا در کعبہ و بتخانہ می نالد حیات
تا ز بزم عشق یک دانائے راز آید بیرون

طرح نو می افگند اندر ضمیر کائنات نالہ ہا کز سینۂ اہل نیاز آید برون[۸۶]

۱۳۵۴ھ ش:

جناب وکیلی فوفلزائی نے درج ذیل رباعی کی خطاطی کی:

مسلمان آں فقیر کج کلاہے رمید از سینۂ او سوز آہے
دلش نالد چرا نالد نداند نگاہے یا رسول اللہ نگاہے[۸۷]

میزان ۱۳۵۴ھ ش:

جناب وکیلی فوفلزائی نے حضرت علامہ کی درج ذیل رباعی و اشعار خطاطی کیے:

عارف بوجود خود چو بینا گردد ہر چیز دلش خواست میحا گردد
دریاب حباب را در بحر وجود پرداخت چو مل ز خوش دریا گردد[۸۸]

سحر می گفت بلبل باغباں را دریں گل جز نہال غم نگیرد
بہ پیری میرسد خار بیابان ولے گل چون جوان گردد بمیرد[۸۹]

۱۳۵۴ھ ش:

افغانستان میں عالمی ادارہ تحقیقات پشتو کے زیر اہتمام پشتو تحقیقات کے حوالے سے ایک بین الاقوامی سیمینار منعقد ہوا۔ اس سیمینار میں پشتو زبان و ادب کے حوالے سے مختلف سکالروں نے گراں قدر علمی و ادبی اور تحقیقی مقالات پیش کیے۔ ان مقالات میں ایک افغان سکالر خاتون وسیمہ حکیمی نے ''نازوانا'' سے متعلق مقالہ پیش کیا۔

نازوانا (دادی نازو) سلطان ملخی کی صاحبزادی تھی۔ سلطان ملخی کی سلطنت کا قلمرو غزنی سے جلدک تک پھیلا ہوا تھا۔ نازو انا کی پیدائش ۱۰۶۱ھ ق بمقام تازی کلات سے مشرقی جانب ہوئی۔[۹۰]

آپ کا بیٹا حاجی میرویس خان نیکہ افغانستان کی تحریک آزادی کا ہیرو ثابت ہوا اور افغانستان کو ۱۱۱۹ھ ق میں ایرانیوں کے تسلط سے آزاد کرایا۔[۹۱]

''نازوانا'' افغان تاریخ میں ایک مدبر خاتون کی حیثیت سے مشہور ہے۔ آپ ایک کہنہ مشق شاعرہ تھیں لیکن افسوس کہ آپ کی صرف ایک ہی رباعی پٹہ خزانہ میں محفوظ ہے۔ باقی

کلام ابھی تک جہانِ علم و ادب سے طاق اخفا میں او جھل ہے۔ وسیمہ حکیمی نے نازوانا کی اس رباعی کا حوالہ دیا ہے:

سحر ګاه وه د نرګس لیمه لاند — ثاڅکی ثاڅکی یي د ستر ګو څڅیدهڅڅ
سحرګاه وه د نرګس لېمه لانده — "ثاڅکي ثاڅکي يي له سترګوڅڅېده
زماول څه دي ښکلې ګله ولي ژاړې — ده ول ژوندمي دي يوه خوله خندېده

فارسی ترجمہ پٹہ خزانہ نے یوں کیا ہے:

سحر گہ چشم نرگس تر بود — قطرہ قطرہ از چشمش میچکید
گفتمش چیست اے گل زیبا چرا میگری — گفت زندگانی من یکدھن خندہ است[۹۲]

وسیمہ نے اس ناقابلِ فراموش فلسفہ کو بیسویں صدی میں اقبال کے حوالے سے بیان کیا ہے۔ جو کہ صرف اور صرف "نازوانا" سے اقبال کی توارد فکری کے طور پر تخلیق ہوئی ہے۔ اقبال اسی مفہوم کو یوں ادا کرتے ہیں:

شبے زار نالید ابر بہار — کہ ایں زندگی گریہ پیہم است
درخشید برق سبک سیر و گفت — خطا کردۂ خندۂ یکدم است
ندانم بہ گلشن کہ بُرد ایں خبر — سخنہا میان گل و شبنم است[۹۳]

۱۳۵۴ھ ۱۹۷۵ء:

رابندر ناتھ ٹیگور کے مشہور نوبل انعام یافتہ گیتانجلی کا پشتو ترجمہ عبدالرؤف بینوآ نے دولتی مطبع کابل سے شائع کرایا۔ اس کتاب کا تفصیلی علمی دیباچہ عبدالشکور رشاد نے تحریر کیا ہے۔ جس میں بینوآ کے آثار و اور تصانیف کے سلسلے میں ان کے پردیس کا درج ذیل انداز سے ذکر کیا ہے:

یہ علامہ اقبال لاہوری ۱۲۹۱ھ ق - ۱۳۵۸ھ ق کی مسافر نامی منظوم کتاب کا منظوم پشتو ترجمہ ہے جو ۱۳۲۱ھ ش کے روزنامہ انیس کے مختلف شماروں میں شائع ہو چکا ہے۔[۹۴]

میزان ۱۳۵۶ھ ش ۱۹۷۷ء:

افغانستان میں حکیم سنائی غزنوی کے نو صد سالہ جشنِ ولادت کی تقریبات کے سلسلے میں مختلف اداروں نے خصوصی اشاعتوں کا اہتمام کیا۔ اس سلسلے میں نشریات پوہنحئی ادبیات پوہنتون کابل نے ایک کتاب از سنائی تا مولانا و اقبال بھی شائع کی۔[۹۵]

میزان قوس ۱۳۵۶ھ ش ۱۹۷۷ء:

مجلّہ آریانا میں علامہ سے متعلق ڈاکٹر روان فرہادی کا مقالہ "معنی نزد علامہ اقبال" شائع ہوا۔[۹۶] یہ مقالہ بعد میں علامہ اقبال در ادب فارسی و فرہنگ افغانستان میں بھی شائع ہوا۔[۹۷]

میزان قوس ۱۳۵۶ھ ش۔ ۱۹۷۷ء:

حضرت علامہ کے صد سالہ جشن ولادت کی مناسبت سے افغانستان میں منعقدہ تقریبات کے سلسلے میں ریڈیو افغانستان کابل کے ہال میں ایک تقریب منعقد ہوئی۔ اس میں کابل یونیورسٹی کے سابق رئیس عبدالسلام عظیمی کا نشر کردہ مقالہ "اقبال شخصیتی علمی ادبی و فکری جہان" مجلّہ ادب میں شائع ہوا۔[۹۸]

بعد میں یہ مقالہ "علامہ اقبال در ادب فارسی و فرہنگ افغانستان" میں بھی شائع ہوا۔[۹۹]

۱۱ قوس ۱۳۵۶ھ ش:

افغانستان کے وزیرِ اطلاعات پوہاند دکتور نوین نے صدیق رھپو کی تالیف افغانستان و اقبال کے تذکرہ کے عنوان سے تعارفی کلمات تحریر کیے۔[۱۰۰]

۱۲ قوس ۱۳۵۶ھ ش ۱۹۷۷ء:

افغانستان کے معروف ہفت قلمی خطاط جناب عزیز الدین وکیلی فوفلزائی نے کابل میں حضرت علامہ کے صد سالہ جشنِ ولادت کی تقریبات کے سلسلے میں خطاطی کے مختلف اسالیب میں حضرت علامہ کی درج ذیل رباعیات و ابیات خطاطی کیں:

قبای زندگانی چاک تا کی | چو موراں آشیاں در خاک تا کے
به پرواز آ و شاہینی بیاموز | تلاش دانہ در خاشاک تا کے[۱۰۱]

اہل حق را زندگی از قوت است | قوت ہر ملت از جمعیت است

رای بے قوت ہمہ مکر و فسوں — قوت بے رای جہل است و جنون[102]
جہان ما کہ نابود است بودش — زیاں توام ہمی زاید بسودش
کہن را نو کن و طرح دگر ریز — دلِ ما بر نتابد دیر و زودش[103]

دلا رمز حیات از غنچہ دریاب — حقیقت در مجازش بے حجاب است
زخاک تیرہ میروید و لیکن — نگاہش بر شعاع آفتاب است[104]

ان اشعار کے درمیان میں مندرجہ بالا رباعی بھی خطِ شکستہ سے تحریر کی گئی ہے:

اقبال ز صورت چو بمعنی پرداخت — و آن پر او بدیدۂ حقیقت شناخت
پس آئینہ ز فکر خود تعبیر کرد — وآن صورت و معنی اندرآن طاہر ساخت[105]

جہاں مشکل گل و دل حاصل اوست — ہمین یک قطرۂ خون مشکل اوست
نگاہ ما دوربین افتادہ ورنہ — جہاں ہر کسے اندر دل اوست[106]

قوس ۱۳۵۶ھ ش ۱۹۷۷ء:

حضرت علامہ کے صد سالہ جشنِ ولادت کی تقریبات کے سلسلے میں افغانستان میں وزارت اطلاعات کلتور کی مؤسسہ انتشارات بیہقی کی جانب سے عبدالہادی داوی کے آثار اردوی اقبال کی جلد اول و دوم شائع ہوئی جس میں بانگِ درا اور دیگر آثار کے مشمولات پر بحث کے علاوہ ان کے اردو کلام کا منظوم فارسی ترجمہ کیا گیا ہے۔[107]

قوس ۱۳۵۶ھ ش نومبر دسمبر ۱۹۷۷ء:

لاہور میں حضرت علامہ کے صد سالہ جشنِ ولادت کی مناسبت سے منعقدہ بین الاقوامی کانفرنس میں افغانستان کے صدر محمد داؤد خان کا پیغام افغان وفد نے پڑھ کر سنایا تھا اس کا متن مجلّہ کابل میں شائع ہوا:

خوشحاله یم چې د ختیځ او اسلامی نړۍ د نومیالی پوه مفکر شاعر او ادیب علامه محمد اقبال د زیږیدنې د سلم کال د یادوڼې غونډې په مناسبت خپل صمیمانه نکات خرګندوم۔

علامه اقبال بې له شکه يو بشر دوست او پاك سرشت شخصيت دى چې زمانه يي کله کله دا انسانيت نړۍ ته سوغات ورکوي - هغه مشهور فيلسوف هم دا رنګه خپل قيمتي آثار دا انساني انديښنو او ثقاف شتمنى ته وقف کړل۔ زمونږه هېواد افغانستان سره يي خاصه مينه څر ګندوله د خپلو خوندورو شعرونو يوه برخه يي زمونږ خلکوته يادګار پرېښووله- زمونږ د هيواد خلك د ختيز دغه پياوړى بچى ته چې زمونږ دلويانولکه حکيم سنائى غزنوى، مولانا جلال الدين بلخى و د فکر او انديښنې له زير موځخه يي زياته ګټه اخستى د هغوي ارزښتناکى ښودنى يي د خپل ژور فکر او لطيف احساس سره يوځاى کړى دى به درنه سترګه ګورى۔

د نيکو هيلو په څر ګندولو سره د هغو يو پوهانو له پاره جې په دې علمى غونډه کښې ي ګډون کړې برى غواړم۔[۱۰۸]

ترجمہ: 'خوش ہوں کہ مشرق اور اسلامی دنیا کے مشہور و معروف دانا مفکر شاعر اور ادیب علامہ محمد اقبال کے صد سالہ جشنِ ولادت کے اعترافی سیمینار کو اپنے پر خلوص نکات پیش کر رہا ہوں۔

علامہ اقبال بلا شبہ ایک بشر دوست اور پاک سرشت شخصیت کے مالک تھے جو زمانہ کبھی عالمِ انسانیت کو بطور تحفہ عطا کر دیتا ہے۔ اس مشہور فلسفی نے اسی طرح کے قیمتی افکار انسانی وجدان اور ثقافتی سرمائے کو عطا کیے۔ ہماری سر زمین افغانستان سے خصوصی عشق رکھتے تھے اور اپنے شیرین اشعار کا ایک حصہ ہمارے لیے یاد گار چھوڑا ہے۔

ہمارے مملکت کے افراد مشرق کے اس عظیم فرزند، جنھوں نے ہمارے اسلاف حکیم سنائی، غزنوی اور مولانا جلال الدین بلخی کے افکار و عقائد سے استفادہ کرکے اپنی گرانقدر تعلیمات کو اپنے افکار اور لطیف احساسات کے ساتھ یکجا کرکے پیش کیے، کو قدر کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ نیک جذبات کے اظہار کے ساتھ ان تمام اہلِ قلم حضرت کے لیے جو اس علمی سیمینار میں شریک ہیں، کامیابی کا خواہاں ہوں۔

۱۳۵۶ھ ش ۱۹۷۷ء:

افغانستان میں حضرت علامہ کے صد سالہ جشنِ ولادت کی مناسبت سے فارسی میں صدیق رھپو کی تالیف افغانستان و اقبال ایک سو دس صفحات میں شائع ہوئی۔[109]

۱۳۵۶ھ ش ۱۹۷۷ء:

پنجاب یونیورسٹی لاہور اقبال سے متعلق کانفرنس میں شرکت کرنے کے لیے افغانستان کے مشہور و معروف اقبال شناس استاد خلیل اللہ خلیلی کو دعوت نامہ موصول ہوا۔ مگر حکومتِ وقت کی جانب سے اجازت نہ ملنے کے باعث وہ اس تقریب میں شرکت کرنے سے قاصر رہے۔ لہٰذا متعلقہ کانفرنس کو جناب خلیلی نے اپنی منظوم تہنیت ''بہ پیشگاہ علامہ دکتور محمد اقبال لاہوری'' ارسال کی[110] جسے سوانح خلیلی کے ساتھ نقل کیا گیا ہے۔

میزان قوس ۱۳۵۶ھ ش ۱۹۷۷ء:

مجلّہ ادب کابل (سال ۲۵ شمارہ ۳) میں عبدالحیٔ حبیبیؔ کا مقالہ خودی و بیخودی داندیشۂ اقبال شائع ہوا۔[111]

اسد ۱۳۵۶ھ ش:

افغانستان کے ماہنامہ نبی میں آقائی حیدری وجودی کا مقالہ ''جلوہ سبز آزادی در بندگی نامہ علامہ اقبال'' شائع ہوا۔

یہ مقالہ بعد میں ''علامہ اقبال در ادب فارسی و فرھنگ افغانستان'' میں بھی شائع ہوا۔([112]

۱۳۵۶ھ ش ۱۹۷۷ء:

افغانستان میں جمہوریت کی چوتھی سالگرہ کے جشن کی مناسبت سے عبدالکریم پتنگؔ کے زیرِ اہتمام پشتو ٹولنہ کابل کا ایک تاریخچہ شائع ہوا جس میں اس مشہور و معروف علمی و ادبی ادارے کے تاریخچہ کے علاوہ اس ادارے کی علمی حیثیت، لائحہ عمل، تشکیلات، تدریسات، نشریات، کتب اور منتظمین و اراکین سے متعلق بنیادی تحقیقات شائع ہوئیں۔

اس ادارے کی جانب سے شائع شدہ کتب کے ۱۹ویں نمبر پر حضرت علامہ کے متعلق افغانستان میں پشتو میں پہلی باقاعدہ شائع شدہ کتاب ''پښتانہ د علامہ اقبال پہ نظر کښې'' کا ذکر آیا ہے جو عبداللہ بختانیؔ نے پشتو ٹولنہ کابل سے ۱۳۳۵ھ ش میں شائع کرایا۔[113]

۱۳۵۶ھ ش ۱۹۷۷ء:

افغانستان میں متاخر دو صدیوں میں پشتو کی مطبوعہ کتب سے متعلق ایک سیمینار منعقد ہوا تھا۔ اس سیمینار کی مناسبت سے حبیب اللہ رفیع نے " پښتو کتاب شود "(پشتو معارف کتاب) مرتب کر کے بیہقی کتاب مؤسسہ کی جانب سے شائع کی۔ اس کتاب میں پشتو کے ۱۵۵۸ شائع شدہ کتب کا اختصار کے ساتھ تعارف شائع کیا گیا ہے۔ جدید تحقیقی اصولوں کی روشنی میں آثار کا تعارف ان کے مؤلفین، مصنفین یا مرتبین کے تخلص کی الفبائی ترتیب سے دیا گیا ہے۔ اس میں حضرت علامہ کے بعض پشتو منظوم تراجم کا تعارف پیش کیا گیا ہے۔ ان تراجم کی تفصیل مترجمین کی ترتیب سے یہاں شامل کرنا ناگزیر ہے۔ پہلے کتاب کا سلسلہ نمبر پھر مترجم کا تخلص، اس کے بعد نام اور پھر کتاب کا نام اور شائع کردہ ادارے کا نام، سنہ اشاعت، سائز، صفحات، پریس وغیرہ کی تفصیل درج ہے:

۴۸- اثرؔ عبدالحلیم (مترجم) بالِ جبریل شاعر علامہ اقبال
لاہور، اقبال اکادمی بوساطت پشتو اکیڈیمی پشاور ۱۹۶۷ء ۹+ ۲۲۴ = ۲۳۳
۱۴ x ۲۲ شاہین پریس پشاور۔[۱۱۴]

۴۳۹- حمزہ شینواری (مترجم) ارمغانِ حجاز شاعر علامہ اقبال
لاہور اقبال اکادمی بوساطت پشتو اکیڈیمی پشاور ۱۹۶۴ء ۱۱ + ۲۸۰ = ۲۹۱
۱۴ x ۲۲ شاہین پریس پشاور۔[۱۱۵]

۴۴۲- حمزہ شینواری (مترجم) جاوید نامہ شاعر علامہ اقبال
لاہور اکادمی بوساطت پشتو اکیڈیمی پشاور سنہ ندارد = ۲۵۰
۱۵ x ۲۳ پبلک آرٹ پریس پشاور۔[۱۱۶]

۵۵۷- راحت زاخیلیؔ راحت اللہ (مترجم) بانگِ درا شاعر علامہ اقبال
اقبال اکادمی بوساطت پشتو اکیڈیمی پشاور ۱۹۶۳ء = ۳۳۶
۱۴ x ۲۲ پبلک آرٹ پریس پشاور۔[۱۱۷]

۵۶۱-راحت زاخیلیؔ (مترجم) شکوہ و جوابِ شکوہ شاعر علامہ اقبال
یونیورسٹی بک ایجنسی پشاور سنہ ندارد = ۲۹

۱۲ x ۱۷ منظورِ عام پریس پشاور۔[118]

۶۹۱- سمندرؔ خان سمندر (مترجم) اسرارِ خودی شاعر علامہ اقبال

کراچی پاکستان پبلیکیشنز کراچی ۱۹۵۴ء = ۲۳۷

۱۲ x ۱۸ ہیرالڈ پریس کراچی۔[119]

۱۰۴۱- کاکاخیل تقویم الحق (مترجم) پس چہ باید کرد مع مسافر شاعر علامہ اقبال

اقبال اکادمی بوساطت پشتو اکیڈیمی پشاور ۱۹۶۹ء ۸ + ۷۱ = ۷۹

۱۴ x ۲۲ شاہین پریس پشاور۔[120]

۱۰۴۳- کاکاخیل تقویم الحق (مترجم) زبورِ عجم شاعر علامہ اقبال

اقبال اکادمی بوساطت پشتو اکیڈیمی پشاور ۱۹۶۱ء ۲۲ + ۲۰۸ = ۲۳۰

۱۵ x ۲۲ مطبع پشاور یونیورسٹی پریس۔[121]

۱۳۴۶- مینوشؔ شیر محمد (مترجم) پیامِ مشرق شاعر علامہ اقبال

اقبال اکادمی بوساطت پشتو اکیڈیمی پشاور ۱۹۶۳ء ۸۴ + ۱۴ + ۲۱۲ = ۳۶۲

۱۵ x ۲۲ پبلک آرٹ پریس پشاور۔[122]

۱۳۴۷- مینوشؔ شیر محمد (مترجم) ضربِ کلیم شاعر علامہ اقبال

یونیورسٹی بک ایجنسی پشاور سنہ ندارد = ۱۵۲

۱۲ x ۱۸ [123]

۱۳۵۶ھ ش ۱۹۷۷ء:

افغانستان کے پشتون اقبال شناس حبیب اللہ رفیع نے پشتو کی مطبوعہ کتب کی ایک طویل فہرست مرتب کی جو کہ پشتو ٹولنہ کابل کی جانب سے ”پښتو پانگه“ کے نام سے دو جلدوں میں شائع ہوئی۔ دوسری جلد میں حضرت علامہ کے آثار کے منظوم پشتو تراجم کا تعارف پیش کیا گیا ہے۔ تعارف کی ترتیب یوں ہے: کتاب کا سلسلہ نمبر (کتاب کا نام)۔ مؤلف۔ مترجم۔ ناشر۔ سنہ اشاعت۔ سائز۔ صفحات اور موضوع کا مختصر تعارف۔

۵۲۱- ارمغانِ حجاز- علامہ اقبال- پشتو مترجم- امیر حمزہ شینواری

ناشر اقبال اکادمی بوساطت پشتو اکیڈیمی پشاور سنۂ اشاعت ۱۹۶۴ء شاہین پرنٹنگ پریس

سائز ۱۴ x ۲۳ سنٹی میٹر صفحات ۱۱ + ۲۸۰ = ۲۹۱

موضوع۔علامہ اقبال کے ارمغانِ حجاز کا منظوم پشتو ترجمہ جو میٹھے رواں انداز میں ہوا ہے۔[۱۲۴]

۵۲۳- اسرار خودی-شاعر علامہ اقبال-پشتو مترجم سمندر خان سمندرؔ

ناشر پاکستان پبلیکیشنز کراچی ۱۹۵۴ء ہیرالڈ پریس کراچی

سائز ۱۲ x ۱۸ سنٹی میٹر صفحات ۲۲۷

موضوع علامہ اقبال کی مشہور اسرار خودی کا منظوم پشتو ترجمہ جو پورے ادبی انداز سے انجام پذیر ہوا ہے۔[۱۲۵]

۵۶۷- بالِ جبریل-شاعر علامہ اقبال-مترجم- قاضی عبدالحلیم اثرؔ

ناشر اقبال اکادمی بوساطت پشتو اکیڈیمی پشاور نومبر ۱۹۶۷ء شاہین پرنٹنگ پریس پشاور

سائز ۱۴ x ۲۲ سنٹی میٹر صفحات ۹ + ۲۲۴ = ۲۳۳

موضوع۔علامہ اقبال کے منظوم اثر بالِ جبریل کا منظوم پشتو ترجمہ۔[۱۲۶]

۵۶۹- بانگِ درا-شاعر علامہ اقبال-مترجم سید راحت زاخیلیؔ

ناشر اقبال اکادمی بوساطت پشتو اکیڈیمی پشاور ۱۹۶۳ء پبلک آرٹ پریس پشاور

سائز ۱۴ x ۲۲ سنٹی میٹر صفحات ۴ + ۲۷ + ۳۳۶ = ۳۶۷

موضوع۔اقبال کے بانگِ درا کا شیرین سادہ منظوم پشتو ترجمہ۔[۱۲۷]

۵۹۱- پس چه باید کرد مع مسافر- شاعر علامہ اقبال- مترجم سید تقویم الحق کاکاخیل

ناشر اقبال اکادمی بوساطت پشتو اکیڈیمی پشاور ۱۹۶۹ء شاہین پرنٹنگ پریس پشاور

سائز ۱۴ x ۲۲ سنٹی میٹر صفحات ۸ + ۷۱ = ۷۹

موضوع۔ علامہ اقبال کے مشہور مثنوی پس چه باید کرد اے اقوام مشرق اور مسافر کا منظوم پشتو ترجمہ۔[۱۲۸]

۵۹۶- پښتانه د علامه اقبال په نظر کښې-مؤلف عبداللہ بختانیؔ

ناشر۔پشتو ٹولنہ کابل ۱۳۳۵ھ ش

سائز ۱۶ x ۲۳

موضوع۔اس رسالے میں علامہ اقبال کے تعارف کے علاوہ وہ اشعار پیش کیے گئے ہیں جو انھوں نے پشتون مشاہیر کی مدح میں کہے تھے۔اس رسالے کے مضامین درج ذیل ہیں:

علامہ اقبال کون تھا۔ اقبال کے نظریات۔ مغرب پر تنقید۔ مشرق کو خطاب۔ پشتونوں کو خطاب۔ سفر افغانستان۔ پشتون مشاہیر اور آخر میں اقبال افغان شعرا کی نظر میں۔[۱۲۹]

٦۳۲- پیامِ مشرق -شاعر علامہ اقبال-مترجم شیر محمد مینوشؔ

ناشر اقبال اکادمی بوساطت پشتو اکیڈیمی پشاور نومبر ۱۹۲۳ء پبلک آرٹ پریس پشاور

سائز ۱۵ x ۲۱ سنٹی میٹر صفحات ۱۴ + ۱۴ + ۲٦۴ = ۲۹۲

موضوع علامہ اقبال کے پیامِ مشرق کا منظوم پشتو ترجمہ۔[۱۳۰]

۲۷۵-جاوید نامہ-شاعر علامہ اقبال-پشتو ترجمہ امیر حمزہ شینواری

ناشر اقبال اکادمی بوساطت پشتو اکیڈیمی پشاور جولائی ۱۹٦۷ء پبلک آرٹ پریس پشاور

سائز ۱۵ x ۲۲ صفحات ۴ + ۲۴٦ = ۲۵۰

موضوع علامہ اقبال کی جاوید نامہ کا منظوم پشتو ترجمہ۔

۹۸۹- رموزِ بیخودی -شاعر علامہ اقبال-مترجم سمندر خان سمندرؔ

ناشر پاکستان پبلیکیشنز کراچی ہیرالڈ پریس کراچی

سائز ۱۲ x ۱۸ سنٹی میٹر صفحات ۲۰۲

موضوع۔ علامہ اقبال کے رموزِ بیخودی کا منظوم پشتو ترجمہ۔[۱۳۱]

۱۰۰۳- زبورِ عجم-شاعر علامہ اقبال-مترجم سید تقویم الحق کاکا خیل

ناشر اقبال اکادمی بوساطت پشتو اکیڈیمی ۱۹٦۱ء پشاور یونیورسٹی پریس[۱۳۲]

سائز ۱۵ x ۲۲ سنٹی میٹر صفحات ۲۲ + ۲۰۸ = ۲۳۰

موضوع۔ علامہ اقبال کے زبورِ عجم کا منظوم پشتو ترجمہ۔[۱۳۳]

۱۰۸٦- ضربِ کلیم-شاعر علامہ اقبال-مترجم شیر محمد مینوشؔ

ناشر یونیورسٹی بک ایجنسی پشاور سنہ ندارد

سائز ۱۲ x ۱۸ سنٹی میٹر صفحات ۱۵۲

موضوع۔ علامہ اقبال کے ضربِ کلیم کا منظوم پشتو ترجمہ' نہایت بھاری ہے جس میں روانی کی کمی پائی جاتی ہے۔[۱۳۴]

۱۱۰۳-علامہ اقبال مؤلف عبدالرحمان بیتاب

ناشر۔ شجاعت پبلشرز مقام وسنہ اشاعت تعمیر پرنٹنگ پریس ۱۹٦٦ء

سائز ۱۲×۱۸ سنٹی میٹر صفحات ۹۶۔

موضوع۔ علامہ اقبال کے حالات زندگی اور خیالات پر بحث کی گئی ہے۔ عنوانات ذیل ہیں۔ اقبال کی پیدائش۔ تعلیم و تربیت۔ اقبال اور اسلام۔ نظریہ ادب۔ خودی اور زندگی۔ موت اور حیات۔ سیاسیات۔ معاشرہ کا حل۔ انسان کامل۔ اسلامی حکومت۔ آزادی قومیت۔ عورت۔ مغربی تہذیب۔ پشتون اور اقبال۔ عملی زندگی اور سفر افغانستان[۱۳۵]

۵/ دسمبر ۱۹۷۷ء:

حضرت علامہ اقبال کے صد سالہ جشنِ ولادت کے بین الاقوامی کانگریس میں افغان اقبال شناس ڈاکٹر محمد رحیم الہام نے حضرت علامہ اقبال کے مثنوی مسافر کے جواب میں جواب مسافر پیش کیا۔[۱۳۶]

یہ جواب جناب ڈاکٹر الہام کے سوانح کے ساتھ شامل مقالہ ہے۔

جدی ۱۳۵۶ھ ش دسمبر جنوری ۸ - ۱۹۷۷ء:

مجلّہ کابل میں حضرت علامہ سے متعلق جناب سوبمن کا پشتو مقالہ د ختیځ ستر شاعرد ختیځ ستر شاعر (مشرق کا عظیم شاعر) شائع ہوا۔[۱۳۷]

تیسرا دور: ۱۹۷۸ء/۱۳۵۷ھ ش تا ۲۰۱۰ء/۱۳۸۹ھ ش/۱۴۳۰ھ ق

افغانستان میں کمیونسٹ انقلاب برپا ہوا۔ سمرقند و بخارا کو روند ڈالنے والوں نے کابل و غزنین پر چڑھائی کی۔ سویت یونین کی جارحیت کے خلاف اعلانِ جہاد کیا گیا۔ مختلف جہادی تنظیموں نے مختلف نشریاتی مطبوعات کا اجرا کیا۔ ان رسائل، اخبارات اور جرائد میں شوقِ شہادت، جذبۂ جہاد، شانِ مومن، انسانی کرامت، عالمگیریت اسلام اور ایمان کی شان و شوکت وغیرہ سے متعلق حضرت علامہ کے افکار وقتاً فوقتاً شائع ہوتے رہے۔

حضرت علامہ کے فکر و فن کے حوالے سے مختلف مقالات شائع ہوتے رہے۔ افغان جہاد کے دوران تمام جہادی مطبوعات پر حضرت علامہ کے فکر و فن کا پرتو جلوہ گر رہا۔

افغانستان میں بھی مختلف مطبوعات میں حضرت علامہ سے متعلق مواد شائع ہوتا رہا۔ اس دور کا تفصیلی تحقیقی جائزہ یوں ہے:

۱۳۵۷ھ ش:

کابل کی اکادمی علوم کی جانب سے پشتون شعرا کا تذکرہ پشتانہ شعرا جلد چہارم (مرتب سرمحقق عبداللہ بختانی خدمتگار) شائع ہوا۔ اس میں ذیل اقبالیاتی حوالے موجود ہیں:

- ابوسعید فضل احمد غرکی فن و شخصیت کے حوالے سے علامہ کا تذکرہ۔

غرنےؔ، پشتونوں کی شان میں ایک قصیدہ لکھا اور علامہ کی خدمت میں پیش کیا۔ علامہ نے اس قصیدے کی انگریزی ترجمے کا اصلاح خود اپنے دست مبارک سے فرمایا۔[۱۳۸]

- راحت اللہ راحت زاخیلی کے تذکرے میں ان کی شکوہ اور جواب شکوہ کے منظوم پشتو تراجم کا ذکر آیا ہے۔[۱۳۹]

۱۳۵۸ھ ش:

خوشحال خان خٹک کی وفات کے تین سو سال پورے ہونے کی مناسبت سے عالمی خوشحال کانفرنس کے لیے محمد ابراہیم ستوری اور احمد ضیا مدرسی کی مرتب کردہ خوشحال شناسی کا ایک اہم منبع خوشحال خان خټک د مطبوعاتو په هنداره کی جلد دوم شائع ہوئی۔ اس کتاب میں بھی ذیل اقبالیاتی حوالے موجود ہیں:

☆ پښتانه د علامه اقبال په نظر کښې مرتب عبداللہ بختانی۔ کتاب میں تذکرہ خوشحال خان[۱۴۰]

☆ دخوشحال او د اقبال دا شعار وحنی مشترکی خواوی۔ عبداللہ بختانی۔ مطبوعہ ننگیالی پشتون میں تذکرہ خوشحال خان[۱۴۱]

☆ د خوشحال په شاعری کی باز اور اقبال کے شاہین کے تصورات (از امیر حمزہ شنواری مطبوعہ توریالی پشتون) کا تذکرہ[۱۴۲]

☆ خوشحال و اقبال۔ میر عبدالصمد۔ خوشحال اور اقبال کا مفصل تذکرہ[۱۴۳]

☆ باز په خوشحالیات او اقبالیات کی (خوشحالیات اور اقبالیات میں باز (شاہین) کا تذکرہ مقالہ دوست محمد خان کامل مومند[۱۴۴]

☆ خوشحال خان خٹک حیات حالات اور شاعری سے متعلق سید رسول رسا کا مقالہ اس میں بال جبریل میں خوشحال خاں خٹک کی وصیت بھی نقل کی گئی ہے۔[۱۴۵]

۱۳۵۸ - ۱۳۵۹ھ ش:

افغانستان کالنی (سالنامہ) میں عبدالہادی داویؔ کا سوانحی تذکرہ شائع ہوا جس میں ان کی فارسی نظم "خطاب بہ اقبال" بھی شائع ہوئی ہے جو داویؔ کے سوانح کے ساتھ شامل مقالہ ہے۔[۱۴۶]

دلو حوت ۱۳۵۹ھ ش:

ماہنامہ شفق (جریدہ حزب اسلامی افغانستان) میں حضرت علامہ کی ایک رباعی اور درج ذیل اشعار شائع ہوئے:

خدا آن ملتی را سروری داد که تقدیرش بدست خویش بنوشت
به آں ملت سروکاری ندارد که دہقانش برائے دیگران کشت[۱۴۷]

غلامی

آدم از بے بصری بندگئ آدم کرد گوہرے داشت ولے نذر قباد و جم کرد
یعنی از خوے غلامی زسگاں خوار تر است من ندیدم کہ سگے پیش سگے سر خم کرد[۱۴۸]

میا رابزم بر ساحل کہ آنجا نوائے زندگانی نرم خیز است
بہ دریا غلت و باموجش در آویز حیات جاودان اندر ستیز است[۱۴۹]

اسد ۱۳۵۹ھ ش:

عبدالباری شہرت ننگیال نے افغانستان میں روسی انقلاب کے بعد اپنا ایک پشتو شعری مجموعہ د افغان مجاهد آواز شائع کرایا۔ ایک رباعی میں مزار اقبال پر حضرت علامہ کو یوں خراج تحسین پیش کرتے ہیں:

چې خاوند د ژور فکر ولوړ خیال دی فلسفي شاعر دانا د ژوند په حال دی[۱۵۰]

ترجمہ: گہرے تفکر اور بلند خیالات رکھنے والا ہے یہ فلسفی شاعر، رموزِ زندگی کا دانائے راز ہے۔ لاہور یقیناً اپنا سر بلند رکھنے کا حقدار ہے جس نے مشہور زمانہ ادیب اقبال کو پروان چڑھایا ہے۔

حمل ثور ۱۳۶۰ھ ش:

ماہنامہ شفق میں حضرت علامہ کے درج ذیل اشعار شائع ہوئے:

زندگی در صدف خویش گہر ساختن است در دل شعلہ فرو رفتن و نگدا ختن است
عشق ازیں گنبد در بستہ بروں تاختن است شیشہ ماہ ز طاقِ فلک انداختن است[۱۵۱]

جوزا سرطان ۱۳۶۰ھ ش:

ماہنامہ شفق میں حضرت علامہ کی درج ذیل رباعی شائع ہوئی:

ساحل افتادہ گفت بسے زیستم ہیچ نہ معلوم شد آہ کہ من چیستم
موج زخود رفتہ ای تیز خرامید و گفت ہستم اگر می روم گر نہ روم نیستم[۱۵۲]

میزان ۱۳۶۰ھ ش:

ماہنامہ د شہید زیری (نویدِ شہید) میں حضرت علامہ کے درج ذیل اشعار شائع ہوئے:

بگوشم آمد از خاک مزارے کہ در زیر زمین ہم می توان زیست
نفس دارد و لیکن جان ندارد کسی کو بر مراد دیگران زیست[۱۵۳]

میزان عقرب ۱۳۶۰ھ ش:

ماہنامہ سیمائی شہید حضرت علامہ کی درج ذیل رباعی و اشعار شائع ہوئے:

زندگی در صدف خویش گہرے ساختن است در دل شعلہ فرو رفتن و نگدا ختن است
عشق ازیں گنبد در بستہ بروں تاختن است شیشہ ماہ ز طاقِ فلک انداختن است

بگوشم آمد از خاک مزاری کہ در زیرِ زمین ہم میتوان زیست
نفس دارد و لیکن جان ندارد کسی کو بر مزار دیگران زیست[۱۵۴]

قوس جدی ۱۳۶۰ھ ش:

ماہنامہ شفق میں حضرت علامہ کی درج ذیل رباعیات شائع ہوئیں:

مسلمان فاقہ مست و ژندہ پوش است ز کارش جبرائیل اندر خروش است
بیا نقش دگر ملت بریزم کہ ایں ملت جہاں را بارِ دوش است[۱۵۵]

نوا از سینۂ مرغ چمن برد — زخون لالہ آں سوز کہن برد
بہ ایں مکتب، بہ ایں دانش چہ نازی — کہ نان در کف نداد و جان ز تن برد[۱۵۶]

قوس ۱۳۶۰ھ ش

افغان مجاہدین کے جریدہ میثاق خون میں ڈاکٹر حق شناس کا مقالہ ”اقبال اور افغانستان“ شائع ہوا۔[۱۵۷]

یہ مقالہ بعد میں سیر اقبال شناسی در افغانستان میں بھی شائع ہوا۔[۱۵۸]

صفر ربیع الاول ۱۴۰۲ھ ق:

حضرت علامہ کی ذیل رباعی د شہید زیری میں شائع ہوئی:

برون از سینہ کش تکبیرِ خود را — بخاک خویش زن اکسیر خود را
خودی را گیر و محکم گیر و خوش زی — مدہ در دستِ کس تقدیرِ خود را[۱۵۹]

۱۹۸۲ء:

افغانستان کی جمعیت اسلامی کی جانب سے استاد خلیل اللہ خلیلی کا حضرت علامہ اقبال سے متعلق منثور و منظوم اثر یارِ آشنا شائع ہوا۔[۱۶۰]

دسمبر ۱۹۸۲ء:

افغان اقبال شناس پشتو شاعر حبیب اللہ رفیع کی پشتو نظم د آسیا زړہ (قلبِ آسیا) شائع ہوئی۔ جس میں حضرت علامہ کو تحسین پیش کیا گیا۔[۱۶۱]

عقرب ۱۳۶۱ھ ش محرم الحرام ۱۴۰۲ھ ق:

مجلّہ ”شہید پیغام“ میں حضرت علامہ کی درج ذیل رباعی شائع ہوئی:

مسلمانے کہ داند رمز دیں را — نساید پیش غیر اللہ جبیں را
اگر گردوں بہ کام او نگردد — بکام خود بگرداند زمیں را[۱۶۲]

دلو ۱۳۶۱ھ ش:

مجلّہ شہید پیغام میں حضرت علامہ کے درج ذیل ابیات بعنوان ”از پیغام مصطفی آگاہ شو“ شائع ہوئے ہیں:

تا بکے در یوزۂ منصب کنی — صورت طفلاں زنے مرکب کنی

فطرتے کو بر فلک بندد نظر   پست می گردد ز احسان دگر
گرچہ باشی تنگ روز و تنگ بخت   در رہ سیل بلا افگندہ رخت
رزق خویش از نعمت دیگر مجو   موج آب از چشمۂ خاور مجو

مسلم استی بے نیاز از غیر شو   اہلِ عالم را سراپا خیر شو
رزق خود را از کف دوناں مگیر   یوسف استی خویش را ارزاں مگیر
پشت پازن تخت کیکاوس را   سر بدہ از کف مدہ ناموس را
از پیام مصطفی آگاہ شو   فارغ از ارباب غیراللہ شو
عشق را آتش زن اندیشہ کن   رو بحق می باش و شیری پیشہ کن
خوف حق عنوان ایمان است وبس   خوف غیر از شرک پنہاں است وبس

فارغ از اندیشۂ اغیار شو
قوت خوابیدۂ بیدار شو[163]

جنوری ۱۹۸۳ء ربیع الاول ۱۴۰۳ھ ق:

ماہنامہ ''ہجرت'' میں افغان مجاہدین کی ایک تصویر شائع ہوئی ہے۔ جس میں وہ نماز پڑھ رہے ہیں اور اس تصویر کے کیپشن میں حضرت علامہ کا یہ شعر درج کیا گیا ہے۔

آگیا عین لڑائی میں اگر وقتِ نماز
قبلہ رو ہو کے زمیں بوس ہوئی قوم حجاز[164]

شعبان ۱۴۰۳ھ ق:

جناب ف م فائض نے افغانستان میں روسی مداخلت کے بعد افغانوں کو اپنی بقا و سالمیت کے لیے اس جنگ میں غافل نہ رہنے کی تلقین کی ہے اور ''حل سیاسی یا حیلۂ سیاسی'' کے عنوان سے اپنے ایک مقالے میں اپنے موضوع کی دلیل و اثبات میں حضرت علامہ کا حوالہ دیا ہے۔

......اگر باز غفلت نمایئم آئندہ اش ہلاکت بار از وضعی خواہد بود کہ درآن بسر میبریم و آنگہ دیگر موقع نخواہد بود تا سہل انگاریہای مانی راجبران کنم ہم اکنون فرصتی است کہ بناید آنداز

دست دادو بنا پر درراز جہاد و مبازرہ احساس خستگی کینم کہ بقول اقبال "حیات جاوداں اندر ستیز است" باید دانست کہ در عقب سکوں مرگ است و در عقب ستیز حیات جاوید......[۱۶۵]

۱۳۶۲ھ ش:

امیر کروڑ سوری کے بارہ سو پچاس ویں سالگرہ (۱۵۴ - ۱۴۰۴ھ ق) کی مناسبت سے پشتو ٹولنہ کابل نے عبدالرؤف بینوآ کی ایک تحقیقی کتاب آریای فارسی اور پشتو مرثیے شائع کرائی ہے۔ اس کتاب کے مدون و مرتب حضرت محمد ویاڑ نے کتاب کے محقق عبدالرؤف بینوآ کے آثار و تالیفات کا ذکر کیا گیا ہے جو انیس اخبار کابل کے ۱۳۲۱ھ ش کے مختلف شماروں میں حضرت علامہ کے مثنوی مسافر کے پشتو ترجمہ پردیس کے نام سے شائع ہوا ہے۔[۱۶۶]

اسد ۱۳۶۳ھ ش:

سہ ماہی سپیدی کے شمارہ اول میں بیک ٹائٹل سے پہلے حضرت علامہ کا کلام شائع ہوا ہے:

جنگ است ہنوز

لالۂ ایں چمن آلودۂ رنگ است ہنوز — سپر از دست میند از کہ جنگ است ہنوز
فتنۂ را کہ دوصد فتنہ باغوشش بود — دخترے ہست کہ در عہد فرنگ است ہنوز
اے کہ آسودہ نشینی لب ساحل برخیز — کہ ترا کار بہ گرداب نہنگ است ہنوز
از سر تیشہ گذشتن زخرد مندی نیست — اے بسا لعل کہ اندر دل سنگ است ہنوز
باش تا پردہ کشایم زمقام دگرے — چہ دہم شرح نواہا کہ بہ چنگ است ہنوز

نقش پرداز جہاں چون بہ جنونم نگریست
گفت ویرانہ بہ سودائے تو تنگ است ہنوز[۱۶۷]

عقرب ۱۳۶۳ھ ش:

سہ ماہی سپیدی کے سال اول شمارہ چار کے بیک ٹائٹل سے پہلے حضرت علامہ کی فارسی "دعا" شائع ہوئی ہے:

یارب درون سینہ دل باخبر بدہ — در بادہ نشہ را نگرم آن نظر بدہ

این بندہ را کہ با نفس دیگراں نہ زیست یک آہ خانہ زاد مثال سحر بدہ
سیلم، مرا بجوے تنک مایۂ مپیچ جولاں گہے بوادی و کوہ و کمر بدہ
سازی اگر حریف یم بیکراں مرا با اضطراب موج سکون گہر بدہ
شاہینِ من بصید پلنگاں گذاشتی ہمت بلند و چنگل ازین تیز تر بدہ
رفتم کہ طائران حرم را کنم شکار تیرے کہ نافگندہ فتد کارگر بدہ
خاکم بہ نور نغمہ داؤد بر فروز
ہر ذرۂ مرا پر و بال شرر بدہ[۱۶۸]

فروری، مارچ ۱۹۸۴ء:

ماہنامہ ہجرت میں حضرت علامہ کے درج ذیل اشعار شائع ہوئے:

یہ بندگی خدائی، وہ بندگی گدائی یا بندۂ خدا بن یا بندۂ زمانہ
غافل نہ ہو خودی سے کر اپنی پاسبانی شاید کسی حرم کا تو بھی ہو آستانہ![۱۶۹]

جوزا / ۱۳۶۴ھ ش جون ۱۹۸۵ء:

سہ ماہی سپیدی سال اول شمارہ ۱۱ میں "اندرز" کے عنوان سے حضرت علامہ کے درج ذیل دو ابیات شائع ہوئے:

ز پیرے یاد دارم این دو اندرز نباید جز بجان خویشتن زیست
گریز از تپش آن مرد فرودست کہ جان خود گرو کرد و بہ تن زیست[۱۷۰]

سرطان ۱۳۶۴ھ ش جولائی ۱۹۸۵ء:

افغان جہاد کے دوران مجاہدین کا ایک ماہنامہ جریدہ "قلب آسیا" کے نام سے شائع ہوتا رہا۔ اس جریدے کا شمارہ پنجاو ہشتم میرے سامنے ہے۔ جریدہ کے نام کے بالکل ساتھ ہی حضرت علامہ کے درج ذیل اشعار کندہ ہیں:

آسیا یک پیکر آب و گل است ملت افغان درآن پیکر دل است
از فساد او فساد آسیا در کشاد او کشاد آسیا[۱۷۱]

جوزا سرطان ۱۳۶۵ھ ش:

مجلّہ شفق کے مختلف صفحات پر حضرت علامہ کے درج ذیل اشعار و رباعیات شائع ہوئے:

جوہر ما بامقامے بستہ نیست — بادۂ تندش بہ جامے بستہ نیست
قلب ما از ہند و روم و شام نیست — مرز و بوم او بجز اسلام نیست[۱۷۲]

بیا ساقی نقاب از رخ برافگن — چکید از چشم من خون دل من
بہ آن لحنے کہ نے شرقی نہ غربی است — نوائے از مقام **لاتخف** زن[۱۷۳]

تن مرد مسلمان پایدار است — بنائے پیکر او استوار است
طبیب نکتہ رس دید از نگاہش — خودی اندر وجودش رعشہ دار است[۱۷۴]

ہنوز اندر جہان آدم غلام است — نظامش خام و کارش ناتمام است
غلام فقر آن گیتی پناہم — کہ در دینش ملوکیت حرام است[۱۷۵]

مسلمانی غم دل در خریدن — چو سیماب از تپ یاراں تپیدن
حضور ملت از خود در گذشتن — دگر بانگ اناالملّت کشیدن[۱۷۶]

۱۳۶۵ھ ش:

زرین انځورؔ نے افغانستان کی صحافت کی پیشرو د د افغانستان دژور نالیزم مخکشان دولتی مطبع کابل سے شائع کرائی۔ اس کتاب میں دیگر مشاہیر کے علاوہ عبدالہادی داویؔ کی صحافتی خدمات کا تذکرہ موجود ہے اور ان کے مشہور و معروف اثر آثار اردو ی اقبال سے متعلق درج ذیل عبارت درج کی گئی ہے:

استاد عبدالهادی داودی د شرق د لوئ شاعر او مسلمان فیلسوف علامه داکتر اقبال له آثار و سره زیاته د زړه مینه لرله- دهغه په ځینو شعري آثار و کښې د دغې مینې ځرگندونه او اغیزی ځرگندیږی په دې لړ کښې هغه غوښتل چې علامه داکتر اقبال لاهوري آثار له اردو څخه په فارسي راوژباړي ددې

سلسلې دوه ټوکه یې په۱۳۵۵ ش کال کښې دا طلاعوتو او کلتور د وزارت د بهیقي د کتاب چاپولو د موسسه له خوا چاپ شوی دی- نور ټوکونه نه دی خپاره شوي۔ [۱۷۷]

ترجمہ: استاد عبدالهادی داویؔ کا مشرق کے عظیم مسلمان فلسفی شاعر علامہ ڈاکٹر اقبال کے آثار کے ساتھ گہرا تعلق تھا۔ ان کے بعض آثار میں اقبال سے اسی تعلق کا پر تو جلوہ گر ہے اس سلسلے میں وہ چاہتے تھے کہ علامہ اقبال لاہوری کے اردو آثار کے فارسی میں تراجم کریں۔ اسی سلسلے کی دو جلدیں ۱۳۵۵ھ ش میں اطلاعات کلتور وزارت کے بہیقی نشراتی ادارہ کی جانب سے شائع ہوئیں۔ جبکہ باقی جلدیں تشنۂ اشاعت ہیں۔

۱۳۶۵ھ ش:

مجلّہ شفق سال دوم شمارہ اول و دوم میں حضرت علامہ کی درج ذیل رباعیات و اشعار شائع ہوئے ہیں:

مسلمان گرچہ بے خیل وسپاہے است ضمیر او ضمیر پادشاہے است
اگر او را مقامش باز بخشند جمال او جلال بی پناہے است

مومنان را تیغ با قرآن بس است تربت مارا ہمین سامان بس است
گرتو می خواہی مسلمان زیستن نیست ممکن جز بہ قرآن زیستن

خلافت برمقام ما گواہی است حرام است آنچہ برمابادشاہی است
ملوکیت ہمہ مکر است و نیرنگ خلافت حفظ ناموس الٰہی است [۱۷۸]

۱۳۶۵ھ ش:

وزارت اقوام و قبائل افغانستان کے ریاست فرہنگ و نشریات نے پشتو زبان میں سرفراز خان خٹک کا خوشحال نامہ شائع کیا۔ اس کتاب کی تدوین و تحقیق اور تعلیقات جناب زلمی هیوا مل نے کی ہے۔ اس میں تقریباً ساڑھے چار صفحات پر مشتمل ایک عنوان ”خوشحال اور اقبال“ ہے۔

اس کے مطابق خوشحال کی اصطلاح ''ننگیالی'' کے تحت انسان کامل کا جو تصور اقبال نے پیش کیا ہے۔ اس نظریے کو المانی حکیم نطشہ (۱۸۴۴ء-۱۹۰۰ء) نے فوق البشر اور خود ارادیت کا نظریہ وضع کیا۔ اس کے بعد ہندی حکیم اقبال نے مردِ مومن اور نظریہ خودی کی اختراعات کے طور پر ہیں۔ اس نظریے کے بانی خوشحال خاں خٹک ہیں اور اقبال ہی نے خوشحال خاں خٹک کے باز سے شاہین کا تصور اخذ کیا ہے۔[179]

حمل ثور ۱۳۶۶ھ ش اپریل مئی ۱۹۸۷ء:

مجلّہ قلم میں حبیب اللہ رفیع نے مشہور و معروف افغان اقبال شناس استاد خلیل اللہ خلیلی کی وفات کی مناسبت سے ایک طویل مقالہ تحریر کیا ہے۔ اس مقالہ میں استاد خلیل اللہ خلیلی آثار و تراجم کے تعارف کے سلسلے میں دیار آشنا (علامہ اقبال بہ افغانستان) کا ذکر کیا ہے۔[180]

اس طرح ملت کی بیداری میں استاد خلیلی کو اقبال کی راہ کا راہی بتایا گیا ہے۔[181]

جوزا سرطان ۱۳۶۶ھ ش شوال ۱۴۰۷ھ ق:

مجلّہ میثاق خون میں نایل لاجور بنشہری کا مقالہ امروز برای فردا شائع ہوا ہے۔ اس میں مستقبل کے حوالے سے اقبال اور خواجہ حافظ شیرازی کے افکار سے متعلق بحث کی گئی ہے۔[182]

یہ مقالہ بعد میں سیر اقبال شناسی در افغانستان میں بھی شائع ہوا۔[183]

عقرب ۱۳۶۶ھ ش اکتوبر نومبر ۱۹۸۷ء:

مجلّہ قلم میں افغانستان کے معروف اقبال شناس ڈاکٹر سید خلیل اللہ ہاشمیان نے یومِ اقبال کی مناسبت سے ''بزرگداشت اقبال بزرگ'' کے عنوان سے علامہ کے فکر و فن پر ایک نہایت پر مغز اور طویل مقالہ شائع کرایا ہے۔[184]

یہ مقالہ بعد میں سیر اقبال شناسی در افغانستان میں بھی شائع ہوا۔[185]

۱۳۶۶ھ ش:

کابل میں حضرت علامہ کے کلام کا منظوم پشتو مترجم بابائے پشتو غزل امیر حمزہ شنواری کا اسی سالہ جشن ولادت منایا گیا۔ اس مناسبت سے کابل میں ایک علمی سمینار منعقد ہوا جس میں مختلف مقالات پیش کیے گئے۔ فارسی میں کاندید اکارمسین میر حسین شاہ نے ''محمد اقبال

اور حمزہ" کے عنوان سے مقالہ پیش کیا۔ یہ مقالہ بعد میں اس سمینار کے مشمولات پر مشتمل مجموعہ "حمزہ یاد" میں شائع ہوا۔[١٨٦]

۱۸ عقرب ۱۳۶۶ھ ش:

افغان اخبار شہادت کے صفحہ چار پر حضرت علامہ کی ایک بڑی تصویر ذیل نوٹ اور ان کے ذیل کلام کے ساتھ شائع ہوئی ہے:

بہ مناسبت تجلیل از روز تولد علامہ اقبال شاعر و فیلسوف نامدار جہان اسلام

امروز درست در برابر روز تولدی علامہ اقبال فیلسوف و شاعر نامدار جہان اسلام و شبہ جزیرۂ ہند قرار داریم۔ بزرگداشت از تولد علامہ اقبال ای بخش ماموریت مان را تشکیل می دھد کہ در دشوار ترین، لحظات مبارزہ و تلاش انقلابی ملت خود بہ آن توجہ باید کرد ادبیات معاصر اسلامی و روند کنون فلسفۂ اسلام نسبت بہ ہر زمان دلگیر نیاز دارد تا شعر و اندیشہ ہای این بزرگ مرد دنیای اسلام را با سرودہ ہای انقلابی و اندیشہ ہای توحیدی راہبان این نسل و نسل ہای دلگیری پیوندن دھیم۔ اینک بخاطر یاد بود علامہ اقبال یکی از اشعارہ ی را انتخاب نمودہ یم کہ خدمت خوانند گان عزیز تقدیم می گردد۔

نغمہ ام از زخمہ بے پرواستم ‏ ‏ ‏ من نوائے شاعر فرداستم
عصر من دانندۂ بے اسرار نیست ‏ ‏ ‏ یوسف من بہر ایں بازار نیست
نا امید استم ز یاران قدیم ‏ ‏ ‏ طور من سوزد کہ مے آید کلیم
قلزم یاران چو شبنم بے خروش ‏ ‏ ‏ شبنم من مثل یم طوفاں بدوش
نغمہ من ازجہان دیگر است ‏ ‏ ‏ این جرس را کاروان دیگر است
اے بسا شاعر کہ بعد از مرگ زاد ‏ ‏ ‏ چشم خو بر بست و چشم ما کشاد
رخت باز از نیستی بیروں کشید ‏ ‏ ‏ چوں گل از خاک مزار خود دمید
کاروان ہا گرچہ زیں صحرا گذشت ‏ ‏ ‏ مثل گام ناقہ کم غوغا گذشت
عاشقم فریاد ایمان من است ‏ ‏ ‏ شور حشر از پیش خیزان من است
نغمہ ام نغمہ ام زاندازۂ تار است بیش ‏ ‏ ‏ من نترسم از شکست عود خویش
قطرۂ از سیلاب من بیگانہ بہ ‏ ‏ ‏ قلزم از آشوب او دیوانہ بہ

در نمی گنجد بجو عمان من — بحر ہا باید پے طوفان من
غنچہ کز بالیدگی گلشن نشد — درخور ابر بہار من نشد
برقہا خوابیدہ در جان من است — کوہ و صحرا باب جولان من است
پنجہ کن بابحرم ار صحراستی — برق من درگیر اگر سیناستی
چشمۂ حیوان براتم کردہ اند — محرم راز حیاتم کردہ اند
ذرہ از سوز نوایم زندہ گشت — پر کشود و کرمک تابندہ گشت
ہیچ کس رازے کہ من گویم نگفت — ہمچو فکر من در معنٰی نسفت
سر عیش جاوداں خواہی بیا — ہم زمیں ہم آسماں خواہی بیا

پیر گردوں بامن ایں اسرار گفت
از ندیماں رازہا نتواں نہفت[۱۸۷]

۱۳۶۶ھ ش:
ن لاجور پنشھری نے امروز برای فردا کے عنوان سے ایک کتابچہ لکھا جو جمعیت اسلامی افغانستان کی جانب سے شائع ہوا۔ اس کتابچہ میں خواجہ حافظ شیرازی اور اقبال لاہوری کے افکار کی روشنی میں مستقبل کے حوالے سے بحث کی گئی ہے۔[۱۸۸]

حمل تا سنبلہ ۱۳۶۷ھ ش اپریل، جولائی ۱۹۸۸ء:
مجلّہ قلم کے بیک ٹائٹل کی پشت پر "فالِ قلم" کے طور پر حضرت علامہ کا کلام شائع ہوا ہے۔

جنگ است ہنوز

لالۂ ایں چمن آلودۂ رنگ است ہنوز — سپر از دست میندار کہ جنگ است ہنوز
فتنۂ را کہ دوصد فتنہ باَغوشش بود — دخترے ہست کہ در عہد فرنگ است ہنوز
اے کہ آسودہ نشینی لب ساحل برخیز — کہ ترا کار بہ گرداب نہنگ است ہنوز
از سر تیشہ گذشتن زخرد مندی نیست — اے بسا لعل کہ اندر دل سنگ است ہنوز
باش تا پردہ کشایم زمقام دگرے — چہ دہم شرح نواہا کہ بہ چنگ است ہنوز

نقش پرداز جہاں چون بہ جنونم نگریست
گفت ویرانہ بہ سودائے تو تنگ است ہنوز[۱۸۹]

دلو حوت ۱۳۶۷ھ ش فروری، مارچ ۱۹۸۹ء:

مجلّہ قلم کے اس شمارے میں بھی قلم کا فال حضرت علامہ کا کلام ہے:

زخاک خویش طلب آتشی کہ پیدا نیست — تجلّی دگرے در خور تقاضا نیست

نظر بخویش چناں بستہ ام کہ جلوۂ دوست — جہاں گرفت و مرا فرصت تماشا نیست

بملک جم ندہم مصرع نظیری را — کسے کہ کشتہ نشد از قبیلۂ ما نیست

زقید و صید نہنگان حکایتے آور — مگو کہ زورق ما روشناس دریا نیست

مرید ہمت آن رہروم کہ پانگذاشت
بہ جادۂ کہ در و کوہ و دشت دریا نیست[190]

۱۳۶۷ھ ش:

کابل میں عالمی ادارہ تحقیقات پشتو کے قیام کی دسویں سالگرہ کی مناسبت سے سیمینار ہوا تھا۔ ”پښتو څېړنې“ کے عنوان سے اس سیمینار کے مقالات کے مجموعے کی پہلی جلد شائع ہوئی۔ مرتب محقق شہزادہ زیارن اور طابع افغانستان کی اکادمی علوم ہے۔ اس میں ایک مقالہ محقق عبدالجبار نادر کا ”پشتانه د بهرنیو له نظره“ (پشتون بیرون زعما کی نظر میں) شامل ہے۔ اس مقالے میں موصوف نے حضرت علامہ کی مثنوی مسافر سے چند اشعار کا حوالہ لیا ہے جس میں وہ پشتونوں کے دشت و کوہسار کو سراہتے ہوئے کہتے ہیں:

خیبر از مردان حق بیگانہ نیست — دردل او صد ہزار افسانہ ایست

سرزمینے کبک و شاہین مزاج — آہوئے او گیرد از شیران خراج

در فضائش جرہ بازان تیز چنگ — لرزہ بر تن از نہیب شان پلنگ[191]

جوزا سرطان ۱۳۶۸ھ ش جون جولائی ۱۹۸۹ء:

مجلّہ قلم میں عبدالرؤف نوشہروی کا مقالہ ” اتحاد بین المسلمین وقت کی اہم ضرورت“ کے عنوان سے شائع ہوا جو حضرت علامہ کے اشعار و افکار کی بنیاد پر ترتیب دیا گیا ہے۔[192]

اسد سنبلہ ۱۳۶۸ھ ش اگست ستمبر ۱۹۸۹ء:

افغان مجلّہ ’’ قلم‘‘ میں افغان جہاد کے حوالے سے راقم الحروف کا مکتوب شائع ہوا ہے جس میں حضرت علامہ کے افکار کی روشنی میں افغان جہاد کو خراجِ تحسین پیش کیا گیا ہے۔ اور حضرت علامہ کا درج ذیل شعر نقل کیا ہے:

لاہور و دہلی جن کے دم سے ہم پہلو ہوئے
اے اقبال وہ بلبل بھی اب خاموش ہیں[۱۹۳]

۲۸ حوت ۱۳۶۸ھ ش:

افغانستان کے ایک ریٹائرڈ فوجی آفیسر ارکانحرب ڈگروال متقاعد عبدالحنان مینہ پال نے تپش قلب آسیا افغانستان در آزمون بزرگ کے نام سے ایک کتاب تحریر کی جو بعد میں دانش کتاب خانہ قصہ خوانی پشاور کی جانب سے ۱۳۷۷ھ ش میں طبع ہوئی۔ کتاب کے آغاز میں مکمل صفحے پر حضرت علامہ کے درج ذیل اشعار طبع ہوئے ہیں:

آسیا یک پیکر آب و گل است — ملتِ افغان درآن پیکر دل است
از فسادِ او فسادِ آسیا — در کشادِ او کشادِ آسیا
تادل آزاد است آزاداست تن — ورنہ کاہے در رہِ باد است تن
ہمچو تن پابندِ آئین است دل — مردہ از کین زندہ از دین است دل
قوتِ دیں از مقامِ وحدت است
وحدت از مشہود گردد ملت است[۱۹۴]

۱۳۶۸ھ ش نومبر ۱۹۸۹ء:

افغان اقبال شناس عبدالباری شہرت ننگیالؔ نے افغان جہاد سے متعلق اردو اشعار و منظومات یکجا کر کے خون کی پکار کے عنوان سے کتاب شائع کرائی ہے۔ اس کتاب کے بیک ٹائٹل پر بائیں جانب حضرت علامہ کی تصویر، اوپر شاہین اور دائیں جانب درج ذیل اشعار شائع ہوئے ہیں:

آسیا یک پیکر آب و گل است — ملتِ افغان درآن پیکر دل است
از فسادِ او فسادِ آسیا — در کشادِ او کشادِ آسیا
تادل آزاد است آزاداست تن — ورنہ کاہے در رہِ باد است تن[۱۹۵]

عقرب قوس ۱۳۶۹ھ ش:

مجلّہ ''قلم'' میں قاضی محمد صدیق صادقؒ نے مرحوم گل باچا الفتؒ کے نظریات کے حوالے سے ایک مقالہ تحریر کیا ہے۔ اس مقالے میں الفتؒ کے نظریات کو اقبال کے نظریات سے معادل گردانا ہے۔

ترجمہ: ''ایک بلند نظر شخصیت کے مالک جن کے بلند خیالات اور گہرے افکار نے زندگی کے نشیب و فراز کا احاطہ کیا ہے۔ ان کے ہر جملہ، ہر حرف، ہر کلمہ یا ہر شعر پر کتابیں رقم کی جاسکتی ہیں۔ ایسی شخصیت کا تذکرہ ایک مقالے یا مجلے میں کرنا، ان کے حیات و طرز تفکر پر لکھنا یقیناً قابلِ جرأت اقدام ہے۔ کیونکہ اگر ان کے اشعار کا علامہ اقبال کے فارسی اشعار سے موازنہ کیا جائے تو بالکل ان کے ساتھ معادل کلیات کی ترتیب اور لطافت زماں و مکان کی مطابقت میں کبھی بھی ان کے افکار سے کم نہ ہوں گے۔

یہاں مرحوم علامہ اقبال اور مرحوم الفتؒ کا ایک ایک شعر نقل کیا جاتا ہے۔ علامہ اقبال فرماتے ہیں:

عمرہا در کعبہ و بتخانہ می نالد حیات
تا ز بزم عشق یک دانائے راز آید بیرون

اور یہی مقصد مرحوم الفتؒ نے نابغہ مشرق سید جمال الدین افغانیؒ سے متعلق مدح میں یوں ادا فرمایا ہے:

د قدرت د کارخانو نه کله کله
په جهان پیدا یو بل رنګه بشر شي

ترجمہ: قدرت کے کارخانے سے کبھی کبھی اسرارِ جہاں میں ایک منفرد قسم کا بشر پیدا ہو جاتا ہے۔[۱۹۶]

۱۳۶۹ھ ش

حبیب اللہ رفیع نے افغان جہاد کے دوران شائع شدہ ۱۶۸ ادبی کتب کا تعارف د وژمو بهیر (کاروانِ مہک) شائع کیا ان میں درج ذیل دو کتابیں حضرت علامہ سے متعلق ہیں:

۱- امروز زدای برای فردا از لاجور پنشہری

یہ کتاب افغانستان کی جماعتِ اسلامی کی جانب سے ۱۳۶۶ھ ش کو شائع ہوئی۔ اس میں مستقبل کے بارے میں فلسفیانہ اور ادبی بحث موجود ہے۔ مستقبل کے بارے میں خواجہ حافظ شیرازی اور اقبال لاہوری کے افکار و نظریات پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ ایک مترقی و کامیاب مستقبل کے لیے جہدِ مسلسل کو شرط قرار دیا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ مستقبل سے خوش بینی منسوب کی گئی ہے۔[۱۹۷]

۲- یار آشنا   از استاد خلیل اللہ خلیلی

جمعیت اسلامی افغانستان علمی و مشاورتی انجمن کی جانب سے استاد خلیل اللہ خلیلی کا منظوم و منثور اثر ۱۹۸۲ء میں شائع ہوا۔ یہ کتاب ۸۰ صفحات پر مشتمل ہے اور اس میں حضرت علامہ کی یاد اور ان کے فن و شخصیت سے متعلق نکات بیان کیے گئے ہیں۔[۱۹۸]

۱۳۶۹ھ ش:

مجلّہ ''قلم'' میں زلمی هیواد ملؔ نے حضرت علامہ کے مقالے (Khushal Khan Khattak the Afghan Warrior Poet) مطبوعہ (Islamic Culture) حیدرآباد دکن جولائی ۱۹۲۸ء کے حوالے سے تحقیقی مقالہ ''د علامه اقبال لاهوری مقاله افغان جنګیالی شاعر'' شائع ہوا۔[۱۹۹]

۱۳۶۹ھ ش:

مشہور افغان محقق زلمی هیواد ملؔ نے سر محقق Great Researcher کے عہدے کے لیے اپنا تحقیقی مقالہ ''په هند کښې د پښتو ژبې او ادبیاتو دودې او ایجاد پړاؤنه'' (ہندوستان میں پشتو زبان و ادب کے ارتقائی مراحل) تحریر کیا۔ اس مقالے میں حضرت علامہ کو ہندوستان میں خوشحال شناسی کا سب سے پہلا سکالر قرار دیا ہے۔ خوشحال سے متعلق علامہ کے ذیل اشعار بھی شاملِ مقالہ کیے ہیں:

خوش سرود آں شاعرِ افغان شناس — آنکہ بیند، باز گوید بے ہراس!

آں حکیمِ ملت افغانیاں — آں طبیب علتِ افغانیاں!

رازِ قومی دید و بے باکانہ گفت — حرفِ حق با شوخیٔ رندانہ گفت!

''اشترے یابد اگر افغانِ حُر — یا براق و ساز و با انبارِ دُر

ہمتِ دونش ازاں انبارِ دُر　　　می شود خوشنود بازنگِ شتر"!

منقولہ بالا اشعار کے آخری دو اشعار کو خوشحال خان خٹک کے ذیل پشتو اشعار کا ترجمہ قرار دیا گیا ہے:

اوس له باره په خپل کور کی ورغلی
په ولجه د اوبن د غاړې د جرس دی

خوشحال خان خٹک سے متعلق حضرت علامہ کے انگریزی مقالے "Khushal Khan Khattak the Afghan Warrior Poet" مطبوعہ اسلامک کلچر حیدر آباد دکن جولائی ۱۹۲۸ء کے مشمولات کا نہایت تفصیلی و تحقیقی انداز سے جائزہ پیش کیا گیا ہے۔ اقبال کے شاہین کے تصور کا منبع فکرِ خوشحال کو قرار دیا گیا ہے۔ اس مقالے کے پشتو تراجم پر بھی بحث کی گئی ہے۔[۲۰۰]

اسد سنبلہ ۱۳۷۰ھ ش:

"ابتدا رہبران مسلمانان و ہندو ھا متحداً حزب کانگریس را برای رہبری جنبش آزادی ہند تشکیل داند شخصیت ہائ مسلمان کہ رہبری جنبش ہند را بہ عہدہ داشتہ عبارت بودند از محمد علی جناح، شوکت علی، سر سید احمد خان، نواب محسن، سلطان محمد، عبدالغفار خان، علامہ اقبال لاہوریؔ وغیرہ اما بعد از یکیہ گاندھی در راس حزب کانگریس قرار گرفت بنا بر سیاست ہائ طلبا و انصاری ایکہ داشت مسلمانان حزب کانگریس را ترک و دست بہ تاسیس حزب جدید بنام مسلم لیگ زدند۔

ترجمہ: شروع میں مسلمان لیڈروں نے ہندو رہنماؤں کے ساتھ مل کر آزادی ہند کے لیے مشترکہ سیاسی جماعت کانگریس بنائی جس میں مشہور مسلمان لیڈروں میں محمد علی جناح، شوکت علی، سر سید احمد خان، نواب محسن، سلطان محمد، عبدالغفار خان، علامہ اقبال لاہوری وغیرہ شامل تھے۔ جنھوں نے ہندوستان کی آزادی کے لیے جدوجہد کی۔ لیکن بعد میں گاندھی جی کے رویے اور سیاست میں جانبداری کے باعث مسلمانوں نے کانگریس کو خیر آباد کہہ کر اپنی ایک جدا سیاسی پارٹی مسلم لیگ کی بنیاد ڈالی۔[۲۰۱]

میزان ۱۳۷۰ھ ش ربیع الاول، ربیع الثانی ۱۴۱۲ھ ق:

افغان جریدہ منبع الجہاد میں حضرت علامہ کی درج ذیل رباعی شائع ہوئی:

مسلمانے کہ داند رمز دیں را نساید پیش غیر اللہ جبیں را
اگر گردوں بہ کام او نگردد بکام خود بگرداند زمیں را[۲۰۲]

۱۰ میزان ۱۳۷۰ھ ش ۲/ اکتوبر ۱۹۹۱ء:

جریدہ ''د جہاد ہندارہ'' میں حضرت علامہ کے درج ذیل اشعار شائع ہوئے:

میا را بزم بر ساحل کہ آنجا نوائے زندگانی نرم خیز است
بہ دریا غلت و باموجش در آویز حیات جاوداں اندر ستیز است

ہر کہ عشق مصطفی سامان اوست بحر و بر در گوشۂ داماں اوست
سوز صدیقؓ و علیؓ از حق طلب ذرہ عشق نبی ﷺ از حق طلب[۲۰۳]

یکم عقرب ۱۳۷۰ھ ش ۲۳/ اکتوبر ۱۹۹۱ء:

جریدہ د جہاد ہندارہ میں حضرت علامہ کی درج ذیل رباعی شائع ہوئی:

قبائے زندگانی چاک تاکے چو موراں آشیاں درخاک تاکے
بہ پرواز آ و شاہینی بیاموز تلاش دانہ در خاشاک تاکے[۲۰۴]

عقرب قوس ۱۳۷۰ھ ش:

منبع الجہاد کے اگلے شمارے میں بھی حضرت علامہ کی مندرجہ بالا رباعی شائع ہوئی۔[۲۰۵]

دلو حوت ۱۳۷۰ھ ش فروری مارچ ۱۹۹۲ء:

مجلّہ قلم میں افکارِ اقبال کی روشنی میں احمد جان امینیؔ کا فارسی زبان میں نہایت علمی و ادبی مقالہ'' افغانستان در آئینہ قرآن ''شائع ہوا۔[۲۰۶] یہ مقالہ بعد میں سیر اقبال شناسی در افغانستان میں بھی شائع ہوا ہے۔[۲۰۷]

۲۸ قوس ۱۳۷۱ھ ش ۱۹/ دسمبر ۱۹۹۲ء پشتون افغان اقبال شناس شاعر سر محقق عبد اللہ بختانی خدمتگار نے خیر خانہ کابل میں دنیا کی بے ثباتی پر ایک طویل پشتو نظم ''د غم زخم'' تحریر کی۔ اس نظم میں مشاہیر پشتو و فارسی شعرا کے مرثیے بھی کہے گئے ہیں۔ جبکہ علامہ کے درج ذیل اشعار کے حوالے بھی دیے گئے ہیں:

سحر می گفت بلبل باغباں را درین گل جز نہال غم نگیرد
بہ پیری میرسد خار بیابان ولے گل چون جوان گردد بمیرد[۲۰۸]

جولائی اگست ۱۹۹۴ء:

افغان اہل قلم تنظیم (- The Writers Union of Free Afghanistan (WUFA) کی جانب سے (The WUFA) کے نام سے انگریزی میں اس کا دوماہی جرنل شائع ہوا۔ اس کے سال اول، شمارہ اول، جولائی اگست ۱۹۹۴ء کے بیک ٹائٹل پر حضرت علامہ کے درج ذیل اشعار انگریزی ترجمے کے ساتھ شائع ہوئے:

آسیا یک پیکر آب و گل است ملتِ افغان درآن پیکر دل است
از فسادِ او فسادِ آسیا در کشاد او کشادِ آسیا

> Asia is comparable to a living body. The heart that beat inside the body is the nation of Afghanistans. The destruction of Afghans would be destruction of Asia and in thier progress and propentylies well being of Asia.[۲۰۹]

۱۳۷۲ھ ش:

جریدہ مجاہد میں آقای حیدری وجودی کا مقالہ "اسرار خودی و رموز بیخودی از دید گاہ اقبال" شائع ہوا۔[۲۱۰]

یہ مقالہ بعد میں علامہ اقبال در ادب فارسی و فرہنگ افغانستان میں بھی شائع ہوا۔[۲۱۱]

۱۳۷۳ھ ش ۱۹۹۴ء:

زلمی ھیواد مل کی پشتو تحقیقی کتاب " پہ ھند کښې ژبې او ادبیاتو دودي او ایجاد پړاؤنه " (ہندوستان میں پشتو زبان و ادب کے ارتقائی مراحل) شائع ہوئی۔ خوشحال خان خٹک سے متعلق حضرت علامہ کے نظریات اور خوشحال سے متعلق ان کے مقالے پر بحث کی گئی ہے۔[۲۱۲]

سرطان ۱۳۷۵ھ ش جولائی ۱۹۹۶ء:

مجلّہ افغانستان میں سید سلیمان ندویؔ کے سیر افغانستان کے پشتو ترجمے کی ایک قسط از شہرت ننگیالؔ شائع ہوئی جو سفر افغانستان میں حضرت علامہ کے ہمرکاب تھے۔[۲۱۳]

۱۱ جدی ۱۳۷۵ھ ش:

حضرت علامہ کے مثنوی "مسافر" کے جواب میں افغان اقبال شناس ڈاکٹر محمد رحیم الہامؔ نے جواب مسافر شائع کرائی۔[۲۱۴] جو جناب الہامؔ کے سوانح کے ساتھ شاملِ مقالہ ہے۔

۱۱ جدی ۱۳۷۵ھ ش:

حضرت علامہ سے لاہور میں ملاقات کی یادوں کے سلسلے میں حضرت علامہ کے کابل میں میزبان انجمن ادبی کے ممبر سید قاسم رشتیاؔ کا مقالہ "ساعتی در خدمت علامہ اقبال" شائع ہوا۔[۲۱۵] یہ مقالہ بعد میں "سیر اقبال شناسی در افغانستان" میں بھی شائع ہوا۔[۲۱۶]

۲۰/ نومبر ۱۹۹۶ء پشتون اقبال شناس شاعر عبداللہ بختانی خدمتگار نے ننگرہار بختان میں پشتو شاعر غلام رحمن جرار کا پشتو مرثیہ تحریر کیا جس میں علامہ کے درج ذیل اشعار کا منظوم پشتو ترجمہ کیا:

چو رخت خویش بر بستم ازیں خاک　　ہمہ گفتند با ما آشنا بود
و لیکن کس ندانست ایں مسافر　　چہ گفت و با کہ گفت و از کجا بود

منظوم پشتو ترجمہ:

له دې مینې چې يي و ترله کړه
ټولو وې زمونږ عزيز او ګران آشنا وو
خو څوك پوه نه شو چې دا غه مسافر
څه وئيل چاتې وئيل د کومې خوا وو[۲۱۷]

۱۰ جدی ۱۳۷۶ھ ش:

معروف افغان اقبال شناس سر محقق عبداللہ بختانیؔ خدمتگار کا فارسی زبان میں "آسیا گذر گاہ و نظر گاہ علامہ اقبال" شائع ہوا۔[۲۱۸] یہ مقالہ بعد میں سیر اقبال شناسی در افغانستان میں بھی شائع ہوا۔[۲۱۹]

۱۳۷۶ھ ش:

م۔ لمر احسان کی تالیف افغانستان از زبان علامہ اقبال مرکز نشرات اسلامی صبور پشاور کے زیر اہتمام شائع ہوئی۔[۲۲۰]

۱۳۷۶ھ ش:

پوھیالی اسماعیل یونؔ نے کابل یونیورسٹی کے شعبہ زبان و ادبیات کے گولڈن جوبلی ۱۳۲۳ھ ش ۔۱۳۷۳ھ ش) کی مناسبت سے اس ادارے کا مطبوعہ آثار اساتذہ، فارغ التحصیل افراد، اور یہاں کے لکھے گئے مختلف تحقیقی مقالوں (ایم اے لیول) کا تذکرہ ''پښتو کتاب پنود'' شائع کیا۔ اس کتاب میں عبدالرؤف بینواؔ کے تعارف کے دوران ان کے آثار و مطبوعات کے سلسلے میں حضرت علامہ کی مثنوی مسافر کا تذکرہ ہے۔ جس کا منظوم پشتو ترجمہ جناب بینواؔ نے ''پردیس'' کے نام سے کیا تھا اور کابل کے اخبار انیس کے ۱۳۲۱ھ ش کے مختلف شماروں میں قسطوں میں شائع ہوتا رہا۔[۲۲۱]

یکم سرطان ۱۳۷۷ھ ش ۲۷ صفر ۱۴۱۹ھ ق ۲۲ جون ۱۹۹۸ء:

جریدہ ادب و معرفت میں رحمان بابا، خوشحال خان خٹک، حمید بابا اور احمد شاہ بابا کے پشتو میں اشعار شائع ہوئے ہیں جبکہ فارسی میں سعدیؔ شیرازی، حکیم سنائی، غزنوی اور حضرت علامہ اقبال کا درج ذیل شعر شائع ہوا ہے:

حفظِ قرآن عظیم آئین تست
حرفِ حق را فاش گفتن دین تست[۲۲۲]

(علامہ اقبال)

یکم اسد ۱۳۷۷ھ ش ۲۹ ربیع الاول ۱۴۱۹ھ ق ۲۳ر جولائی ۱۹۹۸ء:

افغان اقبال شناس احمد صمیمؔ قندھاری کے زیرِ ادارت جریدے ''ادب و معرفت'' میں پشتو و فارسی مشاہیر اساتذہ شعرا کے چیدہ چیدہ ابیات شائع ہوئے ہیں۔ پشتو میں رحمان بابا، خوشحال خان خٹک، کاظم خان شیداؔ، مرزا خان انصاری، شمس الدین کاکڑؔ جبکہ فارسی میں حکیم سنائی غزنوی، نظامی عروضی گنجوی، مرزا عبدالقادر بیدلؔ، مولانا روم اور دانائے راز اقبال لاہوری کے ابیات شامل ہیں۔ حضرت علامہ کا درج ذیل شعر ہے:

ہر کہ عشق مصطفیٰ سامان اوست
بحر و بر در گوشۂ دامان اوست[۲۲۳]

یکم سنبلہ ۱۳۷۷ھ ش جماد الاول ۱۴۱۹ھ ق ۲۳/ اگست ۱۹۹۸ء:

جریدہ ادب و معرفت:

فارسی شعرا کے چیدہ چیدہ ابیات شائع ہوئے۔ سنائی، غزنوی، شاہ شرف قلندرؒ، نظامی عروضی، دانائے راز علامہ اقبال، مولانا بلخی، سعدی شیرازی۔ حضرت علامہ کا درج ذیل بیت ہے:

جنگ مومن چیست ہجرت سوئے دوست
ترکِ عالم اختیار کوئے دوست[۲۲۴]

یکم میزان ۱۳۷۷ھ ش ۲ جمادی الاول ۱۴۱۹ھ ق ۲۳/ ستمبر ۱۹۹۸ء:

جریدہ ادب و معرفت کے پہلے ہی صفحے پر حکیم غزنوی، نظامی گنجوی، سعدی شیرازی اور دانائے راز علامہ مشرق اقبال کے ابیات شائع ہوئے ہیں:

جنگ شاہاں جنگ غارت گری است
جنگِ مومن سنتِ پیغمبری است[۲۲۵]

عقرب ۱۳۷۷ھ ز:

جریدہ ادب و معرفت میں حضرت علامہ کا درج ذیل شعر شائع ہوا ہے:

نوجوانے را چو بینم بے ادب
روزِ من تاریک می گردد چو شب[۲۲۶]

۱۳۷۷ھ ش:

افغانستان کے فوجی آفیسر ارکانحرب ڈگروال متقاعد عبدالحنان مینہ پال کی کتاب تپش قلب آسیا افغانستان در آزمون بزرگ تاریخ پشاور کے دانش کتابخانہ کی جانب سے شائع ہوئی۔ ٹائٹل کے بعد مؤلف کی ایک خوبصورت تصویر اور اس کے ایک مکمل صفحے پر اقبال کے درج ذیل کے اشعار شائع ہوئے:

آسیا یک پیکر آب و گل است ملت افغان در آن پیکر دل است
از فساد او فساد آسیا در گشاد او گشاد آسیا

تادل آزاد است آزاد است تن ورنہ کاہے در رہ باد است تن
ہمچو تن پابند آئین است دل مردہ از کین زندہ از دین است دل
قوت دین از مقام وحدت است
وحدت ار مشہود گردد ملت است[۲۲۷]

۱۳۷۸ھ ش:

افغان اقبال شناس سید اسماعیل اکبر کا مقالہ "سھم افغانستان در اقبال شناسی" مجلّہ دانش میں شائع ہوا۔[۲۲۸]

۱۳۷۸ھ ش:

افغانستان کے مشہور و معروف اقبال شناس افغان شاعر استاد خلیل اللہ خلیلی کی کلیات شائع ہوئی ان میں حضرت علامہ کو فارسی میں مختلف چھ منظومات کے تحت منظوم خراجِ تحسین پیش کیا گیا ہے۔[۲۲۹]

۹ سنبلہ ۱۳۷۹ھ ش ۳۱/ اگست ۲۰۰۰ء:

ہفت روزہ افغانان میں حضرت علامہ کی درج ذیل نظم الحذر منت غیر الحذر شائع ہوتی ہے:

اے فراہم کردہ از شیراں خراج گشتہ روبہ مزاج از احتیاج
خستگی ہاے تو از ناداری است اصل درد تو ہمیں بیماری است
می رباید رفعت از فکر بلند می کشد شمع خیال ارجمند
از خم ہستی مے گلفام گیر نقد خود از کیسۂ را ایام گیر
خود فرود آ از شتر مثل عمرؓ الحذر از منت غیر الحذر
تا بکے دریوزۂ منصب کنی صورت طفلاں زنے مرکب کنی
فطرتے کو برفلک بندد نظر بست می گردد ز احسان دگر
مشت خاک خویش را از ہم مپاش مثل مہ رزق خویش از پہلو تراش
گرچہ باشی تنگ روز تنگ بخت در رہ سیل بلا افگندہ رخت
رزق خویش از نعمت دیگر مجو موج آب از چشمۂ خاور مجو

ہمت از حق خواہ و باگردوں ستیز　　آبروے ملت بیضا مریز
واے برمنت پذیر خوان غیر　　گردنش خم گشتۂ احسان غیر
چوں حباب از غیرت مردانہ باش
ہم بہ بحر اندر نگوں پیمانہ باش[۲۳۰]

۲۴ عقرب ۱۳۷۹ھ ش:

ہفت روزہ افغانان میں حضرت علامہ کی تصویر کے ساتھ درج ذیل اشعار شائع ہوئے:

شعلۂ آشفتہ

چون چراغ سوزم درخیابان شما　　ای جوانان عجم جانِ من و جان شما
غوطہ ھازد در ضمیر زندگی اندیشہ ام　　تابدست آوردہ ام افکار پنہان شما
مہرومہ دیدم نگاہم برتراز پروین گذشت　　ریختم طرح حرم درکافرستان شما
تاسنانش تیز تر گردد فرو پیچید مش　　شعلہ ئی آشفتہ بوداند ربیابان شما
فکر نگینم کند نذر تہی دستان شرق　　پارۂ لعلی کہ دارم ازبدخشان شما
میرسد مردی کہ زنجیر غلامان بشکند　　دیدہ ام ار زون دیوار زندان شما
حلقۂ گرد من زیندای پیکر آن آب و گل
آتشی درسینہ دارم از نیاکان شما[۲۳۱]

۱۳۷۹ھ ش ۲۰۰۰ء:

مرکز تحقیقات علامہ حبیبیؒ کی جانب سے ادارہ خدمات کلتوری افغانستان پشاور نے علامہ عبدالحئیٔ حبیبیؒ قندھاری کا منظوم فارسی اثر دردِ دل و پیامِ عصر شائع کیا۔ اس کتاب کے حصہ اول میں بھی حضرت علامہ کی بعض تضمینوں پر اشعار لکھے گئے ہیں۔ اور جابجا حضرت علامہ کے حوالے دیے گئے ہیں۔ جبکہ حصہ دوم حضرت علامہ اقبال کے شعری اسلوب میں لکھے گئے فارسی اشعار کا مجموعہ ہے۔ اس حصے میں جابجا حضرت علامہ کا حوالے دینے کے علاوہ ان کو دو منظوم خراج تحسین بھی پیش کیے گئے ہیں۔[۲۳۲]

۱۳۸۰ھ ش:

عبداللہ بختانیؔ کی ایک کتاب " خوشحال خان او یوڅو نور فرهنګیالی پښتانه" شائع ہوئی۔ اس کتاب میں خوشحال خان خٹک کے افکار کی ترجمانی کے سلسلے میں حضرت علامہ کے ان اشعار کا حوالہ دیا گیا ہے:

قبائل ہوں ملت کی وحدت میں گم — کہ ہو نام افغانیوں کا بلند
محبت مجھے ان جوانوں سے ہے — ستاروں پہ جو ڈالتے ہیں کمند!
مغل سے کسی طرح کمتر نہیں — قہستاں کا یہ بچۂ ارجمند
کہوں تجھ سے کیا ہم نشیں دل کی بات — وہ مدفن ہے خوشحال خاں کو پسند
اڑا کر نہ لائے جہاں بادِ کوہ — مغل شہسواروں کی گردِ سمند[۲۳۳]

اسی عنوان کے تحت خوشحال خان سے متعلق بالِ جبریل کے درج ذیل اشعار نقل کیے ہیں:

خوش سرود آن شاعر افغاں شناس — آنکہ بیند باز گوید بے ہراس
آں حکیم ملت افغانیان — آں طبیب علت افغانیاں
راز قومے دید و بیباکانہ گفت — حرف حق با شوخی رندانہ گفت
اشترے یابد اگر افغان حر — با یراق و ساز و با انبار در
ہمت دونش از آں انبار در — می شو خوشنود بازنگ شتر[۲۳۴]

متذکرہ بالا کتاب میں جناب بختانی کا پہلے سے مطبوعہ مقالہ" د خوشحال او اقبال د اشعار و ځنی مشترکی خواوی"(خوشحال اور اقبال کے اشعار کے چند مشترک نکات) بھی شامل کیا گیا ہے۔[۲۳۵]

۱۳۸۰ھ ش ۲۰۰۱ء:

قندھار کے شعرا سے متعلق صالح محمد صالحؔ نے ایک تذکرہ دار غند د ځپو ژبه شائع کرایا۔ اس میں احمد صمیم کے سوانحی تذکرے میں ان کے کلام پر اقبال کے اثرات کا ذکر کیا گیا ہے۔[۲۳۶]

۱۳۸۰ھ ش افغان سکالر عبد اللہ بختانی کے حیات و خدمات سے متعلق لال باچا ازمون کی مرتب کردہ رشتینی خدمتگار شائع ہوئی۔ اس میں جناب بختانی کی علمی خدمات کے حوالے سے جابجا ان کی اقبالیاتی خدمات کا جائزہ لیا گیا ہے۔[۲۳۷]

حمل ثور ۱۳۸۱ھ ش اپریل مئی ۲۰۰۲ء:

افغان مجلّہ بیان کے ٹائٹل پر سابق افغان بادشاہ ظاہر شاہ کی ایک خوبصورت رنگین تصویر اور بیک ٹائٹل پر "نالۂ ابلیس" حضرت علامہ کی نظم شائع ہوئی ہے:

اے خداوند صواب و ناصواب — من شدم از صحبت آدم خراب
ہیچ گہ از حکم من سربر نتافت — چشم از خود بست و خود را در نیافت
خاکش از ذوق "ابا" بیگانۂ — از شرار کبریا بیگانۂ
صید خود صیاد را گوید بگیر — الاماں از بندۂ فرماں پذیر
از چنین صیدی مرا آزاد کن — طاعت دیروزۂ من یاد کن
پست از و آں ہمت والاے من — واے من، اے واے من، اے واے من
فطرت او خام و عزم او ضعیف — تاب یک ضربم نیارد ایں حریف
بندۂ صاحب نظر باید مرا — یک حریف پختہ تر باید مرا
لعبت آب و گل از من باز گیر — من نیاید کودکی از مرد پیر
ابنِ آدم چیست یک مشت خس است — مشت خس را یک شرار از من بس است
اندریں عالم اگر جز خس نبود — ایں قدر آتش مرا دادن چہ سود
شیشہ را بگداختن عارے بود — سنگ را بگداختن کارے بود
آنچناں تنگ از فتوحات آمدم — پیش تو بہر مکافات آمدم
منکر خود از تو میخواہم بدہ — سوے آن مرد خدا را ہم بدہ
بندۂ باید کہ پیچید گردنم — لرزہ اندازد نگاہش در تنم
آں کہ گوید "از حضور من برو" — آں کہ پیش او نیرزم باد و جو

اے خدا یک زندہ مرد حق پرست
لذتے شاید کہ یابم در شکست[۲۳۸]

جدی ۱۳۸۱ھ ش:

افغان اقبال شناس سر محقق عبداللہ بختانی خدمتگار کے پشتو فارسی اور عربی مرثیوں پر مشتمل مجموعہ ویرنی شائع ہوا۔ اس میں جابجا حضرت علامہ کے اشعار اور حوالے دیے گئے ہیں۔[۲۳۹]

جدی ۱۳۸۱ھ ش:

سر محقق عبداللہ بختانی کا فارسی مجموعہ کلام ترنم دل کے نام سے شائع ہوا۔ اس میں علامہ سے متعلق طویل فارسی نظم ''بہ استقبال اقبال'' شائع ہوئی ہے۔[۲۴۰]

۸ ثور ۱۳۸۳ھ ش:

افغان شاعر رحمت اللہ منطقی نے علامہ کو ''چو بحر بیکراں'' کے عنوان سے منظوم فارسی خراج تحسین پیش کیا۔[۲۴۱]

۱۳ ثور ۱۳۸۳ھ ش:

مشہور افغان شاعر میر بہار واصفی نے حضرت علامہ کو ''بہ علامہ اقبال لاہوری'' کے عنوان سے منظوم فارسی خراج تحسین پیش کیا۔[۲۴۲]

۲۰ ثور ۱۳۸۳ھ ش:

افغان شاعر غلام ربانی ادیب نے کابل میں حضرت علامہ کو منظوم خراج تحسین پیش کیا۔[۲۴۳]

۱۵ حمل ۱۳۸۳ھ ش:

عزیز اللہ مجددی افغان شاعر نے علامہ کے حضور کابل میں منظوم خراج تحسین پیش کیا۔

۱۳۸۳ھ ش ۲۰۰۴ء:

اقبال اکیڈمی پاکستان لاہور کی جانب سے عبدالرؤف رفیقی کی مرتب کردہ کتاب سیر اقبال شناسی در افغانستان شائع ہوئی۔

۱۳۸۳ھ ش ۲۰۰۴ء:

اسد اللہ محقق نے اپنا مقالہ ''علامہ اقبال در ادب فارسی و فرہنگ افغانستان'' ڈاکٹریٹ کے لیے پیش کر دیا۔

۱۳۸۳ھ ش ۲۰۰۵ء:

ڈاکٹر عبد الرؤف رفیقی کو "افغانستان میں اقبال شناسی کی روایت" پر ڈاکٹریٹ کی ڈگری ملی۔

۱۳۸۴ھ ش ۲۰۰۵ء:

ڈاکٹر اسد اللہ محقق کا مقالہ برائے ڈاکٹریٹ "علامہ اقبال در ادب فارسی و فرھنگ افغانستان" مرکز تحقیقات فارسی ایران و پاکستان اسلام آباد کی جانب سے شائع ہوا۔

۱۳۸۹ھ ش:

کابل کی انجمن حمایت از انکشاف اجتماعی (مطبعہ فجر مؤسسہ نشراتی صبا کی جانب سے ڈاکٹر سعید کی "اکسیر خودی جوھر پیام علامہ اقبال" ۱۷۶ صفحات پر شائع ہوئی۔

سرطان ۱۳۸۹ھ ش جون ۲۰۱۰ء:

خلیل اللہ خلیلی کی نگارش یار آشنا (پیوند علامہ اقبال با افغانستان) عارف نوشاہی کی پیش گفتار اور حواشی کے ساتھ کتابخانہ استاد خلیل اللہ خلیلی انستیوت شرق شناسی و میراث خطی اکادمی علوم جمہوری تاجیکستان دوشنبہ کی جانب سے دوبارہ ۱۵۰ صفحات پر شائع ہوئی۔

مآخذات باب چہارم

۱۔ اخبار اصلاح کابل یکشنبہ ۴ ثور ۱۳۱۷ھ ش
۲۔ افغانستان و اقبال، ص ۷۳ تا ۷۶
۳۔ اخبار انیس کابل چارشنبہ ۱۴ ثور ۱۳۱۷ھ ش
۴۔ افغانستان و اقبال، ص ۷۱ تا ۷۳
۵۔ مجلّہ کابل مئی جون ۱۹۳۸ء ص ۷۸
۶۔ افغانستان و اقبال، ص ۵۰-۵۱
۷۔ سیر اقبال شناسی در افغانستان، ص ۵۹
۸۔ مجلّہ کابل مئی جون ۱۹۳۸ء، ص ۷۹ تا ۸۲

۹ افغانستان و اقبال، ص۵۲ تا۶۰
۱۰ سیر اقبال شناسی در افغانستان، ص۶۰ تا۶۶
۱۱ مجلّہ کابل مئی جون۱۹۳۸ء ص۹۴
۱۲ افغانستان و اقبال، ص۶۱-۶۲
۱۳ سیر اقبال شناسی در افغانستان، ص۲۲۷-۲۲۸
۱۴ افغانستان و اقبال، ص۶۴-۶۸
۱۵ سیر اقبال شناسی در افغانستان، ص۶۷-۷۳
۱۶ مجلّہ کابل مئی جون۱۹۳۸ء، ص۹۲
۱۷ افغانستان و اقبال، ص۶۹-۷۰
۱۸ سیر اقبال شناسی در افغانستان، ص۷۳-۸۶
۱۹ مجلّہ کابل مئی جون۱۹۳۸ء، ص۹۴
۲۰ ایضاً، ص۹۳
۲۱ ایضاً، ص۹۳
۲۲ مجلّہ کابل شمارہ۱۲ حوت۱۳۱۷ھ ش
۲۳ سیر اقبال شناسی در افغانستان، ص۸۶
۲۴ مجلّہ کابل ستمبر اکتوبر۱۹۳۹ء ص ۲۲ تا ۴۰
۲۵ سیر اقبال شناسی در افغانستان، ص۸۷ تا۱۱۹
۲۶ د افغانستان پښتنلیك، ص۲۸۶
۲۷ مجلّہ کابل دلو۱۳۲۳ھ ش ص آخر
۲۸ سیر اقبال شناسی در افغانستان، ص۱۲۰
۲۹ مجلّہ کندھار ۳۰جولای ۱۹۴۵ء، ص۲۲
۳۰ خوشحال خان ختټك څه وائی، ص۴۹ - ۵۰
۳۱ امان افغان شمارہ۹، ۱۰، ۱۱، ۱۳، ۱۷
۳۲ پښتانه د علامه اقبال په نظر کښې، ص۶۷
۳۳ رشتيني خدمتگار، ص۱۳۶
۳۴ آریانا دائرہ المعارف جلد۳، ص۲۷۲-۲۸۱

۳۵ سیر اقبال شناسی در افغانستان، ص ۱۲۱-۱۴۳

۳۶ پښتانه د علامه اقبال په نظر کښې، ص الف، ب

۳۷ آریانا دائرۃ المعارف (فارسی) جلد ۳، ص ۶۷۲ تا ۶۸۱

۳۸ پښتانه د علامه اقبال په نظر کښې، ص ۵ ۱۳۳۵ھ ش

۳۹ آریانا دائرۃ المعارف (پشتو) جلد ۳، ص ۹۱۴ تا ۹۲۳

۴۰ پیامِ حق شمارہ اول یکم حمل ۱۳۳۸ھ ش ۲۲/ مارچ ۱۹۵۹ء ص ۳

۴۱ ایضاً، ص ۳۳

۴۲ ایضاً، ص ۳۳

۴۳ پشتو کتاب شود، ص ۳۵

۴۴ پیامِ حق شمارہ دوم، ۲۲ / اپریل ۱۹۵۹ء، ص بیک ٹائٹل سے پہلے

۴۵ پیامِ حق شمارہ سوم، ۲۳/ مئی ۱۹۵۹ء، ص ۴۶

۴۶ پیامِ حق شمارہ سوم، ۲۳/ مئی ۱۹۵۹ء، ص ۶۰

۴۷ دا فغانستان کالنی، ۳۸ - ۱۳۳۹ھ ش، ص ۴۶۱

۴۸ ایضاً، ص ۴۶۱

۴۹ اوسنی لیکوال، جلد ا ص ۶۱

۵۰ ایضاً، ص ۱۱۷

۵۱ ایضاً، ص ۲۹۱

۵۲ ایضاً، ص ۴۲۲

۵۳ ایضاً، ص ۴۲۲

۵۴ کلیات خلیل اللّٰہ خلیلی، ص ۱۵۳ - ۱۵۴

۵۵ اقبال ممدوح عالم، ص ۲۸۸

۵۶ مجلّہ قندھار جنوری فروری ۱۹۶۶ء، ص ۶ - ۷

۵۷ مجلّہ عرفان کابل، ۵ / اسد ۱۳۴۷ھ ش، ص

۵۸ ملی قهرمان، ص ۱۱

۵۹ ننگیالی پښتون، ص الف، ب

۶۰ ایضاً، ص ۱۳۸ - ۱۳۹

۶۱ ایضاً، ص ۱۴۴
۶۲ تنگیالی پښتون، ص ۱۶۷
۶۳ ایضاً، ص ۴۶ تا ۶۶
۶۴ ایضاً، ص ۲۳۸
۶۵ ایضاً، ص ۲۸۵
۶۶ ایضاً، ص ۴
۶۷ مجلّہ آریانا دورہ ۲۴ شمارہ مسلسل ۲۶۸، ص ۶۴۰
۶۸ اقبال ریویو اپریل، ۱۹۶۷ء، ص ۱۶۵
۶۹ اقبال ممدوح عالم، ص ۲۸۸
۷۰ مقالات یومِ اقبال، ص ۲۷ - ۳۱
۷۱ کلیات خلیل اللہ خلیلی، ص ۱۸۲ - ۱۸۳
۷۲ رشتینی خدمتگار، ص ۱۲۳
۷۳ مجلّہ عرفان کابل ۵ / اسد ۱۳۴۷ھ ش ص
۷۴ خیبر، ص ابتدائی
۷۵ توریالی پښتون، ص ۲
۷۶ توریالی پښتون، ص ۴۶ - ۴۷، ۵۰ - ۵۱
۷۷ ایضاً، ص ۱۶۵ - ۱۶۸
۷۸ ایضاً، ص ۱۸۵ - ۱۸۹ - ۱۹۰
۷۹ مجلّہ لمر کابل میزان ۱۳۵۰ھ ش، ص ۱۳
۸۰ مجلّہ اوقاف، کابل، اپریل ۱۹۷۲ء، ص ۳
۸۱ ایضاً، ص ۵
۸۲ د افغانستان کالنی، ۵۲ - ۱۹۵۳ھ ش، ص ز
۸۳ افغانستان و اقبال، ص ۱۸
۸۴ ترنم دل، ص ۶۹ تا ۷۲
۸۵ افغانستان و اقبال، ص ملحقہ ۲۸
۸۶ ایضاً، ص ملحقہ ۱۷

۸۷ ایضاً، ص ملحقہ ۷٦

۸۸ افغانستان و اقبال، ص ملحقہ ۵٦

۸۹ ایضاً، ص ملحقہ ٦٦

۹۰ پته خزانه، ص۱۷۵

۹۱ پښتو ښیرنې، ص۳۸۸

۹۲ پته خزانه، ص۱۸۰

۹۳ پښتو ښیرنې، ص۳۸۹

۹۴ گیتانجلی، ص۹۷

۹۵ کلیات اشعار حکیم سنائی غزنوی، ص بیک ٹائٹل

۹٦ مجلّہ آریانا کابل میزان قوس۱۳۵٦ھ ش

۹۷ علامه اقبال در ادب فارسی و فرهنگ افغانستان، ص۲۲٦تا۲۵۵

۹۸ مجلّہ ادب کابل میزان قوس۱۳۵٦ھ ش

۹۹ علامه اقبال در ادب فارسی و فرهنگ افغانستان، ص۲۱۷-۲۱۹

۱۰۰ افغانستان و اقبال، ص آغاز

۱۰۱ ایضاً، ص ملحقہ د

۱۰۲ افغانستان و اقبال، ص۲

۱۰۳ ایضاً، ص٦

۱۰۴ ایضاً، ص۱۰

۱۰۵ ایضاً، ص۳۴

۱۰٦ ایضاً، ص۳۸

۱۰۷ آثار اردوی اقبال، جلد۲، ص۲

۱۰۸ مجلّہ کابل نومبر دسمبر۱۹۷۷ء، ص۱

۱۰۹ افغانستان و اقبال، ۱۳۵٦ھ ش

۱۱۰ کلیات استاد خلیل الله خلیلی، ص۵۰ - ۵۲

۱۱۱ ماہنامہ پشتو پشاور، ستمبر۱۹۸۴ء، ص۲۷

۱۱۲ علامه اقبال در ادب فارسی و فرهنگ افغانستان، ص۲۸۹-۲۹۷

۱۱۳ د پښتو تولنی تاریخچه، ص ۲۴
۱۱۴ پښتو کتاب ښود، ص ۱۴
۱۱۵ ایضاً، ص ۸۹
۱۱۶ ایضاً، ص ۹۰
۱۱۷ ایضاً، ص ۱۱۵
۱۱۸ ایضاً، ص ۱۱۶
۱۱۹ پښتو کتاب ښود، ص ۱۳۷
۱۲۰ ایضاً، ص ۱۹۵
۱۲۱ ایضاً، ص ۱۹۶
۱۲۲ ایضاً، ص ۲۳۹
۱۲۳ ایضاً، ص ۲۳۹
۱۲۴ پښتو پانګه، جلد ۲، ص ۳۲۱
۱۲۵ پښتو پانګه، ص ۳۲۲
۱۲۶ ایضاً، ص ۳۴
۱۲۷ ایضاً، ص ۳۴۷
۱۲۸ ایضاً، ص ۳۵۹
۱۲۹ ایضاً، ص ۳۶۲
۱۳۰ ایضاً، ص ۳۸۴
۱۳۱ ایضاً، ص ۴۰۹
۱۳۲ ایضاً، ص ۵۹۶
۱۳۳ ایضاً، ص ۶۰۵
۱۳۴ ایضاً، ص ۶۵۶
۱۳۵ ایضاً، ص ۶۶۵-۶۶۶
۱۳۶ هفت روزه وفا، ۱۱ جدی ۱۳۸۵ھ ش
۱۳۷ مجلّه کابل، دسمبر جنوری ۸ - ۱۹۷۷ء ص ۱ تا ۴
۱۳۸ پشتانه شعرا جلد ۴، ص ۳۱۸-۳۱۹

۱۳۹ ایضاً، ص ۱۲۵۳

۱۴۰ خوشحال خان خٹک و مطبوعاتو په هنداره کی جلد ۲، ص ۲۲۹

۱۴۱ ایضاً، ص ۲۳۰

۱۴۲ ایضاً، ص ۲۶۰

۱۴۳ ایضاً، ص ۳۳۱

۱۴۴ ایضاً، ص ۲۴۶

۱۴۵ ایضاً، ص ۳۶۲

۱۴۶ سالنامہ کابل ۵۸ - ۱۳۵۹ھ ش، ص ۱۰۰۸

۱۴۷ ماہنانہ شفق دلو حوت ۱۳۵۹ھ ش

۱۴۸ ایضاً، ص ۵۰

۱۴۹ ایضاً، ص ۵۳

۱۵۰ د افغان مجاهد آواز، ص ۳۶

۱۵۱ ماہنامہ شفق حمل ثور ۱۳۶۰ھ ش، ص ۳۶

۱۵۲ ماہنامہ شفق جوزا سرطان ۱۳۶۰ھ ش، ص ۳۷

۱۵۳ ماہنامہ د شهید زيري، یکم میزان ۱۳۶۰ھ ش، ص ۴۲

۱۵۴ ماہنامہ سیمائی شهید، میزان عقرب ۱۳۶۰ھ ش، ص ۴۹

۱۵۵ ماہنامہ شفق قوس جدی ۱۳۶۰ھ ش، ص ۶۲

۱۵۶ ماہنامہ شفق قوس جدی ۱۳۶۰ھ ش، ص ۷۷

۱۵۷ میثاق خون قوس ۱۳۶۰ھ ش، ص ۱۷ تا ۲۲

۱۵۸ سیر اقبال شناسی در افغانستان، ص ۱۶۹ تا ۱۷۰

۱۵۹ ماہنامہ د شهید زيري، صفر المظفر ربیع الاول ۱۴۰۲ھ ق، ص ۲۶

۱۶۰ دوړ موبهیر، ص ۸۷

۱۶۱ ماہنامہ پشتو پشاور، دسمبر ۱۹۸۲ء، ص ۷

۱۶۲ ماہنامہ د شهید پیغام، عقرب ۱۳۶۱ھ ش، ص ۳۴

۱۶۳ ماہنامہ د شهید پیغام، دلو ۱۳۶۱ھ ش، ص ۴۴

۱۶۴ ماہنامہ ہجرت، جنوری ۱۹۸۳ء، ص ۹

۱۶۵ ماہنامہ د شھید پیغام، شعبان ۱۴۰۳ھ ق، ص ۴ تا ۹
۱۶۶ آریائی فارسی پشتو ویری، ص ۲۸
۱۶۷ ماہنامہ سپیدې، یکم اسد ۱۳۶۳ھ ش، ص بیک ٹائٹل سے پہلے
۱۶۸ ماہنامہ سپیدې، چہارم عقرب ۱۳۶۳ھ ش، ص بیک ٹائٹل سے پہلے
۱۶۹ ماہنامہ ہجرت، فروری مارچ ۱۹۸۴ء، ص ۱۱
۱۷۰ ماہنامہ سپیدې، جون ۱۹۸۵ء، ص ۶۰
۱۷۱ قلب آسیا (اخبار)، سرطان ۱۳۶۴ھ ش
۱۷۲ ماہنامہ شفق، جوزا سرطان ۱۳۶۵ھ ش، ص ۵۱
۱۷۳ ایضاً، ص ۷۸
۱۷۴ ماہنامہ شفق، جوزا سرطان ۱۳۶۵ھ ش، ص ۸۱
۱۷۵ ایضاً، ص ۸۶
۱۷۶ ایضاً، ص ۱۰۰
۱۷۷ د افغانستان د ژور نالیزم مخکشان، ص ۷۵
۱۷۸ مجلّہ شفق سال دوم، شمارہ اول دوم ۱۳۶۵ھ ش، ص ۸۶
۱۷۹ د حمزہ بابا یاد، ص ۶ تا ۲۸
۱۸۰ مجلّہ قلم اپریل مئی ۱۹۸۷ء، ص ۶۹
۱۸۱ مجلّہ قلم اپریل مئی ۱۹۸۷ء، ص ۷۱
۱۸۲ مجلّہ میثاق خون، جوزا سرطان ۱۳۶۶ھ ش، ص ۱۸ تا ۲۴
۱۸۳ سیر اقبال شناسی در افغانستان، ص ۱۹۵ تا ۲۰۶
۱۸۴ مجلّہ قلم، عقرب ۱۳۶۶ھ ش، ص ۴۸ تا ۷۲
۱۸۵ سیر اقبال شناسی در افغانستان، ص ۱۷۹ تا ۱۹۴
۱۸۶ د حمزہ بابا یاد، ص ۶ – ۲۸
۱۸۷ اخبار شہادت، ۱۸ عقرب ۱۳۶۶ھ ش، ص ۴
۱۸۸ دوړ موبھیر، ص ۹
۱۸۹ مجلّہ قلم، اپریل جولائی ۱۹۸۸ء، ص بیک ٹائٹل
۱۹۰ مجلّہ قلم، فروری مارچ ۱۹۸۹ء، ص بیک ٹائٹل

۱۹۱ پښتو خېرنې، جلد اول، ص۲۷۸
۱۹۲ مجلّہ قلم، جون جولائی ۱۹۸۹ء، ص۱۱ تا ۱۴
۱۹۳ مجلّہ قلم، اگست ستمبر ۱۹۸۹ء، ص۱۱۴
۱۹۴ تپش قلب آسیا افغانستان د آزمون بزرگ تاریخ، ص آغاز
۱۹۵ خون کی پکار، ص بیک ٹائٹل
۱۹۶ مجلّہ قلم، عقرب قوس ۱۳۶۹ھ ش، ص۱۴۹ - ۱۵۰
۱۹۷ ددوړ موبهیر، ص۹
۱۹۸ ایضاً، ص۸۷
۱۹۹ په هند کښې د پښتو ژبې دودی او ایجاد پړاؤنه، ص۶۲۲
۲۰۰ په هند کښې د پښتو ژبې دودی او ایجاد پړاؤنه، ص۵۱۱ - ۵۱۳
۲۰۱ مجلّہ منبع الجہاد، اسد سنبلہ ۱۳۷۰ھ ش، ص۸ - ۱۰
۲۰۲ مجلّہ منبع الجہاد، میزان ۱۳۷۰ھ ش، ص۵۰
۲۰۳ د جہاد ہنداره (اخبار)، ۱۰ میزان ۱۳۷۰ھ ش، ص۴
۲۰۴ د جہاد ہنداره (اخبار)، یکم عقرب ۱۳۷۰ھ ش ۴
۲۰۵ مجلّہ منبع الجہاد، عقرب قوس ۱۳۷۰ھ ش، ص۵۳
۲۰۶ مجلّہ قلم، دلو حوت ۱۳۷۰ھ ش، ص۲۲ تا ۳۰
۲۰۷ سیر اقبال شناسی در افغانستان، ص۲۰۷-۲۱۳
۲۰۸ ویرنی، ص۴۲ تا ۵۳
۲۰۹ The WUFA، جولائی اگست ۱۹۹۴ء، ص بیک ٹائٹل
۲۱۰ علامه اقبال در ادب فارسی و فرهنگ افغانستان، ص۲۷۷
۲۱۱ ایضاً، ص۲۷۷ تا ۲۸۹
۲۱۲ په هند کښې د پښتو ژبې دودی او ایجاد پړاؤنه، ص۵۱۱ - ۵۱۳
۲۱۳ مجلّہ افغانستان، سرطان ۱۳۷۵ھ ش، ص۷۸ - ۸۰
۲۱۴ ہفت روزہ وفا، ۱۱ جدی ۱۳۷۵ھ ش
۲۱۵ ایضاً
۲۱۶ سیر اقبال شناسی در افغانستان، ص۲۱۴-۲۱۶

۲۱۷ ویرنی، ص۵۸تا۶۷
۲۱۸ ہفت روزہ وفا، ۱۱جدی ۱۳۷۶ھ ش
۲۱۹ سیر اقبال شناسی در افغانستان، ص۲۱۷تا۲۲۲
۲۲۰ علامہ اقبال در ادب فارسی و فرهنگ افغانستان، ص۳۳۸
۲۲۱ پښتو کتاب ښود، ص۱۶
۲۲۲ ادب، جریدہ، کابلي ۲۲جون۱۹۹۸ء، ص۱
۲۲۳ ایضاً، ۲۳/جولائی ۱۹۹۸ء، ص۱
۲۲۴ ایضاً، ۲۳/جولائی ۱۹۹۸ء، ص۱
۲۲۵ ایضاً، ۲۳/ستمبر ۱۹۹۸ء، ص۱
۲۲۶ ایضاً، ۲۳/ستمبر ۱۹۹۸ء، ص۱
۲۲۷ تپش قلب آسیا افغانستان د آزمون بزرگ تاریخ، ص۹
۲۲۸ مجلّہ دانش شمارہ ۵۸-۱۳۵۷ھ ش، ص۱۳۰-۱۳۸
۲۲۹ کلیات خلیل الله خلیلی، ص
۲۳۰ ہفت روزہ افغانان، ۹ - ۶ / ۱۳۷۹ھ ش، ص۴
۲۳۱ ایضاً، ۲۴عقرب۱۳۷۹ھ ش، ص۴
۲۳۲ دردِ دل و پیامِ عصر، ص
۲۳۳ خوشحال خان ختك او یوشر نور فرهنگیال پښتانه، ص۲۴
۲۳۴ ایضاً ص۲۶
۲۳۵ خوشحال خان ختك او یوشر نور فرهنگیال پښتانه، ص۲۷تا۲۰
۲۳۶ د ارغند د څیوژبه، ص۱۹
۲۳۷ رشتیني خدمتگار، ص۱۵ - ۵۱، ۵۳ - ۱۲۳ - ۱۳۶
۲۳۸ مجلّہ بیان، اپریل مئی ۲۰۰۲ء، ص بیک ٹٹل
۲۳۹ ویرنی، ص۵۳ - ۶۰
۲۴۰ ترنم دل، ص۶۹ - ۷۲
۲۴۱ علامہ اقبال در ادب فارسی و فرهنگ افغانستان، ص۱۹۱
۲۴۲ ایضاً، ص۱۸۸-۱۸۹
۲۴۳ ایضاً، ص۱۹۰

باب پنجم

افغانستان کے پشتون اقبال شناس

احمد صمیمؔ

احمد صمیمؔ افغانستان کے تاریخ ساز شہر قندھار کے ناحیہ اول میں حاجی عبدالغفور خروٹی کے گھر ۱۳۳۳ھ ش میں پیدا ہوئے۔ قندھار کے دارالمعلمین سے گریجویشن کر کے ۱۳۶۵ھ ش میں افغانستان میں انقلاب کے باعث پاکستان ہجرت کی۔ کوئٹہ میں ہجرت کی صعوبتیں برداشت کرتے رہے اور علم وادب کی آبیاری سے وابستہ رہے جو ۸ ثور ۱۳۷۸ھ ش تک جاری رہا۔[1]

آپ کے والد ماجد حاجی عبدالغفور خروٹی پشتو کے لکھنے والوں میں سے تھے۔ قندھار میں جب انجمن ادبی کی تاسیس ہوئی تو خروٹی صاحب اس انجمن کے بانی اراکین میں سے تھے۔[2] یکم/نومبر ۱۹۳۳ء کو حضرت علامہ سفر افغانستان کے دوران قندھار پہنچے۔ وہاں کے زعما اور ادبی شخصیات سے ملاقاتیں کیں۔ انجمن ادبی کے کلیدی اور بنیادی ممبر ہونے کے ناطے عین ممکن ہے کہ عبدالغفور خروٹی نے بھی حضرت علامہ سے ملاقات کی ہو۔

احمد صمیمؔ مذہبی علوم کے ساتھ ساتھ عصری علوم سے بھی بہرہ مند ہیں۔ آپ قندھاری مکتبِ فکر (School of Thought) کے نمائندہ شاعر ہیں۔ پہلے رومانیت اور موسیقیت کا شکار تھے۔ بعد میں حضرت علامہ کے فکری اثرات نے احمد صمیمؔ کے فکری قبلہ کو درست کر کے انھیں مقصدیت سے آشنا کیا ہے۔ پہلی ملاقات میں انھوں نے مجھ سے پوچھا تھا کہ شعرا میں سب سے زیادہ کس شاعر سے متاثر ہوں؟ میں نے جب اقبال کا نام لیا تو چونک گئے اور کہا کہ اس خطے میں آپ پہلے پشتون شاعر ہیں جو اقبال سے متاثر ہیں چونکہ صمیمؔ

صاحب پہلے سے بعض محدود سوچ کے حامل قوم پرست شعرا کے ڈسے ہوئے تھے اسی لیے ایک آفاقی شاعر سے متاثر ہونا ان کے لیے باعثِ حیرت تھا۔[۳]

دوسری طرف میرے لیے یہ بات بھی باعثِ حیرت تھی کہ یہ قندھاری شاعر تو فنافی الاقبال ہیں۔ دورانِ گفتگو ہر دوسری بات پر اقبال کے کسی نہ کسی شعر کا حوالہ دینا اور اقبال کی عالمگیر اسلامی وحدت کی تڑپ ان کے سینے میں بھری پائی۔ رومانیت سے یکسر نکل کر مقصدیت اور عین اسلامی اقدار سے بھرپور شاعری پر اقبال کے اثرات ان کے اندر آب و تاب سے چمکتے ہیں۔

راقم الحروف کے نام ایک مکتوب میں اقبال سے اپنے تعلق کے بارے میں وہ تحریر کرتے ہیں:

قریباً بیس سال پہلے (قندھار میں) میرے ایک استاد حاجی فضل محمد شیواؔ صاحب نے اقبال کی پیامِ مشرق دکھائی اور لالۂ طور کی چند رباعیات سبقاً پڑھائیں۔ کبھی کبھی تو پڑھاتے ہوئے رو پڑتے تھے اور مجھے فرماتے کہ غزالیؒ اور رومیؒ کے بعد کسی نے بھی قلب اور روح سے متعلق اتنے عمیق حقائق منکشف نہیں کیے جتنا اقبال نے اس بارے میں سیر کیا ہے...... وہ مجھے کہتے کہ یہ کتنی عظیم شخصیت ہیں ان کی پیروی کرو۔ ان جیسا گفتار نہ کسی نے کیا ہے اور نہ کوئی کرے گا اور یہ کوئی بشری کام نہیں۔

تل تاثیرات اخلاقی تر هر څه لوړ وګڼه
ژبه او دود د قومیت واړه تري خوړ وګڼه[۴]

ترجمہ: "اخلاقی اقدار و تاثیرات کو ہر چیز سے عظیم تر سمجھ، زبان اور قومیت سارے ان سے کمتر ہیں۔"

یہ شعر شیواؔ صاحب مرحوم کا تھا جو انھوں نے حضرت علامہ کی درج ذیل رباعی کے زیرِ اثر لکھا تھا:

نہ افغانیم و نے ترک و تتاریم	چمن زادیم و از یک شاخساریم
تمیز رنگ و بو بر ما حرام است	کہ ما پروردۂ یک نوبہاریم

جناب احمد صمیمؔ اپنے اس مکتوب میں مزید لکھتے ہیں:

اس بار میں نے اقبال کے فارسی آثار پر طائرانہ نگاہ ڈالی اور کچھ نہیں پایا۔ دوسری بار پھر پندرہ سال پہلے قندھار میں اقبال کے فارسی آثار ہاتھ آئے۔ سوچا کہ ایک بار پھر پڑھوں۔ شیواؔ صاحب محض ان کے شاقی تو نہیں تھے۔ اس بار پھر ان کے تمام فارسی آثار کا دقیق مطالعہ کیا۔ اس مرتبہ صرف حقیقتِ قرآن اور حقانیت لا الہ ہاتھ آئے۔ اس سے بڑھ کر کچھ نہیں سیکھا۔ تیسری بار جب میں بارہ سال قبل پاکستان آکر مہاجر ہوا تو اس بار ان کے اردو و فارسی آثار کا عمیق مطالعہ کیا اور ذیل نتائج اخذ کیے:

- اقبال جمال افغانی اور جلال رومی کا مجموعہ ہیں۔
- اقبال ایک عظیم متصوف اور عاشق رسول ﷺ ہیں۔ ظاہراً شیو کرتے تھے لیکن باطن میں وہ بایزید ہیں۔[۵]

جناب احمد ضمیمؔ اپنے فکر پر حضرت علامہ کے اثرات سے متعلق مزید لکھتے ہیں:

اقبال صاحب کو ایک بار میں نے خواب میں دیکھا تو میں نے انھیں ایک شعر سنایا انھوں نے تشویق اور نوازش کے ساتھ میرے سر پر ہاتھ پھیر دیا تب میں نے کہا:

د لاهور اقبال به وايي مولانا ته به په رو غيږ کښې
چې دا هم دی زموږ همرازه په کوڅو د معرفت کښې[۶]

ترجمہ: لاہور کا اقبال مولانا بلخی کو مصافحہ میں میرا تعارف کراتے ہوئے کہے گا کہ یہ صاحب بھی معرفت کی گلیوں میں ہمارا ہمراز ہے۔

احمد ضمیمؔ کے فکر و فن کے خدوخال سے متعلق صالح محمد لکھتے ہیں کہ:

ضمیمؔ کی شاعری کا فکری حصہ غنی اور ان کی شاعرانہ بغاوت نہایت متاثر کن ہے۔ آپ کا ہر شعر ایک مستقل درد اور کرب کے اظہار کا آئینہ دار ہے جن کو رحمان بابا، سعدی شیرازی، گل باچا الفتؔ اور اقبال لاہوری کے کلام کے اثرات نے مزید رعنائی عطا کی ہے۔[۷]

احمد ضمیمؔ صاحب نے ہجرت کے دوران ایک جریدے ادب و معرفت کا اجرا کیا تھا۔ جس کے ۱۲ شمارے شائع ہوئے۔ ہر شمارے کے سرورق پر پشتو و فارسی کے اساتذہ شعرا کے کلام کے چیدہ چیدہ اشعار شائع کرتے تھے۔ اس سلسلے میں تقریباً ہر شمارے میں حضرت

علامہ کے ابیات کے سرورق کی زینت بنے ہیں۔ تفصیل باب "افغانستان میں اقبال شناسی کی ارتقا" میں شامل مقالہ ہے۔

جناب احمد صمیمؔ کے انتقادی و اجتماعی اشعار کا پہلا مجموعہ "د شاعر فریاد" ۱۳۷۴ھ ش میں شائع ہوا۔ اس مجموعے میں جابجا خصوصاً نمونہ خلافت، نوائے شہدی، یہ تو وہی قوم ہے وغیرہ پر حضرت علامہ کے فکری اثرات نمایاں ہیں۔[۸]

احمد علی خان درانی

شہزادہ احمد علی خان درانی کا شمار افغانستان میں اقبال شناسی کے عناصر خمسہ میں ہوتا ہے۔ آپ اسلامیہ کالج لاہور کے تعلیم یافتہ اور سیکرٹیریٹ افغانستان کے ایک معزز عہدیدار تھے۔ آپ انجمن ادبی کابل کے سیکرٹری اور روح رواں تھے۔[۹]

عین ممکن ہے کہ شہزادہ احمد علی خان درانی کی حضرت علامہ سے شناسائی اسلامیہ کالج لاہور کے زمانے سے ہو اور یہ بھی ممکن ہے کہ کسی حوالے سے حضرت علامہ کے حلقۂ تلامذہ میں رہے ہوں۔ آپ نے انجمن ادبی کابل میں ایک نئی روح پھونکی تھی اور اس وجہ سے اس انجمن نے بڑھ چڑھ کر علمی و ادبی سرگرمیوں میں حصہ لیا تھا۔ ویسے بھی اس انجمن کی رکنیت ایک شاہی اعزاز ہے۔ ہر رکن کو سلطنت کی طرف سے علمی وظیفہ ملتا ہے تاکہ وہ علم و فن اور شعر و سخن کی خدمت آزادی اور خوش دلی کے ساتھ انجام دے سکے۔ یہاں تک کہ سرکاری ملازمین بھی جب اس انجمن کی رکنیت سے سرفراز ہوتے ہیں تو ان کو تنخواہ کے علاوہ وظیفہ کی رقم الگ ملتی ہے۔[۱۰]

سرور خان گویاؔ کے بعد افغانستان میں اقبال پر دوسری تحریر ہمیں سردار احمد علی خان کی ملتی ہے۔ یہ تحریر مجلّہ کابل میں جون ۱۹۳۲ء میں "علامہ اقبال" کے عنوان سے شائع ہوئی تھی جس میں حضرت علامہ کے سوانح کے ساتھ ساتھ ان کے فکر و فن پر دقیق انداز میں خیال افشانی کی گئی ہے۔[۱۱]

اکتوبر ۱۹۳۲ء میں جب حضرت علامہ اعلیٰ حضرت محمد نادر شاہ غازی کی دعوت پر افغانستان تشریف لے گئے تھے تو کابل میں انجمن ادبی کابل کی ایک شاندار ضیافت میں

حضرت علامہ سے سردار احمد علی خان درانی کی ملاقات بھی ہوئی تھی۔ اس انجمن نے مہمانوں کے اعزاز میں ۲۸/ اکتوبر ۱۹۳۲ء کو شب ساڑھے سات بجے کابل ہوٹل میں ایک شاندار ضیافت کا اہتمام کیا تھا۔ گویا کابل میں سردار احمد علی خان درانی کو حضرت علامہ کی میزبانی کا شرف بھی حاصل رہا۔[۱۲]

حضرت علامہ کی وفات پر انجمن ادبی کابل کے زیرِ اہتمام اپریل ۱۹۳۸ء کے اواخر میں جو تعزیتی تقریب ہوئی تھی اس میں بھی سردار احمد علی خان درانی نے بحیثیت مدیر انجمن ادبی کابل حضرت علامہ کی شخصیت سے متعلق خطاب کیا تھا۔[۱۳]

حضرت علامہ کے آفاقی فکر و فن اور شخصیت سے متعلق احمد علی خان درانی کا یہ خطاب مجلّہ کابل کے خصوصی اقبال نمبر مئی/ جون ۱۹۳۸ء میں شائع ہوا۔[۱۴] اس مقالے کے مشمولات پر باب "افغانستان میں مقالاتِ اقبال کے مشمولات" پر بحث ہوگی۔

حبیب اللہ رفیع

جناب حبیب اللہ رفیع مولانا نصراللہ نقشبندی کے فرزند ارجمند ۱۳۶۴ھ ش میں عید الفطر کے دوسرے روز صوبہ وردگ کے سید آباد ضلع کے گلی آبدرہ میں پیدا ہوئے۔ نسلاً وردگ (میر خیل) ہیں اور والد عالم دین اور طریقۂ نقشبندیہ کے صوفی تھے۔ جو بقولِ حبیب اللہ رفیع پشتو اور فارسی کے شاعر بھی ہیں۔

رفیع بچپن میں یتیم ہو گئے اور چچا نے پرورش کی۔ ۱۳۳۳ھ ش کو کابل کے دارالعلوم میں تحصیلات کا آغاز کیا۔ مشہور علما مثلاً شیخ الحدیث مولوی یار محمد مرحوم، شہید مولوی عبدالرب احدی وردگ مرحوم، الحاج حبیب اللہ مُلاند مرحوم، مولوی عبدالحمید طیب مرحوم، شہید مولوی عبدالسلیم فرقانی مرحوم، ملا اختر محمد مرحوم، ملا فیض محمد عبدالسلام اور مولوی سخی داد فائز سے مختلف علوم پڑھے۔ ۱۳۳۹ھ ش میں جب اصول پڑھ رہے تھے اور دارالعلوم کے امتحان میں ناکام ہوئے تو بسلسلۂ ملازمت تعلیم کو خیر باد کہا اور ملازمت سے وابستہ ہو گئے۔[۱۵]

۱۳۳۴ھ ش میں باقاعدہ شاعری کا آغاز کیا۔ ادارہ تالیف اور تاریخ کے شعبوں میں ملازمتوں سے وابستہ رہے۔ افغانستان کے تاریخ ٹولنہ میں پشتونوں کی علمی شخصیت عبدالحئی حبیبیؔ سے ملاقات ہوئی ان سے فیض یاب ہوتے رہے۔

عرفان، پوہنہ اور آریانا مجلّات اور تاریخ کے شعبۂ نشریات کے مہتمم رہے۔ دو سال تک ریڈیو افغانستان کابل کے پشتو شعبے سے بھی منسلک رہے۔ بقولِ بینواؔ "آپ پشتو و فارسی دونوں زبانوں میں لکھتے ہیں۔ عربی سے کئی تراجم کیے۔ پشتو شعر و ادب اور پشتون فولکلور سے خاصا شغف رکھتے ہیں۔"[16]

۱۳۵۱ھ ش میں جب وزارت اطلاعات و کلتور نے ادارہ فولکلور و ادب قائم کیا۔ تو رفیع کو فولکلور مجلّے کا مدیر مسئول مقرر کیا گیا۔ ۱۳۵۷ھ ش میں افغانستان میں کیمونسٹ انقلاب کے بعد کئی صعوبتوں سے دوچار ہونا پڑا۔ ۱۳۵۸ھ ش میں انقلاب کو ناکام بنانے کی کوشش کے جرم میں جیل بھیج دیے گئے۔ ۱۳۶۱ھ ش میں پشاور ہجرت کی۔

۱۹۸۴ء میں راقم الحروف کے رفیع صاحب سے علمی، ادبی اور تحقیقی تعلقات قائم ہوئے۔ ۱۳۶۵ھ ش میں پشاور میں ادارہ تحقیقات جہاد کی بنیاد رکھی اور مجلّہ قلم کا اجرا کیا۔

جناب رفیع کے آثار و مطبوعات کی تفصیل بڑی طویل ہے۔ مختلف علمی ادبی موضوعات پر تحقیقات کی ہیں جن میں ابھی تک تقریباً سو سے زائد زیورِ طبع سے آراستہ ہو چکی ہیں۔ رفیع صاحب نے پانچ سو سے زائد مقالات لکھے ہیں جن میں زیادہ تر شائع ہو چکے ہیں۔ ۱۳۵۹ھ ش میں سعادت حج حاصل کرنے کے لیے سعودی عرب تشریف لے گئے۔ ۱۳۶۵ھ ش میں کچھ عرصہ کے لیے ریڈیو مصر کے پشتو شعبہ سے منسلک ہوئے۔

جناب حبیب اللہ رفیع پشتو اور فارسی میں شاعری کرتے ہیں۔ آپ کی کئی منظومات وقتاً فوقتاً اخبارات و رسائل میں شائع ہوتی رہی ہیں۔ اس کے علاوہ آپ کے کئی شعری مجموعے شائع ہو چکے ہیں۔ بعض مجموعوں میں پشتو کلام کے ساتھ ساتھ فارسی کلام بھی شامل ہے۔

رفیع معاصر ادبیات کے پیچ و خم سے آشنا عالمی ادب کے تخلیقی رُخ سے باخبر ادیب و شاعر ہیں۔ اپنی تخلیقی قوتیں انھوں نے ملی و دینی نظریئے کے تحت صرف کی ہیں۔ رفیع افغانستان میں اقبال شناسی میں بھی کردار ادا کر رہے ہیں۔ آپ کے مجموعی فکر و فن پر حضرت

علامہ کے اثرات نمایاں ہیں۔ آپ نے نہ صرف اقبال کے اثرات قبول کیے ہیں بلکہ بعض اوقات تو اقبال سے ماخوذ شاعری بھی کرتے ہیں۔ ایک قطعہ میں اقبال سے مخاطب ہوتے ہیں کہ تو نے جلال الدین رومی بلخی سے جلال لیا۔ جمال الدین افغانی سے فکری جمال حاصل کیا۔ نبضِ ملت کا رمز خوشحال خان خٹک سے لیا تب تیری قسمت کا ستارہ اقبال چمکا:

چې رومی جلال دې بیا موند له جلاله[۱]
چې فکري جمال دې واخیست له جماله[۲]
چې دې نبض د ملت زده کړله خوشحاله[۳]
د اقبال ستوری دې وځلید اقباله[۴] کے

حبیب اللہ رفیع کی ایک نظم "د آسیا زړه" (قلب آسیا) حضرت علامہ کے درج ذیل بیت کی روشنی میں ترتیب دیا گیا ہے:

آسیا یک پیکر آب و گل است ملت افغان در آن پیکر دل است

اس نظم کا اھدا بھی حضرت علامہ کے نام کیا گیا ہے:

له غورځنګه لویدلی وینه نه ده
په دنیا کښې چې وی زړه نو همدا زړه دې
د آسیا د ژوندون مزی پرې ترلی
د افغان ښکلی هیواد د آسیا زړه دې
لا تر اوسه هیچا نه دی لړزولی
په دې زړه کښې د غېرت وینه چلیږی
نه له چا شخه ډاریږی نه لړزیږي
د غیرت میدان چې وینی لامستیږی

---

(۱) جلال سے مراد جلال الدین بلخی رومی۔

(۲) جمال سے مراد مصرق کا نابغہ جمال الدین افغانی۔

(۳) خوشحال سے مراد صاحبِ سیف و قلم خوشحال خان خٹک۔

(۴) اقبال، حضرت علامہ اقبال۔

د پردیو د ککرو دانی دل شوې
اوړه شوی دی په دې زړه د آسیا کښې
چې راغلی بیرته نه دی ځنې تللی
دانې هم دونی پایړی په آسیا کښې
آسیا تش کالبوت د خاورو اوبو نه دې
خو دا زړه یې وربخښلی چې یې ساه ده
د خپلواك ژوندون نصیحت دې پیرزو کړ
په رشتیا چې په دې زړه د آسیا ده[18]

ترجمہ: ان کے خون میں جوش و جذبہ ابھی تک باقی ہے۔ دنیا میں اگر کوئی دل ہے تو وہ یہی ہے۔ ایشیا کی زندگی کے تانے بانے انھی کے مرہونِ منت ہیں۔ افغانوں کی حسین مملکت ایشیا کا دل ہے۔ ابھی تک کسی نے اس میں ہنگامہ برپا نہیں کیا۔ کیونکہ اس دل میں غیرت کا خون دوڑ رہا ہے۔ نہ کسی سے ڈرتا ہے نہ لرزتا ہے۔ میدانِ غیرت جب دیکھتا ہے تو مزید مست ہو جاتا ہے۔ غیروں کے سروں کے یہاں ڈھیر لگ گئے ہیں۔ وہ اسی قلبِ آسیا میں نیست و نابود ہو گئے ہیں۔ ایشیا فقط آب و گل کا بت نہیں ہے یہ تو قلب ہے جس سے روح عطا ہوتی ہے۔ آزاد اور خود مختار زیست کا منبع ہے اور یہ حقیقت ہے کہ یہ ایشیا کی زندگی کا دل ہے۔

خلیل اللہ خلیلیؔ

استاد خلیل اللہ خلیلی کا شمار افغانستان کی ان چند معروف علمی ہستیوں میں ہوتا ہے جنھوں نے افغانستان کے لیے بالخصوص اور عالمِ انسانیت کے لیے بالعموم گرانقدر علمی و ادبی خدمات انجام دی ہیں اور زندگی بھر جستجوئے فکر اور تلاشِ تفہیم میں مصروفِ عمل رہے۔

آپ شوال ۱۳۲۵ھ ق / نومبر ۱۹۰۷ء میں کابل کے باغِ جہاں آرا میں میرزا محمد حسین کے گھر پیدا ہوئے۔ آپ نسلاً پشتونوں کے مشہور قبیلے صافی سے تعلق رکھتے تھے۔ والدہ کا تعلق کوہستان (پروان) کے خوانین کے گھرانے سے تھا جو عبدالرحیم خان نائب سالار ہرات وزیرِ فوائدِ عامہ اور معاون صدارت عظمی کی بیٹی تھی۔[19]

ان کی عمر سات سال تھی کہ والدہ وفات پاگئیں اور یہ گیارہ سال کے ہوئے تو غازی امان اللہ خان کے حکم پر آپ کے والد کو قتل کر دیا گیا۔ حکومت نے جائیدادیں ضبط کیں۔ خلیلی عرصہ تین سال تک کابل و کوہستان میں نہایت دربدری کے عالم میں حکومت کے زیرِ عتاب رہے۔ اسی وجہ سے باقاعدہ تعلیم سے محروم رہے۔ اس کے باوجود خلیلی نے مشہور و معروف معاصر اساتذہ سے تفسیر، منطق، فقہ، حدیث اور ادبی علوم پڑھے۔ [20]

ابتدا ہی سے شعر و ادب اور علم و عرفان سے تعلق پیدا ہو گیا تھا۔ کیونکہ والدماجد نے انھیں سب سے پہلے مثنوی معنوی اور دیگر عارفوں سے شناسائی کی طرف مائل کیا تھا۔ چنانچہ تدریس کے شعبے سے منسلک ہوئے۔ مختلف مدارس میں پڑھاتے رہے۔ غازی امان اللہ خان ہی کے دور میں وزارت مالیہ میں محاسب مقرر ہوئے۔ سقوی انقلاب کے دوران آپ مزار شریف کے گورنر اور مستوفی تھے۔ محمد ہاشم خان کی صدارت کے دوران ۱۹۴۵ء میں قندھار آئے اور قندسازی کے ایک کارخانے میں خدمات انجام دیتے رہے۔ دوبارہ کابل آنے پر کابل یونیورسٹی کے استاد اور معاون مقرر ہوئے۔ [21]

۱۹۴۹ء میں شاہ محمود خان کی کابینہ کے منشی بنائے گئے۔

۱۹۵۰ء میں وزیرِ مطبوعات بنے۔ ۱۹۵۳ء کے بعد جبہ ملی کی تاسیس کی۔

حجاز، عراق، شام، بحرین، کویت، اردن، قطر اور ابوظہبی میں افغانستان کے سفیر رہے۔ واپسی پر کابل یونیورسٹی میں ادبیات کے استاد رہے۔

افغانستان میں انقلاب ثور کے فوراً بعد جب آپ عراق میں افغانستان کے سفیر تھے استعفیٰ دے کر افغانستان کے جہادی کارواں کے راہی بنے۔

آپ کی علمی و ادبی خدمات کے اعتراف میں آپ کئی ملکی و غیر ملکی علمی و ادبی عہدوں اور اعزازات سے نوازے گئے۔ "نشانِ اول" معارف افغانستان سے لیا اور فرانس کے جنرل ڈوگل کی جانب سے نشانِ اکیڈیمک ملا۔ ایشیا اور افریقہ کی بین الاقوامی اہلِ قلم تنظیم کے ممبر رہے۔ اکیڈیمی تاریخ افغانستان کے اعزازی رکن رہے۔ [22]

استاد خلیل اللہ خلیلی نے کئی علمی و ادبی کانفرنسوں میں شرکت کی جن میں بعض ذیل ہیں:

۱- رودکی کانفرنس منعقدہ تاجکستان

۲- محمد فضولی کانفرنس منعقدہ باکو

۳- بو علی کانفرنس منعقدہ سوربون

۴- علمی کانفرنس منعقدہ علی گڑھ

۵- اہلِ قلم کانفرنس برائے ایشیا و افریقہ منعقدہ تاشقند

۶- ایشیائی و یورپی اہلِ قلم کانفرنس (دوبار)

۷- جامی کانفرنس

۸- کانفرنس تحلیل از مولوی منعقدہ قونیہ (تین بار)

۹- اسلامی وزرائے خارجہ کانفرنس منعقدہ جدہ، استنبول و لیبیا[۲۳]

ان کانفرنسوں میں استاد خلیلی نے مختلف علمی و ادبی مقالات و خطبات کے علاوہ منظومات بھی پیش کیں۔

جناب خلیل اللہ خلیلی نے اسلام آباد کے علی میڈیکل سنٹر میں مختصر علالت کے بعد ۱۴/ اردہشت ۱۳۶۶ھ ش / ۴؍مئی ۱۹۸۷ء میں ۸۳ سال کی عمر میں وفات پائی۔ پشاور کے رحمان بابا قبرستان میں دفن ہوئے۔[۲۴]

استاد خلیل اللہ خلیلی کے آثار و تالیفات کی فہرست طویل ہے جن میں بعض کا مختصر تعارف ذیل ہے:

الف: پشتو

زرین گوربت، مطبوعہ وزارت اطلاعات و فرہنگ جمہوری افغانستان۔ اس کتاب کا فارسی ترجمہ عقاب زریں کے نام سے ۱۳۵۳ھ ش / ۱۹۷۴ء میں شائع ہوا۔

ب: عربی

۱- ابن بطوطه فی افغانستان۔ ۶۶ صفحات کا یہ رسالہ ابنِ بطوطہ کے سفر نامے کا وہ حصہ ہے جو افغانستان سے متعلق ہے۔ یہاں کی تاریخی جغرافیائی اہمیت سے متعلق

استاد خلیلی نے ۱۹۷۱ء میں بغداد سے اس وقت شائع کرایا جب آپ عراق اور کویت میں افغانستان کے سفیر تھے۔

۲- ہرات: تاریخہا، آثارہا و رجالہا۔ ہرات کے تاریخ، آثار و شخصیات سے متعلق خلیلی کی یہ کتاب قبل از اسلام اور بعد از اسلام کے ادوار پر محیط ہے۔ ۱۹۷۴ء میں بغداد سے طبع ہوئی۔

ج: فارسی (نثر)

۱- سلطنت غزنویان۔ غزنوی دور کی تاریخی اسناد، مسکوکات، تصاویر وغیرہ کی مدد سے مرتب کی گئی۔ ۱۳۳۳ھ ش میں انجمن تاریخ افغانستان کی طرف سے شائع ہوئی۔

۲- آثار ہرات۔ ہرات کے تاریخی آثار سے متعلق یہ اثر تین جلدوں پر مشتمل ہے۔ جلد اول ۱۳۰۹ھ ش ۱۹۵ صفحات۔ جلد دوم ۱۳۰۹ھ ش ۳۱۵ صفحات۔ جلد سوم ۱۳۵۰ھ ق / ۱۳۱۰ھ ش ۲۸۱ صفحات۔

۳- احوال و آثار حکیم سنائی غزنوی۔ مطبوعہ ۱۳۵۶ھ ش صفحات ۲۳۲ وزارت فرہنگ افغانستان۔

۴- فیض قدس۔ میرزا عبدالقادر بیدلؔ کے احوال وآثار سے متعلق ۱۰۲ صفحات پر مشتمل یہ کتاب ۱۳۳۴ھ ش میں شائع ہوئی۔

۵- نی نامہ۔ مولانا چرخی کے نی نامہ پر استاد خلیلی نے حاشیہ و تعلیقات لکھیں۔ ۱۹۷۳ء میں انجمن تاریخ افغانستان کی جانب سے ۱۹۰ صفحات پر مشتمل یہ کتاب شائع ہوئی۔

۶- عیار از خراسان۔ (افغانستان کے امیر حبیب اللہ ملقب بہ خادم دین رسول ﷺ مشہور بہ بچہ سقہ سے متعلق) ۱۹۸۰ء میں نیوجرسی امریکہ سے شائع ہوئی۔

۷- یار آشنا۔ علامہ اقبال سے متعلق کتاب ۱۴۰۲ھ ق / ۱۹۸۲ء میں شائع ہوئی۔ اس میں اقبال کے سفر افغانستان سے متعلق یادداشت، اقبال کی چند منظومات اور استاد کا

منظوم خراجِ تحسین شامل ہے۔ اس میں استاد خلیلی کی اقبال سے ملاقات کا ذکر بھی ہے۔

۸- قہرستان کوہستان (نائب سالار عبدالرحیم خان کی خدمات)، ۱۹۸۴ء، اسلام آباد

۹- مادراز خون فرزند می گزرد (فارسی داستان) ۱۳۶۵ھ ش ۱۹۸۶ء[۲۵]

استاد خلیل اللہ خلیلی کے دیگر آثار و تالیفات درج ذیل ہیں:

۱- یمگان۔ شرح آرامگاہ ناصر خسرو مطبوعہ کابل

۲- داستان زمرد خونین

۳- از بلخ تا قونیه

۴- شرح دیوان سنائی مطبوعہ کابل و ترکی

۵- آرامگاہ بابر (کابل میں مغل سلاطین کے آثار کی شرح)

۶- قرأت فارسی برائی صنوف یازده و دوازده

۷- کتابہای نوریان۔ سفر نامہ ایران

۸- قرآن کریم کے ۱۳ پاروں کا فارسی ترجمہ مشہور بہ تفسیر کابل

۹- دوشنبه نامه

۱۰- مراسلات زندگانی در اوستا

۱۱- رویت ہا وروایت ہا

۱۲- بلخ در ادب عربی

۱۳- بوزید بلخی و سفر افغانستان

۱۴- از محمود تا محمود

۱۵- درویشان چرخان (فارسی ترجمہ)

۱۶- نیا شین

۱۷- مسجد جامع ہرات

۱۸- پنجشیر و قہرماں سعود

۱۹- ماتمسرا

۲۰- تخستن تجاوز روسیه دا افغانستان

۲۱- ایاز از نگاه صاحبدلان

۲۲- ناہید و دختران قہرمان کابل[۲۶]

آپ کے منظوم آثار میں آپ کا دیوان سب سے زیادہ مشہور ہے۔ اولین شعری مجموعہ کابل سے ۱۹۶۱ء میں شائع ہوا۔ اس سے پہلے ایک اور شعری مجموعہ ۱۹۵۵ء / ۱۳۳۴ھ ش میں کابل سے شائع ہوا۔ ۱۹۶۱ء میں کابل سے رباعیات اور شعری مجموعہ ۵۱۰ صفحات پر شائع ہوا تھا۔

یہ تمام مجموعے دیوان اول استاد خلیلی کے نام سے ۱۹۶۲ء میں تہران سے بھی شائع ہوئے۔ استاد خلیلی کے فن سے متعلق معاصر استادانِ سخن کی زریں آرا اور تقریظات شامل ہیں جن میں استاد سرور خان گویا اعتمادی، استاد صلاح الدین سلجوقی، گل باچا الفت اور عبدالرحمٰن پژواک نے استاد خلیلی کے فن کے مختلف پہلوؤں کو اجاگر کرنے کی کوشش کی ہے۔ افغان دانشوروں کے علاوہ ایرانی مدبروں بدیع الزمان فروز انفر، استاد سعید نفیسی، دکتور رضا زادہ شفق، دکتور لطف علی صورت گر، حبیب یغمانی اور نوح سمنانی وغیرہ کی آرا موجود ہیں۔

ہجرت کے بعد دیگر مطبوعہ آثار درج ذیل ہیں:

یاد گلگون کفنان، گزیده آثار تاگور از گیتانجلی و داستان کابل والا، زمزم اشک، از سجاده تا شمشیر، فرہاد، اشک ہا و خون ہا، شب ہائی آوارگی، غوث الاعظم، شیخ الاسلام صاحب مبارک ثکاب۔[۲۷]

استاد خلیل اللہ خلیلی معتقد اقبال تھے۔ آپ نے حضرت علامہ کو خوب پڑھا سمجھا۔ علامہ کی صحبت بابرکت سے فیض یاب ہوئے۔[۲۸] اسی بنا پر علامہ کے فلسفہ اور نظریہ سے بے حد متاثر تھے۔ اقبال کے فلسفۂ خودی کے قائل اور ملتِ اسلامیہ کی نشاۃِ ثانیہ کے لیے ان کی گراں قدر خدمات کے معترف تھے۔ چنانچہ جابجا منظوم خراجِ تحسین پیش کر کے قلبی تسکین پائی۔

استاد خلیلی افغانستان کے پہلے فارسی شاعر ہیں جنھوں نے حضرت علامہ کے حضور سب سے زیادہ خراجِ تحسین پیش کیا ہے۔

کابل کے پاکستانی سفارتخانے میں حضرت علامہ کی ستائیسویں برسی کے موقع پر جو تقریب منعقد ہوئی تھی اس کی صدارت استاد خلیل اللہ خلیلی نے کی تھی۔[۲۹]

آپ نے ۱۳۴۳ھ ش میں لاہور میں حضرت علامہ کے مزار پر حاضری اور دی دل سوختہ کو "آموز گار بزرگ" کے ابیات سے تسکین بخشی:

ای کہ مارا گرش چشم عقاب آموختی — دیدۂ دیدار خود را از چہ خواب آموختی
شام جمعی را نمودی از فروغ فیض روز — تیرہ شب را روز کردن ز آفتاب آموختی
خفتگان را باصریر شعلۂ انگیز قلم — صد تکان دادی و چندین انقلاب آموختی
گردن اصرار در یوغ اسارت بود خم — بند بگستن بہ مردم از رقاب آموختی
زندگی گفتی خط فاصل بود بابندگی — این دلیل قاطع از فصل الخطاب آموختی
ہر سؤالی را کہ مشکل بود بر عقل سلیم — از دبستان دل آنرا صد جواب آموختی
بار سوز بیخودی راز خودی آمیختی — مشت خاک مردہ دار فتار آب آموختی
کاروان در راہ و منزل دور و دشمن در کمین — رہروان شرق را درس شتاب آموختی
عقل را رہ شوق را جان قلب را ذوق حضور — این بہ درماندگان را فتح باب آموختی
خواجہ را گفتی تو شد بعد ازیں خون فقیر — بینوا را راہ و رسم اعتصاب آموختی
آہ از آن ملت کہ باشد یاس در اہش حجاب — این امید قوم تو رفع حجاب آموختی
مولوی در گوش جانب گفت رازی بس بزرگ — زان معلم معنی ام الکتاب آموختی
ملت توحید را از مکر دنیای فرنگ — حرف حرف و فصل فصل و باب باب آموختی

در کہن تاریخ شوق انگیختی شور نوین
شوکت پارینہ را عہد شباب آموختی[۳۰]

ثور ۱۳۴۵ھ ش میں لاہور کے دانشوروں کی جانب سے حضرت علامہ سے منسوب پروگراموں کے سلسلے میں جناب خلیل اللہ خلیلی کو دعوت دی گئی لیکن عین اسی وقت آپ

حرمین شریفین کے دیدار کے لیے رختِ سفر باندھ چکے تھے۔ چنانچہ ''کعبہ و اقبال'' کے عنوان سے درج ذیل نظم کے ذریعے اپنی معذرت دائر کی:

شوکت پارینہ را عہد شباب آموختی وی مجمع دوستان اقبال
بودیم بہ آرزو کہ اماں آییم بہ آستان اقبال
صد بوسہ زنیم از سر شوق برخاک سپھر شان اقبال
اسرارخودی زسر بخوانیم در نامۂ جاوداں اقبال
جوییم رموز بیخودی را بار دگر از زبان اقبال
راز دل دردمند گویم بامردم را ز دان اقبال
بینم کہ باز شہر لاہور گردید مدیحہ خوان اقبال
بینم کہ باز آن کھن شہر ناز دبہ دل جوان اقبال
گوییم پیام از سنای ہر روز بہ گوش جان اقبال
خوانیم زمولوی سخن ھا تا مست شود روان اقبال

بودیم بدین امید شادان
کامد خبری زکشور جان

گفتند حرم درش گشادہ بر خلق صلای عام دادہ
لیلای سیاہ پوش کعبہ از چہرہ نقاب برگشادہ
آنجا کہ ہنر ار ماہ و خورشید سر بر در ہزش نہادہ
آنجا کہ امین وحی جبریل دربان صفت از ادب ستادہ
آنجا کہ کلاہ فخر شاہان برخاک نیاز او فتادہ
برگردن سرکشان گیتی بنھادہ شکوہ وی تلادہ
بر پایۂ آستانہ آں کردہ فلک از ادب و سادہ
آن مہد مہین کہ خاک پایش رشک مہ و آفتاب زادہ
یعنی کہ جمال نور احمد زین طور جلال جلوہ دادہ

زین قلہ ھای فخر و اقبال
بگرفتہ جہان جان تہ بال

این مژده چو آفتاب یکبار تابید به کلبۂ دل تار
هم حافظه رخت بست و هم هوش هم دست فتاد و هم دل ازکار
عشق آمد و شد به یک تجلی سلطان قلمرو دل زار
احرام حریم شوق بستیم پرواز کنان بوی دلدار
ماندیم رُخ نیاز بر در سودیم سر ادب به دیوار
پروانه صفت طواف کردیم بر شمع برین خانۂ یار
این عذر من ار به خاک اقبال ای باخبران کنید تذکار
از تربت او صدا بر آید کاحسنت به این خجسته کردار
چون یافت خلیل بتگرما درکوی خلیل بت شکن بار

این خلعت تو مبارکش باد
وین تاج طراز تارکش باد[۳۱]

۱۳۵۶ھ ش / ۱۹۷۷ء میں پنجاب یونیورسٹی نے حضرت علامہ کی صد سالہ جشن ولادت کی تقریبات کی مناسبت سے منعقدہ پروگرام کی دعوت ارسال کی لیکن استاد خلیل اللہ خلیلی کو حکومتِ افغانستان کی جانب سے اس سیمینار میں شرکت کی اجازت نہ ملی چنانچہ جناب خلیلی نے پنجاب یونیورسٹی کو حضرت علامہ کے حضور اپنی تہنیت "بہ پیشگاہ علامہ محمد اقبال لاہوری" کے عنوان سے ارسال کی:

باد آبان آمد و آورد باخود مشک ناب خوش بخندای صبحدم خرم بتاب ای آفتاب
قاصد آمد نامۂ لاهور دارد در بغل نامۂ اینک نغمۂ فردوس دارد در خطاب
نامۂ شوق است باید برسر چشمش نهاد قاصد یاراست از من بوسه خواهدبی حساب
شهر لاهور است شهر دوستان از باستان دوستان را یاد کردن نبود از صواب
داستان غزنه و لاهور بس دلکش بود ای حریف نکته دان از حرف حق ابرومتاب
این دو شهر سالخورد از خرد سالی بوده اند چوں دوحرف ازیک عبارت چوں دوباب ازیک کتاب
قاصد آمد خواند برگوش دلم پیغام جان عاشق لب تشنه راداد از نوید وصل آب
گفت آنجا انجمن برپا نموده اہل دل انجمن با انجمن تابان زجمع شیخ و شاب

گفت بر بالین قالین است روشن شمع فیض
ماه و انجم دوروی پروانه سان در پیچ و تاب

چون کشد منت ز نور شمع بالین کسی
کز دل روشن بر آورده ہزاران آفتاب

در سیه عصری که شد در پرده لیلای سخن
شاہد معنی به رخ افگند از دہشت نقاب

کعبۂ حق پایمال لشکر دجال شد
لانۂ طاوس دین شد جای پرواز عذاب

در سیه عصری که استعمار شد در شرق و غرب
برهمه گردن فرازان جهان مالک رتاب

خاصه برآزاد مردان دیار مصطفی
قافلۂ سالار اُمی حامل ام الکتاب

شہسواران عجم را تیغ همت شد زکف
پاسداران حرم را چشم غیرت شد بخواب

روز میدان بود اما جنگجو یان خفته خوش
وقت جولان بود اما بال و پربسته عقاب

مغزهای اہل فکر آشفته اندر جزو بحث
لفظ ها جای معانی قشرها جای لباب

باز ماند از اوج مؤمن باپرو بال یقین
شد فرو آسیمه سرباپای شک در منجلاب

راہزن شد میر شب تار اجگر شد تاجور
خانۂ خلق خدا از جورانیاں شد خراب

آن ذریوبی خبر این نا خدای بی خدا
کرد از خون ستمکش جام عشرت پر شراب

اختلاف اہل قدرت کرد یکباره تباه
خرمن این را در آتش حاصل آنرا درآب

سود خوار سنگدل ز اشک یتیم بیگناه
بست خلخال نگار خویش را لعل مذاب

بیوۂ فرزند مرده جان سپرد از فرط جوع
خواجه را خوناب اشکش زینت زین ورکاب

در سیه عصری که در اکلیل فرماندار ہند
دانه‌های اشک می تابید چون درخوشاب

(بانو گیتی) زنخوت داشت بر سر کوه نور
مہر رایکدم نبود از کشور حکمش غیاب

درچنین عصر سیه تابید ناگه اختری
نور افشان از ورای ظلمت چندین حجاب

اختره (اقبال) مؤمن جلوه افزا شد زشرق
کز فروغش دیده ودل جاودان شد بهره یاب

برگرامی نامۂ وی ثبت آثار عمر
برنگارین خاتم وی نقش نام بو تراب

نعره زد کامی ملت افسرده تاکی خواب ناز
صبح شد برپای شود در دہر افگن انقلاب

گردن آزادگان راتیغ بہتر جای طوق
مرد حق را سرفرازی باشد از دار و طناب

در مسلمانی غلامی نیست فرمانش بدر
در مسلمانی اسارت نیست زنجیرش بتاب

قفل رابشکن که فرمان خدا در دست تست
بند را بگل که مومن را نباشد بند و باب

ای علم دار حرم راه کجا داری به پیش — زمزم این جا تشنه تا که می روی جویای آب
چون توی معمار فطرت خود جهان خویش ساز — از بهشت اجنبی الاجتناب الاجتناب
از شکوهٔ نعرهٔ وی چاک شد جیب سحر — هم جرس جنبید و هم موکب روان شد باشتاب
نعرهٔ ای توفنده طوفانی که لرزاند زمین — نعره ی برق جهانسوزی که بشگافد سحاب
واعظ از میدان مسلمان را به خلوت داد راه — رند ما بردش به میدان ماز چون عهد شباب
گفت مومن را بود راه حق فخر از جهاد — داغ خون بر سینه اش بهتر بود از لعل ناب
ای مجدد! ای ز تو آرایش کاخ کهن — ای معلم ای ز تو روشن چراغ جدو ناب
ای بلال قرن ما خاموش گردیدی چرا — لب گشا یکدم که جان آمد بلب از اضطراب
بانگ لااله برکش تا بلرزد کاخها — روی این فرش رمادی زیر این بنیلی قباب
ای خلیل حق نوا کش که از تائید آن — جان بتنگر سوزد از غم پیکر وی از عذاب
حرف زن تعلیم ده تدبیر کن تکبیر گو — ای جبینت صبح امت صبح شد یکدم بتاب
دیده بگشا تا ز تاثیر نگاه نافذت — دیو عصر ما گریزد همچو شیطان از شهاب
برده راشو جنون آموز کز فریاد وی — خواجه را چتر مرصع پوچ گردد چون حباب
عشق را باز دگر افروز در قندیل دل — تا نماید رهبر و ما را حقیقت از سراب
نوجوان عصر را آموز اسرار خودی — تا ستاند جام از جم تیغ از افراسیاب
تا شناسه مهرهٔ بازیگران دهر را — مهره ما از مهر بر کف مارها زیر ثیاب

مشت خاری داشتم کردم نثار روضه ات
مشت خادم را به لطف خویش کن بویا گلاب[۳۲]

اس کے علاوہ کلیات خلیل اللہ خلیلی کے حصہ مثنویات میں ہمیں ایک مثنوی "حضرت علامہ کے حضور" ملتی ہے جس کا عنوان ہے "دمی اقبال"۔ اس مثنوی میں حضرت علامہ کے سفر افغانستان کے موقع پر اپنی ملاقات کی یادداشتوں کو محفوظ کیا ہے۔

یاد ایامی که با شعر و کتاب — آشنا گشتم در آغاز شباب
بسته بودم با سخن پیوند نو — داده بودم دل به مهوش در گرو
مشق می کردم غزلهای دری — بال افشان همچو پرواز پری

در جوانی شعر قصان می شود
پا یکوبان دست افشان می شود

با جوانی شرر چو یکجا شود
مست و شور انگیز و جان افزا شود

بود عصری برگریزان و خزان
شهر کابل رشک گلزار جنان

نور خورشیدش ز هر روزی فزون
آسمانش صاف ونغزو نیلگون

آرمیدی در دل تالاب ها
همچو آیینه فروزان آب ها

بادهایش در کمال اعتدال
مشک افشان از جنوب و از شمال

برگها را کیمیا ساز خزان
کرده با ذرات طلا زر فشان

بانم بابر شاه باذوق مغل
زر به بار آورده جاں خار و گل

من درین فرخنده روز دلنواز
گشتم از بخت همایون سرفراز

حکم شد از سوی دولت ناگهان
تابه باغ آیم به نام میزبان

با رفیقان وگر شامل شوم
همدم مردان صاحبدل شوم

میهمانان وارد بستان شدند
درسرای خویشتن میهمان شدن

سید والا سلیمان زمان
عالم دین عارف هندوستان

واں دگر سر راس مسعود شهیر
از علوم شرقی و غربی خبیر

در میانه حضرت اقبال بود
آفتاب شعر اتمثال بود

از جبینش نور قرآن آشکار
و زلقای وی خزان ما بهار

با سنائی کرده ساغرها نگون
در بساط لای خواران جنون

عارف راز آشنائی مولوی
عصر حاضر را چراغ معنوی

شرق را خلاق غیرت خامه اش
درس امت جاودانی نامه اش

آنکه بعد از کشور پاک حجاز
با در و دیوار افغان گفت راز

دیده در چشم عقاب خشمگین
ملت کهسار را نقش جبین

آسیا را خوانده نقش آب و گل
گفته افغان راداران پیکر چوں دل

هر سه تن بستند صف بر قبر شاه
شاه خفته بی خبر در خوابگاه

مشت خاک وی نهای در جوف سنگ
نی نوای نغمه نی شهپر جنگ

نی بساط خسروی نی تخت عاج   نماز کوه نور برقی نی زتاج
زایران دست دعا افراشتند   عرضه کردند آنچه در دل داشتند
منظر خورشید و الوان خزان   صفحه سیما بگون آسمان
زایران را جذب سوی خویش کرد   خاکیان را آسمان اندیش کرد
مهر را دیدند پویا سوی شام   می نهد لرزان به بام چرخ گام
می رود تا بوسه های آخرین   کوهساران را گزارد برجبین
باغ مانند بهشت آراسته   برگ برگش شسته و پیراسته
گفت سید این مناظر این جمال   این بهشت روح بخش بی مثال
قلب بابر را به خود تسخیر کرد   شاه رابر دست و پا زنجیر کرد
زان جهت فرمود کز هندوستان   جا دهندش در دل این بوستان
شاعر آزادهٔ بالغ نظر   از رموز حال و ماضی باخبر
سبز گون سیمای وی شد لاله گون   جوش زد دررگ رگ وی موج خون
خامه را بگرفت بر جای عصا   خاصه ای جا دوکش معجز نما
اهل دل راخامه جای اژدهاست   حرف حق برهان مردان خداست
گاه چشمش بود سوی آسمان   بر فضای نیلگون بیکران
گاه سوی قله های برف پوش   محمل خورشید شان برروی دوش
گاه سوی کابل جنت نظیر   مولد آزادگان شیر گیر
گاه سوی تربت خاموش شاه   جای مسند سنگ گورش تکیه گاه
خامه با انگشت وی همکار بود   آسمان پرواز و اختر بار بود
راه خود را به قلم اظهار کرد   قول سید را به شهر انگار کرد

این غزل رو شنگر سیمای ماست
ماضی ما حال ما فردای ما ست[۳۳]

اس ہی طرح ایک اور چھوٹی سی مثنوی حضرت علامہ کے حضور ہے:

بر آرامگاہ عارف مشرق علامہ اقبال لاہوری

تربت اقبال راکردم طواف | دولتی دیدم در انجا بی خلاف
دیدۂ بیدار از اندر منام | دان دوستی تیغ خفتہ درنیام
مشت خاکش بردہ برگدوں سبق | تابدار ہر زرہ اش انوار حق
آسمان برخاک او پیرایہ ای | "آفتابی درمیان سایہ ای"
خلوت آرای رموز بیخودی | محرم اسرار آیات خودی
تابہ حشر او سینۂ آگاہ او | بشنوی فریا الا اللہ او
زندہ از وی رسم و راہ معنوی | روشن ازوی خانقاہ مولوی
از سنائی سوزھا درسینہ اش | وزنی بلخی نوادر نغمہ اش
این نواھا از نوای کبریاست | کاروان خفتہ را بانگ دراست
این نوابیرون امداز نای عشق | ویں گہرہا زایہ دریای عشق
ز سبوی بادہ نوشان فرنگ | از غریو نعرہ وحدت سنگ
نعرۂ او در دل ما کار کرد | خفتگان شرق را بیدار کرد
بر مزارش بود لوحی تابدار | یادگار سرزمین کوہسار

در دل آن سنگ از افکار وی
باز خواندم بہترین اشعار وی[۳۴]

استاد خلیل اللہ خلیلی کی کلیات کے حصہ غزلیات میں "غزل حکیم شرق علامہ اقبال" ایک غزل موجود ہے۔ یہ غزل خلیلی نے حضرت علامہ کی تضمین پر لکھی ہے جو مسافر میں "بر مزارِ شہنشاہِ بابر خلد آشیانی" کے عنوان سے موجود ہے۔ خلیلیؔ کی غزل یہ ہے:

بیا کہ ساز فرنگ از نوا بر افتاد است | درون پردۂ او نغمہ نیست فریاد است
زمانہ کہنہ بتان را ہزار بار آراست | من از حرم نگذشتم کہ پختہ بنیاد است
درفش ملت عثمانیان دوبارہ بلند | چہ گویمت کہ بہ تیموریان چہ افتاد است
خوشا نصیب کہ خاک تو آرمید اینجا | کہ این زمین ز طلسم فرنگ آزاد است

ہزار مرتبہ کابل نکوتراز دھلی است "کہ آن عجوزہ عروس ہزار داماد است"

درون دیدہ نگہ دارم اشک خویش را کہ من فقیرم راین دولت خداد است

اگرچہ پیر حرم درد لا الہ دارد

کجا نگاہ کہ برندہ تر زپولاد است[۳۵]

استاد خلیل اللہ خلیلیؔ نے مندرجہ بالا منظومات میں حضرت علامہ کو عارف شرق، حکیم شرق وغیرہ کے خطابات دیے ہیں اور حضرت علامہ کے فن و شخصیت سے متاثر ہو کر ایک مستقل کتاب یار آشنا لکھی۔ یہ منظوم و منثور کتاب افغانستان کی جمعیت اسلامی کی علمی و مشاورتی انجمن کی جانب سے ۱۹۸۲ء میں شائع ہوئی کتاب اسی (۸۰) صفحات پر مشتمل ہے اور حضرت علامہ کی یاد، ان کے فن و شخصیت سے متعلق متعدد نکات پر بحث کی گئی ہے۔[۳۶]

اس کتاب کا نام حبیب اللہ رفیع نے ایک او رمقالے سھوا دیارِ آشنا لکھا ہے جو علامہ اقبال اور افغانستان سے متعلق ہے۔[۳۷] جبکہ اسی مقالے میں استاد خلیل اللہ خلیلی کو ملت کی بیداری کے سلسلے میں اقبال کی راہ کا راہی قرار دیا ہے۔[۳۸]

حضرت علامہ نے سفر افغانستان کے دوران نومبر ۱۹۳۳ء میں غزنی میں حضرت حکیم سنائی غزنوی کے مشہور و معروف قصیدہ کے بحر و ردیف میں ایک اور نظم تخلیق کی۔ جو بالِ جبریل میں شائع ہوئی۔ حکیم سنائی غزنوی کے قصیدے کا مطلع درج ذیل ہے:

مکن در جسم و جان منزل کہ این دونیست و آن والا

قدم زین ہر دو بیرون نہ نہ این جاباش نی آنجا

اور حضرت علامہ کی اردو نظم درج ذیل ہے:

سما سکتا نہیں پہنائے فطرت میں مرا سودا

غلط تھا اے جنوں شاید ترا اندازۂ صحرا!

خودی سے اس طلسم رنگ و بو کو توڑ سکتے ہیں

یہی توحید تھی جس کو نہ تو سمجھا، نہ میں سمجھا

نگہ پیدا کر اے غافل تجلی عین فطرت ہے

کہ اپنی موج سے بیگانہ رہ سکتا نہیں دریا

رقابت علم و عرفاں میں غلط بینی ہے منبر کی
کہ وہ حلاج کی سولی کو سمجھا ہے رقیب اپنا
نہ کر تقلید اے جبریل میرے جذب و مستی کی
تن آساں عرشیوں کو ذکر و تسبیح و طواف اولیٰ
بہت دیکھے ہیں میں نے مغرب و مشرق کے میخانے
یہاں ساقی نہیں پیدا، وہاں بے ذوق ہے صہبا!
نہ ایراں میں رہے باقی، نہ توراں میں رہے باقی
وہ بندے فقر تھا جن کا ہلاکِ قیصر و کسریٰ
یہی شیخ حرم ہے جو چرا کر بیچ کھاتا ہے
گلیم بوذرؓ و دلقِ اویسؓ و چادر زہراؓ؟
حضورِ حق میں اسرافیل نے میری شکایت کی
یہ بندہ وقت سے پہلے قیامت کر نہ دے برپا
ندا آئی کہ آشوب قیامت سے یہ کیا کم ہے
"گرفتہ چینیاں احرام و مکی خفتہ در بطحا!
لبالب شیشۂ تہذیب حاضر ہے مے 'لا' سے
مگر ساقی کے ہاتھوں میں نہیں پیمانہ 'الا'
دبا رکھا ہے اس کو زخمہ ور کی تیز دستی نے
بہت نیچے سروں میں ہے ابھی یورپ کا واویلا
اسی دریا سے اُٹھتی ہے وہ موج تند جولاں بھی
نہنگوں کے نشیمن جس سے ہوتے ہیں تہ وبالا
غلامی کیا ہے؟ ذوق حسن و زیبائی سے محرومی
جسے زیبا کہیں آزاد بندے، ہے وہی زیبا!
بھروسا کر نہیں سکتے غلاموں کی بصیرت پر
کہ دنیا میں فقط مردانِ حُر کی آنکھ ہے بینا!

وہی ہے صاحبِ امروز جس نے اپنی ہمت سے
زمانے کے سمندر سے نکالا گوہرِ فردا
فرنگی شیشہ گر کے فن سے پتھر ہو گئے پانی
مری اکسیر نے شیشے کو بخشی سختیٔ خارا!
رہے ہیں اور ہیں فرعون میری گھات میں اب تک
مگر کیا غم کہ میری آستیں میں ہے یدِ بیضا!
وہ چنگاری خس و خاشاک سے کس طرح دب جائے
جسے حق نے کیا ہو نیستاں کے واسطے پیدا!
محبت خویشتن بینی، محبت خویشتن داری
محبت آستانِ قیصر و کسریٰ سے بے پروا
عجب کیا گر مہ و پرویں مرے نخچیر ہو جائیں
''کہ بر فتراک صاحب دولتے بستم سر خود را''
وہ دانائے سُبل، ختم الرسل، مولائے کُل جس نے
غبارِ راہ کو بخشا فروغِ وادیِ سینا
نگاہِ عشق و مستی میں وہی اول، وہی آخر
وہی قرآں، وہی فرقاں، وہی یٰسیں، وہی طٰہٰ!
سنائیؔ کے ادب سے میں نے غواصی نہ کی ورنہ
ابھی اس بحر میں باقی ہیں لاکھوں لولوئے لالا[۳۹]

جناب خلیل اللہ خلیلی نے اس منظومے کا یوں فارسی منظوم ترجمہ کیا:

نگنجد وسعت سودای من در پہنہ دنیا
خطا بود ای جنون شاہد تر اندازہ صحرا
شکستِ این طلسم رنگ و بورا از خودی می جوی
کہ این توحید بود اما نکردش فہم عقل ما
نگاہی کن تو ای غافل تجلی نیست جز فطرت

کہ دریانیست غیر از موج نبود موج جز دریا

چہ چوب دار حلاج و چہ چوب پایہ منبر

خلاف علم و عرفان از غلط بینی شدہ بیدار

تو ای روح القدس از جذبۂ مستاں مکن تقلید

تن آسان عرشیانرا ذکر و تسبیح و طواف اولیٰ

بسا میخانہ ہا دیدم من اندر مغرب و مشرق

درین جا بزم بی ساقی، در انجا بادہ ناگیرد

نہ در ایران اثر پیدا نہ در توران نشان باقی

.... قیصر و کسریٰ

ببین شیخ حرم گیرد فروشد مال خود سازد

گلیم بو ذرؓ و دلق اویسؓ و چادر زہراؓ

بہ یزدان کرد اسرافیل شکوہ کای خدا ترسم

قیامت بیشتر از وقت گردد درجہان برپا

ندا آمد کز آشوب قیامت کی بود کمتر

"گرفتہ چینیان احرام و مکی خفتہ در بطحا

لبالب جام تہذیب زمان از بادہ 'لا' بشد

نبا شد درکف ساقی مگر پیمانہ 'الا'

چو سرکش موجہا کز قلب این دریا برون تازہ

کند کاخ نہنگان رابیک جنبش تہ و بالا

غلامی چیست محرومی ز ذوق حسن و زیبائی

بود زیبا اگر آزاد مردی گویدش زیبا

غلامان رابصیرت قابل باور نمی باشد

بجز آزادہ در دنیا ندارد دیدہ بینا

زمامِ حال دردست کسی باشد کہ از ہمت

ز دریای زمانہ باز گیرد گوہر فردا
فرنگ از شیشہ سازی سنگ خارا را نماید آب
بجشند کیمیای من بہ شیشہ سختی خارا
ندارم غم اگر فرعون باشد درکمین من
چو من در آستین خویشتن دارم یدِ بیضا
چہ ممکن کاین خس و خاشاک برقی راکند خاموش
کہ از بہر نیستانش نمودہ وسعت حق پیدا
محبت خویشتن بینی محبت خویشتن داری
محبت زاستان قیصر و کسریٰ ست بے پروا
عجب نبود اگر پروین ومہ گردد شکارِ من
کہ بر فتراک صاحب دولتی بستم سرخودرا
شناساں سُبلُ ختم رُسل مولای کل ذاتی
کہ خاک راہ راجشند فروغ وادی سینا
بچشم عشق و مستی اوست ہم آغاز ہم انجام
بود قرآن بود فرقان بود یٰسین بود طٰہٰ
ز غواصی مر پاس سنائی باز می دارد
وگرنہ اندرین بحر ست چندین لولوی لالا[۴۰]

اقبال سے متعلق منظومات اور تراجم کے علاوہ جناب خلیلی کی شاعری میں جا بجا حضرت علامہ کا تذکرہ ملتا ہے۔ ۱۹۸۳ء میں اسلام آباد میں جناب خلیلی کے اعزاز میں منعقدہ ایک تقریب میں آپ نے نظم ''سفیرِ ماتم'' سنائی۔ اس نظم میں افغانستان میں خونیں انقلاب اور اپنی دربدری اور مہاجرت کے درد انگیز جذبات کو درد انگیز انداز میں بیان فرمایا۔ یہاں بھی علامہ کا ذکر ہے۔

بندۂ حق درجہان آزادہ است ۔۔۔ مست وی فارغ زجام وبادہ است
خواستم تا اندرین شام سیاہ ۔۔۔ سایۂ اقبال را سازم پناہ[۴۱]

گویمیش کابل بخون گلگون شده پرچم اقبال آن واژون شده
زادگاه مولوی را آب برد کعبہ العشاق را سیلاب برد
شہر غزنی جلوه گاه علم و فن مسند محمود شاه بت شکن
در شرار ظلم دشمن درگرفت منبر تو حیرت کافر گرفت
"سید السادات مخدوم امم خود بلا ھو راست خفتہ در حرم[42]
کابل و لاھور باہم تو امند این دولت غمگساران ہمند
این دو گلشن خورده از یک چشمہ آب ہر دور روشن گشتہ از یک آفتاب
دوری از یاران گناہی بوده است سخت مضحک اشتباہی بوده است
اینک این آوارگان بیگناه غیر ازین کشور کجا جو ئنده را[43]
سرزمین پاک بابا آشنا ست این نظر باترجمان راز ماست
ہر نگہ این جازبان الفتاست ہرلب این جا بازگوی وحدست
من عیان بینم بہ برق ہر نگاه پرتوی از آفتاب لا الہ
تا سحری آیدم جا بگوش نغمۂ توحید از بانگ سروش
می سراید از زبان حال تان درد مارا حضرت اقبال تان
می شود از تربت باکش بلند نعره شیری کہ افتاده بہ بند
زملتی آواره کوه ودمن دررگ او خون شیران موجزن
آسیا یک پیکر آب و گل است ملت افغان در آن پیکر دل است[44]

سید السادات و مخدوم امم لقبی است کہ دکتر علامہ اقبال بہ علی بن عثمان ہجویری غزنوی صاحب کشف المحجوب داده۔

سرور خان گویاؔ

میری تحقیق کے مطابق سرور خان گویاؔ کو افغانستان کے دوسرے افغان اقبال شناس سکالر ہونے کا اعزاز حاصل ہے۔ بقولِ ڈاکٹر محمد ریاض مرحوم:

افغانستان کے فضلا کے ساتھ اقبال کے ذاتی مراسم بھی خاص اہمیت کے حامل ہیں۔ ڈاکٹر صلاح الدین سلجوقیؒ اور سرور خان گویاؒ ان کے احباب میں شامل تھے اور دونوں مرحومین کا سارا افغانستان ارادت مند اور معتقد ہے۔[۴۵]

افغانستان میں اقبال کے فن و شخصیت سے متعلق عبد الهادی داویؒ کے بعد پہلی تحریر سرور خان گویاؒ کی ملتی ہے جو کہ "دکتر اقبال" کے عنوان سے مجلّہ کابل میں مارچ ۱۹۳۱ء میں شائع ہوئی۔[۴۶]

حضرت علامہ اور ان کے رفقائے سفر کے لیے سفر افغانستان کے دوران آپ ہی حکومتِ افغانستان کی جانب سے پروٹوکول آفیسر تھے۔

سید سلیمان ندوی کہتے ہیں کابل کے شاہی مہمان خانہ "باغ" کے پھاٹک پر وہ صاحب ملے جو ہم نووارد مہمانوں کی خاطر مدارت اور دیکھ بھال کے لیے مقرر تھے ان کا نام سرور خان اور گویاؒ تخلص۔[۴۷]

آپ اس تمام سفر میں حضرت علامہ کے ہمرکاب رہے۔ کابل کے بعد غزنین کے پر کیف، روحانی اسرار سے بھرپور سفر میں ہمرکاب ہونے کا اعزاز حاصل رہا۔[۴۸]

قندھار کے تاریخی شہر اور زیارتِ خرقہ آنحضرت محمد مصطفی ﷺ کے دوران بھی سرور خان گویاؒ ساتھ تھے۔ افغان قہرمان اور فاتح پانی پت احمد شاہ ابدالیؒ کے مزار پر حاضری کے وقت بھی شریکِ سفر رہے۔ تاآنکہ افغانستان کے آخری بارڈر بابِ چمن تک گویاؒ نے ساتھ دیا۔ یوں حضرت علامہ کے ساتھ قربت اور جستجوئے آگہی کا یہ سفر اختتام پذیر ہوا۔ ملتِ اسلامیہ کے عظیم فلسفی، شاعرِ مشرق اور افغانوں کے عظیم محسن سے فرقت کا احساس ان کے لیے ایک ناقابلِ برداشت المیے کے برابر تھا۔ اس لمحے کو سید سلیمان ندویؒ نے تا ابد یوں محفوظ کیا ہے:

اب ہم افغانستان کی آخری سرحد میں تھے۔ اور اپنے میزبانوں سے شاید ہمیشہ کے لیے جدا ہو رہے تھے۔ ایک اسلامی حکومت کے روح افزا مناظر کی سیر ابھی دل بھر کرنے بھی نہ پائے تھے کہ موسمِ بہار آخر ہو گیا۔ قلعہ کے تمام آفیسر اور عملہ نے رخصتاً ہاتھ ملائے۔ رفیقِ سفر

سرور خان گویاؔ جو اتنے دنوں تک جلوت و خلوت میں ساتھ رہے تھے ہم کو حسرت بھری نگاہوں سے دیکھ رہے تھے اور ہم ان کو تک رہے تھے۔

روئے گل سیر نہ دیدم و بہار آخر شد

بے چارہ گویاؔ قفس کی طرح ابھی تک افغانستان سے باہر نہیں گیا ہے اور باہر کی دنیا کو صرف کتابوں کی آنکھوں سے دیکھا ہے۔ وہ اس سرحد کے پاس پہنچ کر پھڑک کر رہ گیا۔ زبانِ حال یہ کہہ رہی تھی۔

اگر یک سرِ موئے برتر پرم فروغ تجلی سوزد پرم

سب سے زیادہ...... افغانستان کا چہکتا بلبل گویاؔ اس وقت خاموش تھا اور مصافحہ و معانقہ کے بعد باہم مکاتیب و مراسلت کے وعدہ پر ہماری چند روزہ ملاقات ختم ہو گئی۔ موٹروں نے آگے کو حرکت کی اور چند منٹ کے اندر افغانستان کی سرحد کو پھاند کر انگریزی علاقہ میں داخل ہو گئے۔[۴۹]

تو گویا جناب گویاؔ صاحب کو اپنے آئیڈیل اقبال سے خلوت و جلوت میں ساتھ رہنے کا اعزاز حاصل رہا۔ تصورات و خیالات میں آئیڈیلائز (Idealize) کرنے والے ممدوح سے براہِ راست استفادہ کرنے کا موقع ملا۔ ان کو سمجھنے اور ان کی عالمی آفاقی شخصیت سے براہِ راست مستفید ہونے کا موقع ملا جس کی بدولت گویاؔ کو حضرت علامہ سے خلوص و نیاز کا عطیہ ان کی زندگی ہی میں نصیب ہوا۔

مجلّہ کابل کے قدیم شماروں میں حضرت علامہ کی حیات میں ہی حضرت علامہ کے فکر و فن پر جناب سرور خان گویا کی کئی تحریرات ملتی ہیں۔ انجمن ادبی کابل کی جانب سے مثنوی مسافر پر تقریظ شائع کی۔[۵۰]

ڈاکٹر محمد ریاض مرحوم لکھتے ہیں: ''اقبال افغانوں کی نظر میں رومیؔ، سعدیؔ، حافظؔ اور بیدلؔ کے بعد فارسی کے پانچویں بڑے شاعر ہیں۔[۵۱]

ڈاکٹر صاحب اس بات کی توثیق میں سرور خان گویاؔ مرحوم ہی کے تاثرات کا حوالہ دیتے ہیں:

یکی از فضائل عمدہ وبزرگ علامہ ممدوح کہ مارا بہ مدحش اختیاری نماید، این است کہ وی فضل واستعداد خودرا مخصوص بہ ہند نساختہ بلکہ از جملہ فضلا و خدام بین المللی اسلام بشمار می رود۔ این فاضلِ شہید یک سوز حقیقی ہموارہ برای معارف گذشتہ و عظمت رفتہ اسلام دستہ و باتمام قومی و موجودیت خود در صدر رہنمونی و سنجیدن جادہ ھا برای عورت ترقی و عظمت اسلام می باشد۔[52]

ڈاکٹر ریاض مرحوم نے اپنی تحریر میں اس اقتباس کا حوالہ مجلّہ کابل میں صفحہ نمبر ۸۴ لکھا ہے جو کہ صحیح نہیں۔ درست صفحہ نمبر ۸۵ ہے۔[53]

۲۱/ اپریل ۱۹۳۸ء کو حضرت علامہ کی وفات کے بعد اپریل ہی کے اواخر میں کابل میں انجمن ادبی کی جانب سے تعزیتی تقریب میں سرور خان گویاؔ ہی نے نظامت کے فرائض سرانجام دیے تھے جس میں حضرت علامہ کا سوانحی تذکرہ گویاؔ نے پیش کیا تھا۔[54]

جبکہ اسی محفل میں سرور خان گویاؔ نے حضرت علامہ کی فارسی منتخبات ترنم سے سنا کر محفل کو پر کیف بنا دیا تھا۔[55]

اسی محفل کی روداد اور سرور خان گویاؔ کی طرف سے حضرت علامہ کی انھی سنائی گئی منتخبات کو مجلّہ کابل نے اہتمام کے ساتھ شائع کیا۔[56]

اس موقع پر میں انتہائی افسوس کا اظہار کرنا اپنا فرض سمجھتا ہوں جو کہ نہ صرف علمی دیانت کا تقاضا ہے بلکہ تحقیقی اصولوں کے تحت اس کا اعتراف کرنا میرے لیے ناگزیر ہے کہ میں حضرت علامہ کے اس بڑے افغان اقبال شناس کا مستقل سوانحی تذکرہ حاصل کرنے سے محروم رہا۔ افغانستان میں جاری پچیس سالہ خانہ جنگی، کتب خانوں کی آتشزدگی اور بربادی کی وجہ سے بعض مأخذات تک رسائی ممکن نہ ہو سکی۔ تلاشِ بسیار کے باوجود گویاؔ کے سوانحی مواد کا ملنا ناممکن رہا۔

البتہ جناب گویاؔ کی علمی شخصیت کو مردم شناس سید سلیمان ندویؔ نے یک نگاہِ طائرانہ میں یوں محفوظ کیا ہے:

ان کا نام سرور خان اور گویاؔ تخلص ہے۔ یہ امیر عبدالرحمٰن مرحوم کے زمانے کے مشہور سردار عبدالقدوس خان کے پوتے ہیں۔ پچیس تیس کے درمیان عمر ہو گی۔ یہ فارسی کے

علاوہ عربی اور انگریزی بھی جانتے ہیں۔ شعر و شاعری کا بہت اعلیٰ مذاق رکھتے ہیں۔ فارسی میں کم کوئی اچھا شعر ہوگا جو ان کو یاد نہ ہو۔ شعر العجم اور میرزا مظہر کے خریطۂ جواہر کے تمام منتخب اشعار ان کی نوک زبان ہیں۔ اندازہ ہے کہ پچیس تیس ہزار شعر ان کو یاد ہوں گے۔ اخلاق پسندیدہ، اطوار شائستہ، ذہن رسا، مذاق عالی، تذکروں کے حافظ اور قلمی کتابوں کے جویا، فارسی تحریر کا سلیقہ بہت خاص رکھتے ہیں۔ کابل کی شاہی انجمن ادبی (جس کو رائل اکادمی کہنا چاہیے اور جس کو موجودہ حکومت نے قائم کیا ہے) کے رکنِ رکین ہیں۔ رسالہ کابل میں ان کے مضامین چھپا کرتے ہیں۔[۵۷]

سرور خان گویاؔ نے ۱۹۶۷ء میں جس وقت وہ افغانستان میں مشیر تعلیم کے عہدے پر فائز تھے اقبال کونسل کراچی کے زیرِ اہتمام تقریب یومِ اقبال میں شرکت کی تھی۔ اس تقریب میں آپ نے مقالہ "اقبال اور افغانستان" پیش کیا تھا۔ بالخصوص حضرت علامہ کے سفر افغانستان کے دوران اپنی ذاتی یادداشتوں کے ذریعے حضرت علامہ سے متعلق یادوں کو نہ صرف تازہ کیا بلکہ ہمیشہ کے لیے محفوظ بھی کیا۔[۵۸]

یہ مقالہ فارسی میں علامہ اقبال در ادب فارسی و فرہنگ افغانستان میں بھی شائع ہوا ہے۔[۵۹]

گویاؔ مرحوم کی صحیح تاریخ وفات کا پتا نہیں چل سکا البتہ اقبال ممدوح عالم مطبوعہ بار اول نومبر ۱۹۷۸ء میں استادِ محترم مرحوم ڈاکٹر محمد ریاض کے مقالے "افغانستان اور ایران میں اقبال پر مقالات و کتب" میں جناب گویاؔ کو مرحوم لکھا گیا ہے۔[۶۰] جس سے پتا چلتا ہے کہ جناب گویاؔ ۱۹۷۸ء سے پہلے ہی وفات پا چکے تھے۔

افغانستان میں اقبال شناسی کے علاوہ بھی جناب سرور خان گویاؔ کی کئی علمی و ادبی خدمات ہیں جن کا یہاں مختصر تذکرہ ضروری سمجھتا ہوں۔

آپ نے شبلی نعمانیؔ کی شعر العجم حصہ سوم (از فغانی تا ابو طالب کلیم) کا فارسی ترجمہ کیا جو کابل کے انجمن ادبی کی جانب سے ۱۳۱۵ھ ش کو ۱۵۲ صفحات پر مطبع عمومی کابل سے شائع ہوئی۔[۶۱]

اس باقاعدہ اشاعت سے قبل مجلّہ کابل کے مختلف شماروں میں متذکرہ اثر قسط وار شائع ہوتا رہا۔

- آخرین دره شاعری فارسی دلو ۱۳۱۳ھ ش[۶۲]
- از فغانی تا ابو طالب کلیم حوت ۱۳۱۳ھ ش[۶۳]
- فغانی، شیرازی حمل ۱۳۲۴ھ ش[۶۴]
- ملک الشعرا فیضی جوزا/ ۱۳۱۴ھ ش[۶۵]
- ملک الشعرا شاہجہان جوزا/ ۱۳۱۵ھ ش[۶۶]

سرور خان گویاؔ کا دوسرا اثر ''آیدات نفیسہ ہرات'' انجمن تاریخ افغانستان کی جانب سے ۱۳۲۶ھ ش میں شائع ہوا۔ جبکہ اس کی دوسری اشاعت مولانا جامی کے ساڑھے پانچ سو سالہ جشنِ ولادت کی مناسبت سے کابل کی انجمن جامی کی جانب سے ۱۳۴۳ھ ش میں مطبع معارف کی جانب سے ہوئی۔[۶۷]

عبدالباری شہرت ننگیال

الحاج عبدالباری شہرت ننگیال ۱۳۳۷ھ ش افغانستان کے میں ولایت وردگ کے چک ضلع کے قریہ بمبئ میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم یہیں حاصل کرنے کے بعد کابل کے امام ابو حنیفہ مدرسہ میں داخل ہوئے۔ ۱۳۵۶ھ ش میں انٹرمیڈیٹ کرنے کے بعد افغانستان میں کمیونسٹ انقلاب برپا ہوا۔ چنانچہ پاکستان ہجرت کرنے پر مجبور ہوئے۔ یہاں پشاور میں جمیعت اسلامی افغانستان کے نشریاتی شعبے سے منسلک ہوئے اور جریدہ مجاہد کے رائٹر منتخب ہوئے۔ مجاہد تنظیموں کے اتحاد کے بعد قیامِ حق مجلّہ کے مدیر مقرر ہوئے۔ اس کے بعد مجاہد جریدہ اور بصیرت کے مسئول مدیر بنے۔[۶۸]

۱۳۶۸ھ ش میں صوبہ پکتیا کے مجاہد کمانڈر جلال الدین حقانی کی فرہنگی کمیٹی کے چیف مقرر ہوئے۔ جہاد اخبار، دجہاد ہنداره (آئینہ جہاد) اور منبع الجہاد پشتو، اردو، فارسی اور عربی مجلات کے مدیر مقرر کیے گئے۔ کئی سال تک یہاں خدمات انجام دیتے رہے۔ اس دوران اسلام آباد میں قائم جہادی ثقافتی شوریٰ اور مرکز تحقیقات افغانستان سے بھی وابستہ رہے۔

ننگیال صاحب سے راقم الحروف کی کوئٹہ اور پشاور میں کئی ملاقاتیں ہوئی ہیں۔ آپ ایک مستعد لکھاری ہیں۔ کئی مجلات کے علاوہ اخبارات (افغان مجاہد، مجاد اولس، شہادت، سہار، اور وحدت وغیرہ) میں مقالات اور کالم چھپتے رہے ہیں۔

آپ بیک وقت عربی، فارسی، اردو اور پشتو میں لکھتے رہے ہیں۔ آپ کے مطبوعہ آثار و تالیفات کی تفصیل درج ذیل ہے:

۱- په افغانستان کښې د کمونستانو قدرت ته رسېدل۔
۲- د افغان مجاهد آواز (شعری مجموعہ)۔
۳- د افغانسان سیاسی احزاب۔
۴- د مجاهد پیغام (شعری مجموعہ)۔
۵- په افغانستان کښې روان سیاسی جهاد۔
۶- دوی مشاعری۔
۷- جراید غیر دولتی افغانستان۔
۸- خبرې (شعری مجموعہ)۔
۹- شارقی د خپلو انقلابی لیکونه رنړا کښې۔
۱۰- د کهیخ یاد۔
۱۱- احدي واحدیت په لارد ابدیت په لور۔
۱۲- به یاد سخن آفرین د سخنور بزرگ استاد خلیلی۔
۱۳- اسناد تاریخی افغانستان۔
۱۴- جهادي فتوی گانې۔
۱۵- او هغوی چې مرگ یي نه شی وژلای۔
۱۶- سنگرداران قلم۔
۱۷- معرفی جرائد و مجلات مقاومت۔
۱۸- هلته چې تاریخ تکرا یږي۔

۱۹- منزلونه او منزلونه(شعری مجموعہ)۔

۲۰- داور ترانې د ژوند شعرونه۔

۲۱- تیارې لارې رڼې کړښې۔

۲۲- وینه په قلم کښې(تذکرہ)۸۱۰ صفحات۔

۲۳- کارتون سخن میگوید۔

۲۴- او گولۍ و چلیدې۔

۲۵- د ورځې او دا یادونه۔

۲۶- قهرمان شهید عزیز الرحمان الفت۔

۲۷- خوست د آزادۍ په لمر ځرك کښې۔

۲۸- د تاریخ په سپیده داغ کښې۔

۲۹- نه هیریدونکی حیرې۔

۳۰- تاریخی معرکې ستره فتح۔

۳۱- خون کی پکار۔

۳۲- نبوي لیکونه۔

۳۳- د دوز خونوپه لمبو کښې سوځیدلی جنت۔

۳۴- گنگ سخنگو۔

۳۵- اسناد و نامه های تاریخی افغانستان۔

۳۶- ترهیدلی خاطری نا آشنا حقیقونه۔

۳۷- ستوري ولویدل۔

۳۸- کابل د زیړو گلو باغ وو۔

۳۹- مالا گل بوئی کړې نه وو بهار تېرشو(ترجمہ)۔

۴۰- اسلامی قانون جوړونه۔

۴۱- د مرگ په وزرو۔ [۶۹]

شہرت ننگیال کے فکر و فن پر حضرت علامہ کے افکار کا پرتو جلوہ گر ہے۔ آپ کے عمومی شہ پاروں پر حضرت علامہ کے گہرے اثرات کا غالب ہونا آپ کے اقبال سے قلبی لگاؤ کا بین ثبوت ہے۔ آپ کی شاعری ایمانی جذبے اور جہاد کی شاعری ہے اور شاعری میں جابجا حضرت علامہ کی تراکیب کا استعمال کیا ہے۔ افغان جہاد سے متعلق اردو اشعار و منظومات کو یکجا کرکے ننگیال نے خون کی پکار کے عنوان سے شائع کیا ہے۔ اس کتاب کے بیک ٹائٹل پر حضرت علامہ کی تصویر اور عقاب کے ساتھ درج ذیل ابیات شائع کیے ہیں:

آسیا یک پیکر آب و گل است ملتِ افغان درآن پیکر دل است

از فسادِ او فسادِ آسیا در کشاد او کشادِ آسیا

تادل آزاد است آزاداست تن ورنہ کاہے در رہِ باد است تن[۷۰]

شہرت ننگیال نے سید سلیمان ندوی کا سفر نامہ سیر افغانستان پشتو میں ترجمہ کیا ہے جو قسط وار مجلّہ افغانستان میں شائع ہوتا رہا۔[۷۱]

آپ نے لاہور میں حضرت علامہ کے مزار پر حاضری دی اور پشتو میں یوں خراجِ تحسین پیش کیا:

چې خاوند د ژور فکر او لوړ خیال دې
فلسفی شاعر دانا د ژوند په حال دې
خود یه اوسی لاهور لوړ سر هسکه غاړې
چې روزلی یې نامتو ادیب اقبال دې[۷۲]

ترجمہ: جو گہرے فکر اور بلند خیالات کا مالک ہے وہ فلسفی شاعر اور رمزِ حیات کا دانا ہے۔ لاہور یقیناً فخر سے سر بلند رکھنے کا حقدار ہے جس نے معروف ادیب اقبال کو پیدا کیا۔

علامہ عبدالحیٔ حبیبیؒ

پشتو زبان و ادب اور تاریخ اس حوالے سے نہایت خوش قسمت ہے کہ علامہ حبیبیؒ جیسی نابغہ روزگار شخصیت اس کے حصے میں آئی۔ آپ کے رشحاتِ قلم اور تحقیقات علمی ہمیشہ پشتو ادب کے بنیادی مأخذات کے طور پر یادگار رہیں گے۔

علامہ حبیبیؔ کا تعلق قندھار کے علمی و ادبی گھرانے سے رہا۔ آپ ملا عبدالحق اخوندزادہ بن مولوی عبدالرحیم بن علامہ مولوی حبیب اللہ کاکڑ مشہور بہ محقق کندھاری بن ملا فیض اللہ بن ملا بابڑ کے گھر کندھار کے کوچہ بامیزی بروزِ پنجشنبہ ۱۷ ربیع الثانی ۱۳۲۸ھ ق ثور ۱۲۸۹ھ ش / مئی ۱۹۱۰ء میں پیدا ہوئے۔[۷۳]

بچپن ہی میں والد دارِ فانی سے کوچ کر گئے۔ میراث میں حبیبیؔ کو کچھ کتابیں اور بعض رسائل و مجلات ملے۔[۷۴] حبیبیؔ کا سوانحی تذکرہ تقویمی لحاظ سے کچھ یوں ہے:

۱۲۹۹ھ ش / ۱۹۲۰ء کندھار کے شالیمار مکتب میں داخلہ لیا۔

۱۳۰۴ھ ش / ۱۹۲۵ء کندھار کے شالیمار سکول سے فارغ ہوئے۔

۱۳۰۴ھ ش سے ۱۳۰۶ھ ش / ۱۹۲۸ء تک قندھار کے پرائمری سکول میں پڑھاتے رہے جبکہ اس دوران خود بھی شہر کی بڑی بڑی مساجد میں حصولِ علم میں مصروف رہے۔ مولوی عبدالواسع سے مبادیات صرف و نحو، عربی، ریاضی و ہیئت، اصول و قواعد فقہ عروض فصاحت و بلاغت پڑھے۔ مشہور عالم دین ابوالوفا کندھاری (جو مدرسہ نظامیہ دکن کے فارغ تھے اور فقہ والٰہیات کے مانے ہوئے استاد تھے) کے حلقہ تلامذہ میں شامل ہوئے۔ سراج الاخبار افغانیہ (کابل) حبل المتین (کلکتہ) اور علامہ محمود طرازی کی تصنیفات و تالیفات، حافظ شیرازی، سعدی، جلال الدین بلخی رومی وغیرہ کا مطالعہ کیا۔ ایرانی دانشوروں سید حسن تقی زادہ، علامہ میرزا محمد قزوینی، سید کاظم، ایرانشہر سید محمد علی جمالزادہ وغیرہ۔ مصری دانشوروں جرجی زیدان اور ہندی علما شبلی نعمانی اور سید سلیمان ندوی کے علمی و ادبی خدمات سے مستفید ہوتے رہے۔[۷۵]

۱۳۰۶ھ ش سے ۱۳۱۰ھ ش / ۱۹۳۱ء تک جریدہ طلوع افغان قندھار کے مدیر معاون رہے۔

۱۳۱۰ھ ش / ۱۹۳۱ء تا ۱۳۳۹ھ ش / ۱۹۴۰ء

اس جریدے کے مسؤول مدیر ہے۔

۱۳۱۹ھ ش / ۱۹۴۰ء تا ۱۳۲۰ھ ش / ۱۹۴۱ء

پشتو ٹولنہ کے رئیس اور مطبوعات کے مستقل ریاست کے معاون رہے۔

۱۳۲۰ھ ش / ۱۹۴۱ء تا ۱۳۲۳ھ ش / ۱۹۴۴ء

وزارت معارف کے مشاور رہے۔

۱۳۲۳ھ ش / ۱۹۴۴ تا ۱۳۲۵ھ ش / ۱۹۴۶ء

کابل یونیورسٹی کے دانش کدہ ادبیات کے سربراہ رہے۔ اس کے ساتھ ساتھ پشتو ادب اور تاریخ کے استاد اور پشتو ٹولنہ کے صدر رہے۔

۱۳۲۵ھ ش / ۱۹۴۶ء تا ۱۳۲۶ھ ش / ۱۹۴۷ء

کندھار کی معارف کے رئیس اور تاریخ کے استاد رہے۔

۱۳۲۶ھ ش / ۱۹۴۷ء

چمن میں افغان وکیل التجار رہے۔

۱۳۲۷ھ ش / ۱۹۴۸ء تا ۱۳۳۰ھ ش / ۱۹۵۲ء

افغانستان کی ملی شوریٰ (پارلیمنٹ) کے ممبر رہے۔

۱۳۳۰ھ ش / ۱۹۵۲ء تا ۱۳۴۱ھ ش / ۱۹۶۲ء

افغان حکومت سے سیاسی اختلافات کی بنا پر پاکستان میں سیاسی جلاوطن رہے۔

۱۶ سنبلہ ۱۳۴۱ھ ش / ۱۹۶۲ء

دوبارہ عازم وطن ہوئے۔

۱۳۴۴ھ ش / ۱۹۶۶ء

کابل یونیورسٹی میں پوھاند کے اعلیٰ علمی رتبے تک پہنچ گئے۔

۱۳۴۵ھ ش / ۱۹۶۶ء

افغانستان کے انجمن تاریخ کے رئیس رہے۔

۱۳۵۱ھ ش / ۱۹۶۷ء

صدرِ اعظم افغانستان کے فرہنگی مشاور رہے۔

اس کے بعد عرصے تک پوھنځیٔ ادبیات پشتو ادب و تاریخ کے استاد رہے۔ اس دوران زیادہ عرصے تک شعبہ پشتو ادبیات کے سربراہ رہے۔

۱۳۵۸ھ ش / ۱۹۸۰ء

افغانستان کی اکیڈیمی علوم میں پشتو ادبیات کے علمی رکن بنے۔

اس کے بعد مختلف علمی و ادبی حیثیتوں سے خدمات انجام دیتے رہے۔

۲۰ ثور ۱۳۶۳ھ ش / ۱۹۸۴ء کو علم و ادب کا یہ درخشندہ آفتاب غروب ہوا اور اگلے روز شہدائے صالحین کے قبرستان میں دفن ہوئے۔[۷۶]

علامہ عبد الحئی حبیبیؒ نے کئی ملکی و عالمی نوعیت کی کانفرنسوں، سیمیناروں اور مباحثوں و مذاکروں میں مختلف حیثیتوں سے شرکت کی۔ خود علمی و ادبی جواہر ریزے سمیٹے اور دوسروں کو چشمہ علم و عرفان سے فیض یاب کیا۔ ان کانفرنسوں کا مختصر تذکرہ ضروری سمجھتا ہوں:

۱۔ مراسم بسیت و پنجمین سال بیانگذاری تاشکند یونیورسٹی ۱۳۲۵ھ ش

۲۔ ہیئت کلتوری افغانی، دہلی ۱۳۲۶ھ ش

۳۔ اورینٹل کانفرنس (Oriental Conference) لاہور ۱۳۳۶ھ ش

۴۔ اجتماع یادبود خواجہ عبد اللہ انصاری کابل ۱۳۴۱ھ ش

۵۔ مجلس یادبود و گرامیداشت مولانا عبد الرحمٰن جامی، دوشنبہ تاجکستان ۱۳۴۳ھ ش

۶۔ کنفرانس ایرانشناسی، تہران ۱۳۴۵ھ ش

۷۔ سیمینار ترجمہ، کابل ۱۳۴۵ھ ش

۸۔ کنفرانس کوشانیان شناسی، دوشنبہ تاجکستان ۱۳۴۷ھ ش

۹۔ کنفرانس وسیع نسخ خطی، کابل ۱۳۴۶ھ ش

۱۰۔ سمپوزیم ہنر عہد تیموریان، سمرقند ازبکستان ۱۳۴۸ھ ش

۱۱۔ گردہم آبی بزرگداشت خواجہ رشید الدین فضل اللہ وزیر، تہران و تبریز ۱۳۴۸ھ ش

۱۲۔ سیمینار کوشانیان، کابل ۱۳۴۹ھ ش

۱۳۔ مجلس ہزارہ شیخ طوسی، مشہد یونیورسٹی ۱۳۴۹ھ ش

۱۴۔ کنفرانس ہزارہ ابوریحان البیرونی، دہلی ۱۹۷۱ء / ۱۳۵۰ھ ش

۱۵۔ سیمینار فتح پور سیکری، آگرہ ہندوستان ۱۳۵۱ھ ش

۱۶۔ گردہم آی فسیح و بزرگ بہ مناسبت تجلیل ہزارۂ البیرونی، کابل ۱۳۵۲ھ ش

۱۷- مراسم یاد و بود مولوی جلال الدین بلخی، کابل ۱۳۵۳ھ ش
۱۸- محفل گرامیداشت بایزید روشان، کابل ۱۳۵۳ھ ش
۱۹- جلسۂ بزرگداشت و تجلیل از شخصیت امیر خسرو، کابل ۱۹۷۵ء / ۱۳۵۳ھ ش
۲۰- مراسم تجلیل از شخصیت فرہنگی ابونصر فارابی، کابل ۱۹۷۵ء / ۱۳۵۴ھ ش
۲۱- کنفرانس یونیسکو دربارہ السنہ و ادبیات کشورھای آسیای میانہ، تہران ۱۳۵۴ھ ش
۲۲- کنفرانس ہزارہ دقیقی بلخی، کابل ۱۹۷۵ء / ۱۳۵۴ھ ش
۲۳- مراسم تجلیل و گرامیداشت امیر خسرو، دہلی ۱۹۷۵ء / ۱۳۵۴ھ ش
۲۴- سیمینار تحقیقات بین المللی پشتو، کابل ۱۹۷۵ء / ۱۳۵۴ھ ش
۲۵- گردہم آی ہزارہ مین سالگرہ تولد خواجہ عبداللہ انصاری، کابل ۱۳۵۵ھ ش
۲۶- مراسم تجلیل از شخصیت نخبہ و برگزیدہ افغان سید جمال الدین افغانی، کابل ۱۳۵۵ھ ش
۲۷- سیمینار آثار چاپ شد پشتو در دو قرن آخر، کابل ۱۳۵۶ھ ش
۲۸- مجلس بزرگداشت نہصد مین سال تولد سنائی غزنوی، کابل ۱۳۵۶ھ ش
۲۹- محفل تحقیقات دربارہ کوشانیان در کابل ۱۳۵۷ھ ش
۳۰- کنفرانس تجلیل از شخصیت علمی و فرہنگی کشور ابن سینا در کابل ۱۳۵۹ھ ش
۳۱- جلسہ بزرگداشت میا فقیر اللہ جلال آبادی، کابل ۱۳۵۹ھ ش
۳۲- کنفرانس یونیسکو، بلگراد ۱۳۵۹ھ ش
۳۳- سیمینار سوم خوشحال خان خٹک، کابل ۱۳۵۸ھ ش
۳۴- سیمینار ۲۲۰ من سالمرگ میاں فقیر اللہ جلال آبادی، کابل ۱۳۵۹ھ ش
۳۵- گردہم آی بزرگ در خصوصی تاریخ و تمدن آسیای میانہ دوشنبہ تاجکستان ۱۳۶۱ھ ش
۳۶- مجمع بزرگ و وسیع کوشانیان، کابل ۱۳۶۱ھ ش
۳۷- سیمینار ادبیات انقلابی، کابل ۱۳۶۲ھ ش
۳۸- سیمینار د زر غونی یاد، کابل ۱۳۶۲ھ ش[۷۷]

جناب عبدالحئ حبیبیؒ زندگی بھر مختلف علمی، ادبی و تحقیقی موضوعات پر لکھتے رہے۔ ان کے ایک معاصر ادیب جناب عبدالرؤف بینوآ ان کی جامع شخصیت کے حوالے سے لکھتے ہیں:

جناب حبیبیؒ کو فارسی اور پشتو کے علاوہ عربی، اردو اور انگریزی پر بھی پوری قدرت حاصل ہے۔ کافی مطالعہ رکھتے ہیں اور خصوصاً ان کا افغانی و اسلامی تاریخ اور پشتو زبان و ادب کے حوالے سے مطالعہ غنی ہے۔[۷۸]

ان کے ایک اور معاصر افغان ادیب و شاعر عبداللہ بختانیؒ بھی ان کی جامع شخصیت اور علمی تحقیقات کے حوالے سے لکھتے ہیں:

آخر دم تک پشتو فارسی اور اردو زبان و ادبیات و تاریخ پر افغانستان ہندوستان اور ایران کے حوالے سے تحقیق کرتے رہے۔ ان ممالک سے متعلق ادبی و تاریخی مشاہیر کے نسخہ جات کو متعارف کراتے رہے۔[۷۹]

جناب عبدالحئ حبیبیؒ کے آثار و تالیفات کی فہرست کافی طویل ہے اور اگر پوری فہرست دی جائے تو تحقیقی اصولوں کی بنیاد پر موضوع سے ہٹ کر بے جا طوالت واقع ہو جائے گی۔ البتہ ہارون خیل نے حضرت علامہ کے ۱۱۸ آثار و تالیفات مطبوعہ و غیرہ مطبوعہ کی تفصیل درج کی ہے۔ موضوعاتی اعتبار سے آثار کی تعداد درج ذیل ہے:

الف: ادبیات و زبان شناسی (پشتو و فارسی)
تعداد آثار ۳۵ عدد

ب: تاریخ و جغرافیائی تاریخی (پشتو فارسی)
تعداد آثار ۳۷ عدد

ج: تصیحات مقالات، حواشی، تراجم، تعلیقات و ترتیب ہا (پشتو و فارسی)
تعداد آثار ۲۱ عدد

د: علمی و اجتماعی (پشتو و فارسی)
تعداد آثار ۱۰ عدد

ھ: آثار غیر مطبوعہ (پشتو و فارسی)
تعداد آثار ۱۵ عدد[۸۰]

یہ آثار ایران، افغانستان، ہندوستان اور پاکستان میں وقتاً فوقتاً شائع ہوتے رہے ہیں۔ آپ کی خدمات کے اعتراف میں راقم الحروف نے چمن پاکستان میں حبیبیؒ اکیڈیمی قائم کی ہے اور افغانستان کے اہلِ قلم حضرات نے ادارہ تحقیقات حبیبیؒ بنایا ہے جو آپ کے آثار و تالیفات کو شائع کرائے گی اور آپ کی تحریرات پر مزید تحقیقات کرائے گی۔

حبیبیؒ کو جہاں قدرت نے دیگر علمی فیاضیوں سے نوازا تھا وہاں اقبال شناسی بھی ان کے حصے میں آئی تھی۔ آپ کو حضرت علامہ سے ملاقات کا شرف بھی حاصل تھا۔ سفر افغانستان کے دوران جب حضرت علامہ قندھار پہنچے تھے وہاں ان کے ساتھ ملاقات کرنے والوں میں جناب حبیبیؒ بھی شامل تھے۔

یکم نومبر ۱۹۳۳ء کو اس ملاقات کے احوال حضرت علامہ کے ہمرکاب سید سلیمان ندوی کے قلم سے ملاحظہ ہوں:

ہم لوگوں کے پہنچنے کے بعد شہر کے کچھ ممتاز اصحاب ملنے آئے جن میں قابل ذکر دو صاحب ہیں: وزارت خارجہ افغانستان کے نمائندہ متعینہ قندھار اور یہاں کے انجمن ادبی کے ناظم اور پشتو رسالہ طلوع افغان کے اڈیٹر عبدالحئ خان۔ وزارت خارجیہ کے یہ نمائندے پہلے ترکی کی افغان سفارت میں کسی عہدہ پر رہ چکے ہیں اور اب یہاں متعین ہیں۔ عبدالحئ خان ہندوستان میں شاید سندھ اور بندر کراچی میں کچھ دنوں مقیم رہے ہیں۔ اردو خاصی بولتے ہیں وہ اس تحریک کے کہ افغانوں کی قومی زبان پشتو کو ترقی دے کر یہاں کی تعلیمی و علمی سرکاری زبان بنایا جائے، علمبردار ہیں۔ انھوں نے آتے ہی ڈاکٹر اقبال سے اسی موضوع پر گفتگو شروع کی۔ ڈاکٹر صاحب نے جواب میں زبانوں کی نشو و نما اور ترقی پر اصولی بحث فرمائی اور اس بات پر زور دیا کہ زبان ایک قوم کے مختلف افراد کی باہم پیوستگی کا سب سے ضروری اور مؤثر ذریعہ ہے۔ لیکن اگر اس تحریک سے قوم کے افراد کے درمیان اتحاد کے بجائے اختلاف رونما ہونے کا اندیشہ ہو تو وہ پیوستگی کا پیغام ہونے کی جگہ نزاعات اور اختلافات کا ترانۂ جنگ ہے۔[۸۱]

مجلّہ کابل ۲۱ر جنوری ۱۹۳۴ء کے شمارے میں جناب عبدالحئ حبیبیؒ کی ایک طویل فارسی نظم ''قطرات سرشک دربارگاہ محمود و سنائی'' شائع ہوئی ہے۔ اسلوبی لحاظ سے مثنوی بحر

میں اس نظم کا منبع و مأخذ حضرت علامہ کی مثنوی "مسافر" کو قرار دیا جاسکتا ہے جبکہ فکری و معنوی اعتبار سے حضرت علامہ کے اسرار و رموز کا پرتو اس نظم میں جلوہ گر ہے۔ چنانچہ اس بات کا اشارہ خود حبیبیؔ صاحب نے اس نظم کے بعض اشعار کے فٹ نوٹ میں کیا ہے:

خیز واندر گردش آور جام عشق ۔۔۔ درقہستان تازہ کن پیغام عشق

کے نیچے اس بیت کی وضاحت میں لکھتے ہیں:

"ابیا تکیہ بعد ازیں در بین این علامت "" گرفتہ شدہ تضمین است از کلام حضرت علامہ دکتور اقبال شاعر اسلامی ہند"[۸۲]

چنانچہ بقیہ نظم میں قوسین کے تحت درج ذیل ابیات کھے گئے ہیں:

"باز این اوراق را شیرازہ کن ۔۔۔ باز آئین محبت تازہ کن
یا رب آن آشکی کہ باشد دلفروز ۔۔۔ بی قرار و مضطر و آرام سوز"
"کارمش در باغ و روید آتشی ۔۔۔ از قبائی لالہ شوید آتشی"
"من شنیدم ستم ز نباض حیات ۔۔۔ "اختلاف تست مقراض حیات"
"از یک آئینی مسلمان زندہ است ۔۔۔ پیکر ملت ز قرآن زندہ است"
شعلۂ وحدت بکوشش برفروز ۔۔۔ "رند کی خود را دریں آتش بسوز"
ای امانت دار تہذیب کہن ۔۔۔ پشت پا برمسلک آبامزن"
مسلم استی دل باکلیمی مبند ۔۔۔ گم مشو اندر جہان چون وچند"
سیر دل کن ھای کہ درپنہاں دل ۔۔۔ می شود گم این شراری آب و گل"[۸۳]

اس نظم میں فکری وابستگی کے علاوہ ویسے بھی مجموعی طور پر قوسین میں مندرج ابیات کے علاوہ بھی جابجا اقبالیاتی تراکیب کا استعمال کیا گیا ہے:

تیغ "لا" را از نیا مشن آختی ۔۔۔ آشکارا رمز "الا" ساختی
مسلم از تو "قاہری" آموختہ ۔۔۔ ہم ز فیضت "دلبری" اندوختہ
"قاہری با دلبری" آئین تو ۔۔۔ زاد عقبیٰ از جہاد تمکین تو[۸۴]
زندگانی را بقا از کوشش است ۔۔۔ رمز و سیر زندگانی کوشش است
رمز و سیر زندگانی کوشش است ۔۔۔ واقف اسرار الا اللہ شو'[۸۵]

۱۹۵۱ء میں جب علامہ حبیبیؒ افغانستان کے شاہی خاندان سے اختلاف اور اپنے سیاسی عزائم کی بنیاد پر سردار شاہ محمود خان کے دورۂ صدارت کے دوران پاکستان مہاجر ہوئے تو پشاور میں رہنے لگے تھے چونکہ اس وقت و کی تحریک شروع ہوئی تھی اور افغانستان میں اخبارات کو بند کر دیا گیا تھا۔ پارلیمنٹ کے نویں دور کے لیے کابل کے عوامی نمائندے ڈاکٹر عبدالرحمٰن محمودی کو گرفتار کر لیا گیا تھا اور قندھار کے عوامی نمائندے علامہ عبدالحئ حبیبیؒ چمن کے راستے افغانستان سے جلاوطن ہو کر پشاور آئے تھے۔ اسی لیے آپ نے پشاور میں ایک سیاسی تنظیم ''آزاد افغانستان'' کی بنیاد ڈالی۔ یہاں سے اپنے مقاصد کے حصول کے لیے ایک پندرہ روزہ جریدے آزاد افغانستان کا اجرا کیا۔ اخبار کے عنوان کے ساتھ حضرت علامہ کا یہ شعر کندہ ہوتا تھا:

آسیا یک پیکر آب و گل است
ملت افغان درآن پیکر دل است[۸۶]

علامہ حبیبیؒ اپنی تحقیقی تحریرات سے بہت کم فرصت پاتے تھے۔ لہٰذا ان کی تخلیقات کی تعداد بہت کم ہے۔ فارسی شاعری کیساتھ ساتھ ان کی پشتو شاعری پر بھی حضرت علامہ کے فکری اثرات نمایاں ہیں۔

جدی ۱۳۲۳ھ ش ۱۹۴۴ء میں جب استنبول سے علامہ سید جمال الدین افغانی کا جسدِ خاکی لا کر کابل یونیورسٹی کے احاطے میں دفن کیا گیا تو اس مناسبت سے مجلّہ کابل نے ایک خصوصی شمارہ جاری کیا۔ اس میں بیک ٹائٹل پر علامہ حبیبیؒ کی درج ذیل تین رباعیات شائع ہوئی تھیں:

خپل اصل ته رجوع

ملت درياب دې فرد يي قطره ده   له دې قطرې نه جوړه دجله ده
قطره چې بيله شي له دريابه   تل يي دې لوري ته تلوسه ده

ترجمہ: ملت دریا ہے اور فرد قطرہ۔ انھی قطرات سے دجلہ بنتا ہے۔ جب قطرہ دریا سے جدا ہوتا ہے۔ پھر بھی انھیں ہمیشہ واپس دریا سے الحاق کی جستجو رہتی ہے۔

د اوبو څاڅکي له بحره بېل شو
فضا ته ولاړ ئ بیرته راګېل شو
بېلتون یي ولید په غرو رغو کي
تېز شو هم توي شو خروښانه سېل شو

ترجمہ: پانی قطرہ بحر سے جدا ہوتی ہے فضا میں جا کر واپس آ جاتی ہے۔ دشت و کوہسار میں فرقت کی بے تابیاں جھیلیں بحر سے مل کر تند و تیز ہو جاتا ہے۔

چی بیرته راغی د دریاب مل شو
په سیند کی ګډ شو په سیند کی حل شو
بیا یي ځای ورکړ پخپله غیږ کی
راستون شو هیر شو اصل ته خپل شو [۸۷]

ترجمہ: بحر سے جدا قطرہ جب دوبارہ دریا سے ملا اور دریا سے مل کر اس میں حل ہوا دریا نے اسے آغوش میں جگہ دی گویا اس نے اصل کو رجوع کیا۔

حضرت علامہ کے مشہور و معروف فلسفہ فرد و ملت کے مفاہیم و مباحث کے اثرات متذکرہ بالا رباعیات میں عیاں ہیں۔ انھی رباعیات کے نیچے حضرت علامہ کے درج ذیل اشعار ''خطاب بہ اوقیانوس'' شائع ہوئے ہیں جو کہ موضوعی و معنوی لحاظ سے علامہ حبیبیؔ کے فکری منبع کا اعتراف ہے:

تماشائے شام و سحر دیدۂ — چمن دیدۂ دشت و در دیدۂ
بہ برگ گیاہے بدوش سحاب — درخشیدی از پرتو آفتاب
گہے ہمدم تشنہ کامانِ راغ — گہے محروم سینہ چاکان باغ
گہے خفتہ در تاک و طاقت گداز — گہے خفتہ در خاک و بے سوز و ساز
زموج سبک سیر من زادۂ — زمن زادۂ درمن افتادۂ
بیا سائے درخلوت سینہ ام — چو جوہر درخش اندر آئینہ ام

گہر شو در آغوش قلزم بزی
فروزاں تر از ماہ و انجم بزی [۸۸]

۱۳۵۶ھ ش ۱۹۷۷ء میں حضرت علامہ کی صد سالہ جشنِ ولادت کی مناسبت سے کابل میں حبیبیؒ صاحب کا مقالہ "خودی و بیخودی در اندیشہ اقبال" شائع ہوا۔[۸۹]

حال ہی میں ۱۳۷۹ھ ش ۲۰۰۰ء افغانوں نے علامہ حبیبیؒ کے نام سے ایک تحقیقاتی اشاعتی مرکز "د علامہ حبیبیؒ د خیرونو مرکز" (مرکز تحقیقات علامہ حبیبی) قائم کیا ہے۔ اس ادارے کی جانب سے پہلی کتاب علامہ حبیبی کا منظوم فارسی اثر "درد دل و پیامِ عصر" شائع ہوا۔ (۲۰۰۰ء میں) اس کتاب کے دو حصے ہیں۔ حصہ اول "درد دل" جو حبیبیؒ صاحب نے ۱۳۱۶ھ ش میں تخلیق کیا ہے اور حصہ دوم "پیامِ عصر" حبیبیؒ صاحب نے ۱۳۲۰ھ ش / ۱۹۴۱ء میں تخلیق کیا ہے۔

اس کتاب کی اشاعت کے بعد ہم پر یہ حقیقت منکشف ہوئی کہ علامہ حبیبیؒ نے حضرت علامہ کے فن و شخصیت کا کتنا اثر قبول کیا ہے۔ ذرا ملاحظہ ہو ادارہ تحقیقات علامہ حبیبیؒ کی جانب سے اس کتاب سے متعلق چند تعارفی کلمات:

ددې اثر لومړۍ برخه د مولانا جلال الدین رومی بلخی د مثنوی په بحر کښې ویل شوی او ځای په ځای د مثنوی تضمینونه لري- او د مثنوی سلاست او صلابت په بشپړه قوت سره ساتي دویمه برخه يي دهندد انقلابی شاعر علامه اقبال د شعري ټوټو په بڼه ده- د موضوع له اړخه رشتینی اسلامی سیاست شرح کوي- او د علامه سید جمال الدین افغانی د هغه اسلامی نظام بڼه روښانوی چې باید د تمدن ټول وسائل دداسې نظام په خدمت کښې و ګومارل شی اوله کورنی استبداد او ز بیښاك او بیرونی شکیلاك او استعمار سره مبارزه وشی-[۹۰]

ترجمہ: اس اثر کا حصہ اول مولانا جلال الدین رومی بلخی کی مثنوی کی بحر میں ہے۔ اور جابجا مثنوی کی تضمین پر اشعار لکھے گئے ہیں۔ مثنوی کی سلاست اور صلابت پوری آب و تاب کے ساتھ اس میں جلوہ گر ہے۔ جبکہ حصہ دوم ہندوستان کے مشہور انقلابی شاعر علامہ اقبال کے اشعار کی طرز پر ہے۔ جو موضوع کے اعتبار سے اسلامی سیاست کی تشریح ہے اور علامہ سید جمال الدین افغانی کے اس اسلامی نظام کے خدوخال کو واضح کرتا ہے جس کے تحت تمدن

کے تمام وسائل ایک مربوط نظام کے تابع ہونے چاہییں۔ اندرونی استبداد اور بیرونی استعمار کے خلاف نبرد آزما ہونا چاہیے۔"

کتاب کے حصہ اول میں "عشق و عقل" کے عنوان سے ایک طویل نظم شامل ہے۔ مختلف مشاہیر کی تضمینوں سے آراستہ ہے۔ مثلاً پہلے حصے میں امام رازی کے اس بیت کی تضمین ہے:

"نھایۃ اِقدام العقول عقال　　غایۃ سعی العالمین ضلال
ولم نستفد من بحثنا طول عمرنا　　سوی ان جمعنا فیہ قیل و قال"[۹۱]

(امام رازی)

پھر حضرت رومی کی درج ذیل تضمین کا حوالہ ہے:

آموزم عقل در اندیش را　　بعد ازین دیوانہ سازم خویش را
ہست دیوانہ کہ دیوانہ نشد　　این عسس را دید و درخانہ نشد[۹۲]

(مولانا رومی)

متعلقہ موضوع پر مزید اکیس اشعار حضرت علامہ کے درج ذیل بیت کی تضمین پر لکھے گئے ہیں:

ہیچ قومے زیر چرخ لاجورد　　بے جنون ذو فنون کارے نکرد[۹۳]

(علامہ اقبال)

اس حصے میں ایک اور نظم "دربیان آنکہ حق ہموارہ در کثرت نیست" آیا ہے۔ اس میں بھی اقبال کے مصرع کی تضمین شامل ہے:

می فریبد مشرقی را از فسوں　　از تمدن گوید و علم و فنون
لیک این بجز دھانا بدرگ است　　"مشک این سوداگر از ناف سگ است

(مصرع دوم تضمین است از کلام علامہ اقبال مرحوم)[۹۴]

"ملت افغان" کے عنوان سے ایک دلچسپ نظم حصہ اول کی زینت بنی ہے۔ نظم کے پہلے چوتھائی میں حضرت علامہ کے منظوم قول کو یوں منظوم رمز میں ادا فرمایا ہے:

آنکہ دا ند مردما نش مروراد　　آفرین بروی ہمی یزدان کناد

شاعر مشرق ادیب نامور　　اینچنین فرمود نکتہ چون گہر
آسیا یک پیکر آب و گل است　　کشور افغان در آں پیکر دل است
درمیان آسیا قومی است حر　　قلب او از مہر یزدان است پر[۹۵]

نظم ''اشک'' میں اقبال کی تراکیب تیغ ''لا'' اور ''رمز الا'' اور ''دلبری و قاہری'' کو کتنے دلچسپ انداز میں بیان کیا ہے:

آنکہ برق تیغ او پر توفگند　　تیرگی برداز جہان پر گزند
تیغ ''لا ''از نیامش آموختہ　　آشکار را رمز'' الا'' ساختہ
مسلم از ''او قاہری'' آموختہ　　''دلبری'' ھم زاو اندوختہ
''قاہری با دلبری'' آئین وی　　مسند شرع نبی تمکین وی[۹۶]

کتاب کا حصہ دوم ''پیامِ عصر'' ہے جو کہ ۵ حمل ۱۳۳۰ھ ش / ۱۹۵۱ء میں کہی گئی نظموں پر مشتمل ہے۔اس حصے میں کئی دلچسپ منظومات شامل ہیں: کتاب زندگانی، جوان مشرق، دخت مشرق، نظام نو، سیپارہ اہر من، الہام سروش، شاعر نو، پیامِ عصر ہنر روشن، پیامِ ابدالی، امام مشرق و شاعر مشرق، مبادی ثلاثہ، وحدتِ اسلامی، جنگ بہ استعمار مغرب' جنگ بااستبداد، علامہ اقبال مرحوم اور خطاب بہ مسلمان۔

نظام نو میں اقبال کے مصرعوں کو حوالے کے ساتھ اپنے کلام میں پرو دیا گیا ہے:

تنازع را اساس زندگی گفت[(۱)]　　چنین از پیر مغرب من شنیدم
''نشستم با خرد مند فرنگی[(۲)]　　ازاں بے سوزد تر روزی ندیدم''[۹۷]

''شاعر نو'' کو خطاب کرتے ہوئے علامہ حبیبیؔ انھیں علامہ اقبال، قاضی نذرالاسلام اور رحمان بابا سے الہام حاصل کرنے کی تلقین کرتے ہیں:

زاقبال و نذر و فکر رحمان[(۳)]　　بگیر الہام نوای نغمہ پرداز
زترکان عرب خوش نغمہ ای چند　　حجازی راسرا درلمن شیرا ز[۹۸]

---

(۱) اشارہ بہ نظریہ نشو و ارتقائی داروین انگلیسی
(۲) بہ تغیر کم از علامہ اقبال
(۳) اقبال شاعر بزرگ اُردو و فارسی و قاضی نذر الاسلام شاعر بزرگ بنگالی و رحمان بابا شاعر بزرگ پشتو۔

اس کتاب میں امام مشرق و شاعر مشرق سید جمال الدین افغانیؒ و علامہ اقبال مرحوم شامل ہیں۔ ذیل میں نقل کیا جاتا ہے جبکہ حضرت علامہ اقبال کے عنوان سے الگ نظم کی نقل بھی ضروری سمجھتا ہوں تا کہ افغانستان کے اقبال شناسی میں علامہ حبیبیؒ کے خدمات کو بقائے دوام نصیب ہو۔

امام مشرق و شاعر مشرق

(سید جمال الدین افغانیؒ و علامہ اقبال مرحوم)

فراوان خفت مرد مشرقی زاد — نکرد از مجد دور رفتگان یاد
فروغِ شعلۂ دل باز افسرد — بقید بندگیٔ آزادہ افتاد
نیامد از نجف آوای حیدرؓ — نگفت اسرارِ بلخی راکسی باز
زردشت خاوران و زطور سینا — نیامد بال شہبازی بہ پرواز
زدل آن جوشش وسوز کہن رفت — تب و تاب ازروان انجمن رفت
نوای بلبلان گردید خامش — ازان صرصرکہ بالای چمن رفت
نگون شدپرچم ترک دلاور — ستم افسرد روح تر کیا نرا
شرار جور قاجاری بہ ایران — سراپا سوخت آں مرزیلانرا
نمید انم چہ آمد بر خراسان — بہ مرز سور آن شاہان جفا رفت
چگو یم از دم افسوں افرنگ — ہمو ماراز خود بیگانہ تر ساخت
زخو دوا رفتگان وادیٔ جہل — بنادانی عدو را راہبر ساخت
چمن افسرد و بلبل گشت خامش — خزان آمد کنون آنجا گلی نیست
تہی شد آن قدح بشکست ساغر — بہ بزم اندر ھما نا قلقلی نیست
نماند آن شورو ذوق آن درد جاوید — نخیزد آہ گرم از سینۂ سرد
ننالم از فسوں غرب تنہا — کہ بامن ہر چہ کرد آن آشنا کرد
زدست شاہ و میر افغان و نالہ — فروان تا خت این قوم جفاکار
چو شد شرقی اسیر قید شاہان — غلامی را ومردان راکند خوار

نہ بد در شرق یک مرد دل آگاہ — کہ خیزد برخلاف جور شاہان

سراید پیش ما مزمار نہضت — فروز د شعلۂ فرنیا کان

برآمد یک شہواری ز افغان — جمال افزود مشرق راز نورش

عصائی وی طلسم سحر غربی — بخاک افگند با افسون و زورش

ندائی قم از و شد وزندہ از نو — بہ شرقی داد درس مجد و رفعت

بکاخ شاہ و میر آتش در افگند — نوایش سوزناک و دل پر الفت

زتاثیر نوایش واژگونہ — فتاد آئین استبداد و بیداد

زبطن مام مشرق سالہا بعد — چنین فرخ اثر نیکو سپر زاد

شکست از ضرب او اصنام واہام — وجودیش جامدان رامرگ نوبود

با ایران و بمصر و ترک و افغان — ندای قم از و ہر خفتہ بشنود

رضا و کامل وزغلول وعبدہ — ازو خواندند درس زندگانی

کہن فکر ملوکیت از و خوار — ندایش انقلاب آورد انی

ہما تا فکر این مرد فدا کار — بمشرق روشنی داد و ضیا داد

یکی مرد غیور و راد و آزاد — بہ ندرت ہمچووی اندر جہان زاد

روان روشن دلی پردرد و دانش — پیام انقلاب آورد مارا

نوایش محشر خوابیدگان بود — ازاں مرگی امیر و کد خدارا[99]

علامہ اقبال

پس از چندی چو سید از جہان رفت — درآمد بر افق رخشندہ خورشید

برہمن زادۂ رمز آشنائی[۱] — فراز چرخِ چوں اختر بتا بید

برآمد مرد دانائی ز کشمیر[۲] — دلش گرم و روانش شعلہ انگیز

---

(۱) مقصد از سید جمال الدین افغانست در بیت دوم تلمیح است بایں مصراع علامہ اقبال "برہمن زادہ رمز آشنای روم و تبریز است۔"

(۲) کشمیر مسکن اجداد برہمن علامہ اقبال بود۔

پیامی داد مشرق را سر از نو — ”کہ ای شرقی زخواب ژرف برخیز“
ز اسرار خودی درس بما داد[1] — رموز زندگی را کرد افشاد
زبورش نغمہ داود بودی — درایش کاروان راکرد احیا
نمیدانم چی مشوری دردلش بود؟ — سرودی نغمہ ھا درنامی رومی
نیاید بعد از و دانای رازی[2] — کزو بازار عشق آید بگرمی
بما اسرار عشق جاودان گفت — زدل گفت از مقام روح و جان گفت
شب تاریک مارا نور افزود — ازین گیتی سرود و ازآن جھاں گفت
فقیری بدولی دانائی رازی — دل در سینۂ ش پر درد و شوری
نگاہش تیز بین و فکر صائب — بکاخ انجماد ازوی فتوری
خود آگہ مرد حق بین کہ وی داد — نکو درس خودی مرشرقیانرا
بائیں و ثقافت پای بندی — ازو رونق فزودی این و آنرا
الا باد صبا از ما درودی — رساں برمرقدش درخاک لاہور
دیار عشق جلابی و مسعود[3] — خدایا باد چشم بد آزان دور!!!

عبدالرحمٰن پژواکؔ

پشتو ادب کی مشہور شخصیت ہیں۔ نام عبدالرحمٰن، تخلص پژواکؔ ہے۔ آپ کے والد کا نام قاضی عبداللہ خان ہے۔ آپ غزنی میں ۱۲۹۷ھ ش میں پیدا ہوئے۔

جب آپ کی عمر دو برس تھی تو آپ کے والد کابل میں قاضی مقرر ہوئے۔ اور آپ کو کابل بلایا گیا۔ ابتدائی تعلیم ننگرہار کے سرخ رود گاؤں باغوانی میں اپنے والد سے حاصل کی۔ پھر مطلع دانش میں دوسری جماعت تک پڑھا۔ تیسری جماعت خوگیانی کے کژہ نامی مقام سے پاس کی۔ والد کے بلانے پر کابل میں اندرابی سکول میں چوتھی جماعت میں داخلہ لیا۔ وہاں

---

(۱) پیام مشرق و اسرار خودی و رموز بیخودی و زبورِ عجم آثار علامہ مرحوم۔

(۲) تلمیح از یک شعر علامہ اقبال۔

(۳) علی جلابی غزنوی مشہور بہ داتا گنج بخش و مزارش در لاہور است و سعود سعد سلمان۔

سے فراغت کے بعد حبیبیؔ سکول سے وابستہ رہے۔ بارہویں تک حبیبیہ لیسہ میں تعلیم حاصل کرنے کے بعد طبی کالج کابل میں داخل کیے گئے۔ عدمِ دلچسپی کی بنا پر دو سال کے بعد وہاں سے نکلے۔ والد کا انتقال ہوا مجبوراً سلسلہ تعلیم کو خیر باد کہنا پڑا۔

کابل میں انجمن ادبی کے شعبہ تاریخ میں انگریزی زبان کے مترجم مقرر ہوئے، جب مطبوعات کی مستقل ریاست تشکیل پائی۔ تو اس سے وابستہ ہوگئے۔ اصلاح اخبار کابل کے مدیر مسئول مقرر ہوئے۔ اس کے علاوہ افغانستان کے سرکاری اطلاعاتی ادارے باختر اژانس کے مدیر اعلیٰ کا منصب عطا ہوا۔ کچھ عرصے کے بعد پشتو ٹولنہ کے مدیر اعلیٰ اور پھر ریاست مطبوعات کی نشریات کے مدیر اعلیٰ مقرر ہوئے۔ اس عہدے سے فائدہ اٹھاتے ہوئے لندن میں افغانستان کے سفارتخانے میں سیکنڈ سیکریٹری کی حیثیت سے تعینات ہوئے اور وہاں پر پریس اتاشی کا عہدہ سنبھالا۔

مجموعی طور پر اقوام متحدہ کی جانب سے منعقدہ بین الاقوامی اجلاس میں جناب پژواکؔ افغانستان کی نمائندگی کرتے ہوئے ۱۹۵۴ء میں وزارت خارجہ سے منسلک ہوئے۔ اس کے بعد اقوامِ متحدہ میں افغانستان کے نمائندے کی حیثیت سے تعیناتی عمل میں آئی۔

جناب پژواکؔ پشتو اور فارسی میں نئے افکار سے آشنا شاعر اور ادیب تھے فارسی شاعری کے حوالے سے کہا جاسکتا ہے کہ ان کا شمار فارسی کے درجہ اول کے شعرا میں ہوتا ہے۔[۱۰۱]

جناب پژواکؔ کے مطبوعہ آثار کی تفصیل درج ذیل ہے:

۱۔ کلیمہ دارہ روپی پښتو ډرامه مطبوعه پښتو ټولنه کابل۔

۲۔ افسانه های مردم۔ فارسی میں ملی افسانے مطبوعہ ریڈیو افغانستان کابل۔

۳۔ آریانا انگریزی مطبوعہ لندن۔

۴۔ پښتونستان انگریزی مطبوعہ لندن۔

۵۔ زوړ افغانستان انگریزی مطبوعہ لندن۔

۶۔ د پښتونستان ورځ انگریزی مطبوعہ لندن۔

۷- د پښتونستان مسئله انگریزی مطبوعہ لندن۔

۸- پیشوا۔ خلیل جبران کے پیامبر کا فارسی ترجمہ۔

۹- باغبان۔ ٹیگور کا فارسی ترجمہ۔[۱۰۲]

آپ کی شاعری پر اقبال کے فکر و فن کے گہرے نقوش ثبت ہیں۔ اس کا پرتو آپ کی فارسی شاعری کے مجموعے گلہائ اندیشه میں نمایاں ہیں۔ یہ مجموعہ ۱۳۴۴ھ ش میں مطبع معارف کابل کی جانب سے شائع ہوا۔ اس مجموعے پر معروف افغان اقبال شناس سید خلیل اللہ ہاشمیان نے ادبی نقد لکھا ہے جو افغانستان کے میں مجلّہ عرفان کے خصوصی شمارے میں شائع ہو چکا ہے۔[۱۰۳]

اس کتاب کے دیباچے میں ڈاکٹر روان فرہادیؔ نے پژواکؔ کی غزلیات، قصائد اور مثنویوں میں اساتذہ فارسی شعرا کی یاد کو پایا ہے۔ ان اساتذہ کی قطار میں حضرت علامہ اقبال بھی نمایاں ہیں۔ ملاحظہ ہو ڈاکٹر روان فرہادیؔ کے تاثرات:

غزل پژواکؔ یاد از رودکی، سعدی، دیوان شمس، حافظ و صائب میدھد و قصیده و مثنوی او مانند فرخی و مولانای بلخیؒ و اقبال لاهوریست......

جناب ہاشمیان نے اس ادبی نقد میں جابجا پژواکؔ کے فکر و فن پر حضرت علامہ کے حوالے سے تذکرہ کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

و یادریں مثنوی که در مقاسیه شرق و غرب از اقبال نیز جلوتر رفته است کلمات ہر کدام مروارید وار تلالؤ دارد۔

زساحل سوی دریاره بریدم — درآن دریا بی هنگامه دیدم
بدریا گرشوی باری زساحل — شگفتی دریں آب و گل
چه گویم زاں محیط بی کرانه — گروگانش دل من جاودانه
لمبوجبش برفنون قوت و زور — به قلبش درجنون جذبه و شور
به شور و شوق و مستی چون دل بود — چو دل او رانه پیدا ساحل بود
روان بر آب هائی او سفینه — چو لغزان مهره ای بر آبگینه
زعکس اختران از هر کناره — شده آغوش اوپر از ستاره

زانجم دامنش چون چرخ اختره — برش پراز فراوان درو گوہر
گہی آئینہ آرایش شید — دگر گہ جلوگاہ نور ناہید
زماہ نویدست او سوارہ — زروشن کوکبانش گوشوارہ
جمال دختران آسمانی — درو تابان چورح شادمانی[104]

ایک اور مقام پر ہاشمیان پژواک کے کلام کی روشنی میں حضرت علامہ اور پژواک کے درد کو مشترک بتاتے ہوئے لکھتے ہیں:

درچکامہ مقاسیہ شرق وغرب کہ قسمتی ازاں نقل میشود جہان بینی و دردی کہ شاعرازپمائی شرق دارد پدیدار است پژواک نیز مانند اقبال بدبختی مردم این سامان رابدوستی تشخیص نمودہ است۔

زمغرب سوی خاور شد خیالم — دگر گوں گشت زیں اندیشہ حالم
گراں اندیشہائی شرق چون خاک — سبک اندیشہ ہائی غرب و چالاک
مثال شرق چوں کوہ گرانست — محیط غرب چوں بحر روان ست
مثال این و آن چوں بحر و ساحل — چو ساحل ماندہ بر جامشرق کاہل
کہ ماہ و نور بیانید و بتابند — بہ قلب کوہسار ش رہ نیابند
چو دریا غرب مگیر دد شابان — سرراہ مہ و خور شید تابان
کہ دریا بد فروغ زندگی را — بشوید ننگ برجاماندگی را
سبک روح و سبک پرواز چوں باد — سبک خیز و سبک جولانی و آزاد
دل شرقی دل است اما فسردہ — فروہا شمع آزادیش مردہ
زبانش بستہ وروحش اسیر است — زبرجاماند گہباناگزیر است[105]

عبدالرؤف بینوآ

عبدالرؤف بینوآ کا شمار پشتو شعر و ادب کے عناصر خمسہ میں ہوتا ہے۔ آپ مفتی عبداللہ علیزئی ولد عبدالحق علیزئی کے گھر واقع کوچہ سید حسن نزد خرقہ مبارکہ شہر قندھار ۱۲۹۲ھ ش میں پیدا ہوئے۔ گھریلو تعلیم کے علاوہ کئی علوم پڑھے۔ پشتو کے علاوہ فارسی، اردو اور عربی پر عبور حاصل تھا جبکہ تحریرات پشتو اور فارسی میں موجود ہیں۔

۱۳۱۸ھ ش میں پشتوٹولنہ سے منسلک ہوئے۔

۱۳۲۳ھ ش میں پشتوٹولنہ کابل کے سربراہ منتخب ہوئے۔

۱۳۲۷ھ ش پشتو ٹولنہ کے صدر اور تا حیات ممبر۔ کابل یونیورسٹی کے لسانیات و ادبیات کے پشتو شعبہ کے استاد کی حیثیت سے خدمات انجام دیتے رہے۔

۱۳۳۰ھ ش تا ۱۳۳۲ھ ش مطبوعات کی مستقل ریاست میں مدیر رہے۔

۱۳۳۴ھ ش ریڈیو افغانستان کے رئیس بنے۔

۱۳۴۰ھ ش مصر میں افغان سفارتخانے کے کلچرل اتاشی بنے۔

۱۳۴۳ھ ش دہلی میں افغان سفارتخانے کے پریس مشاور بنے۔

۱۳۴۵ھ ش افغانستان کے وزیر اطلاعات و کلچر منتخب ہوئے۔

۱۳۵۵ھ ش مرکز تحقیقات پشتو کے مشیر رہے۔

۱۳۵۷ھ ش افغانستان کی اکیڈمی علوم سے وابستہ رہے۔

۱۳۵۸ھ ش صدر افغانستان کے فرہنگی مشیر بنے۔

۱۳۵۹ھ ش لیبیا میں افغانستان کے سفیر کی حیثیت سے خدمات انجام دیتے رہے۔[۱۰۶]

۱۳۶۳ھ ش سفارت چھوڑ کر امریکہ مہاجر ہوئے۔

۱۳۶۳ - ۱۰- ۱۴ بمطابق ۴؍ جنوری ۱۹۸۵ء نیویارک میں وفات پائی اور نیو جرسی میں سپرد خاک ہوئے۔

استاد بینوآ پشتو و فارسی میں لکھتے تھے جبکہ اردو و عربی سے تراجم کیے ہیں۔ مختلف علمی و ادبی اور تحقیقی موضوعات پر تقریباً پانچ سو مقالات تحریر کر چکے تھے۔[۱۰۷]

جناب عبدالرؤف بینوآ کے مطبوعہ آثار و تالیفات کی مختصر تفصیل درج ذیل ہے:

۱- اوسنی لیکوال، مطبوعہ جلد اول ۱۳۴۰ھ ش، جلد دوم ۱۳۴۱ھ ش، جلد سوم ۱۳۴۶ھ ش۔ مجموعی صفحات ۱۵۰۹ پشتو زبان کے ۲۲۹ شعر اور ادبا کا تعارف۔

۲- د افغانستان نومیالی، مطبوعہ جلد اول و دوم ۱۳۵۳ھ ش سوم ۱۳۵۶ھ ش چہارم ۱۳۶۳ھ ش۔ افغانستان کے مشاہیر کا تعارف اور ان کے کارنامے۔

۳- هوتکی ها، مطبوعہ انجمن تاریخ کابل ۱۳۳۵ھ ش صفحات ۱۷۷-
۴- پریشانه افکار۔ پشتو شعری مجموعہ پشتو ٹولنہ کابل ۱۳۳۵ھ ش۔
۵- پښتونستان۔ ریاست مستقل مطبوعات کابل ۱۳۳۰ھ ش۔
۶- لنډۍ۔ پشتو، لنڈی، فارسی اور انگریزی تراجم، کابل ۱۳۳۷ھ ش۔
۷- د زړه خواله۔ کابل ۱۳۴۵ھ ش۔
۸- پښتو خیرنې۔ پشتو ٹولنہ کابل ۱۳۲۶ھ ش۔
۹- خوشحال خان ختك څه وايي۔ ۱۳۲۷ھ ش محمدی چاپخانہ بمبی۔
۱۰- پردیس۔ حضرت علامہ کی مثنوی مسافر کا منظوم پشتو ترجمہ ۱۳۲۱ھ ش انیس اخبار کابل۔
۱۱- د کاظم خان شیدا دیوان۔ پشتو ٹولنہ کابل ۱۳۳۳ھ ش۔
۱۲- د رحمان بابا دیوان۔ پشتو ٹولنہ کابل ۱۳۲۸ھ ش۔
۱۳- باچا خان۔ فارغ بخاری کے اردو اثر کا پشتو ترجمہ ۱۳۳۸ھ ش انیس اخبار کابل۔
۱۴- د لسم ټولګی پښتو قرأت۔ وزارت تعلیم کابل ۱۳۴۴ھ ش۔
۱۵- پشتو کلی۔ پشتو ٹولنہ کابل ۱۳۲۰ھ ش۔
۱۶- نظری به پشتونستان فارسی۔ کابل ۱۳۲۹ھ ش۔
۱۷- خوشحال او پسرلی۔ کابل ۱۳۳۷ھ ش۔
۱۸- د ګیتا نجلی ژباړه۔ پوهنځی ادبیات کابل ۱۳۵۴ھ ش۔
۱۹- افغانستان الیوم (عربی) ۱۳۴۲ھ ش قاہرہ۔
۲۰- اربعین حقیقة عن افغانستان۔ قاہرہ ۱۳۴۳ھ ش۔
۲۱- آثار افغانستان۔ قاہرہ ۱۳۴۲ھ ش۔
۲۲- هدیة العام الحدید۔ قاہرہ ۱۹۶۶ء۔
۲۳- المراة الافغانیه۔ قاہرہ ۱۹۶۴ء۔

۲۴- آشیانه عقاب۔ فارسی تاریخی ڈرامہ۔

۲۵- لیڈران امروز پشتونستان۔ کابل ۱۳۳۱ھ ش۔

۲۶- برگ سبز۔ فارسی فکاہی۔

۲۷- د چین سفر۔ محررہ ۱۳۳۶ھ ش غیر مطبوعہ۔

۲۸- خوشحال خان از زبان خوشحال خان فارسی انیس اخبار کابل۔

۲۹- د پیر محمد کاکړ دیوان۔ پشتوٹولنہ کابل ۱۳۲۵ھ ش۔

۳۰- چند آہنگ ملی۔ کابل ۱۳۲۵ھ ش۔

۳۱- ادبی فنون۔ پشتوٹولنہ کابل ۱۳۲۶ھ ش۔

۳۲- ویش زلمیان۔ پشتوٹولنہ کابل ۱۳۲۶ھ ش۔

۳۳- پښتو د شاهانو په دربار کښې۔ کابل ۱۳۲۲ھ ش۔

۳۴- پښتنې میر منې۔ ریاست مطبوعات کابل ۱۳۲۳ھ ش۔

۳۵- د هوتکو په دوره کښې پښتو۔ کابل ۱۳۲۴ھ ش۔

۳۶- میرویس نیکه۔ پشتوٹولنہ کابل ۱۳۲۵ھ ش۔

۳۷- د غنمو وږی۔ پشتوٹولنہ کابل ۱۳۲۵ھ ش۔

۳۸- پښتو روزنه۔ کابل ۱۳۵۷ھ ش۔

۳۹- پښتو لنډی۔ کابل ۱۳۵۸ھ ش۔

۴۰- پښتو متلونه۔ عالمی مرکز تحقیقات پشتو ۱۳۵۸ھ ش۔

۴۱- د افغانستان تاریخی پېښې۔ جلد اول ۱۳۵۶ھ ش جلد دوم ۱۳۵۸ھ ش۔

۴۲- آریائی پارسی پښتو ویرنی۔ پشتوٹولنہ کابل ۱۳۶۲ھ ش۔

۴۳- دهسك پیغله۔ انجمن نویسندگان افغانستان ۱۳۶۷ھ ش۔

۴۴- زوړ گنگهار۔ کابل ۱۳۶۷ھ ش۔

۴۵- د افغانستان لنډ تاریخ۔ عبدالحیٔ حبیبیؔ کی تاریخ مختصر افغانستان کی دونوں جلدوں کا ترجمہ۔

۴۶- د بینوا شعری کلیات۔ صحاف نشراتی مؤسسہ کوئٹہ ۱۳۷۸ھ ش۔

بینواؔ کے غیر مطبوعہ آثار درج ذیل ہیں:

۱- خوږه ژبه۔

۲- د پښتو دلرغونی او اوسنی ادب منتخبات۔

۳- د جامی کتاببنود۔

۴- ادبی وړانګې۔

۵- پښتونخواه (تیرہ ہزار لغات)۔

۶- کچکول۔

۷- عربی پشتو فرہنگ۔[۱۰۸]

عبدالرؤف بینواؔ کے اشعار و افکار پر جابجا حضرت علامہ کے گہرے اثرات ملتے ہیں۔ حضرت علامہ سے فکری و معنوی ہم آہنگی اور ان کی سوچ سے یکسانیت کی بنیاد پر حضرت علامہ سے کافی شغف رکھتے تھے۔

حبیب اللہ اولس یارؔ کے ایک مقالے ''معاصر افغانی ادب'' میں یہ حوالہ یوں دیا گیا ہے:

بینوا د هند د سترو لیکوالو په تیره بیا د تاګور او اقبال د آثار و ښخه پوره متاثر دي د تاګور د ګیتانجلی او دا اقبال "مسافر" د ده ادبی ترجمې دی۔[۱۰۹]

ترجمہ: ''بینواؔ ہندوستان کے لکھنے والوں خاص کر ٹیگور اور اقبال کے آثار سے خاصے متاثر ہیں۔ ٹیگور کے گیتانجلی اور اقبال کی مسافر کے ادبی تراجم کیے ہیں''۔

حضرت علامہ کی فارسی مثنوی مسافر کا منظوم پشتو ترجمہ کر کے بینواؔ نے افغانستان میں اقبال شناسی کی راہ کو مزید ہموار کر دیا۔ آپ کا یہ اثر قسط وار کابل کے انیس اخبار میں شائع ہوتا رہا۔ البتہ باقاعدہ طور پر تشنہ طبع رہا۔

سر محقق عبد اللہ بختانی خدمتگار

عبد اللہ بختانی کا نام نامی پشتو ادب میں تحقیق کے حوالے سے معتبر ہے۔ آپ ننگرہار کے علاقے سرخ رود کے قریب بختان میں ۱۳۰۵ھ ش میں پیدا ہوئے۔ والد کا نام ملا آغا جان تھا۔ ابتدائی تعلیم پشتو، فارسی اور عربی ننگرہار کے مدارس سے حاصل کی۔ ۱۳۲۵ھ ش میں ننگرہار کی وزارتِ تعلیم سے منسلک ہوئے۔ ۱۳۳۱ھ ش میں پشتو ٹولنہ کابل کے رکن منتخب ہوئے اور پشتو ہفت روزہ زیری کے مدیر مقرر ہوئے۔

۱۳۳۶ھ ش میں ننگرہار مجلّہ کے مدیر بنے اور ۱۳۳۸ھ ش میں مطبوعات کی مستقل ریاست کے رکن بنے۔[۱۱۰] سوانحی تفصیلات مزید معلوم نہیں ہو سکیں البتہ افغانستان میں کمیونسٹ انقلاب کے بعد کچھ عرصہ کے لیے پاکستان مہاجر ہو کر پشاور میں رہے۔ اب پھر عازم وطن ہو کر ننگرہار میں رہتے ہیں۔

مارچ ۲۰۰۳ء کے اوائل میں میرے محقق دوست میاں وکیل شاہ فقیر خیل کے گھر آئے تھے۔ ساول ڈھیر مردان تو راقم الحروف نے ان سے فون پر ان کی اقبال شناسی کے حوالے سے گفتگو کی۔

آپ پشتو و فارسی میں نظم و نثر لکھتے ہیں۔[۱۱۱]

آپ کے درج ذیل آثار و تالیفات ہمارے علم میں آئے ہیں:

۱- شعر و ادب۔ مطبوعہ کابل ۱۳۳۲ھ ش۔

۲- پښتنې خویونه۔ مطبوعہ کابل ۱۳۳۷ھ ش۔

۳- د زړه راز (پشتو شعری مجموعہ)۔ کابل ۱۳۳۵ھ ش۔

۴- پښتانه د علامه اقبال په نظر کې۔ کابل ۱۳۳۵ھ ش۔

۵- عبدالرحیم رحیمی۔ مطبوعہ کابل ۱۳۳۵ھ ش۔

۶- خوږې ترخې۔ بعض حصے مجلد کابل میں شائع ہوئے ہیں۔

۷- شرنګ۔ مطبوعہ ۱۳۴۶ھ ش۔

۸- مصائب الدخان عربی سے پشتو ترجمہ

۹- سیدو ملنگ ڈرامہ
۱۰- خوږې نغمې۔ ملنگ جان مرحوم کے دیوان کا تدوین ۱۳۳۵ھ ش۔
۱۱- پښتانه شعراء جلد ۵- مطبوعہ کابل ۱۳۵۷ ھ ش۔
۱۲- پښتانه شعراء جلد ۶- مطبوعہ کابل ۱۳۶۷ھ ش۔
۱۳- تور بریښ۔ مطبوعہ کابل ۱۳۴۷ھ ش۔
۱۴- د پښتو پت۔ مطبوعہ کابل ۱۳۵۲ھ ش۔
۱۵- راز۔ مطبوعہ کابل ۱۳۴۲ھ ش۔
۱۶- مرغلرې۔ مطبوعہ کابل ۱۳۵۱ھ ش۔
۱۷- کلید افغانی از پادری هیوز۔[۱۱۲]
۱۸- خوشحال خان خټک او یو څو نور فرهنگیال پښتانه ۱۳۸۰ھ ش۔
۱۹- د باچا خان لیکونه جلد اول ۱۳۶۳ھ ش۔
۲۰- فراقنامه
۲۱- ترنم دل۔ جدی ۱۳۸۱ھ ش۔
۲۲- ویرنې۔ جدی ۱۳۸۱ھ ش۔
۲۳- شمس الدین قلعتکی۔ جدی ۱۳۸۱ھ ش۔

جناب عبد اللہ بختانیؔ وہ پہلے افغان اقبال شناس ہیں جنھوں نے پہلی مرتبہ افغانستان میں (پشتو زبان) میں اقبال کے فکر و فن پر مستقل کتاب لکھی۔ پښتانه د علامه اقبال په نظر کښې (پشتون علامہ اقبال کے نظر میں) یہ کتاب ۱۳۳۵ھ ش کو کابل کے پشتو ٹولنہ کی جانب سے شائع ہوئی۔ اس کتاب پر افغانستان میں اقبالیاتی کتب میں مفصل تحقیق کی گئی ہے۔

جناب بختانیؔ نے خوشحال خان خٹک اور حضرت علامہ اقبال کے بعض مشترک فکری نکات پر ایک طویل اور عالمانہ مقالہ تحریر کیا جو خوشحال خان خٹک سے متعلق کابل میں منعقدہ سیمینار ۱۳۴۵ھ ش میں سنایا گیا۔[۱۱۳]

اس مقالے پر ''افغانستان میں مقالاتِ اقبال کے مشمولات''میں تفصیلی بحث کی جائے گی۔

حال ہی میں (۱۳۸۰ھ ش) جناب بختانیؔ کی ایک اور کتاب خوشحال خان او یو څو نور فرهنگيالي خټک شائع ہوئی۔ اس کتاب میں مقالہ خوشحال خان خٹک اور اقبال کے افکار کا تقابلی جائزہ شامل کیا گیا ہے۔[۱۱۴] خوشحال خان خٹک کے سوانحی نوٹ میں بھی حضرت علامہ کے پانچ اردو اشعار اور خوشحال خان سے متعلق بالِ جبریل کے پانچ فارسی اشعار اور بالِ جبریل کے حاشیے میں درج حضرت علامہ کا خوشحال کے تراجم سے متعلق یادداشت کا ترجمہ شامل ہے۔[۱۱۵]

۱۹۷۲ء کو یونیسکو نے کتاب کا بین الاقوامی سال قرار دیا تھا۔ اس مناسبت سے حمل ۱۳۵۱ھ ش میں جناب بختانیؔ کا فارسی شعری مجموعہ ابر بهار بھی شائع ہوا۔ اس شعری مجموعے پر افغانستان کے مختلف نقادوں نے تحریرات شائع کیں۔ افغانستان کے اقبال شناس ادیب و شاعر قیام الدین خادمؔ نے بھی ابر بهار پر اپنا نقد تحریر کیا اور بختانیؔ کے فکر پر حضرت علامہ کے پرتو کا جلوہ دیکھا۔

ما چې د بختاني فارسي اشعار ولوستل ډېر کرته به مې د استاد علامه اقبال اشعار خاطر ی ته راتلل۔[۱۱۶]

ترجمہ: میں جب کبھی بختانیؔ کے فارسی اشعار پڑھتا تو حضرت علامہ اقبال کے اشعار اور یادیں میرے ذہن میں آجاتیں۔

به موج بحر حوادث چه غوطه ها خوردم — به آرزوی نجاتی که مدعای من است
به زاهدان زمان نیست اعتماد مرا — خویش شدم عشق رهنمای من است
نی خبر گشتم از عصر جدید — نی عمل بر نص قرآن کرده ایم
باهمه تن پروری و تنبلی — شان نام افغان کرده ایم[۱۱۷]

ترنم دل جناب بختانیؔ کا دوسرا فارسی شعری مجموعہ ہے جو حال ہی میں زیورِ طبع سے آراستہ ہو چکا ہے۔ اس مجموعے کی شاعری پر حضرت علامہ کے فکری اثرات نہایت نمایاں ہیں۔ حتیٰ کہ مختلف نظموں کے عنوانات ہی فکرِ اقبال کے پرتو کے جلوہ گر ہیں۔ راز دل، نوای

من، چہ کردہ ایم، شاعر و بلبل، باغبان در گوشم خفت، بعد ازیں، زبانِ عشق، ای صبا، داستان زندگی، ترنم دل، صدای دل، اغتشاش و انقلاب، داغ نو، الٰہی خلق خود را خود نگہ دار۔

جناب بختانی نے حضرت علامہ کی تضمین پر ترنم دل میں ''بہ استقبال اقبال'' کے عنوان سے نظم میں حضرت علامہ کو تحسین بھی پیش کی ہے اور ان کے افکار کی مدح سرائی بھی کی ہے۔

''بہ استقبال اقبال''

معنی سربستہ ای دارم بہ دل — گوہر ناسفتہ ای دارم بہ دل

گفتہ را گر باز میگو یم رواست — مطلب ناگفتہ ای گر مدعا است

شاعر افغان شناس زندہ دل* — از دم اورندہ صد ھا مردہ دل

آنکہ بابا گفت پاکستان ورا — مرحباھا گفتہ افغانان ورا

حضرت اقبال مرد خوش مقال — ''زندہ از گفتار او سنگ و سفال''[1]

شاعر خوش مشرب و صاحب دلی — گفتہ با صاحب دلان راز دلی

از تہ دل گفت و دردل کار کرد — درد دل راوہ چہ خوش اظہار کرد

بحر الفاظ و معانی ''زندہ رود''[2] — حرف دل از دل بگفت و خوش سرود

(آسیا یک پیکر آب و گل است
ملتِ افغان درآن پیکر دل است
از فسادِ او فسادِ آسیا
در کشاد او کشادِ آسیا
تادل آزاد است آزاد است تن

---

* علامہ اقبال شاعر مشہور پشتون خوشحال خان خٹک را شاعر افغان شناس خواندہ است۔

(۱) علامہ اقبال در وصف سید جمال الدین افغانی سرود۔
سید السادات مولانا جمال — زندہ از گفتار او سنگ و سفال

(۲) علامہ اقبال در جاوید نامہ در ضمن سفر شاعرانہ بہ افلاک خود را بنام (زندہ رود) نامیدہ است۔

ورنہ کاہے در رہِ باد است تن)

بشنو از من نغمۂ اقبال را یک کمی بگذار قیل و قال را

یک دمی خاموش و رازدل شنو راز آں صاحب دل از بیدل شنو

زندگیٔ تن زکار دل بود رنج تن رنج و غبار دل بود

سکتۂ دل ختم دوران حیات درحقیقت قطع شریان حیات

دل اگر زخمی بود تن بی سبب می شود دررنج و در دو تاب و تب

اندگی دل رابہ دل نزدیک کن دقتی درنکتۂ باریک کن

یاد داری آنکہ درایام یار ما راستعمار و استثمار مار

حملہ ھا بر پیکر مشرق نمود جامہ را جامہ دان از ماربود

نان ربود و جامۂ مارا برید جامہ مارا بگذار حلق ما برید

گوشت مارا خورد وضربت روپنہاں تا رسیدہ کار دھا براستخوان

کاردھا در پیکر ماکار کرد قلب مارا استعمار کرد

شب چو آخر شد سرما روزشد بخت ما درتیرگی پیروزشد

آسیا از خواب خوش بیدار شد ہم رہا ازظلم استعمار شد

رفت استعمارو قلب ما تپید نیم زندہ نیم مردہ می جہید

داغ زخم تیغ استعمار ماند زہر قاتل ازہاں مار ماند

قلب مشرق پارہ پارہ شد چنین پیکر آب و گلشن زار و حزین

تابہ کی باز خم قلب آسیا ملت اقبال ہچ بی اعتنا

ای صبا از ما بگو اقبال را ترجمان غیرت خوشحال را

روح تو خوشنود و قبرت مرغزار بر مزارت لالہ ھا گلھا نثار

شاد باش آرام وفارغ باش بی غم و بی غصہ خود خوشحال باش

خود تو گفتی رقوم افغان غیور جان او برمحنت پیھم صبور

خاکش از مردان حق بیگانہ نیست

در ضمیر صد ہزار افسانہ ایست

سرزمین کبک اپو شاہین مزاج
آہوی او گیرد از شیران خراج
در فضا یش جرہ بازان تیز چنگ
لرزہ برتن از نہیب شان پلنگ

دربلوچستان بلوچان شجاع — پشتونستان در نبرد و در دفاع
آسیا با قلب خود درارتباط — می گزار مرہمش با احتیاط
می کند پیوند قلب ریش را — می زداید زھر مار ونیش را
آسیا دانستہ سرکاررا — درک کردہ رمز این اشعار را

(آسیا یک پیکر آب و گل است
ملتِ افغان درآن پیکر دل است
از فسادِ او فسادِ آسیا
در کشادِ او کشادِ آسیا
تادل آزاد است آزاداست تن
ورنہ کاہے در رہِ باد است تن)

(کابل سنبلہ ۱۳۵۳ھ ش)[۱۱۸]

جناب عبداللہ بختانیؔ کا حضرت علامہ پر ایک اور فارسی مقالہ "قلب آسیا گزر گاہ و نظر گاہ علامہ اقبال" شائع ہوا جو نہایت علمی انداز سے مرتب کیا گیا ہے۔ اس پر مشمولات مقالات میں بحث کی گئی ہے۔[۱۱۹]

عبدالہادی داوی پریشانؔ

عبدالہادی داویؔ امیر حبیب اللہ کے زمانے سے افغانستان کے معروف لکھاری رہے ہیں۔[۱۲۰] آپ کا تخلص پریشانؔ اور پشتون قبیلہ داوی سے تعلق ہے۔ والد کا نام عبدالاحد خان تھا جو قندھار کے مشہور اطباء میں سے تھے جن کو امیر عبدالرحمٰن خان نے کابل بلا کر اطبا میں شامل کیا تھا۔[۱۲۱]

آپ کابل کے باغ علی مردان میں ۱۳۱۳ھ ق / ۱۴ جماد الاول / ۱۲۷۲ھ ش / ۱۸۹۵ء کو پیدا ہوئے۔ ۱۲۷۹ھ ش کابل کے حبیبیہ لیسہ میں داخل ہوئے اور ۱۲۹۰ھ ش میں یہاں سے سند فراغت عطا ہوئی۔ یہاں آپ مولوی عبدالرب اور مولوی محمد آصف سے پڑھے جن کی خصوصی توجہ سے آپ کی سیاسی فکر کو تقویت نصیب ہوئی۔ اس کے علاوہ یہاں پر فارسی کے اساتذہ ملک الشعرا، قاری عبداللہ اور عبدالغفور ندیم کی صحبتوں میں ادبی ذوق کو جلا نصیب ہوئی۔ مولوی محمد ظفر اور مولوی محمد حسین خان نے آپ کے سیاسی اور مجموعی ذوق کو پروان چڑھایا اور اردو زبان سے آشنا کروایا۔

۱۲۹۰ھ ش میں علامہ محمود طرازی کے بلانے پر سراج الاخبار افغانیہ کے ادارہ میں محرر مقرر ہوئے۔ یہاں آپ نے ترکی زبان علی آفندی سے سیکھی جو کہ کابل میں حربیہ شعبے کے مدیر تھے ۔ عربی صرف و نحو تو طالب علمی میں پڑھی تھی لیکن شام اور مصر کی جدید عربی سے جناب محمود طرزی کے ذریعے سے آشنائی حاصل کی جو کہ عربی کے دانشور تھے۔[۱۲۲]

۱۲۹۶ھ ش میں امیر حبیب اللہ خان پر کسی نے قاتلانہ حملہ کیا۔ داوی اس پاداش میں سات مہینے تک جیل بھیج دیے گئے۔ آپ نظر بند ہی تھے کہ امیر حبیب اللہ خان ایک اور قاتلانہ حملے میں مارے گئے۔ اس دوران آپ کے والد بھی دارِ فانی سے کوچ کر گئے۔ جیل سے رہائی کے بعد سراج الاخبار افغانیہ جس کا نام اس وقت امان افغان رکھا گیا کے مدیر مسئول مقرر ہوئے۔

۱۳۰۰ھ ش میں وزارت خارجہ میں ہندوستان اور یورپی شعبے کے مدیر مقرر ہوئے۔ اس دوران افغانستان کے مستقل آزادی اور خود مختاری کے لیے علامہ محمود طرازی کی قیادت میں ایک وفد برطانیہ بھیجا۔ اس وفد میں عبدالہادی داوی بھی شامل تھے۔

۱۳۰۱ھ ش میں خارجہ امور میں متشاور دوم کی حیثیت سے مقرر ہوئے۔

۱۳۰۲ھ ش میں افغان حکومت کی جانب سے بخارا میں سفیر مقرر ہوئے۔ ۱۹۲۰ء کے اواخر تک وہیں رہے. افغان اور برطانوی حکومتوں کے مذاکرات کے نتیجے میں انگریزوں نے افغانستان کی آزاد حیثیت تسلیم کر لی۔ تو ۱۳۰۲ھ ش میں عبدالہادی داوی افغانستان کے سب سے پہلے مختار وزیر کی حیثیت سے لندن میں تعینات ہوئے۔[۱۲۳]

۱۳۰۵ھ ش میں وہاں سے مستعفی ہونے کے بعد افغانستان کے وزیرِ تجارت کی حیثیت سے خدمات انجام دیتے رہے۔ اس دوران افغانستان میں بچہ سقہ کا انقلاب برپا ہوا۔ داوی کچھ عرصے کے لیے جیل بھیج دیے گئے۔ رہائی کے بعد حکومت سے مقابلہ کرنے کے لیے قندھار، قلات اور شاہ جوی تک گئے لیکن نامساعد حالات سے مایوسی کے بعد بمبئی چلے گئے۔ اقتصادی بحران کی وجہ سے کراچی آئے۔ افغان ملت کے لیے سیاسی سرگرمیوں میں اضافہ کیا۔ لاہور سے افغانستان کے نام سے ایک فارسی جریدہ جاری کیا۔

۱۳۰۸ھ ش میں نادر شاہ کی حکومت کی بحالی کے بعد آپ کو کابل بلا کر جرمنی میں افغانستان کا وزیرِ مختار مقرر کیا گیا۔ ایک سال وہاں رہنے کے بعد حج کی سعادت بھی حاصل کی اور واپس وطن آئے۔

۱۳۰۸ھ ش انجمن ادبی کے اعزازی رکن منتخب ہوئے۔

۱۳۱۲ھ ش نادر شاہ کی شہادت کا واقعہ ظہور پذیر ہوا۔ داوی تیرہ سال تک جیل کی صعوبتیں برداشت کرتے رہے۔[۱۲۴]

۲۵ قوس ۱۳۲۵ھ ش میں رہائی ملی۔

۱۳۲۷ھ ش میں ظاہر شاہ کے دربار سے منسلک ہوئے۔

۱۳۲۸ھ ش میں دہ سبز کے عوام کی جانب سے ملی شوریٰ (پارلیمنٹ) کے رکن منتخب ہوئے اور وہاں نمائندگانِ شوریٰ کی جانب سے ملی شوریٰ کے رئیس منتخب ہوئے۔

۱۳۳۲ھ ش میں افغانستان کے سفیر کی حیثیت سے مصر تشریف لے گئے۔

۱۳۳۴ھ ش میں افغان سفیر کی حیثیت سے انڈونیشا تبادلہ ہوا۔ چار سال وہاں رہنے کے بعد خرابی صحت کی بنا پر واپس وطن آئے۔[۱۲۵]

۱۳۴۴ھ ش کابل جرگہ مشران میں سینیٹر اور پھر اس جرگہ کے رئیس منتخب ہوئے۔ جہاں چار سال تک خدمات انجام دیں۔ جسمانی معذوری لاحق ہوگئی۔ قوت سامعہ جواب دے گئی۔ تحریر اور اشاروں سے آپ کے ساتھ باتیں ہوا کرتی تھیں۔

۱۳۶۰ھ ش میں ضعف و معذوری کے باوجود پلار وطنہ ملی جبہ کی کانفرنس میں شرکت کی۔ ۲۷ / اسد ۱۳۶۱ھ ش / ۱۴۰۲ھ ق / ۱۹۸۲ء کو کابل میں وفات پائی۔ اگلے روز پورے اعزاز کے ساتھ شہدائے صالحین کے قبرستان میں دفن ہوئے۔[۱۲۶]

عبدالہادی داوی کی شخصیت پشتو و فارسی ادبیات میں ایک قابلِ قدر حیثیت رکھتی تھی۔ لاہور سے افغانستان مجلّے کا اجرا کیا اور اسی نام سے مصر سے عربی مجلے کا اجرا بھی کیا۔ آپ پشتو و فارسی کے مقتدر ادیب و شاعر تھے۔ آپ نے سیکڑوں موضوعات پر مقالات لکھے۔ مقالہ نگاری کے علاوہ کئی مستقل آثار و تالیفات بھی یادگار ہیں:

۱- زما پاک رسول ﷺ (اردو کے "پیغمبر اسلام" از عبدالحمید قریشی کا پشتو ترجمہ) مطبوعہ لاہور ۱۳۳۸ھ ش۔

۲- تجارت ماباس۔ س۔ س۔ ر۔ فارسی مطبع انیس کابل ۱۹۲۲ء۔

۳- غیاصہ۔ منظوم پشتو ۱۳۶۵ھ ق۔

۴- گلخانہ یامجموعہ پریشان۔ شعری مجموعہ جس میں بعض متاخرین اور متقدمین شعرا کا کلام بھی شامل ہے۔

۵- نغمہ۔ شعری مجموعہ۔

۶- رجال وطن۔ افغانستان کے بعض مشاہیر ادبا و شعرا کا تذکرہ۔

۷- لالی ریختہ۔ شاعرِ مشرق حضرت علامہ کے اردو اشعار کا منظوم فارسی ترجمہ۔

۸- آثار اردوی اقبال۔ ۲ جلد مطبوعہ کابل۔[۱۲۷]

جناب عبدالہادی داوی وہ پہلے افغان اقبال شناس تھے جنھوں نے حضرت علامہ پر فارسی میں باقاعدہ کتابیں لکھیں۔ اقبال شناسی کے سلسلے میں آپ کی خدمات ناقابلِ فراموش ہیں۔ آپ نے حضرت علامہ کے اردو اشعار کے منظوم فارسی تراجم کیے۔ جابجا حاشیہ و تشریح بھی رقم کی ہے۔ ان کاوشوں کی دو جلدیں آثار اردوی اقبال زیورِ طبع سے آراستہ ہو چکی ہیں جن پر افغانستان میں کتابیات اقبال کے باب میں بحث کی گئی ہے۔ البتہ لالی ریختہ کی

طباعت یا غیر مطبوعہ ہونے کا حوالہ نہیں ملا۔ آپ کے بیاض میں حضرت علامہ کے نام منظوم فارسی خراج تحسین محفوظ ہے:

"خطاب بہ اقبال"

صبا بگوی بہ اقبال خوش بیان از من — کلام تست کے سر تا بہ پائی آن اثر است
صدای زندگی از سرزمین مردہ خوش است — کہ نالہ ہای اسیران زسوزش جگر است
عجب نباشد اگر سرزدہ است از ظلمات — کہ آب چشمہ حیوان و کوکب سحر است
چگو نہ ظلمت آفاق را سخن ندارد — کہ نہ سپیدہ مجزا "امید" منفجر است
چراخراب نساز د چگونہ درند ھ — چو سیل تند و چو صہبای ناب شعلہ وراست
چرا زمین دل آسیا نخند اند — کذاب دیدہ ابر بہار پاکتر است
جذور جامعہ را آب میدہد جودت — ہم آن فروغ گرانمایہ راسرو ثمر است
شعار نظم تو تریاق سم استعمار — نظام نثر تو اسہام ظلم راسپر است
چو تیشہ تو زبان اشنای کوہسار است — بہ گوش کاہن مانیز گرم و پر شر است
توبہ توبہ این ملت بلند خیال — زرو شنای قلب و زبان کی گہراست
خطا بہ توبہ عنوان "ای جوان عجم" — بہشت گوش پریشان سرمہ بصر است

دل و دماغ منور کجاست تا داند
چہ تپش گوی صادق چہ کشف معتبر است[۱۲۸]

عزیز الدین وکیلی پوپلزائی

افغانستان کے مشہور خطاط، مؤرخ، انشا پرداز عزیز الدین وکیلی کا تعلق قندھار کے مشہور پوپلزائی گھرانے سے ہے۔ آپ فارسی کے کہنہ مشق شاعر ہیں۔ آپ کی تفصیلی سوانحی معلومات حاصل نہ ہو سکیں۔ البتہ افغانستان میں کمیونسٹ انقلاب ۱۹۷۸ء کے بعد ہجرت کر کے ہندوستان چلے گئے۔ آج کل دہلی میں ہجرت کی تلخیوں سے نبرد آزما ہیں۔ آپ افغانستان میں ایک مستند محقق کے طور پر تسلیم کیے جاتے ہیں۔ آپ کے شائع شدہ بعض آثار و تالیفات کی تفصیل ذیل ہے:

۱- درۃ الزمان فی تاریخ شاہ زمان۔ مطبع دولتی کابل ۱۳۳۵ھ ش صفحات ۴۶۸-
۲- احمد شاہ درانی جلد۱- مطبع دولتی کابل ۱۳۵۹ھ ش صفحات ۶۸۴-
۳- تیمور شاہ درانی جلد۱-انجمن تاریخ کابل طبع دوم ۱۳۴۶ھ ش صفحات ۳۱۲-
۴- تیمور شاہ درانی جلد۲-انجمن تاریخ کابل طبع دوم ۱۳۴۶ھ ش صفحات ۴۱۵-

۱۹۷۷ء میں حضرت علامہ کے صد سالہ جشنِ ولادت کے سلسلے میں آپ نے حضرت علامہ کے کئی اشعار و رباعیات کی خطاطی کر کے افغانستان کے اقبال شناسوں میں ممتاز مقام حاصل کیا۔ یہ نمونے دیگر آثار کے علاوہ صدیق رھپو کے افغانستان و اقبال میں بھی شائع ہوئے ہیں۔[۱۲۹]

غلام دستگیر خان مہمندؔ

غلام دستگیر خان کا تعلق پشتون قبیلہ مہمند سے ہے۔ آپ بھی افغانستان کے ایک مقتدر اقبال شناس ہیں۔ حضرت علامہ کی وفات کے بعد مجلّہ کابل کے خصوصی شمارہ مئی/جون ۱۹۳۸ء میں آپ کا ایک فارسی مرثیہ شائع ہوا۔ جس میں آپ نے حضرت علامہ کے دردِ فرقت کو نہایت درد انگیز انداز میں بیان کیا ہے۔ جبکہ غلام دستگیر خان کے دیگر سوانحی تفصیلات تلاشِ بسیار کے باوجود دستیاب نہ ہو سکیں۔

رثای اقبال

چیست این شور و شر مردم و آواز و خروش	که رسد دمبدم از غمکدۂ ہند بگوش
نالہ و شور و فغانی کہ برداز سر ہوش	شنود گوش دل این واقعہ از بانگ سروش

می ندانی کہ بہ ھند این چہ خروش وزاریست
شیون مرگ سر اقبال بعالم طاریست

شاعر ہند زدہر عدم آباد برفت	رخت بستہ و باخاطر ناشاد برفت
تاکہ از بزم سخن نامور استاد برفت	ساز عشرت ہمہ را یک و بہ یک از یاد برفت

نہ مسلمان بہ غمش ماتم و شیون دارد
سینۂ چاک ببین گبر و برہمن دارد

شاعری ہیچو سر اقبال بہ دنیا کم بود سخنا نش بدل خستہ دلان مرھم بود
طبع او صاف زآئینہ و جام جم بود دیدہ اش از غم ابنای وطن پرنم بود
روزو شب فکر بہ بہبود مسلمان می داشت
خانۂ قلب پراز جوھر ایمان می داشت
کرد باطرز غزل تازہ روان سعدی از سخن لطف بہ بخشید بیان رومی
ماند بنیاد سخن خوبتر از فردوسی گوی سبقت بر بوداز شعرای نامی
روح دانتی شدی مبھوت ازان فکر رساش
خاست از مرقد گویتی بہ فضا مدح و ثناش
رفت آن قافلہ سالار ادب قافلہ ماند خاک غم رفتن او برسر گیتی افشاند
اشھب مرگ بر انگیخت و تند برآند چشم پوشید ازیں غمکدہ ویر نماند
پس ازین چشم نہ بیند رخ اقبال دگر
نکتہ گوہر گفتار شود ابدال دگر
مردعارف چورود دولت پائیندہ ازوست ہم دراقلیم سخن خاطرھا زندہ ازوست
شمع عرفان بجہان روشن و تابندہ ازوست گوہر فیض بہر جای پراکندہ ازوست
صاحب فیض دلامردم فرخندہ بود
کشت روشان ثمر و حاصل آئیندہ بود
وزفکرت و از عقل رسای اقبال آوخ از شیوہ و از حسن ادای اقبال
حیف از طبع گہر ریز و صفائی اقبال می سزدنو حہ نمائیم برای اقبال
حیف دانا کہ رود زودتراز دیر فنا
نشود زود نظیرش بجہان ہم پیدا[۱۳۰]

قیام الدین خادمؔ

قیام الدین نام، خادمؔ تخلص، ملا حسام الدین کے فرزند اور ملا علی گل کے پوتے ۱۳۲۵ ھ ش کے میں پیدا ہوئے۔ اور ۵ شوال ۱۳۹۹ ھ ق بروز سوموار ۵ سنبلہ ۱۳۵۸ ھ ش

بمطابق ۲۱/ اگست ۱۹۷۹ء کو کابل کے علی آباد ہسپتال میں وفات پائی۔ ننگرہار کے کامہ میں اپنے آبائی گاؤں میں سپردِ خاک ہوئے۔ نسلاً زاخیل مومند تھے اور کونڑ کے اخوند زادہ خاندان سے تعلق تھا۔ یہ خاندان دینی علما اور دانشوروں کا خاندان ہے۔[۱۳۱]

ابتدائی تعلیم اپنے والد سے حاصل کی۔ قرآن شریف اور فارسی ادبیات بھی انھیں سے پڑھے۔ پھر کونڑ بوڈیانی، کامہ نعمان، لڑ، موڑی، چپرہار، کنڈی باغ، آگام، خوگیانی، ارغچ، کیلفو حصارک، حصار شاہی، کابل، پشاور، ملاکنڈ، دہلی اور لودھیانہ کے دینی و مذہبی حلقوں اور مدارس سے مروجہ علوم صرف، نحو، منطق، کلام، حکمت، فقہ، تفسیر، حدیث، مناظرہ، اصولِ فقہ، یونانی طب اور دیگر علوم سیکھے۔ درج بالا مقامات میں حصولِ علم کے لیے مولانا نے پندرہ سال کا عرصہ گزارا۔ کچھ عرصے تک جلال آباد میں تدریس کے شعبے سے منسلک ہوئے۔ پھر پشاور کے لواڑگی میں طلبا کو درس دینے لگے۔ یہاں پر ادبی ذوق اور شاعری نے فروغ پایا۔ ۱۳۱۲ھ ش کے آواخر میں قندھار کی انجمن ادبی پشتو کی رکنیت عطا ہوئی۔

۱۵/ اسد ۱۳۱۴ھ ش کو" انجمن پشتو" قندھار سے کابل منتقل ہوئی اور ۱۳۱۵ھ ش میں کابل کی ادبی انجمن سے وابستہ ہوئے۔ اس انجمن سے بعد میں پشتو ٹولنہ بنا تو خادمؔ صاحب پشتو ٹولنہ میں تعلیمی جریدے "زیرې" کے مدیر مسئول مقرر ہوئے۔ ۱۳۴۲ھ ش تک مختلف عہدوں پر رہنے کے بعد افغانستان کے ملی شوریٰ (پارلیمنٹ) کے سینئر ممبر منتخب ہوئے۔ ریٹائرمنٹ کے بعد کچھ عرصہ تک اپنا ایک رسالہ افغان اولس بھی جاری کیا۔ خادم نے ویش زلمیان کے قیام اور اس کی ترقی میں اہم کردار ادا کیا۔[۱۳۲]

قیام الدین خادمؔ کا شمار پشتو کے چند اہم شعرا و ادبا میں ہوتا ہے۔ آپ عربی اور اردو بھی جانتے تھے۔ جبکہ پشتو و فارسی میں نظم و نثر لکھتے رہے اور تراجم کرتے رہے۔ آپ کے مطبوعہ آثار و تالیفات درج ذیل ہیں:

۱- معلم پشتو۔ مطبوعہ قندھار

۲- پښتو کلی۔ جلد اول، جلد دوم

۳- دکوچیانو اخلاقي پالنه۔ (ترجمہ)

۴- نوي ژوندون (مجموعہ ادبی نثر)

۵- روهي گلونه (قدیم پشتو شعرا کے اشعار کا انتخاب)

۶- پښتو نولی (پشتونوں کی ثقافت واخلاق)

۷- بایزید روښان (تحقیقی تاریخی مقالہ)

۸- د شریف سرگذشت (اردو سے ترجمہ شدہ ناول)

۹- د مرغلرو امیل (شعری مجموعہ)

۱۰- خاروان (دوسرا شعری مجموعہ)

۱۱- خیالی دنیا (ادبی نثر)

۱۲- نبوغ او عقبرت (اجتماعی فلسفی جائزہ)

۱۳- نوي رنڼا (مجموعہ مقالات)

۱۴- د پښتو ننني لیکوال (تذکرہ کابل کالنی ۱۷-۱۳۱۸ھ ش شائع ہوا۔)

۱۵- د پښتنو د تاریخ سرپاڼه

۱۶- د خوشحال او د رحمان موازنه

۱۷- مکارم اخلاق (عربی سے ترجمہ)

۱۸- پښتو قرأت (چوتھی جماعت کے لیے)

۱۹- پښتانه شعراء جلد اول، دوم کے بعض حصے

۲۰- پارتیان څوک وو (تاریخی)

۲۱- تبصره برتذکره اولیاء۔

۲۲- کوشانیان څوک وو (تاریخی)

۲۳- د بابا نصیحت (منظوم)

۲۴- سید کمال او ببوجانه (داستان)

۲۵- د پښتو ټپې۔

۲۶- لوې اصحابان (مذہبی تاریخی)

۲۷- افغانی حکومت

۲۸- نیشنلزم او انټرنیشلزم (ملت او بین الملت)

۲۹- د پښتو نثر تاریخي تصورات او د نثر لیکونو تذکره (کابل کالنی ۱۹-۱۳۲۰ھ ش)

۳۰- معیاری پښتو

۳۱- لرغونی پښتانه قومونه وغیره[۱۳۳]

قیام الدین خادمؔ اعصطظ پائے کے افغان اقبال شناس تھے۔ چونکہ خادمؔ کافی عرصے تک لنڈی کوتل میں رہے تھے اس لیے اردو سے شناسائی رکھتے تھے اور فارسی کے ساتھ ساتھ حضرت علامہ کے اردو کلام سے براہِ راست مستفید ہو سکتے تھے۔

آپ کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ آپ نے حضرت علامہ کی حیات ہی میں کلامِ اقبال کے منظوم تراجم کا سلسلہ شروع کیا تھا۔ چنانچہ مجلّہ کابل جنوری فروری ۱۹۳۷ء کے شمارے میں حضرت علامہ کے پیام مشرق کی نظم ''زندگی'' کا منظوم پشتو ترجمہ شائع کرایا:

وریځې دسپرلی وه شپه ډیرې او ښکې توې کړې
دغه دې ژوندون تمام عمر په ژړا
داسې ګړندې بریښنا په منډه ورته ووئیل
زه یې بولمه په نیمه خوله خندا
دا خبره خدای زده چا په خوا کښې وکړله
دغې مجلس د ګل د پرخې و سبا[۱۳۴]

قیام الدین خادم کے کلام میں جابجا کلام اقبال کے منظوم تراجم ملتے ہیں:

چین و عرب ہمارا ہندوستاں ہمارا
مسلم ہے ہم وطن ہے سارا جہاں ہمارا

کا منظوم پشتو ترجمہ ملا محمد شریف جانان کاکڑ قندھاری نے بہار جاناں میں محفوظ کیا ہے۔[۱۳۵]

قیام الدین خادمؔ نے مجلّہ کابل میں ۱۳۱۸ھ ش / ۱۹۳۹ء کے شمارے میں ڈاکٹر سید عابد حسین کے اردو مقالے کا فارسی میں ترجمہ "خودی در نظر اقبال" شائع کرایا۔[۱۳۶]

قیام الدین خادمؔ کے اپنے فن پر اقبال کے اثرات مرتب ہونا فطری عمل تھا چنانچہ سالنامہ کابل ۳۸-۱۳۳۹ھ ش کے ایک مقالے میں اس حقیقت کا اظہار برملا کیا گیا ہے۔ فاضل مقالہ نگار نے خادمؔ کے فن و شخصیت پر اقبال کے اثرات اور منظوماتِ اقبال کے تراجم کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے:

خادم هم د ټاګور او اقبال د آثار و څخه ډیر سخت متاثر دې یوښائست زیاتی ترجمې یی هم د دوی د آثار و څخه کړی دی۔[۱۳۷]

آپ نے ۱۹۳۸ء میں حضرت علامہ کی وفات پر پشتو میں ایک دلکش مرثیہ تحریر کیا جو مجلّہ کابل کے خصوصی اقبال نمبر مئی / جون ۱۹۳۸ء میں شائع ہوا۔

د اقبال په وفات

څنګه په مشرق نن د رڼا و تیرې جنګ دی
ولې د فلك ګریوان په وینو باندې رنګ دی
غلی په طلسم د تیری دی هر بلبل د باغ
زړه د هر انسان لکه غوټۍ له غمه تنګ دی
نشته دی نغمې د زرکو چیرې په راغونو کښې
نه د چاپه غوږ کښې د نسیم د رباب شرنګ دی
لکه بې اسرې چې هر یو ژاړی پټ له ځان سره
ستوری د مشرق هر یوه پری ایښی د بل څنګ دی
ډوب په آه و واه کښې لمر خاته دی سر تر پایه اوس
پروت په هر زړه باندې د لوی بارد تیری زنګ دی

ځکه چې لویدلی د مشرق لمر د اقبال دی
خړ آسمان د فن و د ادب او د کمال دی
ای اقباله ستا په غم کښې ژاړي مسلمان ټول
چین تر شام و رومه ترکیه هند و افغان ټول
ته تمامی عمر ژړیدلی د امت په غم
ځکه دی قومونه ستا په تلو باندی ګریان ټول
مړاوی لاله زار دي د خلیل تازه په اوښکو کړو
مه اوچوه سترګې چي اوچ نه شی ګلان ټول
بیا دي هیر سبق امت یاد به زیر و زور کړو
ودي ښوده دوی ته محکمات د ښه قرآن ټول
پیتي وو درانه او منزلګاه لری بیحده وه
ستا و دې نغمو ته دمه لودی که کاروان ټول
پاتی چې سید شبلی حالی څخه وه لاره کښې
تا هغه بارونه کړه اوچت په یوه ځان ټول
مخ کې لرې مزل دی چې یی پرې نه ږدی په لار کښې
داسې لار باندې هیڅوک نشته په قطار کښې
تاچی مخ کړو پټ او په خندا لاړی مولا لره
اوس به نور رهبر د خودۍ څوک شی ایشیا لره
پورته د کوشش په نغمه سترې د تقدیر کړه
دا قدرت درکړی دی خاوند یواځې تا لره
نن له بغاوت د عقله ویره په حرم کښې ده
جنګ د ولایت د عشقه فوج که دی بلا لره
شعر و فلسفه تاریخ دی ګډ کړه په حکمت سره
جوړه دې نسخه کړه ترینه ملتِ بیضا لره

ای د ژوند حکیمه زړه دې ډك وو د بشر په غم
تا پیام راوړې تمامی واړه دنیا لره
شرق و غرب دې مځکښې دیوې منډې میدان وو
ځکه دې نظر تل په حصار د کهکشان وو[۱۳۸]

ترجمہ: مشرق پر آج کیونکر اندھیرے اور اجالے کی جنگ ہے، آج کیونکر فلک کا گریباں خون سے تر ہے۔
باغ کی ہر بلبل ظلم کے طلسم سے پریشان ہے، ہر انسان کا دل کلی کی طرح غم سے تنگ ہے۔
باغوں میں چکوروں کے نغمے کہاں ہیں۔ نہ کسی کے کان میں نسیم کے رباب کا سُر ہے۔
ہر ایک تنہائی میں اپنے ساتھ رو رہا ہے، مشرق کے ستاروں نے ایک دوسرے کا ساتھ چھوڑ دیا ہے۔
مشرق آہ و فغان سے دوچار ہے۔ ہر دل پر اندھیرے کا رنگ لگا ہوا ہے۔
اس لیے کہ مشرق کے اقبال کا آفتاب غروب ہو گیا ہے۔ علم و فن و ادب کا آسمان پھیکا سا ہے۔
اے اقبال تیرے غم میں ساری ملت رو رہی ہے۔ چین و شام و روم، ترکی، ہندوستان و افغان سب محو غم ہیں۔
تو تمام عمر ملت کے غم میں رویا اسی لیے تمام اقوام تیرے غم میں نوحہ خواں ہیں۔
تو نے مرجھائے ہوئے لالہ زار خلیل کو آنسوؤں سے تر کیا۔ آنکھوں کو تر رہنے دے ایسا نہ ہو کہ یہ پھول مرجھا جائے۔
پھر ملت کو زیر و زبر سے سبق دیرینہ یاد دلا اور ان کو قرآنی محکمات سے آگاہ کر۔
ان کے بوجھ زیادہ تھے اور منزل بھی دور تھی۔ مگر تیرے نغمات نے انھیں تازہ دم رکھا۔ جو سر سید شبلی اور حالیؔ سے رہ گیا تو نے وہی بوجھ اکیلے اٹھایا۔
آگے تھوڑا سا فاصلہ ہے اس کو راستے میں نہ چھوڑ، ان راہوں سے آشنا اور کوئی دوسرا امیر کاروان نہیں ہے۔
تو نے جب چہرہ ڈھانپا اور مسرور ہو کر پروردگار سے ملا اب خودی کا رہبر ایشیا کے لیے کون ہو گا۔ اُٹھا دو نغمہ کوشش سے تقدیر کے تھکے ہوؤں کو، پروردگار نے یہ صلاحیت فقط تجھے بخشی

ہے۔ آج بغاوتِ عقل سے حرم کے لیے ڈر ہے۔ ولایت سے عشق کی طرف فوج کو گامزن کر۔ تو نے شعر، فلسفہ اور تاریخ کو حکمت سے یکجا کیا اور ملت کے لیے نسخہ بنایا۔ اے حکیم حیات تو نے سارے جہاں کو پیغامِ نو عطا کیا۔ شرق و غرب تیرے سامنے ایک میدان تھا اسی لیے تیری نظر کا حصار کہکشاں پر تھا۔

گل باچا الفتؔ

گل باچا الفتؔ پشتو ادب کی مشہور و معروف ادبی شخصیت ہیں۔ آپ کے والد کا نام میر سید باچا اور دادا کا نام سید فقیر باچا تھا۔ نسلاً سید پٹھان تھے۔[۱۳۹]

عبد الرؤف بینواؔ نے آپ کا سن پیدائش ۱۲۸۷ھ ش لکھا ہے جبکہ پشتانہ شعرا میں سر محقق عبد اللہ بختانیؔ خدمتگار نے آپ کا سن پیدائش ۱۲۸۸ھش / ۱۹۰۹ء لکھا ہے۔[۱۴۰]

آپ لغمان کے عزیز خان کچ میں پیدا ہوئے۔ حصولِ علم کے دوران مروجہ علوم صرف، نحو، منطق، معانی، فقہ، تفسیر اور حدیث ننگرہار اور کابل کے مشہور اساتذہ سے پڑھے۔ جناب بختانیؔ نے آپ کی زندگی کے مختلف ادوار کا جائزہ لیا ہے:

۱۳۱۴ھ ش: روزنامہ انیس کابل میں کاتب مقرر ہوئے۔

۱۳۱۵ھ ش: انجمن ادبی کابل کی رکن بنے۔

۱۳۱۶ھ ش: انجمن ادبی کابل کی رکنیت کے ساتھ زیری مجلّہ کے ادارے سے منسلک رہے۔

۱۳۱۸ھ ش: پشتو ٹولنہ کے مدیر صحافت کے معاون رہے۔

۱۳۱۹ھ ش: پشتو ٹولنہ کے شعبہ لغات و قواعد میں مدیر کی حیثیت سے تقرری۔

۱۳۲۰ھ ش: روزنامہ اصلاح کابل کے مشاور اور مجلّہ کابل کے مدیر مسئول رہے۔

۱۳۲۵ھ ش: اتحاد مشرقی ننگرہار کے جریدے کے مدیر مسئول۔

۱۳۲۷ھ ش: ننگرہار میں قبائل کے عمومی مدیر بنے۔

۱۳۲۸ھ ش: جلال آباد کے شہریوں کی جانب سے ملی شوریٰ (پارلیمنٹ) کے رکن بنے۔

۱۳۳۱ھ ش: لغمان کے قرغی باشندوں کی جانب سے جرگہ کے نمائندہ منتخب ہوئے۔

۱۳۳۴ھ ش: جلال آباد کے باشندوں کی جانب سے لوئ جرگہ کے نمائندہ منتخب ہوئے۔
۱۳۳۵ھ ش: پشتو ٹولنہ کے رئیس۔ وزارت تعلیم میں رکن کی حیثیت سے انتخاب اور کابل یونیورسٹی کے حقوق وادبیات کے شعبہ میں استاد کی حیثیت سے تقرری۔
۱۳۳۸ھ ش: افغان شوروی دوستی کی انجمن کی تاسیس کے ساتھ ہی اس انجمن کے رئیس منتخب ہوئے۔
۱۳۴۰ھ ش: جوزا کے شروع سے ۱۳۴۲ھ ش عقرب کے اواخر تک ویش زلمیان کے نشراتی ارکان اولس جریدے کے اعزازی سربراہ رہے۔
۱۳۴۲ھ ش: قبائل کے مستقل رئیس کی حیثیت سے کابینہ کے رکن بنے۔
۱۳۴۴ھ ش: جلال آباد کے عوام کی جانب سے اولسی جرگہ کے بارہویں دور کے لیے وکیل منتخب ہوئے۔ وکالت کے چار سالہ عرصے کے بعد ریٹائرڈ ہوئے۔[۱۴۱]
۱۳۵۶ھ ش ۲۸ قوس- ۱۸/ دسمبر ۱۹۷۷ء کو جناب گل باچا الفتؒ وفات پاگئے۔ عین اس وقت رحلت فرمائی جب حضرت علامہ کے صد سالہ جشنِ ولادت کی تقریبات منعقد کی جا رہی تھیں۔ آپ جلال آباد کی شاہراہ کابل جی ٹی روڈ کی جنوبی جانب دفن کیے گئے۔[۱۴۲]

گل باچا الفتؒ کے آثار و تالیفات درج ذیل ہیں:

الف: مطبوعہ:

۱- د پسرلی نغمه	۲- بله دیوه
۳- لغوی خیړنه	۴- پښتو سندرې
۵- عالی افکار	۶- څه لیکل یا لیك پوهنه
۷- ادبی بحثونه	۸- پښتو کلی جلد ۵
۹- د آزادۍ پیغام	۱۰- غوره اشعار
۱۱- لوړ خیالونه او ژور فکرونه	۱۲- منطق
۱۳- غوره نثرونه	۱۴- د ژړه دنیا

ب: غیر مطبوعہ:

۱- نوې څرك ۲- ښه لمسون
۳- نوې سبك ۴- اجتماعی نظریات
۵- څه گورم او څه آورم ۶- وټولنی علم(ترجمہ)

گل باچا الفت افغانستان کے پشتون اقبال شناس تھے۔ آپ نے اپریل ۱۹۳۸ء میں حضرت علامہ کا پشتومرثیہ لکھا جس سے آپ کی اقبال شناسی جھلکتی ہے:

د اقبال وير

د ادب په مانی ولویده غدی نن
د اقبال له سره پریوته خولی نن

نن په شرق د مصیبت بلا راغلی د ادب په باغ و بن وشوه ړلی نن
فلك بیا په زړونو كښیښوه داغونه بیا هر چا په زړه خوړلی ده گولی نن
په مرور د زمانی به هضم نه شی چې له دې غمه چا كړی ده مړی نن

د اقبال غم ړیوی نن هغه زړونه
چې به ځای په ځای ولاړ وو لكه غرونه

اقبال څوك وو فیلسوف و نازكخیال د ادب سرمایه ټوله د ده مال
تیز قلم یی لكه توپ و تیره توره مقابل كښې هیڅ نه وو سپر و ډال
زمانه به په هیڅ طور پیدا نه كړي د ادب په مملكت كښې د ده سیال
د خپل قرن په جبین باندې یی كېښود د تفضیل او سرلوړی ښه ښكلی خال

د دنیا په سرای كی دی نه ځائیدلو
له ناكامه یي قصد وكو د وتلو

اقبال ولاړ وینا یي پاته په غوږو كښې محبت د اقبال شته د خلكو زړو كښې
د اقبال د ږغ اثر دی پاته شوی د هر ملك او هر وطن بیدار مغزو كښې
اقبال مړه زړونه په خپل آواز ژوندی كړل څوك شمیرلی شی اقبال په جم دمړو كښې
اقبال مونږته ښه غذا د روح پرې اېښی په ښائسته ښائسته خوږوخوږونغمو كښې

ربه ته ئی جنتونه په نصیب کړې
واړه سعی ته مقبول ددې ادیب کړې[۱۴۳]

ترجمہ: ایوانِ ادب پر ڈاکہ ڈالا گیا جب اقبال کے سر سے ٹوپی گر گئی۔
آج مشرق پر مصیبت کا سیلاب آیا ہے، ادب کے باغ و گلشن پر ژالہ باری ہوئی ہے۔
فلک نے آج پھر دلوں کو داغ دیے۔ پھر ہر سینے پر گولی لگی ہے۔ ایسی گولی کا زخم زمانہ گزرنے سے بھی مندمل نہیں ہو گا۔
آج جس نے اس دستر خوانِ غم سے کھانا کھایا وہ زمانے گذرنے کے بعد بھی بغیر نہیں کر سکے گا۔ اقبال کے غم نے آج ان دلوں کو ہلا دیا ہے جو اپنی جگہوں پر ہمیشہ پہاڑ کی مانند مستحکم قائم رہے۔
اقبال کون تھے؟ ایک نازک خیال اور فلسفی تھے، سرمایۂ ادب ان کا مال تھا۔
ان کے قلم کی دھار تلوار اور توپ کی مانند تھی جس کے آگے زمانے کی کسی ڈھال کی حیثیت نہیں تھی۔
زمانہ کبھی بھی ادب کی مملکت میں ان کا ہمسر پیدا نہیں کر سکے گا۔
اپنے قرن کے جبین پر فضیلت فخر اور اعزاز کا دستار رکھا۔
اس فانی دنیا کے مکان میں نہیں سما سکے تب انھوں نے مجبوراً دائمی جہاں کا رخ کیا۔
اقبال چلے گئے لیکن ان کے فرمودات تا ابد رہیں گے۔ لوگوں کے دلوں میں ان کی محبت گھر کر گئی ہے۔ اقبال کی آواز کا اثر ہر مملکت کے بیدار و روشن دماغوں میں تا ابد رہے گا۔ کیونکہ اقبال ہی نے اپنی صدا سے مردہ دلوں کو حیات عطا کی تھی بھلا کون اقبال کو مردوں میں شمار کرے گا۔
اقبال نے ہمارے لیے پُر لطف نظموں اور پر کیف نغموں کے ذریعے روح کی بہترین غذا مہیا کی ہے۔ اے پروردگار تو انھیں جنت عطا فرما اور اس ادیب و مفکر کی تمام سعی کو مشکور فرما۔

محمد رحیم الہامؔ

محمد رحیم نام، الہامؔ تخلص، فضل الدین کے فرزند ارجمند تھے۔ والد مومند اور والدہ کا تعلق توخی قبیلے سے تھا۔ ۱۳۱۰ھ ش کو کابل کے چاردہی کے ریشمنور نامی گاؤں میں پیدا

ہوئے۔ پشتو و فارسی ادبیات پڑھے۔ فقہ تفسیر، احادیث، علم الکلام، منطق، صرف، نحو اور اسلامی تصوف مقامی علما سے پڑھے۔ ۱۳۳۲ھ ش میں غازی کالج کابل سے بکلوریا کیا۔ ۱۳۳۵ھ ش میں کابل کے ادارہ ابیات سے لسانس حاصل کیا۔ ۱۹۶۴ء کو امریکہ کی مشیکانی یونیورسٹی سے ایم اے کیا اور اسی یونیورسٹی سے انگریزی سپیشلائزیشن کی سند بھی لی۔ ۱۳۳۵ھ ش میں کابل کے ادارہ ادبیات سے منسلک ہوئے۔ ۱۳۳۶ھ ش کو یہیں استاد مقرر ہوئے۔ ساتھ ساتھ وژمہ مجلّہ بھی چلاتے رہے۔ ۱۳۴۰ھ ش میں ادبیات کے پوہنحئ میں لسانس کے آمر مقرر ہوئے۔ ۱۳۴۵ھ ش میں ایران شناسی کی بین االاقوامی کانفرنس میں افغان وفد کے رکن کی حیثیت سے تہران گئے۔ وہاں سے واپسی پر وزارت عدل میں نشریات کے مدیر اعلیٰ مقرر ہوئے۔ تھوڑے عرصے کے بعد مساوات اخبار کے مدیر بننے کے بعد ملازمت سے مستعفی ہوئے۔

جناب الہامؔ پشتو اور فارسی کے اعلیٰ پائے کے ادبا شعرا میں سے ہیں۔ انگریزی میں تو سپیشلائزیشن کی ہے جبکہ فرانسیسی اور سنسکرت بھی تھوڑی بہت جانتے تھے۔

جناب الہامؔ کی کئی تصنیفات و تالیفات ہیں۔ جن میں سے ۳۱ کی تفصیل اوسنی لیکول میں درج کی گئی ہے۔[۱۴۴]

جناب الہامؔ کے نظم و نثر سے ان کی علمیت اور کمالِ نظر کا اندازہ ہوتا ہے۔ آپ کی تحریرات آپ کی علمی بصیرت کی مظہر ہیں۔ بین الاقوامی ادبیات کا جو مطالعہ الہامؔ نے کیا ہے ان کا عکس ان کے آثار میں جابجا پایا جاتا ہے۔

الہامؔ ایک افغان اقبال شناس بھی ہیں۔ حضرت علامہ سے فکری وابستگی اور قلبی عشق آسانی سے آپ کے آثار میں دیکھے جاسکتے ہیں۔

آپ نے جواب مسافر کے نام سے حضرت علامہ کی مثنوی مسافر کا جواب لکھا اور ۵/دسمبر ۱۹۷۷ء کو علامہ کے صد سالہ جشنِ ولادت کی مناسبت سے بین الاقوامی کانفرنس اقبال منعقدہ لاہور میں سنایا۔ یہ مشہور منظومہ پہلی بار ہفت روزہ وفا میں شائع ہوا جو یہاں درج ہے:

اهدا به علامه داکتر محمد اقبال لاهوری

"جواب مسافر"

اندران وقتی که آن دانای راز — حضرت اقبال پیر سرفراز
آن خدیو ملک فقر و بی نیاز — شمعسان روشن و لیکن بی گداز
کرد سوی کشور افغان گداز — دفتری بنوشت در ختم سفر
اندران دفتر بسی درسفته امت — نکته های بهتر از در گفته است
نزد هر افغان شد آن دفتر عزیز — همچو لعل و چون در و گوهر عزیز
گرچه آن پاکیزه بُد همراز ما — باخبر از درد و سوز و ساز ما
کام وی شیرین بد از جام جلال[۱] — پیر بلخ آن راز دان با کمال
گرچه بود اندر کنار گنج بخش[۲] — آن که از غزنین به لاهور رانده رخش
گرچه به لعل بدخشانش نگین — کرد چون در کلک شعر انگشترین
گرچه آن دانای راز انجمن — گفت با دنیا به لفظ ما سخن[۳]
گرچه اندر شعرش آن صاحب یقین — گفته بود این نکته مهر آفرین
"آسیا یک پیکر آب و گل است — ملت افغان در آن پیکر دل است
از فساد او فساد آسیا — در گشاد او گشاد آسیا
گرچه درس از بوعلی آمیخته بود — دیگ فکرت باسنای پخته بود
بازهم خود را مسافر خوانده بود — وین لقب بر دفتر خود مانده بود
خواستم من هم خطابی آورم — وال مسافر را جوابی آورم
گرچه من مهجور از نور وصال — نیرنم اندهوای وصل بال
اشک چشمی میفاشنم پر ز درد — از رخم تا بسترد آهسته گرد

---

(۱) مقصود مولانا جلال الدین بلخی است۔
(۲) مقصود علی بن عثمان جلابی ہجویری غزنوی معروف به داتا گنج بخش صاحب کشف المحجوب است۔
(۳) مقصود زبان فارسی دری است۔

-

صبحگاهان چون برید خوشخرام بهر ما آورد این خرم پیام
گفت راه خطۂ لاهور گیر مقصد نزدیک و راه دور گیر
روید انجامی که باشد مهر راز یادگار روزگاران دراز
هر درخت باغ وی افسانه ی هر گلشن بنشانده فرزانه ی
طوطیش منقار دارد پر شکر گلبنش بیجاده دارد پر گهر
دیده خاکش پس فراز و بس نشیب دارد اندر دفتر تاریخ زیب
بس که از خون شهید انباشته ست نرگس آنجا چشم مردم کاشته ست
آبها در جو ضهبائی شالمار می جهد مستانه و سیماب راز
تا رسد برتربت صاحبدلی راز دانی راد مردی مقبلی
تا نهد بر تربت اقبال سر گردد از اسرار هستی باخبر

چون شنیدم این پیام خوشگوار شوق شد آتش به جانم زد شرار
در دل من رازها آمد پدید سوز جان را سازها آمد پدید
برگ بی برگی گرفتم در بساط لاف درویشی زدم از انبساط
همچو شاهین از فراز کوهسار پر کشودم بیخبر دیوانه وار
شوق وصل از بس که مستی میفزود جانم از تن پیشدستی مینمود
محمل من بود "بال جبریل" آن که هست الهام یزدان رابدیل
جرعه جام سنائی در دهان درد هجویری[۱] لا نهان اندربیان
سید افغانیم[۲] به ره دلیل پرتوم از شمع بلخی[۳] درسیل
آن که درشبهای تار زندگی مهر وی دارد چو خورتابنده گی

---

(۱) علی بن عثمان جلابی ہجویری معروف بہ داتا گنج بخش۔

(۲) سید جمال الدین افغانی۔

(۳) بو علی سینا۔

خفته را گوید که برخیز ای سپر　　از سراب وهم بگریز ای پسر
تو ز دریابی سوی دریا شتاب　　موج زن چون ریگ در ساحل خراب
گر خرد هر چند باشد رهبرت　　عشق باید گاه رفتن شهرت

آمدم اینک به پیش شاه عشق　　پیش اقبال این چراغ راهِ عشق
آن که از رمز خودی آگاه بود　　درد بود و سوز بود و آه بود
آن که زنجیر غلامی پاره کرد　　دردهای مردمان راچاره کرد
از کلام الله کلید تازه یافت　　سوی باغ آرزو دروازه یافت
گشت فارغ از گزند بیش وکم　　سر کشید از دیر در کنج حرم
رهبر خود جستجو را برگزید　　در خطرها آرزو را برگزید
از رموز سرحق آگاه گشت　　هر کجا خلق او همراه گشت
نالۂ مظلوم در شعر اش درید　　دست گشت و دامن ظالم درید
از شراب زندگی سرشار شد　　آن قدر شد نشہ تا ہشیار شد
سنگ زد چندان به مینای فرنگ　　تاشکستش ریخت زان مینا سرنگ
مردمان ہند را بینش فزود　　گرد ذلت از رخ مردم زدود
برگرفت از حکمت قرآن سبق　　ہم زحق گفت وہم از مردان حق
باشد از افلاک برتر خاک او　　صد سلامم بر روان پاک او
من به درگاہش نیاز آورہ دام　　تحفه ی از سوز و ساز آوردہ ام
قطرہ ی چند ازدو چشم من چکید　　خون دل بُد شعر شد لوش شد

تاشود گلدستہ برسنگ مزار
تا ابد ماند در آنجا یادگار[۱۴۵]

ڈاکٹر محمد صادق فطرتؔ "ناشناس"

ڈاکٹر محمد صادق فطرتؔ افغانستان میں اعلیٰ پائے کے گلوکار تسلیم کیے جاتے ہیں۔ آپ کا تعلق قندھار کے معروف علمی، روحانی اور ادبی گھرانے سے ہے۔ اس گھرانے کے سر خیل

علامہ حبیب اللہ کاکڑ قندھاری (محقق قندھاری) المعروف بہ حبو اخوندزادہ (تولد قندھار کوچہ بامیزی ۱۲۱۳ھ ق وفات رمضان المبارک ۱۲۶۳ھ ق مدفن قبرستان عید گاہ قندھار) تھے۔ جو اپنے دور کے اعلیٰ پائے کے عالم، فاضل، معقول و منقول علوم کے جاننے والے تھے۔ جدید علوم، فلسفہ، تاریخ، طب، ریاضی اور الجبرا کے استاد تھے۔ عربی، فارسی اور پشتو میں کئی تصنیفات یادگار ہیں۔[۱۴۶]

اس گھرانے میں کئی نامور علمی و ادبی ہستیاں پیدا ہوئیں۔ ان میں مولانا عبدالواسع کاکڑ (امام اعلیٰ حضرت امان اللہ غازی) مولوی عبدالرؤف خاکی کاکڑ، مولانا عبدالرب وغیرہ شامل ہیں۔ معاصر مقتدر علمی و ادبی شخصیت علامہ عبدالحیٔ حبیبیؔ کا تعلق بھی اس علمی گھرانے سے تھا۔[۱۴۷]

ڈاکٹر محمد صادق کا تخلص فطرتؔ ہے، تولد قندھار میں ہوئے۔ پاکستان و ہندوستان سے علوم حاصل کیے۔ موسیقی کی ریاضت کے لیے بھی برصغیر پاک وہند کے سفر کیے۔

آپ نے افغانستان میں اقبال شناسی کا حق افغان موسیقی کے ذریعے ادا کیا۔ علامہ کی کئی اردو اور فارسی غزلیات اور منظومات کو افغان موسیقی کے سُروں میں ہمیشہ کے لیے امر کر دیا۔ افغانستان میں ریڈیو اور ٹیلی ویژن کے اہم عہدوں پر فائز رہے اور افغان انقلاب کے بعد پاکستان مہاجر ہوئے۔ یہاں سے یورپ چلے گئے اور آج کل لندن میں رہتے ہیں۔

مآخذات باب پنجم:

۱۔ دار غند د خپوژبہ، ص ۱۹
۲۔ اوسنی لیکوال، جلد ۳، ص ۱۴۴۰
۳۔ پشتو شاعری پر اقبال کے اثرات، ص ۲۷۵
۴۔ مکتوب احمد صمیم بنام راقم الحروف، ص ۱
۵۔ ایضاً، ص ۱-۲

۶ ایضاً، ص ۵
۷ دارغند ځپوژبه، ص ۱۹
۸ د شاعر فریاد، ص ۴- ۱۵- ۱۹
۹ اقبال ریویو، اپریل ۱۹۶۷ء، ص ۴۴
۱۰ سیر افغانستان، ص ۱۴
۱۱ مجلّہ کابل، ۲۲/جون ۱۹۳۲ء، ص ۱۲- ۲۰
۱۲ اقبال ریویو، اپریل ۱۹۶۷ء، ص ۴۴
۱۳ افغانستان و اقبال، ص۱۵
۱۴ مجلّہ کابل، مئی جون ۱۹۳۸ء، ص ۷۹- ۸۲
۱۵ وینه په قلم کښې، ص ۲۲۷- ۲۲۵
۱۶ اوسنی لیکوال، جلد ۳، ص ۱۴۴۷
۱۷ پشتو، پشاور، دسمبر ۱۹۸۲ء، ص ۷
۱۸ ایضاً، ص ۷
۱۹ دانش مجلّہ، ۱۳۶۶ھ ش، ص ۹
۲۰ ایضاً، ص ۱۱
۲۱ دانش مجلّہ، زمستان ۱۳۶۶ھ ش، ص ۱۳
۲۲ ایضاً، ص۱۵
۲۳ ایضاً، ص۱۴
۲۴ ایضاً، ص۱۵
۲۵ ایضاً، ص۱۶تا۲۸
۲۶ وینه په قلم کښې، ص ۱۶۸تا۱۷۱
۲۷ ایضاً، ص ۱۷۰تا۱۷۱
۲۸ دانش، زمستان، ۱۳۶۶ھ ش، ص ۲۵
۲۹ اقبال ریویو، اپریل ۱۹۶۷ء، ص ۱۶۵
۳۰ کلیات اشعار استاد خلیل اللہ خلیلیؒ، ص ۱۵۳تا۱۵۴
۳۱ ایضاً، ص ۱۸۲تا۱۸۳

۳۲ ایضاً، ص ۵۰ تا ۵۲
۳۳ ایضاً، ص ۵۸۴ تا ۵۸۵
۳۴ ایضاً، ص ۳۸۲ تا ۳۸۳
۳۵ ایضاً، ص ۵۸۶
۳۶ دوبِرموبھیر، ص ۱۷
۳۷ مجلّہ قلم، پشاور، اپریل مئی ۱۹۸۷ء، ص ۶۹
۳۸ ایضاً، ص ۷۱
۳۹ بالِ جبریل، ص ۲۲ تا ۲۴
۴۰ مجلّہ دانش زمستان، ۱۳۶۶ھ ش، ص ۱۰۸
۴۱ ایضاً، ص ۹۰
۴۲ ایضاً، ص ۹۱
۴۳ مجلّہ دانش زمستان، ۱۳۶۶ھ ش، ص ۹۲
۴۴ ایضاً، ص ۹۳
۴۵ اقبال ممدوح عالم، ص ۲۸۴-
۴۶ مجلّہ کابل، مارچ ۱۹۳۱ء، ص ۱۹ تا ۲۳-
۴۷ سیر افغانستان، ص ۷-
۴۸ اقبال ریویو، اپریل ۱۹۶۸ء، ص ۴۸-
۴۹ سیر افغانستان، ص ۳۹-
۵۰ مجلّہ کابل، دسمبر ۱۹۳۴ء، ص ۸۴ تا ۸۹-
۵۱ اقبال ممدوح عالم، ص ۲۹۲-
۵۲ مجلّہ کابل، ۲۳/ دسمبر ۱۹۳۴ء، ص ۸۵-
۵۳ اقبال ممدوح عالم، ص ۲۹۲-
۵۴ اخبار انیس کابل ۱۴ ثور ۱۳۱۷ھ ش۔
۵۵ مجلّہ کابل، مئی جون ۱۹۳۸ء، ص ۷۸-
۵۶ ایضاً، ص ۸۶ تا ۹۱-
۵۷ سیر افغانستان، ص ۷-

۵۸ مقالات یومِ اقبال، ص ۳۲تا۳۸-
۵۹ علامہ اقبال در ادب فارسی و فرهنگ افغانستان، ص۲۰۲تا۲۰۵
۶۰ اقبال ممدوح عالم، ص ۲۹۲-
۶۱ مجلّہ آریانا کابل، ستمبر۱۹۷۶ء، ص ۹۱تا۹۲-
۶۲ مجلّہ کابل، ۲۱/ جنوری ۱۹۳۴ء، ص ۷۵تا۸۲-
۶۳ ایضاً، ۲۰/ فروری ۱۹۳۴ء، ص ۴۳تا۵۸-
۶۴ ایضاً، ۲۲/ مارچ۱۹۳۵ء، ص ۵۹تا۶۱-
۶۵ مجلّہ کابل، ۲۳/ مئی ۱۹۳۵ء، ص ۵۲تا۵۸-
۶۶ ایضاً، ۲۲/ مئی ۱۹۳۶ء، ص ۴۱تا۵۶-
۶۷ مجلّہ آریانا کابل، ستمبر۱۹۷۶ء، ص ۹۱تا۹۲
۶۸ ستوری د ادب پہ آسمان کښې، ص ۵۰۸
۶۹ ایضاً، ص ۵۱۰تا۵۱۱
۷۰ خون کی پکار، بیک ٹائٹل
۷۱ مجلّہ افغانستان، جولائی۱۹۹۶ء، ص ۸۰
۷۲ د افغان مجاهد آواز، ص ۳۶
۷۳ آفریده های مهجور علامه حبیبیؒ، ص ۱۵
۷۴ پښتانه شعراء، جلد۵، ص ۳۳۹
۷۵ آفرید های مهجور علامه حبیبیؒ، ص ۱۶
۷۶ پښتانه شعراء، جلد۵، ص ۱۶۷ - ۱۶۸
۷۷ آفرید های مهجور علامه حبیبیؒ، ص ۲۱ - ۲۳
۷۸ اوسنی لیکوال، جلد۱، ص ۲۲۴تا۲۴۵
۷۹ پښتانه شعراء، جلد۵، ص ۱۶۷ - ۱۶۸
۸۰ آفرید های مهجور علامه حبیبی، ص ۳۴۲ - ۳۴۷
۸۱ سیر افغانستان، ص ۳۳
۸۲ مجلّہ کابل، ص ۲۱ جنوری ۱۹۳۴ء، ص ۶۸
۸۳ ایضاً، ص۶۵ تا۷۱

۸۴ ایضاً، ص ۶۱
۸۵ ایضاً، ص ۷۱
۸۶ تیر وختونه تیر یادونه، ص ۳۳- ۳۴
۸۷ مجلّہ کابل، دلو ۱۳۲۳ھ ش، ص ۱۶۷
۸۸ مجلّہ کابل، دلو ۱۳۲۳ھ ش، ص ۱۶۷
۸۹ مجلّہ پشتو، پشاور، ستمبر ۱۹۸۴ھ ش، ص ۲۷
۹۰ دردِدل و پیامِ عصر، ص ھ
۹۱ ایضاً، ص ۲۷
۹۲ ایضاً، ص ۲۸
۹۳ دردِدل و پیامِ عصر، ص ۲۹
۹۴ ایضاً، ص ۶۳
۹۵ ایضاً، ص ۶۵
۹۶ ایضاً، ص ۷۳
۹۷ ایضاً، ص ۸۹
۹۸ ایضاً، ص ۹۶
۹۹ ایضاً، ص ۱۰۸ تا ۱۱۰
۱۰۰ ایضاً، ص ۱۱۳
۱۰۱ اوسنی لیکوال، جلد اول، ص ۱۶۷
۱۰۲ سیماها آوارها، ص ۱۲۸
۱۰۳ مجلّہ عرفان کابل، اسد ۱۳۴۷ھ ش، ص ۹۹ تا ۱۱۲
۱۰۴ ایضاً، ص ۱۰۲
۱۰۵ ایضاً، ص ۱۰۹
۱۰۶ ستوری د ادب په آسمان کښې، ص ۶۲۱ - ۶۲۲
۱۰۷ فرہنگ زبان و ادبیات پشتو، جلد ۲، ص ۲۳۳
۱۰۸ ستوری د ادب په آسمان کښې، ص ۶۲۲ - ۶۲۹
۱۰۹ د افغانستان کالنی، ۳۸- ۱۳۳۹ھ ش، ص ۴۶۱

۱۱۰ اوسنی لیکوال، جلد اول، ص ۱۱۶

۱۱۱ رشد زبان و ادب دری در گستره فرہنگی پشتو زبانان، ص ۱۵۸

۱۱۲ پښتو کتاب ښود، ص ۵۱ - ۵۲

۱۱۳ ننگیالی پښتون، ص ۴۶- ۶۶

۱۱۴ خوشحال خان او یو ځو نور فرهنگیالی ختك، ص ۲۷ - ۶۰

۱۱۵ خوشحال خان او یو ځو نور فرهنگیالی ختك، ص ۲۶

۱۱۶ ترنم دل، ص ۱۷

۱۱۷ ایضاً، ص ۱۷

۱۱۸ ایضاً، ص ۶۹ تا ۷۲

۱۱۹ ہفت روزہ وفا، ۱۰ جدی ۱۳۷۶ھ ش

۱۲۰ تاریخ ادبیات افغانستان، ص ۱۱۰

۱۲۱ د افغانستان د ژورنالیزم مخکښان، ص ۶۹

۱۲۲ اوسنی لیکوال، جلد ۱، ص ۳۶۸ تا ۳۸۳

۱۲۳ د افغانستان کالنی، ص ۲۲۰

۱۲۴ اوسنی لیکوال، جلد ۱، ص ۳۷۳

۱۲۵ ایضاً، ص ۳۷۳

۱۲۶ پښتانه شعراء، جلد ۵، ص ۳۲۲

۱۲۷ ایضاً، ص ۳۲۷- ۳۲۸

۱۲۸ د افغانستان کالنی، شمارہ مسلسل ۴۵- ۴۶- ۱۳۵۹ھ ش، ص ۱۰۰۸

۱۲۹ افغانستان و اقبال، ص د، ۲- ۶- ۱۰- ۱۸- ۲۸- ۳۴- ۳۸- ۵۶- ۶۶- ۷۰- ۷۶

۱۳۰ مجلّہ کابل مئی جون ۱۹۳۸ء، ص ۹۳

۱۳۱ پښتانه شعراء، جلد ۵، ص ۲۶۹

۱۳۲ پښتانه شعراء، جلد ۵، ص ۲۷۱

۱۳۳ ایضاً، ص ۲۷۲ تا ۲۷۴

۱۳۴ مجلّہ کابل جنوری فروری ۱۹۳۷ء، ص ۱۰۸۹

۱۳۵ بہار جاناں قلمی، ص ۱۴۷

۱۳۶ مجلّہ کابل ستمبر اکتوبر ۱۹۳۹ء، ص ۲۲ تا ۳۹

۱۳۷ د افغانستان کالنی، ۳۸- ۱۳۳۹ھ ش، ص ۴۶۲

۱۳۸ مجلّہ کابل مئی جون ۱۹۳۸ء، ص ۹۲ - ۹۳

۱۳۹ اوسنی لیکوال، جلد ۱، ص ۹۱

۱۴۰ پبنتانه شعراء، جلد ۵، ص ۲۳۸

۱۴۱ ایضاً، ص ۲۳۸ تا ۲۴۰

۱۴۲ ایضاً، ص ۲۳۸

۱۴۳ مجلّہ کابل مئی جون ۱۹۳۸ء، ص ۹۱ - ۹۲

۱۴۴ اوسنی لیکوال، جلد ۱، ص ۱۱۵۵

۱۴۵ ہفت روزہ وفا، ۱۱ جدی ۱۳۷۵ھ ش

۱۴۶ د قندھار مشاہیر، ص ۱۶۴ تا ۱۷۴

۱۴۷ آفریدہ ہای مہجور علامہ حبیبی، ص ۱۴

باب ششم

افغانستان کے فارسی گو اقبال شناس

ڈاکٹر اسد اللہ محقق

ڈاکٹر اسد اللہ محقق۔ جناب ڈاکٹر اسد اللہ محقق کا سن پیدائش ۱۳۳۹ھ ش ہے۔ آپ افغانستان کے وہ خوش قسمت سکالر ہیں جنھیں افغانستان میں اقبال کے حوالے سے تحقیقات کا باقاعدہ موقع ملا۔ آپ کے تفصیلی سوانح حالات نہیں مل سکے البتہ آپ نے افغانستان میں کمیونسٹ انقلاب کے بعد ۱۹۸۲ء میں پاکستان ہجرت کی۔ ۲۰۰۴ء کے اواخر تک یہاں ۲۲ سال رہے اور اس دوران آپ نے اسلام آباد یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز کے شعبہ فارسی سے ڈاکٹر نور محمد خاں مہر کی نگرانی میں "علامہ اقبال در ادب فارسی و فرہنگ افغانستان" کے عنوان سے ڈاکٹریٹ کے لیے مقالہ لکھا۔[1] یہ مقالہ ۱۳۸۳ھ ش / ۱۴۲۶ھ ق ۲۰۰۴ء میں ادارہ تحقیقات فارسی ایران و پاکستان کی جانب سے ۳۲۵ صفحات پر شائع ہوا۔ اس کے مشمولات میں افغانستان میں کتابیات اقبال پر بحث کی گئی ہے۔

آقائی حیدری وجودی

افغانستان کے مشہور و معروف معاصر اہل قلم جناب حیدری وجودی علمی دنیا میں نہایت قابل احترام شخصیت کے حامل ہیں۔ آپ افغانستان میں مولانا جلال الدین بلخی رومی میرزا عبد القادر بیدل اور علامہ اقبال کے بارے میں کئی مقالات تحریر کر چکے ہیں۔ اسی وجہ سے آپ افغانستان میں مولاناشناس، بیدل شناس اور اقبال شناس کے طور پر شہرت رکھتے ہیں۔

آپ ہر ہفتہ ان تین شخصیات کے فکر و فن کے حوالے سے کابل کے کتابخانہ عمومی میں دو بار لیکچر دیتے ہیں۔

اقبال پر آپ کے ذیل مقالات سامنے آئے ہیں:

اسرار خودی و رموز بیخودی اقبال، جلوہ ہائی سبز آزادی در بندگی نامہ علامہ اقبال۔ یہ دونوں مقالات علامہ اقبال در ادب فارسی و فرھنگ افغانستان میں ہیں۔[۲] جھش ھا۔ رہ آورد اقبال از سفر افغانستان۔

رحمت اللہ منطقی

استاد رحمت اللہ منطقی افغانستان کے معاصر ادیب و شاعر ہیں۔ آپ نے اسلامی علوم میں ایم فل کیا ہے اور بلخ یونیورسٹی شریعہ فیکلٹی میں استاد ہیں۔ آپ نے ثور ۱۳۸۳ھ ش میں علامہ کو فارسی میں منظوم خراج تحسین بھی پیش کیا ہے:

چوں بحری بیکراں علامہ اقبال

امیر کارواں علامہ اقبال — خبیر کارواں علامہ اقبال

امیر کارواں راستگاراں — ظہیر راستاں علامہ اقبال

امیر کارواں صدق و ایماں — امین و رازداں علامہ اقبال

رھبر دستور معمار حرم را — بہ تعمیر جھاں علامہ اقبال

ابر مردی کہ ھر گز تن نمی داد — بہ بیداد زماں علامہ اقبال

عجب بگذاشت در دنیای فانی — سرور جاوداں علامہ اقبال

چہ تحلیل بدیع و جالبی داشت — زا و ضاع زماں علامہ اقبال

علمبردار اسلام و عدالت — بہ دست پر تواں علامہ اقبال

قلم آورد و در راہ خدا کرد — جھاد بی اماں علامہ اقبال

بہ شرق آوردہ است از نقد افکار — چہ نیکو ارمغاں علامہ اقبال

کند در گلشن افکار پیدا — بھار بی خزاں علامہ اقبال

اگر اعلام عالم چون زمین اند — بود چون آسماں علامہ اقبال

بلاد شرق اگر چون آسمان است — بود خورشید آں علامہ اقبال

درین دنیا اگر دانای رازی است — بود آں راز داں علامہ اقبال

مرید پیر با تدبیر رومی مراد مار خاں علامہ اقبال
انیس اہل دل در بزم الفت جلیس بی دلاں علامہ اقبال
ھمیشہ داشت از الام امت الم در جسم و جاں علامہ اقبال
بہ حال زار امت اشک ریزاں ز چشم خوں فشاں علامہ اقبال
حکیمی، فیلسوف نامداری بہ مقیاس جھاں علامہ اقبال
بر احساس خودی دارد پیامی بہ ھر پیر و جواں علامہ اقبال
پیامش را رسانیدہ است تا ما ورای کہکشاں علامہ اقبال
دلش کانوں راز و رمز قرآں علیم رمز داں علامہ اقبال
کند اسرار بی پایاں آن را زھر پہلو بیاں علامہ اقبال
علی التحقیق ممتاز است و یکتا در ابنای زماں علامہ اقبال
نگوید از گماں حرفی در اینجا نگند در گماں علامہ اقبال
بود در دیدہ می دانا محقق بہ ھر معنیٰ عیاں علامہ اقبال
چنین حضرت تواند آں کہ گوید "چنیں بود و چناں علامہ اقبال"
چہ گویم "منطقی" وصفش کہ باشد چو بحری بیکراں علامہ اقبال[۳]

ڈاکٹر سعید

ڈاکٹر سعید افغانستان کے معاصر ادیب و نقاد ہیں۔ آپ کے سوانحی حالات معلوم نہ ہو سکے البتہ آپ نے حال ہی میں "اکسیر خودی - جوھر پیام علامہ اقبال" کے نام سے ایک علمی و تحقیقی کتاب شائع کی ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے علامہ کے فلسفہ خودی کی بہترین علمی و انتقادی انداز میں تشریح کی ہے۔ اس کتاب کے مشمولات میں افغانستان میں کتابیات اقبال پر بحث کی گئی ہے۔

صلاح الدین سلجوقی

صلاح الدین سلجوقی افغانستان کی مشہور و معروف شخصیت تھے۔ آپ نہ صرف افغانستان کے سیاسی افق کے درخشندہ ستارے تھے بلکہ علمی و ادبی جہاں میں بھی ممتاز حیثیت

رکھتے تھے۔ آپ حضرت علامہ کے معاصر اور ان سے گہرے مراسم رکھنے والے بھی تھے۔بقولِ ڈاکٹر محمد ریاض مرحوم:

افغانستان کے فضلا کے ساتھ اقبال کے ذاتی مراسم بھی خاصی اہمیت کے حامل رہے ہیں۔ ڈاکٹر صلاح الدین سلجوقیؔ اور سرور خان گویاؔ ان کے خاص احباب میں شامل تھے اور دونوں مرحومین کا سارا افغانستان ارادت مند اور معتقد ہے۔[۴]

صلاح الدین سلجوقیؔ ۱۳۱۳ھ ق / ۱۲۷۶ھ ش / ۱۸۹۶ کو ہرات کے گازر گاہ میں پیدا ہوئے۔ یہ وہی گازر گاہ ہے جہاں پیر ہرات حضرت خواجہ عبداللہ انصاری محوخواب ابدی ہیں۔[۵]

آپ کے والد سراج الدین مفتی سلجوقیؔ ہروی کا شمار ہرات کے زعما میں ہوتا ہے۔[۶] سراج الدین سلجوقیؔ فارسی کے زبردست شاعر اور مکتبِ شیرازی کے مشہور پیرو تھے۔[۷] صلاح الدین سلجوقیؔ نے عربی و فارسی کی ابتدائی کتب اپنے والد محترم سے پڑھیں۔ تحصیلِ علم کے بعد مختلف عہدوں پر فائز رہے۔

۱۲۹۶ھ ش / ۱۹۱۴ء محکمہ شرعیہ ہرات میں مفتی (نائب قاضی مقرر ہوئے)۔

۱۲۹۹ھ ش مکتب حبیبہ کابل میں دینیات کے معلم مقرر ہوئے۔[۸]

جبکہ بقولِ نعمت حسین آپ اس دوران مکتب حبیبہ میں استاد ادبیات فارسی و عربی مقرر ہوئے۔[۹]

۱۳۰۰ھ ش مدیر معارف اور مدیر جریدہ فریاد ہرات مقرر ہوئے۔

۱۳۰۲ھ ش وزارت معارف میں دارالتالیف کے مصحح مقرر ہوئے۔

۱۳۰۴ھ ش / ۱۳۰۵ھ ش کابل میں مکتب استقلال اور مکتب دارالمعلمین میں ادبیات کے استاد بنے۔

۱۳۰۵ھ ش / ۱۹۲۷ء تا ۱۳۰۷ھ ش شاہی دارالتحریر کے شعبہ سوم میں سرکاتب مقرر ہوئے۔[۱۰]

۱۳۰۹ھ ش افغانستان کے کونسلر کی حیثیت سے بمبئی میں خدمات انجام دیتے رہے۔

۱۳۱۲ھ ش دہلی میں افغان کونسلری کے کونسلر جنرل مقرر ہوئے۔

۱۳۱۸ھ ش / ۱۹۳۹ء جب افغانستان میں پہلی بار مطبوعات کی مستقل ریاست وجود میں آئی تو صلاح الدین سلجوقیؔ اس کے پہلے رئیس تھے۔ آپ کے اس شاندار دور میں آپ کے درج ذیل کارہائے نمایاں افغانستان کی تاریخ میں یاد رکھے جائیں گے۔

- آریانا دائرۃ المعارف کی ریاست کا آغاز ہوا۔
- ۱۳۲۰ھ ش ریڈیو افغانستان کی نشریات کا افتتاح ہوا۔
- ہفت روزہ انیس نے روزنامہ کی حیثیت اختیار کی۔
- کابل میں کتب خانہ عمومی وجود میں آیا۔
- مختلف صوبوں میں فاریاب، پکتیا، بدخشان، سیستان (فراہ) اور دیگر صوبوں میں اخبارات اور مطبوعات کا اجرا ہوا۔

۱۳۲۷ھ ش پاکستان میں افغان سفارتخانے سے منسلک رہے۔

۱۳۲۸ھ ش / ۱۹۴۹ء اہالیان ہرات کی جانب سے افغانستان کے شورائی دورۂ ہفتم کے لیے وکیل منتخب ہوئے۔

۱۳۳۲ھ ش دوسری مرتبہ مطبوعات کے مستقل رئیس منتخب ہوئے۔

۱۳۳۳ھ ش / ۱۹۵۴ء قاہرہ میں جمال عبدالناصر کے دورِ حکومت میں افغانستان کے سفیر مقرر ہوئے۔ اس دوران سوڈان، لبنان، اور یونان میں بھی افغانستان کے سفیر کی حیثیت سے خدمات انجام دیتے رہے۔ یہ سلسلہ ۱۳۴۱ھ ش کے اواخر تک جاری رہا۔ وہاں سے مستعفی ہو کر عازمِ وطن ہوئے۔[۱۱]

سرکاری عہدوں سے سبکدوشی کے بعد تصنیف و تالیف اور مطالعہ میں مصروف رہے۔ کابل کے دارالامان میں ۱۶ جوزا ۱۳۴۹ھ ش بمطابق ۶/جون ۱۹۷۰ء ہفتے کی شب حرکت قلب بند ہونے کے سبب خالق حقیقی سے جا ملے اور کابل کے شہدائے صالحین کے قبرستان میں دفن کیے گئے۔[۱۲]

علامہ سلجوقیؔ فارسی کے علاوہ عربی و انگریزی سے بھی استفادہ کر سکتے تھے۔ علامہ سلجوقیؔ کی تالیفات و تصانیف کا تذکرہ نہایت ضروری ہے۔

۱- تاریخِ فتوحات اسلامیہ:

سید حسن بن سید زین دحلانی کا یہ عربی اثر استاد صلاح الدین سلجوقیؔ، حاجی عبد الباقی، میر غلام حیدر، ملا تاج محمد اور چند دیگر زعما نے مشترکہ طور پر ترجمہ کیا جو عبدالرحیم خان نائب سالار کی زیرِ نگرانی ملا فخر الدین سلجوقیؔ کے اہتمام سے مطبع فخریہ سے ۱۳۰۹ھ ش ۵۴۰ صفحات میں شائع ہوا۔

۲- مقدمہ علم اخلاق جلد اول:

استاد سلجوقیؔ کی تالیف و ترجمہ ۱۳۳۱ھ ش میں ۴۰۲ صفحات پر مشتمل کابل کے مطبع عمومی سے شائع ہوئی۔ اس کتاب کی جلد دوم بھی اسی سال ۳۵۲ صفحات پر شائع ہوئی۔

۳- علم اخلاق (نیکوماکوسی):

علم اخلاق سے متعلق یونانی فلسفی ارسطو کا یہ اثر صلاح الدین سلجوقیؔ نے فارسی میں ترجمہ کیا ہے جو ۱۳۱۷ھ ش میں ۳۳۰ صفحات پر شائع ہوا۔

۴- تہذیب اخلاق:

ابنِ مسکویہ کا یہ اثر بھی استاد سلجوقیؔ نے ترجمہ کیا اور مؤسسہ نشراتی اصلاح کی جانب سے ۱۳۳۴ھ ش میں ۸۶ صفحات پر مشتمل شائع ہوا۔

۵- افکارِ شاعر:

فارسی ادبیات کے کلاسیک شعرا کے آثار و افکار سے متعلق استاد سلجوقیؔ کا یہ اثر اصلاح اخبار کے ادارے کی جانب سے پہلی بار ۱۳۲۶ھ ش اور بعد میں ۱۳۳۴ھ ش کابل کے مطبع عمومی کی جانب سے شائع ہوا۔ تعداد صفحات ۳۱۷ ہیں۔

۶- جبیرہ:

استاد سلجوقیؔ کا یہ اثر کابل کی وزارت مطبوعات کی ریاست نشریات کی جانب سے ۳۲۴ صفحات میں شائع ہوا۔

۷- نگاہی بہ زیباہی:

سلجوقیؔ کی تالیف و ترجمہ کردہ یہ کتاب بھی کابل سے ۱۳۴۲ھ ش ۱۷۳ صفحات میں شائع ہوئی۔

۸- محمد در شیر خوارگی و فردسائی یا سرگذشت یتیم جاوید:

مصر کے محمد شوکت التوی کی عربی اثر کا فارسی ترجمہ ۱۳۴۲ھ ش میں شائع ہوا۔

۹- نقد بیدل:

بیدل شناسی کے حوالے سے استاد سلجوقیؔ کا یہ گراں بہا علمی اثر ۵۷۰ صفحات پر کابل سے ۱۳۴۳ھ ش میں شائع ہوا۔

۱۰- تجلی خدا در آفاق و النفس:

دینی و عرفانی مسائل پر مشتمل استاد سلجوقی کا یہ اثر ۱۳۴۴ھ ش میں ۳۲۳ صفحات پر مشتمل کابل کے دولتی مطبع سے شائع ہوا ہے۔ اس کتاب میں مختلف موضوعات پر بحث کی گئی ہے۔ مثلاً فکرت خدا جوئی، عقیدہ بوجود خدا، علم و معرفت خدا، فکرت خدای دینی قدیم و جدید، دین و تصوف و فلسفہ، الحاد و اقسام آن، تجلی خدا در آفاق، تجلی خدا در النفس وغیرہ۔

۱۱- اضواء علی میادین الفلسفہ و العلم و اللغۃ و فن الادب:

استاد سلجوقیؔ کا یہ عربی اثر ۱۳۸۱ھ ق میں مصر سے شائع ہوا۔

۱۲- اثر الاسلام فی العلوم و الفنون (عربی):

استاد سلجوقیؔ کی یہ کتاب ۱۳۷۵ھ ق میں مصر سے شائع ہوئی۔

۱۳ - تقویم الانسان:

استاد سلجوقیؔ کا یہ اثر ان کی وفات کے بعد ۱۳۵۲ھ ش میں کابل سے ۳۴۴ صفحات پر شائع ہوا۔

۱۴- اخلاق:

غازی امان اللہ خان کے دورِ حکومت میں رشدیہ کلاسز کے لیے درسی کتاب۔

۱۵- ادبیات:

درسی کتاب معارف کے طالب علموں کے لیے غازی امان اللہ خان کے دور میں شائع ہوئی۔

۱۶- ثروت:

یہ بھی امانی دور کی درسی کتاب ہے۔

۱۷- قواعد عربیہ (تدریس):

استاد صلاح الدین سلجوقیؒ قاری عبداللہ اور ہاشم شائق کی مشترکہ کاوش۔

۱۸- آئینہ تجلی (رسالہ منظوم):

استاد سلجوقیؒ اور مایل ہروی کی مشترکہ تالیف شائع شدہ ۱۳۴۴ھ ش۔ اس رسالے میں بعض امور سے متعلق مائل ہروی کے منظوم سوالات اور سلجوقیؒ کے منظوم جوابات شامل ہیں۔[۱۳]

جناب خلیل اللہ خلیلی نے آثار ہرات میں استاد صلاح الدین سلجوقیؒ کو نہایت سپاس و تحسین پیش کیا ہے۔ یہ اس وقت کی بات ہے جب استاد سلجوقیؒ بمبئی میں افغانستان کے کونسلر تھے۔ ایک معاصر نقاد، ادیب اور شاعر سے اتنا زبردست اعتراف استاد سلجوقیؒ ہی کے حصے میں آسکتا ہے۔

شاعر زبردستی کہ بایک روح شجاع و یک خامہ مقتدر در زمینہ نظم و نثر علم تصرف برافراشتہ بعبارت دیگر فرزند ہاہوشی کہ بہ مزایای علم و فضل و بازدی یک فطرت زندہ و بیدار نام تاریخی در ادبیات ہرات گذاشتہ آقائی سلجوقی است۔[۱۴]

استاد سلجوقیؒ کی فکری بلندی، علمی بصیرت اور استدلال کی وسعت ان کے فن میں جھلکتی رہی۔ حضرت علامہ سے اتنے گہرے ذاتی مراسم پر جب بھی میں سوچتا ہوں تو دونوں شخصیات میں گہرے فکری تعلق کے علاوہ کئی دوسرے عوامل کا بھی دخل ہے۔ مثلاً اقبال بھی فلسفی اور سلجوقیؒ بھی فلسفی، اقبال بھی شاعر اور سلجوقیؒ بھی شاعر، اقبال بھی عالمگیر اسلامی وحدت کے شیدائی اور سلجوقیؒ بھی اس ارمان کا شیدائی۔ چنانچہ یہ آئندہ کے مؤرخ و محقق کا کام ہے کہ وہ ان دونوں ہستیوں کی فکری مماثلتوں سے پردہ اٹھائے۔

صلاح الدین سلجوقیؒ کی فارسی شاعری کے چند نمونے ذیل میں نقل کیے جاتے ہیں:

شبی زکجر وشہای کنند گردون — زساز شعبد ہای سپہر بوقلمون
بدم بہ پیر فلک گرم در خطاب و عتاب — کہ ای ستمگر بد فعل کج نہاد حرون
زکین تست کہ کفار گشتہ متولی — زکید تست کہ اسلام گشتہ خوار و زبون
چرا رواج اقانیم در اقالیم است — چرا شعایر توحید گشتہ است نگون

چرا کراسۂ اسلام در حفیض بلاست
باوجود دبدبہ وطنطنیہ است انگلیبون

چراست حالت شامات اینقدر ویران
زچیست حالت بطحا اینچنین واژون

ہمہ بقاع مقدس بدست کفر اسیر
فسردہ کشتۂ زاثقال کا پیتو لاسیون

زمین قدس و حکومت بدست متفقین
جزیرۃ العرب و حکم نسا اکسون

چراست است اسلام بوریای خموال
چراست مسند کفار فرش سقیلاطون

تونیز عیسوی کز معدل و محور
شدہ است شکل چلیپا بہ چھرہ است مکنون

توئی بصورت دجال ومن نمیدانم
بعیسیٰ از چہ سبب گشتہ چنین مفتون

نحوست توشدہ ہم ملت اسلام
سعادت تو شدہ وقف ملت ملعون

زگردش تو نشد ہیچ بندہ خرم
زچنبر تو تشد ہیچ گردنی بیرون

نزیست شیر دلی در جہان بدون گزند
زروز و شب کہ دوسک بستہ درین ہامون

تونیز بکذزی از خود کہ خون خلقی را
ستاند از تویقین حکم خالق بیچون

چو گوش کرد فلک از من این خطاب رمین
جواب داد بمن کہ سیفہ سفلہ دون

مزن تو طعنہ ترسا کہ نیستم ترسا
کہ ہست مہر محمدؐ بینہ ام مدفون

ازان مسخ بچشم اقامت افکندہ است
کہ از صلبلیش گشتم بشکل لا مظنون

وجود نیست مراتا کہ خوانیم موجود
ارادہ نیست مراتا کہ دانیم مطعون

زکج نہادی خود نحس گشتہ بجہان
چرا کنی تو رخل رابہ نحسیت مطعون

ازان زمان کنر اوج شریعت افتادی
بچادی ذلت ادبار رفتۂ واژون

آب دیدہ وضو ساز پنج نوبت را
مباش در صف ہم عن صلواتہم ساہون

مباش منکر از نار الٰہی کہ دراین عصر
زاستخوان تو فسفور ساخت شپلہ و غون

گرانجیل او امرکہ عاقبت بری
مرد بصوب مناہی کہ نیستی ماذون

بطورِ قرب یرانی زصدق چون موسیٰ
بقصر خاک درائی زنجل چون قارون

دروغ شب سبب بہت در حقِ نمرود
زصدق شد بجہان افصح اللسان ہارون

ازان نمائی سرگشتہ در فضائی خمول
کہ دور گشتہ از شمس فضل چون بنطون

توی سوار کرخر جہل در رہ حرمان
حریف برشدہ باز یلیپسن و بربالون

توبر شتر زده باربدید و خصم ظریف | مهار کرده هوا را برشته سیمون
همیشه رخت بیرون کش ز محفل شعرا | که هست بهره شان یتبعهم الغاون
اگر تو منزل الا الذین همی جوئی | بدوی نهرو دنیاردر تخوم شبخون
رسول گفت که حب الوطنی من الایمان | سرای ذکر وطن را بنغمه محزون

نمای مدحت او را تو در فراز و نشیب
سرای منقبتش راتو در وهاد و قلون[۱۵]

آه وفغان سرنوشت نوع انسان بوده است | مطلع صبح ازل چاک گریبان بوده است
تربیت در سایه آشوب طوفانی بوده است | قطره تا گوهر شود عمری بعمان بوده است
زد کیفیات امکان صفوت است وبس | انعکاس است آنچه درآئینه پنهان بوده است
مشکل اینجا شد که ما مشکل پسند افتاده ایم | ورنه حل راز امکان سخت آسان بوده است
رنج و راحت سر بهم دارد ببزم اعتبار | می توان گفتن گل چشم گلستان بوده است
هر کجا عشق است بیناز دباو پست و بلند | حلقه هازین خاکدان بر گوش کیوان بوده است
گر دل صد پاره ام صد چاک شد مغرور دار | کاین کتان در تابش آن ماه تابان بوده است
هیچکس بیرون شدن نتوان ازاوضاع محیط | شیر اگر نالد ز تاثیر نیستان بوده است
گر نباشد عشرت امروز فردا حاضر است | زندگی را مایه امید سامان بوده است

وی عطارد خامه ام میدید واشکی میفشاند
کاین نی افسرده روزی چاه ولگان بوده است[۱۶]

من که دارم به سینه تنگی | دلی باتار موی آونگی
مغز آشفته در سرسنگی | چه سرایم زپرده آهنگی
عهد کردم دیگر که غم نخورم | هر چه آید بفکر دم نخورم
از نشیب و فراز رم نخورم | که منم در زمانه بی ننگی
حسن بیغم مراغم نیست | دربهارم گیاه ماتم نیست
دردو چشم سفید من نم نیست | وزدو عالم نباشد رنگی
توبکو شم مخوان ندای وطن | که گریزانم از صدای وطن

موطنم جنت و درای وطن — نه هرات و مزار و خوشنگی
مبنم از تنبلان شه عباس — زرق و طامات موذی و کناس
زجهان گشته ام خلاص و پلاس — سرو برکم کدوئے و دنگی
مقصدم دردوگیتی آمده پول — نشنا سم کمال و ند زغلول
خط ارشاد دارم از بهلول — دربن غار یاسر سنگی[۱۷]

ہم جب علامہ صلاح الدین سلجوقیؔ اور علامہ اقبال کے دیرینہ تعلقات اور گہرے مراسم کے آغاز پر تحقیق کرتے ہیں تو مولوی محمد علی قصوریؔ ان تعلقات کا سبب معلوم ہوتے ہیں۔ ممکن ہے کہ حضرت علامہ کے فن و شخصیت سے علامہ سلجوقیؔ کو پہلے سے آگاہی حاصل رہی ہو لیکن باقاعدہ مراسم کے آغاز سے متعلق ڈاکٹر عبداللہ چغتائی کی تحریر ہمیں مدد دیتی ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

> مولوی محمد علی قصوریؔ بیان کرتے ہیں کہ انھوں نے ۱۹۰۹ء سے لے کر ۱۹۱۱ء تک گورنمنٹ کالج لاہور علامہ اقبال سے پڑھا تھا جب وہ فلسفے کے پروفیسر تھے۔ انھوں نے کئی انگریزی نظمیں بھی علامہ اقبال سے پڑھی تھیں۔ ان کا بیان ہے کہ علامہ اقبال دوران لیکچر اکثر مطالب سمجھانے کے لیے فارسی اشعار بطورِ مثال پیش کرکے انگریزی شعروں کا مفہوم واضح کیا کرتے تھے۔ انھوں نے بیان کیا تھا کہ ہم نے ملٹن کی نظم Paradise Lost اور ورڈز ورتھ کی نظم Ode to Immortality علامہ ہی سے پڑھی تھی۔ آپ نے ان کو اس خوش اسلوبی سے سمجھایا کہ آج تک یاد ہے۔ میں نے اپنی یادداشتوں کو ایک مرتبہ علامہ صلاح الدین سلجوقیؔ افغان کے سامنے بیان کیا جو اِن دنوں بمبئی میں افغان گورنمنٹ کے کونسلر تھے تو ان کو بھی علامہ سے ملنے کا شوق پیدا ہوا۔ علامہ صلاح الدین سلجوقیؔ مرحوم اسلامی رنگ کے خاص شان کے مالک تھے۔[۱۸]

مولانا محمد علی قصوریؔ ایم اے اقبال کے مشہور معاصر تھے۔ ان دنوں کینٹب بمبئی میں کاروبار کرتے تھے۔ وہاں افغان کونسل خانے میں علامہ اقبال اور علامہ سلجوقیؔ کی محفلوں کے حوالے سے روایت کرتے ہیں:

جب میں نے بمبئی میں کاروبار شروع کیا تو افغانستان کی طرف سے علامہ صلاح الدین سلجوقیؔ بمبئی میں کونسلر افغانستان مقرر ہوئے۔ علامہ موصوف بعد میں کونسلر جنرل ہو گئے تھے۔ پاکستان بن جانے کے بعد سفیرِ مختار افغانستان کے مشیر خصوصی بن کر آئے تھے۔ آج کل کابل میں ہیں اور افغان پارلیمنٹ کے ممبر ہیں۔ انھیں ڈاکٹر اقبال سے بڑی محبت تھی۔ ڈاکٹر صاحب ولایت جاتے ہوئے اور واپس آتے ہوئے انھی کے پاس ٹھہرا کرتے تھے۔ میرے بھی علامہ کے ساتھ دوستانہ تعلقات تھے۔ ڈاکٹر صاحب ان کے پاس ٹھہرتے تو مجھے ضرور بلایا جاتا میں نے بھی ان کے اعزاز میں ایک پارٹی دی تھی۔[19]

مولوی محمد علی قصوریؔ، علامہ سلجوقیؔ اور علامہ اقبال کی ملاقاتوں میں مترجم کا کام بھی سرانجام دیتے تھے۔ اس سلسلے میں لکھتے ہیں:

میں ایک خصوصیت بیان کر دوں کہ ڈاکٹر صاحب اگرچہ متعدد فارسی نظم کی کتابوں کے مصنف تھے اور ان نظموں کی وجہ سے ان کے کلام کو تمام اسلامی ممالک میں ہمہ گیر شہرت حاصل تھی لیکن وہ فارسی میں گفتگو نہیں کرتے تھے انگریزی بولتے تھے یا اردو۔ علامہ صلاح الدین سلجوقیؔ اس زمانے میں انگریزی سمجھ لیتے تھے لیکن بولتے نہیں تھے اس وجہ سے ان کی بات چیت میں مترجم کی خدمات مجھے سرانجام دینا پڑتی تھیں۔[20]

مکاتیب اقبال کے مطالعے سے اقبال کے کئی ایسے مکتوبات ملتے ہیں جو یا تو صلاح الدین سلجوقیؔ کے نام ہیں اور یا ان مکاتیب میں علامہ سلجوقیؔ کا تذکرہ شامل ہے۔ ملاحظہ ہوں ایسے چند مکتوبات:

اقبال کا پہلا مکتوب جس میں صلاح الدین سلجوقیؔ (کونسلر افغانستان مقیم بمبئی) کی دعوت کا ذکر ملتا ہے۔ یہ خط اقبال نے ۲۱/ ستمبر ۱۹۳۱ء کو ملوجا جہاز میں ساحلِ فرانس پر پہنچنے سے پہلے بحرِ روم سے گزرتے ہوئے منشی طاہر الدین کے نام لکھا ہے:

بمبئی پہنچتے ہی سردار صلاح الدین سلجوقیؔ کونسلر افغانستان مقیم بمبئی نے دعوت دی۔ ان کے ہاں پر لطف صحبت رہی۔ اسی شام عطیہ بیگم صاحبہ کے ہاں سماع کی صحبت رہی۔ ۲۱/ ستمبر کو ایک بجے کے قریب بمبئی سے روانہ ہوئے۔ ۱۶ کی شام کو عدن پہنچے۔[21]

۱۹۳۲ء میں جب علامہ نے تیسری گول میز کانفرنس میں ہندوستان کے سیاسی مستقبل پر غور و خوض کے سلسلے میں انگلستان کا سفر کیا سید امجد علی شاہ اس سفر میں آپ کا ہمرکاب تھا۔ لاہور سے سفر شروع کیا جب بمبئی پہنچے تو افغان کونسل خانے کے سربراہ مسٹر سلجوقیؔ نے آپ کا استقبال کیا......[۲۲]

حضرت علامہ نے سفر افغانستان کے دوران "التجائے مسافر" اور "پس چہ باید کرد اے اقوامِ شرق" لکھی۔ مثنوی مسافر بھی اس سلسلے کی ایک کڑی تھی۔ سفر افغانستان ہی منظومات کا سبب بنا اور اگر میں یہ کہوں تو بے جا نہ ہو گا کہ سفر افغانستان کا سبب اگر ایک طرف خود علامہ کے جنرل نادر خان کے ساتھ مراسم تھے تو دوسری طرف علامہ سلجوقیؔ کی کاوشوں کا نتیجہ بھی تھا کیونکہ 'دورانِ سفر کابل علامہ سلجوقیؔ بھی حضرت علامہ کے ہمراہ تھے۔[۲۳]

سفر افغانستان کے سلسلے میں افغان کونسل خانہ بمبئی کا تذکرہ اقبال کے مکتوبات میں تواتر کے ساتھ پایا جاتا ہے جو اقبال اور ان کے ہمرکاباں کے درمیان واقع ہوا ہے۔

مکتوب بنام سید سلیمان ندویؔ محررہ ۱۴/ اکتوبر ۱۹۳۳ء:

اگر آپ کو پاسپورٹ ۱۷ کو مل جائے تو کونسلر جنرل کو بذریعہ تار مطلع کر دیں اور لاہور ۱۹ کی شام کو پہنچ جائیں۔[۲۴]

اسی طرح اگلے روز یعنی ۱۵/ اکتوبر ۱۹۳۳ء کو حضرت علامہ نے پھر سید سلیمان ندویؔ کو لکھا کہ:

دعوت نامہ جو کونسلر صاحب کی طرف سے مجھے موصول ہوا ہے ارسال خدمت ہے۔ آپ پاسپورٹ کے لیے درخواست دیں۔[۲۵]

ان دنوں ہندوستان میں افغان کونسلر جنرل سردار سلجوقیؔ تھے اور اس کے علاوہ دیگر سٹاف کی تفصیل درج ذیل ہے:

جنرل کونسل	ع۔ ص۔ صلاح الدین خان
سرکاتب	س۔ صالح محمد خان
کاتب	عبدالخالق خان
کاتب	صالح محمد خان[۲۶]

سید نذیر نیازی کے نام بھوپال سے ۲۷ فروری ۱۹۳۵ء کو دہلی میں قیام کے دوران سردار صلاح الدین سلجوقی کے ساتھ ٹھہرنے کے لیے نیازی صاحب کو اطلاع کی تاکید کرتے ہیں:

میں ۷ / یا ۸ / مارچ کی شام یہاں سے چلوں گا اور ۸ یا ۹ کو ساڑھے نو بجے دہلی پہنچوں گا وہاں ایک دوروز قیام کروں گا۔ آپ سردار صلاح الدین سلجوقی کو بھی مطلع کردیں۔[۲۷]

سردار صلاح الدین سلجوقی سے تعلقات اس حد تک بڑھے کہ حضرت علامہ باوجود لامحدود تعلقات کے دہلی میں قیام کے دوران صلاح الدین سلجوقی کے ساتھ افغان کونسل خانے میں قیام فرماتے تھے۔ سید نذیر نیازی کے نام ۳۰ / جنوری ۱۹۳۵ء کو لکھے جانے والے مکتوب میں حضرت علامہ تحریر فرماتے ہیں:

بھوپال کے متعلق مفصل اطلاع دوں گا مگر ایک دوروز میں لیکچر کی صدارت ممکن ہوئی تو اس سے بھی انکار نہیں۔ دہلی ٹھہر سکا تو افغان کونسل خانے میں ہی ٹھہروں گا۔ مشرق کی روحانیت اور مغرب کی مادیت کے متعلق جو خیالات انھوں نے (خالدہ ادیب خانم نے) ظاہر کیے ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کی نظریت محدود ہے۔ انھوں نے اپنے خیالات کا اعادہ کیا ہے۔ جن کو یورپ کے سطحی نظر رکھنے والے مفکرین دہراتے ہیں۔[۲۸]

بھوپال سے ۴ / مارچ ۱۹۳۵ء کو سید نیازی کے نام ایک دوسرے مکتوب میں لکھتے ہیں:

میں ۷ کی شام کو یہاں سے چلوں گا ۸ کی صبح کو دہلی پہنچ جاؤں گا۔ ۸ کا دن دہلی ٹھہروں گا اور ۹ کی شام کو لاہور روانہ ہو جاؤں گا۔ آپ سردار صلاح الدین سلجوقی صاحب کو مطلع کردیں حکیم صاحب سے بھی ۹ کی صبح کا وقت مقرر کردیں۔ ان سے ملے بغیر لاہور جانا ٹھیک نہیں، ہاں راغب احسن صاحب کو بھی مطلع کردیں۔[۲۹]

متذکرہ بالا مکتوبات سے اقبال کے صلاح الدین سلجوقی سے گہرے مراسم کا عندیہ ملتا ہے۔ بھوپال سے لاہور جاتے ہوئے راستے میں صلاح الدین سلجوقی کو سید نذیر نیازی کے ذریعے اطلاع دینا کہ وہ ملنے کا اہتمام کرے تعلقات کے پختہ تر ہونے کی دلیل ہے۔

حضرت علامہ کی رفیقہ حیات کی رحلت پر تعزیت کے لیے صلاح الدین سلجوقی نہ صرف خود اقبال کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے بلکہ شاہ افغانستان ظاہر شاہ کا پیغام بھی پہنچایا

تھا۔ ملاحظہ ہو اقبال کا مکتوب بنام سید راس مسعود محررہ ۱۵؍ جون ۱۹۳۵ء از لاہور میں اس ملاقات کا تذکرہ:

مجھے اس خط کا انتظار ہے جس کا ذکر میں نے اپنے گذشتہ خط میں کیا تھا۔ کل اعلیٰ حضرت ظاہر شاہ کا تار اور تعزیتی خط آیا تھا اور آج سردار صلاح الدین سلجوقیؔ اعلیٰ حضرت کا زبانی پیغام لائے تھے۔ بہت حوصلہ افزا اور دل خوش کن پیغام تھا۔ لارڈ لودین کا خط بھی لندن سے آیا تھا وہ پوچھتے ہیں کہ "رہوڈز لیکچر" کے لیے کب آؤ گے؟ اب بچوں کو چھوڑ کر کہاں جا سکتا ہوں۔[۳۰]

افغان کونسل خانہ میں قیام اقبال کی افغانوں سے عقیدت اور اقبال سے صلاح الدین سلجوقیؔ کی انتہائی محبت ہی کے باعث ممکن تھا۔ سلجوقیؔ کا اصرار اقبال سے ان کی بے تکلفی کی غمازی کرتا ہے۔

ملاحظہ ہو مکتوبِ اقبال بنام سید نذیر نیازی محررہ ۱۹؍ فروری ۱۹۳۶ء از مقام لاہور:

۲۸؍ فروری یا یکم؍ مارچ کو بھوپال کا قصد رکھتا ہوں، جاتی دفعہ دہلی نہ ٹھہروں گا۔ ان شاء اللہ واپسی پر کونسل خانے میں ایک آدھ روز قیام رہے گا کہ سردار صلاح الدین سلجوقیؔ اصرار کرتے ہیں۔[۳۱]

سر راس مسعود اور اقبال دیگر مراسم کے علاوہ سفر افغانستان کے دوران ہمرکاب بھی رہے تھے۔ موصوف کی وفات کے بعد سردار صلاح الدین سلجوقیؔ کونسل جنرل افغانستان کی حیثیت سے شملہ میں تعینات تھے۔ لیڈی مسعود کے نام تعزیتی تار سلجوقیؔ نے اقبال ہی کے ذریعے بھجوایا تھا۔ اقبال ۳۱؍ جولائی ۱۹۳۷ء کو لاہور سے ممنون حسن خان کے نام لکھتے ہیں:

صبح میں آپ کو لکھ چکا ہوں۔ آج صبح سے دوپہر تک مرحوم کے جاننے والوں اور ان کے غائبانہ معترف تعزیت کے لیے آتے رہے۔ راس مسعود کا رنج عالمگیر ہے۔ یہ تار جو اس خط کے ساتھ بھیج رہاں ہوں سردار صلاح الدین سلجوقیؔ کونسل جنرل افغانستان مقیم شملہ کا ہے۔ آپ یہ تار لیڈی مسعود اور مرحوم کی والدہ کو دکھا دیں۔[۳۲]

اسی طرح یکم؍ اگست ۱۹۳۷ء کو لیڈی مسعود کے نام مکتوب میں پھر اس تعزیتی تار کا تذکرہ کرتے ہیں:

اس کے بعد ہز ایکسلنسی سردار صلاح الدین سلجوقیؔ کونسل جنرل افغانستان مقیم شملہ کا تعزیتی تار بھی میرے نام آیا جس میں انھوں نے خواہش کی تھی کہ ان کا پیغامِ ہمدردی مرحوم کے اعزہ تک پہنچا دیا جائے۔ یہ تار بھی میں نے بھوپال ہی بھیج دیا تھا، امید ہے کہ آپ تک پہنچ جائے گا۔[۳۳]

یہاں یہ اضافہ بھی کر دوں کہ سر راس مسعود کی وفات پر مجلّہ کابل نے ان کی تصویر کے ساتھ ان کی ایک تعزیتی رپورٹ بھی شائع کی ہے جس میں حضرت علامہ کے ساتھ ان کے سفر افغانستان کا خصوصی ذکر کیا گیا ہے۔[۳۴]

حضرت علامہ کے فکر و فن سے متعلق مجھے سردار صلاح الدین سلجوقیؔ کی کوئی تحریر نہیں ملی۔ البتہ سید عبدالواحد علامہ سلجوقیؔ اور علامہ اقبال کے تعلقات کا ذکر کرتے ہوئے ایک نیا انکشاف کرتے ہیں کہ سردار صلاح الدین سلجوقیؔ نے علامہ اقبال کی شاعری اور پیغام پر کئی مقالات لکھے تھے اور اسے کتابی شکل دی تھی۔

سردار صلاح الدین جو پہلے دہلی اور بعد میں کراچی میں کئی برسوں تک افغانستان کے کونسل جنرل رہے علامہ اقبال کے بڑے گہرے دوست تھے۔ علامہ جب کبھی بھی دہلی جاتے سردار صلاح الدین سلجوقیؔ کے ہاں قیام پذیر ہوتے۔ صلاح الدین نے علامہ کی شاعری اور پیغام پر کئی توضیحی مقالات سپردِ قلم کیے جو اب کتابی روپ اختیار کر چکے ہیں۔[۳۵]

صدیق رہپوؔ

محمد صدیق رہپو محمد حسین طرازی کے گھر ۱۵ حوت ۱۳۲۱ھ ش کو کوچہ حضرت ہائی شور بازار کابل میں پیدا ہوئے۔ ابھی آپ کی عمر بمشکل دو مہینے تک پہنچی تھی کہ آپ کا گھرانہ ہرات چلا گیا۔ ابتدائی تعلیم گھر پر حاصل کی۔ دیگر تحصیلات لیسۂ سلطان غیاث الدین غوری ہرات اور لیسۂ ابو نصر فارابی میمنہ (باختر) و مزار شریف سے حاصل کیں۔ ۱۳۴۲ھ ش کو تحصیلات سے فراغت حاصل کی۔ جبکہ ۱۳۴۳ھ ش میں اعلیٰ تحصیلات کے لیے کابل کا رخ کیا۔ ۱۳۴۴ھ ش کو حقوق و علومِ سیاسی کی فیکلٹی سے فارغ ہوئے۔ فراغت کے بعد محکمہ تعلیم سے وابستہ ہوئے۔

دارالمعلمین کندھار، لیسۂ میر ویس نیکہ کندھار، مکتب ابتدائی سپین بولدک، لیسہ ابو عبید جوزجانی جوزجان، لیسۂ محمود طرازی، لیسہ ادارہ عامہ اور لیسۂ تربیت بدنی کابل میں تدریسی خدمات انجام دیتے رہے۔

مجلّہ ژوندون سے منسلک ہو کر صحافتی خدمات انجام دیے۔ روزنامہ انیس اور آریانا سے بھی وابستگی رہی۔ دہقان مجلّے کے مسئول مدیر رہے۔ ۱۳۵۷ھ ش میں ریٹائر ہو گئے۔ ۱۳۶۲ - ۱۳۶۵ھ ش کے درمیان بلغاریہ میں افغان سفارت خانے میں بھی خدمات انجام دیے۔ مختصر عرصے کے لیے شعبہ اول سیاسی وزارت امورِ خارجہ سے منسلک رہے۔ اس کے بعد کابل کے نیوز ٹائمز سے منسلک ہوئے۔

اس دوران صدیق رھپو کے سیاسی، اقتصادی، علمی و ادبی موضوعات پر مشتمل سیکڑوں مقالات شائع ہوئے۔

افسانوں کا مجموعہ خندہ اور ایک اور اثر نبرد اندیشہ و ادبیات شائع ہو چکے ہیں۔[۳۶]

افغانستان میں اقبال شناسی سے متعلق آپ کا بہت ہی اہم کام آپ کی تالیف افغانستان و اقبال ہے جو اقبال کی پیدائش کی صد سالہ تقریبات کے سلسلے میں ۱۹۷۷ء میں بیہقی نشریاتی ادارے کی جانب سے دولتی مطبع کابل کی جانب سے شائع ہوئی ہے۔ آپ کی اس کاوش پر تفصیلی تحقیق "افغانستان میں کتابیات اقبال" کے حصے میں موجود ہے۔

صوفی عبدالحق بیتابؔ (ملک الشعرا)

عبدالحق بیتابؔ عبدالاحد عطار کے گھر گزر قصاب پل خشتی کابل میں ۱۳۰۶ھ ق میں پیدا ہوئے۔ آپ عہدِ امیر حبیب اللہ خان کے مشہور فضلا و شعرا میں شمار ہوتے تھے۔[۳۷]

ابھی بیتابؔ کی عمر آٹھ سال ہی تھی کہ والد کا سایہ سر سے گزر گیا لہٰذا ابتدائی تعلیم کی ذمہ داری آپ کے اساتذہ ملا عبدالغفور اخوندزادہ و ملا عبداللہ ملقب بہ مرشد نے اپنے سر لے لی۔[۳۸]

آپ نے یہاں سے عربی علوم سیکھے اور ان کا رجحان شاعری کی طرف ہوا اور ملک الشعرا قاری عبداللہ سے اس ضمن میں بھرپور استفادہ کیا۔ استاد بیتابؔ تفسیر، حدیث، فقہ، منطق، صرف و نحو، معانی، بدیع، بیان، قافیہ اور نجوم کے علوم میں مہارت رکھتے تھے۔

عبدالحق بیتابؔ تقریباً پچاس سال تک مختلف تعلیمی اداروں میں خدمات انجام دیتے رہے۔ افغانستان بھر میں ایک قابلِ قدر استاد کی حیثیت سے تسلیم کیے جاتے تھے۔ مذہباً حنفی اور تصوف میں نقشبندیہ سلسلے سے تعلق تھا۔ تصوف میں خلیفہ کے درجے تک پہنچ چکے تھے۔[۳۹] ۱۳۳۱ھ ش میں افغانستان کے ملک الشعرا منتخب ہوئے۔ کئی تصنیفات و تالیفات کے مالک تھے۔ تراجم میں بھی فعال کردار ادا کیا۔ بدیع، بیان اور مفتاح الغموض کے رسالے تالیف کیے۔ چند مطبوعہ کتب درج ذیل ہیں:

۱- ترجمان الشافعیه (صرف)

۲- گفتار روان درعلم بیان

۳- دیوانِ بیتابؔ

غیر مطبوعہ آثار درج ذیل ہیں:

۱- ترجمة الکافیه (نحو)

۲- مفتاح الغموض (عروض)

۳- ترجمه منطق (مؤلفہ خیر الدین مصری)

۴- ترجمه موجز (طب) رساله الفروق الامراض

۵- اصول الترکیب (ترجمہ)

۶- شیخ نجیب الدین سمرقندیؔ کے کتاب علم الاجتماع طبع مصر کے جز اول کا ترجمہ بھی کیا۔

پانچ سال تک شیخ الہند کی تفسیر کے ترجمہ و تصحیح کی کمیٹی کے ممبر بھی تھے۔[۴۰]

مشاہیر افغانستان میں عبدالحق بیتابؔ کی چند دیگر تالیفات کا ذکر ملتا ہے مثلاً:

۱- علم معانی

۲- علم بدیع

۳- تصوف (ادبیات کے طلبہ کے لیے)

۴- دستورِ زبان فارسی

۵- عربی (کالج نصاب کے لیے)

تراجم:

۱- انشا مقالات

۲- ترجمہ ابن عقیل

۳- مقدمہ سرخاب (علم رمل کا رسالہ)

۴- ایسا غوجی

۵- ترجمه شافعیه

۶- علمِ صنعت[41]

جناب عبدالحق بیتابؔ ۸۲ سال کی عمر میں افغانستان میں سینٹ کے ممبر منتخب ہوئے۔ سہ شنبہ ۲۰ حوت ۱۳۴۷ھ ش ۲۲ ذی الحجہ ۱۳۸۸ھ ق / ۱۱ مارچ ۱۹۶۹ء کو حرکت قلب بند ہونے کی وجہ سے کابل کے ابنِ سینا ہسپتال میں انتقال ہوا۔[42]

عبدالحق بیتابؔ اپنے استاد ملک الشعرا قاری عبداللہ کی طرح ایک معروف اقبال شناس تھے۔ آپ نے اقبال کو علامہ مشرق کا خطاب دیا اور ایک مستقل منظومے میں حضرت علامہ کو خراجِ تحسین پیش کیا۔ آپ کے گہرے قلبی جذبات اقبال سے آپ کے گہرے عشق کے آئینہ دار ہیں:

"علامہ مشرق"

مرد آزادہ داکتر اقبال — آن بہی خواہ قوم درہمہ حال

تا کہ جان داشت گفت آزادی — تادم مرگ خواست استقلال

غیر خدمت برای ہمنوعان — درسر او دگر بنود خیال

خامۂ اوچو سور اسرافیل — روح معنی دمید در اجیال

باغم قوم خاطرش توام — در وطن دوستی نداشت مثال

برسر حق قوم بااعدا — ہمہ اوقات داشت جنگ وجدال

پی تامین وحدت ملی — عمر درباخت آن ستودہ خصال

اندرین رہ کشیدز ہمتہا گشت سیمای بدر او چو ہلال
ثمر سعی او بود کہ شدہ ملکش آزاد بعد چندین سال
کاش بودی حیات تادیدی آخرین آرزوی خود اقبال
ابن زمان فرد فرد پاکستان ہست ممنونش از سا ورجال
یادوبودی از و کنند مدام نمایند زین مدام اہمال
بلکہ این نوغ شخص ملی را عالمی قدردان بود بکمال
قوام افغان کہ خطرہ ہستند جملگی دوستدار استقلال
مسلکا دوستدار اوباشند زوستایش کنند درہمہ حال
روح این مرد دائما خواھد شاد و خرم زایزد متعال
از برایش بہشت ازدر حق ہمچو بیتاب میکند سوال[۴۳]

قاری عبداللہ (ملک الشعرا)

قاری عبداللہ امیر عبدالرحمٰن کے دور سے لے کر محمد ظاہر شاہ کے دورِ حکومت تک افغانستان کے شاہی دربار کی مدح سرائی میں ممتاز حیثیت رکھتے تھے۔[۴۴]

آپ کابل شہر میں حافظ قطب الدین کے گھر ۱۲۸۸ھ میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم اپنے والد سے حاصل کی۔ اس وقت کے مشہور و معروف علما سے قواعد، صرف و نحو، علوم متد اولہ فقہ، حدیث، تفسیر، منطق، حکمت، کلام وغیرہ پڑھے۔ قرآن مجید حفظ کیا اور خطِ نستعلیق میں خوش نویسی سیکھی۔ امیر امان اللہ خان کے والد امیر حبیب اللہ خان شہید کے استاد اور مربی مقرر ہوئے۔ ان کی بادشاہی کے دوران ان کے علمی و مطبوعاتی مشیر بھی رہے۔ جبکہ عرصہ چالیس سال تک ادبیات کے استاد کی حیثیت سے مختلف تعلیمی اداروں مکتب حبیبیہ، مکتب حربیہ اور مکتب سراجیہ سے منسلک رہے۔[۴۵]

آپ افغانستان کے جہانِ شعر و ادب میں جداگانہ حیثیت کے مالک تصور کیے جاتے تھے۔ عربی و فارسی ادبیات پر دسترس کے ساتھ ساتھ مختلف درسی کتب تصنیف و تالیف کیں

اور ترجمہ سے وابستہ رہے جن کی تعداد اٹھارہ تک پہنچتی ہے اور زیادہ تر زیورِ طبع سے آراستہ ہو چکی ہیں۔[۴۶]

۱۳۰۲ھ ش میں قاری عبد اللہ کا دیوان شائع ہوا۔

حمل ۱۳۱۴ھ ش میں افغانستان کی حکومت کی جانب سے قاری عبد اللہ کو ملک الشعرا کا خطاب عطا ہوا۔[۴۷]

کلیاتِ ملک الشعرا قاری عبد اللہ ۱۳۳۴ھ ش میں کابل سے ۵۱۳ صفحات پر مشتمل شائع ہوئی۔ میر محمد عثمان نالاں آپ کی مختلف آثار و تالیفات کی تعداد اکتالیس بتاتے ہیں جن میں مشہور ترین درج ذیل ہیں:

ترجمہ فصوص الحکم، شیخ اکبر، ترجمہ سر التہ الصید شیخ محمود حسن، ترجمہ سخندان فارسی، کتاب بلاغت، کلید الصرف، سراج النحو، ترجمہ منطق امام غزالیؒ، تذکرۃ الشعرا، ترجمہ مغازی واحدیؒ، کتاب املا، اصولِ تنقیط، دیوان اشعار قدیم طبع ہند و دیوان اشعار جدید بصورت کلیات وغیرہ۔[۴۸]

قاری عبد اللہ کو افغان حکومت کی جانب سے کئی مطبوعاتی اعزازات ملے جبکہ ۷ ۱۳۱ھ ش کو انھیں معارف کا نشان درجہ دوم عطا ہوا۔ آپ کی علمی شہرت افغانستان کے باہر بھی پہنچی تھی چنانچہ ایران کے مشہور نقاد اور ادبیات کے استاد ڈاکٹر شفیعی کدکنی نے آپ کے شعر، فن اور علمیت پر ایک مقالہ تہران کے مجلّہ ہنر میں شائع کرایا جس میں انھوں نے اعتراف کیا کہ:

غزلہا و اشعار گہربار قاری ملک الشعراء افغانستان مانند غزلہا و اشعار صائب و کلیم نفز و شیرین و قصائد ش چوں قصائد ظہیر انوری پر طنطنہ، فاخرہ رنگین و استادانہ میباشد۔ قضاوت و محاکمہ کردر مورد اشعار متقدہ شیخ علی حزین صہبائی خان آرزو و مناظرہ و معارضہ مشار الھیم غودہ الحق، قوی علمی برھانی دیالکتیک استادانہ و دلنشین و در تاریخ ادب بی نظیر است و ھکذا کتاب معروف فصوص الحکم اثر عالی عرفانی و تصوفی عالم ربانی و صوفی حقانی شیخ محی الدین عربی را ترجمہ نمودہ کہ کار بزرگی انجام دادہ است۔[۴۹]

قاری عبد اللہ کی شعری استادانہ حیثیت سب پر عیاں تھی۔ کابل کے تقریباً تمام شعرا پہلے آپ سے اصلاح لیتے تھے پھر رسائل و مجلّات میں کوئی شعر شائع کراتے۔ فردوسی طوسی کے ہزار سالہ جشن منعقدہ تہران میں فردوسی سے متعلق آپ کا لکھا ہوا قصیدہ سنایا گیا تھا۔ شعر و ادب میں آپ کا حلقہ بڑا وسیع تھا۔ آپ کے شاگرد فلک علم و ادب کے درخشندہ ستارے ثابت ہوئے جن میں درج ذیل زیادہ مشہور ہیں:

پوہاند بیتابؔ، استاد خلیل اللہ خلیلیؔ، استاد عبدالہادی داویؔ، صفاؔ، شائقؔ، جمالؔ، نویدؔ، استاد پژواکؔ، حکیم ضیائیؔ، آئینہؔ، لطیفیؔ، احمد اللہ کریمیؔ، قدیر ترکیؔ، صباؔ، جویاؔ، میوندوالؔ، عثمان صدقیؔ، رشتیاؔ، فرہنگؔ، گویاؔ، ابراہیم خلیلؔ، ضیاؔ، قاریزادہؔ اور میر محمد عثمان نالاںؔ۔ [50]

افغانستان میں ملک الشعرا قاری عبد اللہ کی اقبال شناسی کسی سے ڈھکی چھپی نہیں ہے۔ آپ کو نہ صرف افغانستان کے فرمانرواؤں امیر عبد الرحمٰن خان، امیر حبیب اللہ خان، امیر امان اللہ خان، اعلیٰ حضرت محمد نادر شاہ غازی اور اعلیٰ حضرت محمد ظاہر شاہ سے قربت کا شرف حاصل تھا بلکہ اقبال جیسے مردِ خود آگاہ اور صاحبِ فقر و اخلاص کی صحبت سے بھی مستفید ہونے کا موقع ملا۔

چنانچہ ۱۹۳۳ء میں فضلائے ہندوستان (حضرت علامہ اقبال، سید سلیمان ندویؔ اور سر راس مسعود) کے دورۂ افغانستان کے دوران آپ نے ۲۸/ اکتوبر کی شام ساڑھے سات بجے شب انجمن ادبی کابل کی ضیافت میں ان مہمانوں کا منظوم استقبال کیا تھا۔ استقبالیہ فارسی منظومہ یوں ہے:

عزیزان زہندوستان آمدند — در افغانستان مہماں آمدند
در آناں یکے دکتر اقبال ہند — سخن پرور و واقف از حال ہند
ادیب سخن گستر و نکتہ سنج — کہ ہر نکتہ اش بہتر آمد زگنج
چمن گروۂ طرز رنگین اوست — شکر پارۂ حرفِ شیرین اوست
کلامش چو اوج بلندی گرفت — سخن رتبۂ ارجمندی گرفت
زند طعنہ آہنگ او برق را — کہ خواہاں بو نہضت شرق را
نویں شیوۂ رابہ سبک کہن — در آمیختہ از قدرتِ علم و فن
چون اندر سخن جاو دنو گزید — پیامی زمشرق بمغرب رسید

سخن را آمیخت چون باعلوم　　ازو زندہ شد طرزِ مولائے روم
چو فکرش پئے فیلسوفی گرفت　　طرز سخن طرز صوفی گرفت
نوایش ہم آہنگ با نفخ صور　　کہ آفسردگان رادر آرد شور
چو بلبل بآہنگ کہسارما　　زہند آمد این طوطی خوش نوا
دگر آنکہ او نامور سید است　　گزین بختۂ آلِ سر سید است
ہنرمند سر راس مسعود نام　　کز و مکتبِ ہند دارد نظام
روان ہنرمندی و جانِ علم　　علی گڑھ بروزِ دبستان علم
بعالم گر آن مکتب آواز یافت　　زجہدوے این قدرداندازہ یافت
رئیس دبستان ور آن مرز و بوم　　شناسائے قابل بطرزِ علوم
سوم سید ھا کہ از ندوہ است　　زدانش بہ ہندوستان قدوہ است
زفیض ودمش تازہ شد جانِ علم　　در اقلیم و اکش سلیمان علم
چہ کلکش بمعنی طراز ندہ شد　　خیالاتِ شبلی ازو زندہ شد
چہ درشاہ سراہ حقائق شتافت　　معارف ازو رونق تازہ یافت
مضامین او جملہ محکم بود　　نگارش بکلکش مسلم بود
دگر مرد دانائے ہادی حسن　　پروفیسرے واقف از علم و فن
بہ انگلیسی و فرس عالم بود　　زبانِ دری را معلم بود
ادیب سخن پرورِ فارسی　　سخنہائے او گوہر فارسی
بلفظ دری چوں تکلم کند　　زشوقش شکر وست و پاگم کند
سخنہاش دلکش بیانش ملیح　　چوں ایرانیان لہجہ او فصیح
زبہر سیاحت درین بوم وبر　　کشید نداز ہند رختِ سفر
زرہ ایں عزیزاں رسیدند خوش　　بکابل کنوی آرمیاند خوش
و رودِ مشاہیر ہندی نژاد　　بود درابط افزائے حُب وداد
ازین آمدن دل چوں گل گل شگفت　　بصد خرمی خیر مقدم بگفت
غنیمت بود دیدن دوستاں　　چو در فصل گل جلوۂ بوستان

مسلمان زہر جا بہم دوست بہ | چو بادام توام بیک پوست بہ
ہمسایہ ہمسایہ گردارسد | برش بہرۂ دین و دنیا رسد
کہ از دیدو داد بہ زاید و داد | زہم نگسلدر شتۂ اتحاد
دل صاف احباب خرم بود | چو دربین ہم رشتہ محکم بود

خوش است ادے عزیزان زہم پرس وجوئے
کہ آید مگر آب رفتہ بہ جوئے [۵۱]

یہ منظومہ سب سے پہلے مجلّہ کابل میں شائع ہوا۔[۵۲] سید سلیمان ندویؒ نے اسی مجلے سے استفادہ کر کے اسے سیر افغانستان میں شائع کیا جبکہ ملک الشعرا قاری عبداللہ کے ''استقبالِ نظم ورود مہمانہای ہندو سرورده شد'' کلیات میں موجود ہے جو کہ مکمل نہیں ہے۔ آخری بیت ذیل ہے:

ازین آمدن دل چوں گل گل شگفت
بصد خرمی خیر مقدم بگفت[۵۳]

اس کے بعد کے چھ ابیات شامل نہیں ہیں اور کلیات کا حصہ نمبر چار ''مثنویات'' کا آغاز ہو جاتا ہے۔ حضرت علامہ کی وفات پر قاری عبداللہ نے فارسی میں ایک شاندار مرثیہ لکھا جو دہلی ریڈیو سے نشر ہوا اور ایران و ہندوستان کے علمی و ادبی اداروں میں بہت سراہا گیا۔[۵۴]

یہ مرثیہ اپریل ۱۹۳۸ء کے اواخر میں حضرت علامہ کی تعزیتی مجلس (انجمن ادبی کابل کی جانب سے منعقدہ) میں سنایا گیا تھا[۵۵] اور بعد میں مجلّہ کابل کے خصوصی اقبال نمبر میں بھی شائع ہوا۔

قصیدہ در مرثیہ فیلسوف وطن خواہ پروفیسر اقبال غفر اللہ

از طبع ملک الشعرا قاری عبداللہ

اقبال رخت بست و زہندوستان برفت | کان فیلسوف عالم شرق از میاں برفت
باید بنا رسائی بخت دژم گریست | کاقبال راگذاشت کہ زود از جہان برفت

افتادہ گوہری زکف دہر روی خاک — بیچارہ دہر بین کہ براو این زیان برفت
از دوست مفت دامن اقبال دادہ ی — شرمی کن ای زمانہ زدست جسان برفت
پیر و جوان چو طفل یتیمند اشکریز — کان زندہ دل ادیب بطبع جوان برفت
اقبال رفت ترسم از ادبار روزگار — می آید این بجای وی آری چو آن برفت
دیگر کجا رسد بحریفان "پیام مشرق" — کان نکتہ سنج شاعر شیرین زبان برفت
وا اندہ تلخکام زحرمان خویش گوش — کان منطق موثر و سحر بیان برفت
آہ خیر خواہ عالم اسلام ناگہان — نادیدہ ذوق رابطۂ این و آن برفت
دلگیر رموز حکمت دین از کہ بشنویم — آن کاشف حقائق راز نہاں برفت
درس خوشش زمکتب مولوی روم بود — در عقل و نقل زآن پی آن داستان برفت
فکرش بان دوبال کہ از عقل و نقل داشت — چندان گرفت اوج کہ بر آسماں برفت
از بسکہ داشت حب وطن در ضمیر پاک — چندان شتاب کرد کزین آشیاں برفت
دل راتوان شرح نباشد ازو مپرس — کزرفتنش جہا سر ناتوان برفت
رنگ ثبات درچمن دہر چون ندید — چون بوی گل جریدہ ازیں گلستان برفت
روحش بسان فکر بلندش گرفت اوج — زین خاکدان پست بباغ جنان برفت
دیدہ است بایزید و جنید و فضیل را — روحش چو درعروج بوادی جان برفت
انجامقام سید افغان نمود کشف — باروميش حرف امام اذان برفت
یکبارہ از نصائح پرسودلب بسبت — شاید زمانچرخ برین گرفغان برفت
درس خودی و خودنگری دادچون بقوم — آنگاہ خود بمرحلۂ بیخودان برفت
آثار خود برہرچو جاوید ماندہ است — ہرگز نمرد گرچہ ازین خاکدان برفت
آسود از گداز غم دہر خوش بخاک — گوی چو اشک غمزدہ ازدیدگان برفت
جسمش بزیر خاک اگر رفت باک نیست — روحش چون زین خرابہ بہ بدار جنان برفت
یادش مقیم خلوت دلہا و نام او — از بسکہ زندہ است کران تاکران برفت

تاریخ فوت خامہ الف برکشیدہ گفت
اقبال ہند ماہ صفر از جہان برفت

عدۂ حروف مصرع اخیر بحساب جمل ۱۳۵۷ھ ہزار و سہ صد و پنجاہ ہشت میشود و چون الف را کہ یکی است ازان کشید، شود ہزار سہ صد و پنجاہ و ہفت می ماند کہ تاریخ فوت اوست۔[۵۶]

مجلّہ کابل میں اس مرثیے کی اشاعت کے تقریباً سترہ سال بعد ۱۳۳۴ھ ش میں قاری عبداللہ کی کلیات میں شائع شدہ مرثیے میں درج ذیل تین ابیات زائد پائے گئے:

رنگ ثبات درچمن دہر چون ندید — چون بوی گل جریدہ ازین گلستان برفت

روحش بسان فکر بلند اش گرفت اوج — زین خاکدان پست بباغ جنان برفت

یکبارہ از نصائح پر سود لب ببست — شاید زما بچرخ بریں گر فغان برفت[۵۷]

افغانستان کا یہ مشہورِ زمانہ اقبال شناس ملک الشعرا قاری عبداللہ ۹ ثور ۱۳۲۲ھ ش بروزِ جمعہ پچھتّر سال کی عمر میں شہر کابل میں اس دارِ فانی سے کوچ کر گیا۔[۵۸]

عزیز اللہ مجددی

عزیز اللہ مجددی افغانستان کے ضلع کشم صوبہ بدخشاں میں پیدا ہوئے۔ دعوت و جہاد یونیورسٹی کے فارغ التحصیل ہیں اور اس وقت (۲۰۰۴ء) افغانستان میں کابل کے نشرات دا دستان کے رئیس ہیں۔ آپ کا شمار افغانستان کے اقبال شناس شعرا میں ہوتا ہے۔ آپ نے علامہ کو ۱۵ حمل ۱۳۸۳ھ ش کو منظوم فارسی خراج تحسین میں اس خطے کا نجات دہندہ قرار دیا ہے:

آنکہ در مصر سخن از قرنھا تا قرنھا — چلچراغ افروختہ تا حضر سوزد جانفزا

درمیان مجمری ”رومی“ چنان پیچید و سوخت — رازھا از پرنیان مولوی بگوشد ما

در رموز بیخودی تفسیر صد اسرار کرد — پر زدن آموخت بر پرواندن خلد فنا

صد قبس افروخت دربناں دل باخامہ اش — باحضور دل شکست عمران جسم بی بقا

با فروغش صد خم جوش خودی ماپختہ شد — زورق ”ھیوی“ طریقت برد ساحل لنگرا

انخا را جز بہ اللہ الصمد مردود خواند — اقبالا فیلسوفا الی امام ای مقتدا

بر جبین ھند بنوشت خط سرخ حریت — پیکر وحشت بد خاک افتاد اندر آسیا

باختند تا خاور و تا آسیا بیدار شد — مرحبا اقبال شور و انقلاب نی نوا

خاکروب آستانت توتیا "مجددی" کند　　باشد از فیض تو روشن چشم قربانی مرا[59]

غلام جیلانی اعظمی

غلام جیلانی اعظمی ۱۳۱۶ھ ق کو کابل میں خوش دل خان کے گھر پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم اپنے والد اور خاندان کے دیگر علمی زعما سے حاصل کی۔

اعظمی نے ۱۳۳۲ھ ق میں عملی زندگی کا آغاز کیا اور ۱۳۰۸ھ ش کو شوریٰ عالی دولت کے ممبر بنے اور ایک سال کے بعد محررین دربار میں شامل ہو گئے۔[60]

اعظمی کا شمار انجمن ادبی کابل کے بانی اراکین میں ہوتا ہے آٹھ سال تک انجمن کے معاون کے عہدے پر علمی خدمات انجام دیتے رہے۔

۱۳۲۰ھ ش میں دولتی مطبع کابل کے معاون بنے۔ اسی دوران دمہ کے مرض کے باعث ۲۶ قوس ۱۳۳۴ھ ش میں وفات پائی اور کابل کے عاشقان و عارفان کے قبرستان میں دفن ہوئے۔[61]

حضرت علامہ کے سفر افغانستان کے دوران جناب غلام جیلانی اعظمی ادبی کابل کے معاون تھے اور اسی انجمن نے ۲۸/ اکتوبر ۱۹۳۳ء کو اقبال اور ان کے ہمسفروں کے اعزاز میں ایک ضیافت کا اہتمام کیا تھا۔

جناب اعظمی کا شمار افغانستان کے صفِ اول کے اقبال شناسوں میں ہوتا ہے۔ اپریل ۱۹۳۸ء کے اواخر میں انجمن ادبی کابل کے زیرِ اہتمام حضرت علامہ کے تعزیتی پروگرام میں جناب اعظمی نے "اقبال و افغانستان" کے عنوان سے مقالہ پڑھا تھا[62] جو بعد میں مجلّہ کابل کے خصوصی اقبال نمبر میں شائع ہوا۔[63] اس مقالے پر افغانستان میں مقالاتِ اقبال کے مشمولات پر بحث کی جائے گی۔

پروفیسر غلام حسن مجددی

پروفیسر غلام حسن مجددی ایک جید عالم اور افغانستان کے مشہور اقبال شناس تھے۔ آپ کابل یونیورسٹی کے فیکلٹی ادبیات کے ڈین تھے۔ آپ نے اقبال کے فلسفۂ خودی سے متعلق ایک شاندار مقالہ لکھا تھا۔[64]

یہ مقالہ کابل کے پاکستانی سفارتخانے کے زیرِ اہتمام یومِ اقبال کے پروگرام میں سنایا گیا تھا۔ یاد رہے کہ اس تقریب کی صدارت مشہور اقبال شناس افغان شاعر استاد خلیل اللہ خلیلی نے کی تھی۔[۶۵] یہ مقالہ کابل کے دوماہی ادب میں شائع ہوا تھا۔[۶۶] عنوان "یادبود علامہ اقبال" جبکہ یہی مقالہ پاکستان میں اقبال ریویو اپریل ۱۹۶۷ء کے شمارے میں شائع ہوا ہے۔ اس پر مقالاتِ اقبال کے باب میں بحث ہوگی۔ غلام حسن مجددی کا ایک اور مقالہ دوماہی ادب کابل اپریل تا جولائی ۱۹۶۷ء بعنوان "فلسفۂ اقبال" شائع ہوا۔ جو مجھے نہیں مل سکا۔[۶۷]

مندرجہ بالا مقالات کی وجہ سے افغانستان میں اقبال شناسی کی تاریخ میں غلام حسن مجددی کا نام شامل کرنے کا حقدار ہے۔

پروفیسر صاحب کی سوانحی معلومات مجھے تلاشِ بسیار کے باوجود نہیں مل سکیں۔ البتہ ان کے درج ذیل آثار وتراجم کا پتا چل سکا۔

الف): تراجم:

۱- ترجمہ کتاب منطق از حسن عالی یوجل ریاست تدریسات کابل ثانوی معارف مطبع عمومی کابل ۱۳۲۸ھ ش ۷۹ صفحات۔

۲- ترجمہ کتاب منطق وضعی جز اول تالیف دکتور ذکی نجیب محمود فاکولتہ ادبیات مبطع معارف فرانکلین کابل ۱۳۴۶ھ ش ۳۱۰ صفحات۔

۳- ترجمہ کتاب فلسفہ علوم حصہ دوم منطق وضعی تالیف ذکی نجیب محمود فاکولتہ ادبیات مطبع معارف فرانکلین کابل ۱۳۴۷ھ ش ۳۵۶ صفحات۔

ب): آثار:

۱- بیدل شناسی جلد اول کابل یونیورسٹی ۱۳۵۰ھ ش صفحات ۳۵۶-

۲- بیدل شناسی جلد دوم کابل یونیورسٹی ۱۳۵۰ھ ش صفحات ۲۶۵-[۶۸]

غلام ربانی ادیب

غلام ربانی ادیب افغانستان کے مشہور نوجوان شعرا میں سے ہیں۔ آپ پنجاب یونیورسٹی کے فارغ التحصیل ہیں۔ اس وقت (۲۰۰۴ء) افغانستان میں وزارت عدلیہ قضایان

دولت کے رئیس ہیں۔ آپ نے ۲۰ ثور ۱۳۸۳ھ ش کو کابل میں حضرت علامہ کو فارسی میں یوں خراج تحسین پیش کیا ہے:

عشق اقبال روح و جان ھا را بہ فریاد آورد
رمز بیخودی او مارا بہ فریاد آورد
کوکب عشقش فروزاں ساحل بحرش عریض
موج وی بیتاب در یارا بہ فریاد آورد
دعوتش بانگ اذان است وھمہ از خواب بیدار شد
وی کوش آن اندی کہ دنیا را بہ فریاد آورد
رھبر والا گہر ھمت فزاں آسیا
شیوہ ی از مندگیت ھر جارا بہ فریاد آورد
ملت افغان و پاک و چین ھمہ ممنون تو
طرح و فکر دین ات گیتی را بہ فریاد آورد
لاجورد اندر بدخشان، کشور افغانستان
در دماغ چرخ فردا را بہ فریاد آورد
رمز اقبال رستخیز قل ھو اللہ احد
رھروانش ملک دل ھا را بہ فریاد آورد
رزم و بزم آھینست پردہ ی ظلمت درید
ترک و تاتار تو اعدا را بہ فریاد آورد
آفرین بر طبع والای تو می گوید "ادیب"
نکتۂ مست تو معنی را بہ فریاد آورد[۶۹]

غلام رضا مائل ہرویؔ

جناب غلام رضا مائل ہرویؔ ۱۳۰۱ھ ش کو ہرات میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی علمی جواہر ریزے ہرات ہی کے علمی و ادبی اور تاریخی مٹی سے چُنے۔ اس کے بعد دارالمعلمین کابل میں سلسلۂ تعلیم پایۂ تکمیل تک پہنچایا۔

ادبیات شناسی، کتاب شناسی اور تاریخ وغیرہ آپ کے موضوعات ہیں۔ جن پر آپ کی نگارشات افغانستان اور ایران میں چھپتی رہیں۔ ایک شعری مجموعہ انجمن نویسندگان کی جانب سے قفنوس کے نام سے شائع ہوچکاہے۔[۷۰] دیگر آثار و تالیفات کی تفصیل ذیل ہے:

۱- معرفی روزنامہ ہا جراید و مجلات افغانستان
مطبع دولتی پروان ۱۳۴۱ھ ش صفحات ۱۴۴-

۲- امواج ہریوا (مجموعہ اشعار)۔
ادارہ نشریات داخلی مطبوعات مطبع دولتی کابل ۱۳۴۳ھ ش صفحات ۱۸۶

۳- شرح حال و زندگی و مناظرات امام فخرالدین رازیؒ متوفی ۶۰۶ھ در ہرات
ریاست تنویر افکار مطبع دولتی کابل ۱۳۴۳ھ ش صفحات ۳۷۳

۴- فہرست کتب مطبوع افغانستان از سال ۱۳۳۰ھ ش، ۱۳۴۴ھ ش
مدیریت تشویق آثار و ہنر مطبع دولتی کابل ۱۳۴۴ھ ش صفحات ۷۷

۵- امیر حسینی غوری ہرویؒ متوفی ۷۱۸ھ
مدیریت تشویق آثار و ہنر مطبع دولتی کابل ۱۳۴۴ھ ش صفحات ۱۲۴

۶- آئینہ تجلی (منظوم سوال و جواب) مائل ہرویؒ اور صلاح الدین سلجوقیؒ کا مشترکہ کاوش
مدیریت تشویق آثار و ہنر کابل ۱۳۴۴ھ ش صفحات ۱۷

۷- سیاہ مولی لتان مریم (سہ داستان منظوم)
مؤسسہ طبع کتب مطبع دولتی کابل ۱۳۴۹ھ ش صفحات ۳۰

۸- میرزایان برناد (تذکرہ شاعران)
انجمن تاریخ افغانستان کابل ۱۳۴۸ھ ش صفحات ۸۴

۹- تاریخ مختصر سلوک کرت با افسانۂ ہری
مؤسسہ طبع کتب ہرات مطبع دولتی ۱۳۴۹ھ ش صفحات ۳۴

۱۰- راہنمائی تاریخ افغانستان جلد دوم (معرفی ۷۶۵ جلد کتب دربارہ تاریخ افغانستان) انجمن تاریخ کابل ۱۳۴۹ھ ش صفحات ۱۳۵[۱۷]

آپ کا شمار افغانستان کے اقبال شناسوں میں ہوتا ہے۔ آپ کا ایک منظوم فارسی خراج تحسین بعنوان بیاد اقبال اقبال سے آپ کے قلبی تعلق کا آئینہ دار ہے۔ آپ کی نظم حضرت علامہ کے صد سالہ جشنِ ولادت کی تقریبات کے حوالے سے ۱۹۷۷ء میں کابل سے شائع ہوئی۔

"بیادِ اقبال"

شاعر شوریدۂ خود آگہی آسمان فضل و دانش راہی
درنیستان دلش سوز نفیر گرم رہ گرم تپش صاحب ضمیر
دہ کہ دل شد سلسلہ جنبان او عشق آری عشق شد ایمان او
کیست این شاعر کہ ذوق اورساست نالہ اش سوزندہ جانش باصفاست

نام او اقبال و مقبول از نوا
ہست آہنگ کلامش جانفزا

ہمچو رومی مست جام عشق بود شہپر روحش بدام عشق بود
این یکی نقش خودی درباختہ وان دگر دربیخودی پر داختہ
صد خمستان نشۂ در صہبای اوست اینہمہ از عشق بی پروای اوست
خامۂ پرتاب او تابندہ است آتش دلرابرون افگندہ است

پختہ سوز و پر نوا و درد زا
باتب و تاب خودی بود آشنا

می ندانم عشق جان افروز او مہرومہ رامیفرو زد سوز او
از جگر تا گوہر ناب آورد نالہ را از سینہ بیتاب آورد
سوز آہنگ کلامش دلنواز پردۂ ہر ساز او سینہ گداز
درخلال نغمۂ او شورہا میجہد از آتش او طور ہا
آتشین شعرش شرر افزابود ہمچو مژگان بتان گیرابود
بسکہ جولان میکند تاب و تپش برفروغ افتادہ ماہ بخشش

لالہ از تاب و تبش داغ است داغ | چوں فروز د در دل صحرا چراغ
نغمہ اش جولان درد و آہ بود | از دل خیبر نکو آگاہ بود
من چگویم شوخی مضمون او | از نوای او شرر جانم گرفت
آتشی اندر نیسانم گرفت | از نوای او شرر جانم گرفت
نالہ ہای او سرا پایم بسوخت | در دل پر ذوقم برفروخت
در حق ماحق سرود ار تاب جان | آن بلند آوازۂ آتش بیان

"آسیا یک پیکر آب و گل است
ملت افغان در آں پیکر دل است"[۷۲]

محمد ابراہیم خلیلؔ

افغانستان کے معروف شاعر، ادیب اور خطاط جناب محمد ابراہیم خلیل میرزا فضل احمد بن میرزا محمد جان کے گھر گزر قاضی فیض الاسلام کابل ۱۳۱۴ھ ق میں پیدا ہوئے۔

ابتدائی تحصیلات کے حصول کے بعد والد سے خطِ نستعلیق، خطِ شکستہ، محاسبہ اور اصولِ دفترداری سیکھے۔ ۱۳۳۷ھ ق میں سرکاری ملازمت اختیار کی۔ کچھ عرصہ تک ہندوستان اور انگلستان میں افغان سفارتخانے کے سیکرٹری رہے۔[۷۳]

ہندوستان میں سفارتی ملازمت کے دوران ہی عربی علوم پر دسترس حاصل کی۔ سفارتی عہدوں کے بعد وطن واپسی پر شاہی حرم سرا میں انتظامی خدمات انجام دیتے رہے۔ اس دوران دوبارہ صرف، نحو، بیان، فقہ اور تفسیر وغیرہ پڑھے۔ غازی امان اللہ خان کے دورہ یورپ کے دوران آپ ملکہ ثریا کے منشی اور شہزادہ رحمت اللہ کے استاد کی حیثیت سے ان کے ہمرکاب رہے۔ یورپ سے واپسی پر افغانستان میں سقوی انقلاب برپا ہوا۔[۷۴] اس دوران آپ گھر پر رہے۔ ۱۳۰۸ھ ش میں اعلیٰ حضرت محمد نادر شاہ کے دورِ حکومت میں کچھ عرصہ کے لیے ہرات کی ریاست تنظیمہ کے محاسبہ مدیر مقرر ہوئے۔ ۱۳۱۲ھ ش میں سہامی شرکت کے قیام کے وقت اس کی ادارت سے منسلک ہوئے۔ یہاں سے غازی امان اللہ خان کے ساتھ تعلقات کی پاداش میں جیل بھیجے گئے۔ یہاں جیل میں بھی علم و فن سے وابستہ رہے اور

۱۳۲۰ھ ش میں جیل سے رہائی ملی۔[۷۵] ۱۳۲۱ھ ش میں انجمن تاریخ کے ممبر بنے اور ۱۳۲۹ھ ش میں مجلّہ "آریانا" کے مدیر اور بعد میں انجمن تاریخ کی ریاست کے معاون رہے۔ ۱۳۳۹ھ ش میں ریٹائر ہوئے۔

سیما ہا و آوارھا میں آپ کے ذیل آثار و تالیفات کا حوالہ دیا گیا ہے:

۱- کلیات اشعار
۲- مزارات کابل
۳- مزارات بلخ
۴- حالات سلطان ابراہیم ادھم
۵- شرح حال امیر خسرو دہلوی[۷۶]

آپ کے متذکرہ بالا آثار کے علاوہ مشاہیر افغانستان میں درج ذیل آثار کا بھی پتا چلتا ہے:

۱- شرح حال شیخ سعد الدین انصاری۔
۲- رسالہ در فن استخراج تاریخ درنظم۔
۳- رہنمائی حج۔
۴- رسالہ عروج و نزول اسلام۔
۵- رسالہ رہنمائی خط۔[۷۷]

ان آثار میں ذیل زیورِ طبع سے آراستہ ہوئے ہیں:

الف): منثور آثار:

۱- یکمرد بزرگ حاوی شرح حال شیخ سعد الدین احمد انصاری مشہور بہ حاجی صاحب پایمنار
انجمن تاریخ وزارت معارف کابل ۱۳۳۶ھ ش۔

۲- استخراج تاریخ درنظم
انجمن تاریخ وزارت معارف کابل ۱۳۳۷ھ ش۔

۳- مزارات کابل

وزارت معارف کابل ۱۳۳۸ھ ش۔

۴۔ شرح حال و آثار امیر خسرو
ریاست مستقل مطبوعات کابل ۱۳۴۹ھ ش۔

ب): منظوم آثار:

۱۔ رباعیات
۱۳۲۹ھ ش میں روزنامہ انیس کابل کے متعدد شماروں میں شائع ہوئے۔ جن کو بعد میں عبدالشکور حمید زادہ نے مرتب کر کے اپنی کتابت سے ۱۳۳۶ھ ش میں شائع کرایا۔

۲۔ رسالہ عروج و زوال اسلام
ریاست مستقل مطبوعات کابل کی جانب سے ۱۳۳۲ھ ش میں ان کی اپنی خطاطی سے شائع ہوا۔ بعد میں دوبارہ ۱۳۳۴ھ ش میں شائع ہوا۔[۷۸]

ابراہیم خلیل کے فن و شخصیت سے متعلق بھی ہمیں مختلف آثار ملتے ہیں جن میں دو زیادہ مشہور ہیں۔

۱۔ اختصار منتجنی از آثار خلیل۔ مختلف رسالوں اور اخبارات میں ایک ایرانی سکالر نے ۱۳۳۱ھ ش میں شائع کرایا۔

۲۔ گلچین از آثار و شرح حال محمد ابراہیم خلیل۔ جو پہلی بار ۱۳۳۴ھ ش میں عبدالشکور حمید زادہ اور دوسری بار عتیق اللہ خواجہ زادہ کی کوششوں سے ۱۳۴۱ھ ش میں شائع ہوئی۔

محمد ابراہیم خلیل نے نو بار سفر حج کی سعادت حاصل کی تھی جبکہ افغانستان سے باہر پشاور، لاہور، لودیانہ، سرہند، دھلی، بمبئی، چمن اجمیر، کوئٹہ، مصر، لندن، پیرس، اٹلی، سویزرلینڈ وغیرہ کے سفر کیے تھے۔[۷۹]

آپ شاعر، ادیب اور خطاط تھے۔ چنانچہ حضرت علامہ کے قریبی دوست علامہ صلاح الدین سلجوقیؔ استاد ابراہیم خلیل کے فن و شخصیت سے متعلق رقم طراز ہیں:

طبع توانا و شیوا قلم مشکین رقمش را باید تهنیت گفت که بهار قشنگ جوانی را بجز ان رساند که زیباتر و پر زور تر است و زر و سیم را که نتوانست با او همراهی کند بجواهری منکشف ساخت که بجا ویرانی سرمایۂ ضمیرش و پیرایۂ روج است۔[۸۰]

اسی طرح افغانستان میں عاشقِ اقبال استاد خلیل اللہ خلیلی اور سفر افغانستان کے دوران حضرت علامہ کے ہمرکاب سرور خان گویاؔ استاد ابراہیم خلیل پر ایک تقریظ میں لکھتے ہیں:

مجموعۂ نغز رباعیات شیوای استاد محترم محمد ابراہیم خلیل رابخط دلکش ایسان زیارت کردیم شاعر بزرگوار چنانچہ شائستہ استعداد طبع موھوب ایشان است درین مجموعہ مضامین لطیف را در قالب سخنان دلکش پرورده و بائدوین این مجموعہ ارمغان دلپذیر بارباب ذوق تقدیم داشتہ بر کلک گہر نگارش آفرین میخوانیم۔[۸۱]

استاد ابراہیم خلیل سن پیری کی وجہ سے آخر عمر میں بینائی سے محروم ہو گئے تھے۔ چونکہ حافظ قرآن بھی تھے اسی لیے زیادہ تر تلاوتِ قرآنِ پاک ہی میں مصروف رہتے۔ آخر ۱۷ میزان ۱۳۶۷ھ ش کو کابل میں وفات پائی اور وہاں شہدائے صالحین کے قبرستان میں دفن ہوئے۔[۸۲]

ابراہیم خلیل کا شمار بھی افغانستان میں اقبال شناسی کے بانیوں میں ہوتا ہے۔ آپ فکری اعتبار سے حضرت علامہ سے کافی متاثر دکھائی دیتے ہیں۔ ۱۳۳۱ھ ش میں ابراہیم خلیل نے حضرت علامہ کے حضور جو فارسی خراجِ تحسین پیش کیا تھا وہ حضرت علامہ سے ان کے قلبی تعلق کا آئینہ دار ہے۔

بہ یاد علامہ اقبال

بیار بادہ کہ محفل بنام اقبال است — بنام روز جہاں احتشام اقبال است
چہ بادہ بادۂ پرزور عشق آزادی — کہ وصف آن ہمہ جادو کلام اقبال است
پیالہ گیر کہ تبلیغ دین و حریت — بہ قلقل لب مینا و جام اقبال است
بیا کہ ملت اسلام و کافۂ مشرق — رہین نشۂ جام مدام اقبال است
بیا کہ دوستی قوم و ملت کہسار — بہر نکات و حروف پیامِ اقبال است

بیا کہ خطۂ ماقلب آسیا موسوم — بسلک نظم حقیقت نظام اقبال است
خطاب ملت پشتون عقاب روئین چنگ — ز فکر صائب و عقل تمام اقبال است
بہوش باش کہ غصب حقوق ہر قومنی — خلاف رای صواب التزام اقبال است
بیا کہ ملت پشتون و ہند وپاکستان — اسیر غیر نبود ن مرام اقبال است
بیا کہ بادہ عرفان و گردش ایام — کنون بنزد حقیقت یکام اقبال است
بیا بیا کہ زبوی گل بہار مراد — بچار فصل معطر مشام اقبال است
بیا کہ فلسفہ و منطق و سخندانی — بہر ک از اثر اش بدام اقبال است
زمہر تا بلحد خوب گفت وخوب نوشت — کہ آنہمہ بجہان فیض عام اقبال است
بیا کہ گرچہ تہ خاک رفتہ بر سر خاک — بہر کجا سخن از احترام اقبال است
بقول خواجہ بغحوای حکم زندہ دلی — رقم بصفحۂ عالم دوام اقبال است
خطا بود کہ خطا ہش کینم لاہوری — کہ قلب مردم عارف مقام اقبال است

در اختتام ہدایای مغفرت ز خلیل
بجسم نامی و جان گرام اقبال است[۸۳]

محمد قاسم رشتیاؔ

سید محمد قاسم رشتیاؔ کا قلمی نام قاسم رشتیاؔ ہے۔ آپ کا شمار افغانستان کی معروف علمی ادبی اور سیاسی شخصیات میں ہوتا ہے۔ سید قاسم رشتیاؔ افغانستان میں انجمن ادبی کابل کے بانی اراکین میں سے ہیں۔[۸۴] نہ صرف افغانستان کی انجمن ادبی کے بانیوں میں سے ہیں بلکہ افغانستان میں اقبال شناسی کے بانیوں میں بھی آپ کا شمار ہوتا ہے۔

۱۹۳۳ء میں حضرت علامہ کے سفر افغانستان کے دوران آپ انجمن ادبی کابل کے ممبر بھی تھے اور حضرت علامہ کی پذیرائی کے وفد میں بھی شامل تھے۔[۸۵]

آپ کو یہ اعزاز بھی حاصل ہے کہ آپ نے ۱۹۳۵ء میں لاہور میں حضرت علامہ کی خدمت میں حاضری دی تھی۔ اس ملاقات میں علامہ نے افغانستان سے اپنے قلبی و فکری لگاؤ اور محبت کے حوالے سے چند بنیادی انکشافات بھی کیے تھے۔[۸۶]

سید قاسم رشتیاؔ نے علامہ کی وفات پر کابل مجلّہ میں بھی ایک تعزیتی مقالہ تحریر کیا تھا[۸۷] جو بعد میں صدیق رھپو نے اپنی تالیف افغانستان و اقبال میں بھی شائع کیا۔[۸۸] افغانستان میں آپ کئی اہم عہدوں پر فائز رہے۔ افغانستان کے سیاسی اور علمی افق پر درخشاں رہے۔ خصوصاً افغانستان کی سفارتی اور سیاسی تاریخ میں آپ کی خدمات ناقابلِ فراموش ہیں۔[۸۹]

آپ کی بنیادی سوانحی معلومات تلاشِ بسیار کے باوجود نہیں مل سکیں۔ البتہ حال ہی میں ان کی شائع ہونے والی سیاسی یادداشتوں پر مشتمل کتاب خاطرات سیاسی سید قاسم رشتیا از ۱۹۳۲ء تا ۱۹۹۲ء سے آپ کی بھرپور سیاسی زندگی کا پتا چلتا ہے۔

آپ نے لاہور میں ۱۹۳۵ء میں حضرت علامہ سے ملاقات کی یادداشتوں کے حوالے سے ایک مقالہ تحریر کیا "ساعتی در خدمت علامہ اقبال" جو ہفت روزہ وفا میں شائع ہوا۔[۹۰] اس مقالے کے مباحث پر "افغانستان میں مقالاتِ اقبال کے مشمولات" میں تحقیق کی جائے گی۔

میر بہادر واصفی

افغانستان کے مشہور فارسی شاعر میر بہادر واصفی ۱۳۱۵ھ ش میں بدخشاں میں پیدا ہوئے۔ آپ نے کلیله و دمنه اور سیصد انداز لقمان حکیم کو فارسی میں منظوم کیا ہے۔ آپ کے اشعار کی تعداد پچاس ہزار سے زائد ہے۔ دکتر اسد اللہ محقق کی فرمائش پر ۱۳ ثور ۱۳۸۳ھ ش کو علامہ کے حضور ذیل فارسی خراجِ تحسین پیش کیا ہے:

ای عروج ناز اقبال سخن — غرق نورِ از تو پر و بال سخن
بر تو ای علامه ی لاهور زاد — عارف آزادی دی گوهر نهاد
ملک معنی از تو ای صاحب نبوغ — یافتند شیرازه مرفرو فروغ
حق شناس حکمت ام الکتاب — رند شو می وارهیده از حجاب
مرد عشق و مرد سوزد مرد درد — شرق را از معرفت فرزانه مرد
از بلوغ عشق قرآں و خدای — سرفرازی یافته در دوسرای

ای سخن را سرخی خون وقار / او ج معنیٰ را ستون استوار

ای طبیب نغمه خواں سرّ راز / ناز را محرم ز آیین نیاز

یافتی تا عشق شمس و مولوی / خاک را دادی فغاں معنوی

ای به ھمت راز داں عشق حق / پرده ی او ھام را بنموده عشق

نور حق می تابد از عرفان تو / ھر د بان جان بود پیمان تو

رفته از خود کرده ی سیر خودی / کعبه را پیموده در دیر خودی

آنچه از تو در ''زبور عجم'' است / در دل آئینه ھا جام جم است

تا دل شوق تو نور رب گرفت / از تب عشقت جھان تب گرفت

نالهٔ مستاندات ای مرغ حق / رفته گوش کراں رازد ورق

شمع خود سوزی به جھان افروختی / سوختن بر دیگراں آموختی

طبع ھر شور توای عالی جناب / در روان خفتگان زد انقلاب

سوز تو در طور جانھا کار کرد / ملت خوابیده ای بیدار کرد

ای مسیح روح خاک مردگاں / داده پیوند زمین بر آسمان

ھر که را در دل بود درد بشر / جاں او می سوزد از درد دگر

حسن تعبیر به وصف آسیا / حق انصاف سخن کرده ادا

کشور افغان دل ھر آرزوست / عشق آزادی در و بال نموست

ملت افغاں به افراد زمین / باشد اندر کشتی حق ھمنشین

تانبیند بی وفای زین و آں / صلح را خواھد سپھدار جھان

وا کند ھر لحظه احساس خطر / در جھان می افکند فصل دگر

''واصفی در پھنه روی جھان / زنده با را جنبش آزادگان[91]

مآخذات باب ششم:

ا علامہ اقبال در ادب فارسی و فرہنگ افغانستان، ص۲۴
۲ ایضاً، ص۲۸۹
۳ ایضاً، ص۱۹۱-۱۹۲
۴ اقبال ممدوح عالم، ص ۲۸۴
۵ علامہ صلاح الدین سلجوقیؒ، ص ۸
۶ د افغانستان د ژور نالیزم مخکښان، ص ۲۱۹
۷ آثار ہرات، جلد۳، ص ۱۴۴
۸ مجلّہ کابل، فروری ۱۹۴۰ء، ص ۲۷
۹ سیماھاو آوارھا، ص ۳۸۴
۱۰ د افغانستان د ژور نالیزم مخکښان، ص ۲۲۰
۱۱ ایضاً، ص ۲۲۱
۱۲ آریانا دائرۃ المعارف، جلد۶، ص ۴۶۸تا۴۶۹
۱۳ د افغانستان د ژور نالیزم مخکښان، ص ۲۲۲تا۲۲۶
۱۴ آثار ہرات، جلد۳، ص ۱۴۹
۱۵ ایضاً، ص ۱۴۹تا۱۵۵
۱۶ د افغانستان د ژور نالیزم مخکښان، ص ۸ ۲۲تا۲۲۹
۱۷ آثار ہرات، جلد۳، ص ۱۵۶تا۱۵۷
۱۸ اقبال کی صحبت میں، ص ۳۲
۱۹ روایات اقبال، ص ۱۷۱
۲۰ ایضاً، ص ۱۷۱
۲۱ خطوط اقبال، ص ۲۰۴
۲۲ اقبال کی صحبت میں، ص ۲۶۷
۲۳ اقبال کی صحبت میں، ص ۳۷۷
۲۴ اقبال کی صحبت میں، ص ۱۷۵

۲۵ ایضاً، ص ۱۷۰
۲۶ سالنامہ کابل ۱۳۱۳ھ ش، ص ۴۴
۲۷ روح مکاتیب اقبال، ص ۵۵۰
۲۸ ایضاً، ص ۵۴۶-
۲۹ ایضاً، ص ۵۵۱
۳۰ اقبال نامہ، جلد ا، ص ۳۶۴تا ۳۶۵
۳۱ روح مکاتیب اقبال، ص ۵۹۶
۳۲ اقبال نامہ، جلد ا، ص ۳۲۷تا ۳۲۸
۳۳ اقبال اور بھوپال، ص ۶۴۳
۳۴ مجلّہ کابل، اگست ستمبر ۱۹۳۷ء، ص ۸۹تا ۹۰
۳۵ اقبال ممدوح عالم، ص ۳۱
۳۶ سیما ها و آوارها، ص ۳۳۶
۳۷ تاریخ ادبیات افغانستان، ص ۹۲
۳۸ سیماها و آوارها، ص ۷۱
۳۹ آریانا دائرة المعارف، جلد ۶، ص ۵۳۹
۴۰ سیما ها و آوارها، ص ۴۷
۴۱ مشاہیر افغانستان، جلد ۲، ص ۵۰
۴۲ آریانا دائرة المعارف، جلد ۶، ص ۵۴۰
۴۳ پښتانه د علامه اقبال په نظر کښې، ص ۶۵
۴۴ افغانستان در پنج قرن آخر، جلد اول قسمت دوم، ص ۵۵۹
۴۵ ہفت روزہ وفا، ۱۰ جدی ۱۳۷۳ھ ش، ص ۱۲
۴۶ آریانا دائرة المعارف، جلد ۶، ص ۵۳۷
۴۷ د افغانستان پېښليك، ص ۲۷۳
۴۸ ہفت روزہ وفا، ۱۰ جدی ۱۳۷۳ھ ش، ص ۱۲
۴۹ ایضاً، ص ۱۲
۵۰ ایضاً ص ۱۲

۵۱ سیر افغانستان، ص ۱۶
۵۲ مجلّہ کابل، ۲۲/ دسمبر ۱۹۳۳ء، ص ۸۵تا۸۶
۵۳ کلیات قاری عبداللہ، ص ۳۰۸
۵۴ ہفت روزہ وفا، ۱۰ جدی ۱۳۷۳ھ ش، ص ۱۲
۵۵ افغانستان و اقبال، ص ۵۱
۵۶ مجلّہ کابل، مئی جون ۱۹۳۸ء، ص ۹۴
۵۷ کلیات قاری عبداللہ، ص ۲۰۹
۵۸ د افغانستان مشاهیر، جلد ۳، ص ۳۴
۵۹ علامہ اقبال در ادب فارسی و فرهنگ افغانستان، ص ۱۹۰-۱۹۱
۶۰ سیما ها و آوارها، ص ۳۹
۶۱ معاصرین سخنور، ص ۲۹
۶۲ افغانستان و اقبال، ص ۵۱
۶۳ مجلّہ کابل مئی جون ۱۹۳۸ء، ص ۸۳تا۸۵
۶۴ اقبال ممدوح عالم، ص ۲۸۸
۶۵ اقبال ریویو، اپریل ۱۹۷۶ء، ص
۶۶ دوماہی ادب کابل، جون جولائی ۱۹۶۵ء، ص ۳تا۸
۶۷ اقبال ممدوح عالم، ص ۲۸۸
۶۸ مجلّہ آریانا کابل ستمبر ۱۹۷۶ء، ص ۹۷
۶۹ علامہ اقبال در ادب فارسی و فرهنگ افغانستان، ص ۳۰۳تا۳۰۵
۷۰ سیماها و آوارها، ص ۶۲۴
۷۱ مجلّہ آریانا، کابل ستمبر ۱۹۷۶ء، ص ۹۵تا۹۶
۷۲ افغانستان و اقبال، ص ۷۷تا۷۸
۷۳ سیماها و آوارها، ص ۲۶۸
۷۴ گلچین از آثار و شرح حال محمد ابراهیم خلیل، ص ۱۱
۷۵ د افغانستان مشاہیر، جلد ۳، ص ۴۴
۷۶ سیماها و آوارها، ص ۲۶۸

۷۷ د افغانستان مشاہیر، جلد ۳، ص ۴۵
۷۸ گلچین از آثار و شرح حال محمد ابراہیم خلیل، ص ۱۸
۷۹ ایضاً، ص ۲۰
۸۰ ایضاً، ص ۲۳
۸۱ ایضاً، ص ۲۴
۸۲ د افغانستان مشاهیر، جلد ۳، ص ۴۶
۸۳ پښتانه د علامه اقبال په نظر کښې، ص ۹۷
۸۴ سالنامہ کابل، ۱۱- ۱۳۱۲ھ ش، ص ۱۰۹
۸۵ ہفت روزہ وفا، ۱۱ جدی ۱۳۷۵ھ ش، ص ۴
۸۶ ہفت روزہ وفا، ۱۱ جدی ۱۳۷۵ھ ش، ص ۴
۸۷ مجلّہ کابل، مئی جون ۱۹۳۸ء، ص ۷۸
۸۸ افغانستان و اقبال، ص ۵۰ - ۵۱
۸۹ خاطرات سیاسی، سید قاسم رشتیاؔ، مختلف صفحات
۹۰ ہفت روزہ وفا، ۱۱ جدی ۱۳۷۵ھ ش، ص ۴
۹۱ علامہ اقبال در ادب فارسی و فرهنگ افغانستان، ص ۱۸۸ - ۱۸۹

باب ہفتم

افغانستان میں مقالاتِ اقبال کے مشمولات

مقالہ نمبر ا:

پیامِ مشرق

از عبد الہادی داوی[ا]

افغانستان میں غازی امان اللہ خان کے دورِ حکومت میں علامہ پر یہ پہلا مقالہ ہے جو ۱۹۲۹ء سے پہلے امان افغان *اخبار کابل کے مختلف شماروں ۹ - ۱۰ - ۱۱ - ۱۳ - ۱۷ میں پیامِ مشرق کے مشمولات پر شائع ہوا ہے۔ ہمیں امان افغان کے متعلقہ شمارے تو نہیں ملے ثانوی ماخذ افغانستان و اقبال میں صدیق رھپو نے متعلقہ مقالے کی اقساط کو شائع کیا ہے۔ البتہ مقالہ نگار کا نام نہیں دیا ہے۔[۱]

۱۹۵۵ء میں قاضی احمد میاں اختر جوناگڑھی نے اقبالیات کا تنقیدی جائزہ میں اس مقالے کو آغا ہادی حسن سے منسوب کیا ہے۔ ”آغا ہادی حسن صاحب وزیرِ تجارت نے جو پہلے انگلستان میں افغانستان کے سفیر تھے امان افغان کابل میں پیامِ مشرق پر تبصرہ کے طور پر مضامین کا ایک سلسلہ تحریر کیا تھا جو کئی نمبروں میں چھپا۔[۲]

اس مقالے کے حوالے سے الفاظ کے رد و بدل کے ساتھ ڈاکٹر محمد عبد اللہ چغتائی نے یوں ذکر کیا ہے:

> امان افغان کابل میں جناب آغا ہادی حسن صاحب وزیرِ تجارت جو پہلے انگلستان میں افغانستان کی طرف سے سفیر تھے ایک سلسلہ مضامین پیامِ مشرق پر بطورِ تبصرہ لکھا تھا جو کئی نمبروں میں شائع ہوا۔[۳]

متعلقہ مقالہ افغانستان میں اقبال کے حوالے سے ابتدائی مقالات میں شامل ہے جبکہ ڈاکٹر محمد ریاض مرحوم نے اپنے تحقیقی مقالے افغانستان اور ایران میں اقبال پر مقالات اور کتب میں اس مقالے کا کوئی ذکر نہیں کیا۔[۴]

مشہور افغان اقبال شناس جناب عبدالہادی داوی قاضی احمد میاں اختر جونا گڑھی کے حوالے پر برہم ہوئے ہیں۔ عبدالہادی خان کے بجائے آغا ہادی حسن لکھنا ان کا سہو قرار دیتے ہیں اور وضاحت کرتے ہیں کہ یہ مقالہ آغا ہادی حسن کا نہیں بلکہ عبدالہادی خان داوی کا ہے۔

آثار اردو اقبال جلد اول میں یہ افغان اقبال شناس اس مقالے کے حوالے سے لکھتے ہیں:

بندہ از مدت ھا قبل با آثار دری علامہ علاقہ پیدا کردہ بودم چنانچہ در امان افغان نام مجلّہ سابقہ مقالاتی عاید بہ علامہ و آثار او نوشتہ بودم ولی مجمل و مختصر چنانچہ مولف کتاب (جایزہ تنقیدی اقبال) غفراللہ لہ کہ از طرف (اکادمی اقبال) بہ زبان اردو در سنہ ۱۹۶۵ء طبع شدہ ست این مقالات مرا ذکر ولی نام مرا سہو نمودہ است۔ (متذکرہ تحریر کے حاشیئے میں لکھتے ہیں کہ:

در کتاب مذکور صفحہ ۳۵ نام مرا آغا ہادی حسن نوشتہ اند غالباً نوشتہ ئ کہ بمولف مذکور رسیدہ بخط شکستۂ مغشوشی بودہ کہ کلمہ "عبد" را "آغا" و "خان" را حسن خواندہ ست زیرا باین نام شخصی در محیط ما موجود نیست و نہ مقالہ ئ در امان افغان نوشتہ ست بلکہ ترکیب این نام در وطن ما مروج نیست۔ البتہ وظایف رسمیہ مرا صحیح در کتاب مذکورہ کردہ کہ وزیر تجارت و قبل از آن سفیر افغانستان در لندن بودہ ام (داوی)۔[۵]

جناب داوی کے اس دلچسپ انکشاف کے بعد اس بات میں کوئی گنجائش ہی نہ رہی کہ یہ مقالہ ان کا اپنا تحریر کردہ ہے اور اس لیے بھی کہ جناب داوی نے بعد میں علامہ کے اردو آثار پر دو جلدوں میں کتاب بھی لکھی۔ انھوں نے علامہ کی بعض اردو منظومات کا فارسی منظوم ترجمہ بھی کیا ہے۔

مقالے کا آغاز حضرت بیدل کے درج ذیل ابیات اور جناب داوی کی اس تمہید سے ہوتا ہے:

نہ ترنمی نہ جوشی ۔۔۔ نہ طپیدنی نہ دردی
بہ خم سپہر تاکی ۔۔۔ می نا رسیدہ باشی

(بیدلؔ)

پیامِ مشرق نام مجموعہ اشعار و افکاریکی از مجموعہ ھای جدیدی است کہ در ادبیات فارسی در این عالم تاریک مثل ماہ طلوع نمودہ کاروان برای افتادہ مارا انجم اھتدا "میشود یا بانگ درراہ۔ محرر پیامِ مشرق شاعر شہیر عالمِ اسلام "دوکتور اقبال" است اقبال از خطہ کشمیر بینظیر و مقیم لاہور ہندوستان است۔[۶]

ترجمہ: پیامِ مشرق نام ہے اس جدید شعری مجموعے کا جو اس عالم تاریک میں فارسی ادبیات میں چاند کی مانند طلوع ہوا ہے۔ پیامِ مشرق کا لکھاری عالم اسلام کا مشہور شاعر ڈاکٹر محمد اقبال ہیں جن کا تعلق کشمیر کے بے نظیر خطے سے ہے مگر لاہور ہندوستان میں مقیم ہیں۔

اس کے بعد داویؔ لکھتے ہیں کہ اقبال نے یورپ کے کیمبرج سے تکمیل تعلیم کے سلسلے کے بعد جرمنی سے فلسفہ میں پی ایچ ڈی کی ڈگری لی اور اس وقت تک فلسفہ میں شاید جرمنی سے بڑھ کر کوئی اور ملک نہیں۔ اقبال اپنی اس دردمندی اور قلبی آگاہی کا منبع حضرت محمد ﷺ کی محبت اور بعض اہلِ دل حضرات کی نگاہ بتاتے ہیں:

خرد افزود مرا درس حکیمان فرنگ
سینہ افروخت مرا صحبت صاحب نظراں

اسی بنا پر اقبال کی اپنے ملک میں بھی پذیرائی ہوئی لوگ انھیں ترجمانِ حقیقت اور مصورِ فطرت کہتے ہیں جبکہ ملک کے باہر تو لوگوں نے ان کے افکار کو درسی کتب میں بھی شامل کر دیا ہے۔ ابھی حال ہی میں حکومت نے انھیں "سر" کا خطاب دیا ہے جس کو منورین ہندوستان عجائب الخطابات گردانتے ہیں جبکہ علامہ خود اس خطاب کو باعثِ ابتلا سمجھتے ہیں۔

داویؔ شعرا کی دو اقسام بتاتے ہیں۔ جن میں ایک گروہ ان شعراء کا ہے جن کے بارے میں ارشاد باری تعالیٰ ہے: وَ الشُّعَرَآءُ یَتَّبِعُهُمُ الْغَاوٗنَ ﴿۲۲۴﴾ اَلَمْ تَرَ اَنَّهُمْ فِیْ كُلِّ وَادٍ یَّهِیْمُوْنَ ﴿۲۲۵﴾ وَ اَنَّهُمْ یَقُوْلُوْنَ مَا لَا یَفْعَلُوْنَ ﴿۲۲۶﴾ (القرآن: الشعراء ۲۶: ۲۲۴ تا ۲۲۶) اور دوسرے وہ حضرات ہیں جو اعلیٰ مقاصد کے حصول کے لیے راہیں ہموار کرتے ہیں۔ جیسے سعدیؔ،

جامیؒ، رومیؒ، سنائیؒ رحمھم اللہ تعالیٰ اجمعین۔ آخر وقتوں میں شعرا کا ایک طبقہ ایسا بھی تھا جنھوں نے ملت کو خوابِ غفلت میں مبتلا کرنے کے سلسلے میں ایک لمحہ بھی غفلت نہیں دکھائی۔ یہ شعرا معاشرے کے تنزل اور معنویات کو مسمار کرنے بلکہ خود معاشرے کے چہرے پر داغ رہے۔ ان کو پتا نہیں تھا کہ انھوں نے افراد کے دل و روح کو کس طرح زہر آلود نشتر سے زخمی کر دیا ہے۔

این شاعرھا از تنزل و خرابی معنویات جامعہ خیلی "بلی خیلی" کمتر متحسس بودند بلکہ خود یکی از خرابی ھا بودند این بدیعہ "شعری" را کہ در دست ناشستۂ شان زہر آگین شدہ بود نمید انستند و درک نمی کردند کہ بہ دل و روح مردم چہ نشتر ھای زہر دارد میدر آورند راینھا کشتۂ الفاظ بودند تلازم و تناسب معنی بیگانہ صنایع دیوانگانہ مبالغات فوق الامکان تشبیہات و استعارات بیمعنی مقصد ان بیمقصد ھا بود "عشق" این عاطفۂ قدسی را بدرجہ "امرد پرستی" تنزل دادہ بودند کلمہ ھای عربی در شعر آوردن را ثقالت و سخافت می نامیدند۔ تنھا کلمات بلکہ مضامین جدی و قور اخلاقی و سیاسی ہم بر طبع وندو پریشان و میگسار غزل ھای شان مثل سنگ گران بود۔ شعر تنھا برای گل و مل چمن و بلبل و سراپاھائی معشوق نا قابل تصور موھوم ایشان مخصوص بود۔[۷]

اس کے بعد داوی نے خدا کی حمد کرتے ہوئے عالمی تہذیب کی ترتیب و شوکت میں بلند کردار ادا کرنے والوں کو غنیمت سمجھا ہے۔ اس استدلال سے جناب داوی کی علمی پختگی و فہم و فراست کا آسانی سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے:

ولی الحمدللہ این بی مبالاتی این مدہ (مود) فرسودہ دیگر از قلمرو عالم میرود فنا شود۔ (اگرچہ بقدر لازم ھنوز رفتار فنای آں سرعت ندارد) حالا دیگر ملت اسلامیہ ایام غفلت خانحانان را تنفر میکنند۔ حالا دیگر بجای الفاظ بہ معنی و بجای کالبد بہ روح متوجہ میشوند حالا سیاسی استادانہ دھر مارا از خواندن "واقف" بادیدہ ھای اشکبار منع کردہ میرود، مثلی کہ در ہر طرف لزوم راہ رہبر و راہ پیما داریم ھر چیز نشان منزل مقصود می جوییم شعر را ھم از ھمہ زیادہ تر و شاید از ھمہ اولتر باید برای ھمین سفر "مسابقہ حیات" "تنازع اللبقا" استعمال می کینم۔

بلی ما در دست چرخ تقدیر "خواہ خود را خبر کینم یا نکینم" بمسابقہ حیات آغاز کردہ اہم ہر کہ مسابقہ را باخت مثل عہد رومای کبریٰ غذای شیران گرسنہ می شود حیات دیگر با او کاری

ندارد۔ او صرف ادامۂ حیات دیگران میشود بلی حیات حیوانات بہ محو حیات انسان ھا ادامہ میشود۔ ھمین است احکام نیر وھای امروزہ کہ بر تخت سطنت مدنیت نام و حشمت مطلقہ تمکن دارند۔[۸]

اس بحث کو خاصا طول دیا گیا ہے مگر اس طوالنیت میں بھی علمی بصیرت و استعداد کو مسلسل قائم رکھا ہے۔ اس کے بعد داویؔ نے پیامِ مشرق کی تمہید پر بحث کی ہے اور لکھا ہے کہ چونکہ پیامِ مشرق کی تمہید علامہ نے اردو میں لکھی ہے اس لیے اس تمہید کی تلخیص فارسی میں ترجمہ کر کے مقالے میں شامل کی ہے۔

تمہید کی اس تلخیص کے بعد کتاب کے ابتدائیہ کی جانب توجہ مبذول کرائی گئی ہے جو بقول ان کے درد سے بھرپور التماس اور نصائح پر مشتمل ہے جو ایک مردِ خود آگاہ غازی امان اللہ خان کے نام منسوب ہے۔

ابتدائیہ کو نقل کرنے کے بعد داویؔ نے لالۂ طور کی رباعیات کو یوں متعارف کرایا ہے:

طبع فطرت دوست و صحرا پسند اقبال بیش از ھمہ گلھا لالۂ خود روی صحرای را مورد دقت ھای شاعرانہ و جستجو ھای حکیمانہ خود قرار دادہ است۔ سینۂ مسلم تجلیگاہ دیگر و نالہ او شعلہ دیگر است از ہر لالہ کہ ازین طور سر زند اثر ھمان جذوہ ماٴمول است کہ موسیٰؑ امید العلھم یصطلون داشت بیدل علیہ الرحمہ درین موضوع یکقدم بیشتر می نہد کہ میفرماید۔

شوق بر کسوت ناموس جنون میلر زد عوض داغ مبارا یدبیضا بخشند

لالہ طور چہ زیبا نامی است برای آن نالہ ھای سوختہ برجستہ کہ از "وادی المقدس" روح بیتاب ایمان میخیزد این مجموعہ رباعیات کہ شعر و دین در آن مزوج است در چار چوبۂ ہر رباعی خود دروازہ شہراہ نو "حیات" باز مینماید و حتیٰ باز دلھای بیخون را مایل تپش و نیاز۔[۹]

داویؔ لکھتے ہیں کہ لالہ طور میں شامل رباعیات کی تعداد ۱۵۵ ہے۔ اگرچہ میں ان رباعیات میں سے اپنا انتخاب پیش کر رہا ہوں لیکن بقیہ میں سے ہر ایک رباعی چھوڑتے ہوئے خونِ جگر پی رہا ہوں۔ اس انتخاب سے پہلے داویؔ نے ان رباعیات کے موضوعات و مطالب سے پردہ کشائی کی ہے۔

مقالے کے ایک اور عنوان ''حضور و نیاز'' کے تحت داویؔ نے ایک دلچسپ تاریخی واقعے کا ذکر کیا ہے کہ وہ ایک دن نجی محفل میں اعلیٰ حضرت محمد نادر شاہ شہید کے ساتھ بیٹھے تھے۔ موضوعِ اقبال شیرینی مجلس تھی۔ اعلیٰ حضرت علامہ کے افکار سے اظہار مسرت کر رہے تھے مگر ایک جگہ پر کہا کہ '' اقبال کا ایک عیب ہے کہ اللہ کے حضور ان کی گفتگو قدرے گستاخانہ ہو جاتی ہے'' مثلاً خدا او انسان، تو شب آفریدی چراغ آفریدم وغیرہ۔ داویؔ لکھتے ہیں کہ میں نے اس سلسلے میں بعض متقدمین شعراء کے حوالے بھی دیے جنھوں نے پروردگار سے بے تکلفانہ انداز میں راز و نیاز کیا ہے اور عرض کیا کہ شاید اقبال نے انسان کو اپنا تشخص یاد دلانے کے لیے یہ سب کچھ کیا ہو۔ البتہ داویؔ کا بھی یہی خیال ہے کہ اقبال بعض اوقات تجاوز کر جاتے ہیں۔

دریک وقت غیر رسمی خوشبختانہ بحضور اعلیحضرت غازی پادشاہ حقایق آگاہ ما شرف حضور داشتم و ذکر اقبال ''شیرینی مجلس'' بود اعلیٰ حضرت از افکار اقبال اظہار خوشی میکردند و تقدیر میمودند اما خبر مودند ''اقبال یک عیب دارد کہ بحضور الٰہی خطابہ ھای قدری گستاخانہ میکند مثلاً مکالمہ خدا او انسان تو شب آفریدی چراغ آفریدم وغیرہ، مضمون ھمایون زمینہ مبادلہ افکار حضار گرام مجلس در حق نظمہائی دیگر اقبال مثل ''شکوہ'' وغیرہ شدند، منہم حصہ گرفتم و این را ارادۂ جدی اقبال نینگاشتم و گفتم شاید اقبال میخواھد ازین راہ بہ انسان ھا اہمیت و مکانت علُو کرامت حقیقی شان رابفہماند۔ ولی من خود ھم قبول میکنم کہ تجاوزات اقبال یکقدری از اندازہ زیاد است۔ افکار و احساسات تصحیحۂ پادشاہ ما اسباب صد مسرت و شکران است۔ اما اقبال از آداب و نیاز خالی نیست در ہیجان حسیات و بزم بی تکلف و بعضا ادب ناشناسی شعر این گونہ زواید سرزدہ است ورنہ اقبال در ہر چیز جلوہ او ''جل جلالۂ'' می بیند در نظر او ہر ورقی معرفت است ہر موجودی آئینہ تجلیات احدیت و ھمہ کائنات مصروف نیاز و عبادت۔[10]

داویؔ کو بجا طور پر یہ اعتراف بھی ہے کہ اقبال بارگاہ الٰہی میں آداب و نیاز سے خالی نہیں۔ وہ ہر چیز میں اللہ جل جلالہ' کا جلوہ دیکھتے ہیں۔ ان کی نگاہ میں ہر صفحۂ معرفت ہے۔ ہر موجود آئینہ ہے ان کی تجلیات کا۔

مقالے میں فلسفہ کے ضمنی عنوان میں داوی نے فلسفۂ اقبال کے بنیادی خد و خال کو واضح کرتے ہوئے لالۂ طور کی ۱۲ رباعیات کو اس موضوع سے منسلک قرار دیا ہے:

چسان زاید تمنا در دل ما — چسان سوزد چراغ منزل ما
بچشم ما کہ می بیند، چہ بیند — چسان گنجید دل اندر گل ما
بہ شبنم غنچۂ نورستہ میگفت — نگاہ ما چمن زادان رسا نیست
در آن پہنا کہ صد خورشید دارد — تمیز پست و بالا ہست یا نیست[۱۱]

داوی کے خیال میں تاریخ اگرچہ فلسفہ کی عمر تین ہزار سال سے زائد بتائی ہے لیکن ھنوز یہ معمہ حل ہونے سے قاصر ہے۔ حیرت ہی عرفا کا آخری مقام ہے اور عقلِ سلیم بھی اس طرح۔

ھزاران سال بافطرت نشستم — باو پیوستم و از خود گسستم
ولیکن سرگذشتم این دو حرف است — تراشیدم پرستیدم شکستم
خرد زنجیری امروز و دوش است — پرستار بتاں چشم و گوش است
صنم در آستین پوشیدہ دارد — برھمن زادۂ زنار پوش است[۱۲]

داوی نے درج ذیل چودہ موضوعات کو لالۂ طور کی رباعیات میں پنہاں پایا ہیں:

۱- عشق و درمندی، ۲- سخت جان و زحمت دوستی، ۳- اعتماد نفس، تحقیق، اجتہاد، ۴- طلب و جستجو، ۵- آرزو پروری، ۶- ہمت عالی، ۷- تقدیر اہمیت و مکانت انسانی، ۸- ترک جبن و فداکاری، ۹- گریز از پول دوستی، ۱۰- شناختن مواقع استعمال قوای خود، ۱۱- عدم خوف از مرگ، ۱۲- دقت، ۱۳- ترک نیشنلزم، ۱۴- احترام دین۔

داوی نے عشق و دردمندی کے سلسلے میں فکرِ اقبال کی ایک ہی جہت سے ترجمانی کی ہے۔

عشق از "آرزو" و تولد شدہ است وخادم "آرزو" و است نقط آتش است "پرورش آرزو" و پرورش عشق است ھم چنانکہ "پرورش آرزو" و عشق "ھمت عالی" پیدا میکند ہمت عالی نیز آرزو و مطلب بلند تمنیہ مینماید اینھا لازم و ملزوم یک دیگرند انسان کہ صاحب ہمت عالی باشد باید "بہ اہمیت" خود مدرک شود تا "اعتماد نفس" کامل تر گردد و در راہ طلب پختہ تر برای

اختیار کردن طرز صحیح برای "طلب" وموفق "شدن شناختن موافق استعمال قوای خود" و" دقت" درشناختن کیف وکم وخواص ہمہ ماحول خود ضروری است۔[۱۳]

مقالے کے دیگر ضمنی عنوانات عشق، سخت جان و زحمت دوستی، خود اعتمادی نفس، تحقیق واجتہاد، طلب و جستجو اور آرزو کے سلسلے میں پہلے موضوع پر مختصر اظہارِ خیال اور اس کے بعد متعلقہ موضوع سے متعلق علامہ کے اشعار کے حوالے دیے گئے ہیں۔

مقالہ نمبر ۲:

دکتور اقبال

از سرور خان گویاؔ

افغانستان میں حضرت علامہ پر دوسرا مقالہ سرور خان گویاؔ نے "دکتور اقبال" کے عنوان سے لکھا جو مجلّہ کابل کے مارچ ۱۹۳۱ء (سال اول شمارہ ۱۰، صفحہ ۱۹ تا ۲۲) شائع ہوا۔

اس مقالے میں پہلے تو گویاؔ نے مختصراً علامہ کی ہمہ گیر شخصیت اور عالمگیر فکر کے حوالے سے تحریر کیا ہے کہ کس طرح مشرق ومغرب کے علوم پڑھ کر اقبال نے اپنے گراں قدر خیالات وافکار کو بقائے دوام دیا۔

گویاؔ مغرب میں اقبال کو متعارف کرانے کا سہرا ڈاکٹر نکلسن کے حوالے کر دیتا ہے کہ انھوں نے علامہ کے افکار جاویدان سے مغرب کو روشناس کرایا:

> اشعار اقبال دارای آن تعالیم اخلاقی عالی است۔ کہ میتواند سر مشق زندگانی ونوید سعادت بشری قرار گیرد۔ اقبال علاوہ بر شہرت فوق العادہ کہ درخود مملکت بہناور ھند دارد در سائر مملکت اروپا و شرق نیزی نہایت مشہور است۔ دکتور نکلسن مستشرق شہیر انگلیس و معلم ادبیات رادر دارالفنون اکسفورد انگلستان کہ یگانہ متتبع و زندہ کنندہ نام و آثار اقبال در عالم فرنگ است۔ میگوید کہ اقبال سر تا سر قارۂ ہند را مسخر نمود و در تصوف خویش نگاہداشت۔ و اویگانہ شاعر و پیشوائی است کہ مملکت پیر ہند از افکار جوان و تامی و پیروی کردہ است۔[۱۴]

ترجمہ: علامہ کے اعلیٰ اخلاقی اقدار اور عرفان سے بھرپور اشعار اس قابل ہیں کہ وہ زندگی اور حیاتِ انسانی کے مأخذ قرار دیے جائیں۔ اقبال اپنی مملکت میں انتہائی شہرت کے علاوہ

ہندوستان سے باہر یورپی ممالک اور دیگر مشرقی ممالک میں بھی شہرت رکھتے ہیں۔ مشہور انگریزی مستشرق ڈاکٹر نکلسن استاد دارالفنون آکسفورڈ جس نے اقبال کے نام و آثار کو مغرب سے متعارف کرایا کہتے ہیں کہ اقبال نے خطۂ ہند کو مکمل تسخیر کیا ہے۔ یہ وہ واحد شاعر ہیں جن کے جوان افکار کی پیروی تمام قدیم ہندوستان میں کی جاتی ہے۔

گویاؔ کو یہ مقالہ لکھنے کے دوران علامہ کی درج ذیل کتب کے مطبوعہ ہونے کا پتا چل سکا تھا۔

از آثار دکتور اقبال تا آنجا کہ نگارندہ اطلاع دارم آثار و کتب ذیل بطبع رسید ہنوز در تحت طبع است۔ پیامِ مشرق (بزبان فارسی بجواب گوتہ شاعر شہیر المان) نالہ یتیم (بزبان اردو) زبور عجم (بزبان فارسی) رموز بیخودی (فارسی) اسرار خودی (فارسی) بانگِ درا (اردو) جاوید نامہ (بزبان فارسی) بجواب دانیتی شاعر ایطالیا کہ ہنوز در تحت طبع است) از تاریخ تولد و مسقط الراس و سنین عمر و خطوط مسافرت وودورہ ھائی تحصیل وغیرہ عوارض و خصوصیات حیات این شاعر شہیر چون دستم تہی است نتوانستم کہ بدقت درین باب چیزی بنویسیم ناچار بہ این وجیزہ اکتفا رفت و وعدۂ کہ دانشمند معظم و دوست محترم آقائی صلاح الدین خان سلجوقی دادہ اند امید قوی دارم کہ شرح حال مبسوط و کاملی او حضرتش بقلم توانا و مقتدر خویش در بمبئی نگاشتہ و مادر آئینہ قریب درج صحایف مجلّہ کابل نمائیم۔[۱۵]

ترجمہ: نادمِ تحریر علامہ اقبال کے درج ذیل مطبوعہ آثار سے متعلق مجھے اطلاع ہے جبکہ کچھ اور زیرِ طبع ہیں۔ پیامِ مشرق (نامور جرمن شاعر گوتہ کے جواب میں) نالہ یتیم (بزبان اردو) زبورِ عجم (فارسی) رموزِ بیخودی (فارسی) اسرارِ خودی (فارسی) بانگِ درا (اردو) جاوید نامہ (فارسی میں اٹلی کے شاعر دانتے کے جواب میں زیرِ طبع) تاریخ پیدائش، مسقط الراس، سنِ زندگی، حالاتِ سفر اور حصولِ علم کے ادوار وغیرہ اور ان کے دیگر حالات و امورِ زندگی سے متعلق میرے پاس کوئی معلومات نہیں جس کے بارے میں، میں مزید تحریر کر سکوں۔ مجبوراً مجھے اتنے پر ہی اکتفا کرنا پڑ رہا ہے البتہ میرے محترم دوست جناب صلاح الدین خان سلجوقی نے وعدہ کیا ہے کہ انھوں نے علامہ کے اپنے قلم سے ان کے مکمل حالاتِ زندگی بمبئی میں لکھے ہیں، مجھے فراہم کریں گے جو میں مستقبل قریب میں مجلّہ کابل کے صفحات پر شائع کرا دوں گا۔

اس مقالے میں گویاؔ نے اقبال کی نظم ''نالۂ یتیم'' جو اردو زبان میں ہے کو بھی علامہ کی تصنیف بتایا ہے۔

گویاؔ نے مقالے کے آخر میں اسرارِ خودی کے چیدہ چیدہ اشعار کا انتخاب درج ذیل ترتیب سے پیش کیا ہے۔

اطاعت: ۱۷، ابیات

ضبطِ نفس: ۲۲، ابیات

نیابت الٰہی: ۲۷، ابیات

مقالہ نمبر ۳:

علامہ اقبال

از احمد علی خان درانیؔ

علامہ کے فن و شخصیت کے حوالے سے افغانستان میں مطبوعہ تیسرا مقالہ سردار احمد علی خان درانی کا لکھا ہوا ہے اور مجلّہ کابل کے جون ۱۹۳۲ء کے شمارے میں شائع ہو چکا ہے۔ یہ مقالہ بعد میں مجاز لکھنوی نے اردو میں ترجمہ کیا جس کو ڈاکٹر سلیم اختر نے اپنی کتاب اقبال ممدوحِ عالم میں شائع کیا ہے۔

یہ مقالہ قدرِ طویل ہے۔ تمہیدی پیراگراف بڑا دلچسپ ہے:

ملتی کہ میخواھد از ھبوط پستی و نکبت نجات یافتہ شان و عظمت خود را در انظار اعالم و خاطر جہانیان روشن نماید، نخستین یک گونہ تموج پستی و ذلت را در خود احساس میکند و یکی از افراد آن جامعہ بیدار شدہ کاروان ساکت و صامت را از اثر کلام آں جامعہ بیدار شدہ کاروان ساکت و صامت را از اثر کلام و سوز نالہ خود بشاہراہ صحیح سرگرم تلاش و جستجو میگرداند۔

آن ہمہ طوفانات غنود و جمودی کہ بر ملل اسلامیہ طاری و مستولی شدہ اکنون ہمہ کس حس کردہ و در اکثر ممالک قایدین ملت بعقل رسا و فھم دراک قوم خود را پیش میبرند اقبال نیز یکی ازین قائدین بشمار میرود کہ صدای پر سوزوی برای ملت و قومش کار صور اسرافیل را دادہ است۔[۱۶]

ترجمہ: ”جس قوم میں پستی اور قعرِ ذلالت سے اُبھرنے کی صلاحیت پیدا ہونے لگتی ہے تو سب سے پہلے اس میں خود اپنی تباہ حالت کا احساس پیدا ہوتا ہے اور پھر اس بیدار شدہ

جماعت میں کوئی ایک فرد (جس میں سیادت و قیادت کی اہلیت ہوتی ہے) اس کاروانِ ساکت وصامت کو اپنی بانگِ دراسے صحیح جادے پر سرگرمِ عمل و جستجو بنادیتا ہے۔
چنانچہ وہ سارا جمود اور خوابِ غفلت جو کہ مللِ اسلامیہ پر طاری تھا اب اس کا کافی احساس ہوتا جاتا ہے اور اکثر ممالک میں قائدینِ ملت اپنی عقلِ رساسے کام لے کر اپنی قوم کو آگے بڑھارہے ہیں۔ چنانچہ اقبال بھی انھی قائدین میں سے ایک ہیں جن کی درد بھری آواز نے قوم وملت کے حق میں صورِ اسرافیل کا کام کیا ہے۔[۱۷]

اس کے بعد احمد علی درانی نے علامہ کا سنۂِ پیدائش ۱۸۷۰ء بمقام سیالکوٹ بتایا ہے[۱۸] جبکہ صدیق رھہپو نے ۱۹۷۷ء میں علامہ کے صد سالہ جشنِ ولادت کے سلسلے میں افغانستان و اقبال کو مرتب کیا جس میں اس مقالے کو بھی شامل کیا ہے۔ اس وقت تک طویل تحقیقات کے بعد متفقہ طور پر یہ طے پایا کہ علامہ کی صحیح سنۂ ولادت ۱۸۷۷ء ہے لہٰذا صدیق رھہپو نے یہاں ۱۸۷۰ء کے بجائے علامہ کے سنۂ ولادت ۱۸۷۷ء لکھا ہے۔[۱۹] جبکہ مجاز لکھنوی نے اس مقالے کے ترجمے میں علامہ کے سنۂ ولادت ۱۸۷۶ء لکھا ہے۔[۲۰]

درانی نے علامہ کی پیدائش کا مژدہ علامہ کی زبانی ان کی اس رباعی سے تعبیر کیا ہے:

نعرہ زد عشق کہ خونین جگرے پیدا شد
حسن لرزید کہ صاحب نظرے پیدا شد
فطرت آشفت کہ از خاک جہاں مجبور
خود گری خود شکنی خود نگری پیدا شد[۲۱]

علامہ کے آباو اجداد کا تعلق کشمیر سے بتایا گیا ہے۔ اسی مناسبت سے علامہ کے درج ذیل ابیات کا حوالہ دیا ہے:

سرت گردم اے ساقیٔ ماہ سیما — بیار از نیاگانِ ما یاد گارے
از آن مے فشاں قطرۂ برکشیری — کہ خاکسترش آفریند شرارے
مرا بنگر کہ در ہندوستان دیگر نمی بینی — برہمن زادۂ رمز آشنائے روم و تبریز است

مقالے میں علامہ کے مختصر سوانحی تذکرہ کے بعد ان کی فکری تشکیل کے حوالے سے بحث کی گئی ہے۔ آغازِ جوانی سے اردو اشعار کی طرف میلان اور علمی و روحانی گھرانے میں

پرورش کی بنا پر ان کے کلام[۲۲] پر معنویت کے غلبے کا تذکرہ کیا ہے۔ ابتدا میں فطرت سے گہرے اثرات قبول کر کے فطری مناظر سے متعلق منظومات لکھیں۔ اس کے بعد حسن و عشق کے دلدادہ ہوتے ہوئے کلام میں فلسفہ، تاریخ و الٰہیات جیسے دقیق موضوعات تک کے ارتقائی سفر کا ذکر کیا ہے۔ اقبال نے قیس اعشی (نابینا عرب شاعر) کی طرح ساکت شاعری کو کاروانِ ملت کے زوال کا باعث بتایا بلکہ ملت کو کارزارِ علم و عمل میں جدوجہد کی تلقین کی:

اقبال با مہرہ ھائی فلسفہ تاریخ والٰہیات شطارت و مہارتش را بر بساط سیاست چیدہ از یکسو درین عالم جدوجہد درین عرصہ کون و فساد درین فراخنای تنازع للبقاو دریں میدان میدانِ تگ و تاز با شاطران سیاسی و شیوا بیانان ہم عصر و فیلسوفان باریک بین دست و گریان است و از جانب دیگر ممکنات حیات را در اخلاق اللہ دیدہ بملت راہ راست اسلام را ھدایت میکند۔

اقبال اضمحلال و سکون شاعری را کہ تنزل و حکم تنزل اقوام و امم را دارد م در شکستہ کاروان ملت را مثل (قیس اعشیٰ) بہ کارزارِ علم و عمل و گیرودارد جدوجہد پیش میداند۔

بیا کہ غلغلہ در شہر دلبران فگنیم
جنون زندہ دلان ہرزہ گرد صحرا نیست
مرید ہمت آن رہروم کہ پانگذاشت
بجادۂ کہ در و کوہ و دشت و دریا نیست

ترجمہ: اقبال فلسفہ، تاریخ، الٰہیات اور سیاسیات سب میں کمال رکھتے ہیں اور اس لیے وہ ایک ہی وقت میں مدبر بھی ہیں، شاعر بھی ہیں اور فلسفی بھی لیکن اس تصویر کا دوسرا رُخ بھی ہے یعنی مذہبیات۔ چنانچہ علامہ موصوف مذہب اسلام کے بہت بڑے رہنما بھی ہیں۔

اقبال نے شاعری کے سکون و اضمحلال (کہ شاعری کا زوال در حقیقت اقوام کے زوال کا پیش خیمہ ہوتا ہے) کی بیخ کنی کر دی ہے اور کاروانِ ملت کو مثلِ قیس اعشیٰ کے جدوجہد اور علم و عمل کے میدان میں سرگرم کر دیا ہے۔[۲۳]

اقبال نہ مثل بعضی جادو نفسان سحر بیان کہ ملت شمانرا از تاثیر کلام خود مست و مبہوت ساختہ، یک عالم حیات و یک جہان زندہ را (کہ عبارت از شور و شغف و زد و خورد داست بموت مطلق سکون و حیرت خانہ جنون بادل شکستگی و مظلومیت جوگیانہ آشنا ساختہ اند بودہ بل میخواھد ہم

آں اشراتی را کہ تعلیم مسلک قناعت و توکل شعرای متصوفین شرق و قادر الکلامان جادو رقم و سحر طرازان بہ تخلیات ناممکن الحصول خود ملت و قوم را در ورطہ نکبت و فلاک بردہ اند بر کشیدہ بجادہ محرک اعتلار ھنمونی کند از ھمین جاست کہ گرمی سحتش در محاذ خوابیدہ کشاکش سعی و عمل و در عروق منجمد اقوام، تموج حیات و شور اضطراد را جریان دادہ در مصاف زندگی یا قوت ارادی مستنیر میسازد۔[۲۴]

ترجمہ: اقبال بعض اس قسم کے شعرا میں سے نہیں ہیں جنھوں نے اپنی جادو بیانی کو کام میں لا کر اپنی قوم کو محو حیرت تو بنا دیا ہو مگر بجائے زندگی کی روح پھونکنے کے موت کی تعلیم دے دی ہو۔ چنانچہ وہ ان لوگوں کے خلاف ہیں جنھوں نے چند ناممکن الحصول تخلیات کی تخم ریزی کی ہے یا مثلِ صوفیان مشرق کے بیجا توکل و قناعت کی تلقین کی ہے۔ اس لیے کہ اس طرح قوم سعی و عمل کے راستے میں بھٹک جاتی ہے اور ادبار و پستی میں مبتلا ہو جاتی ہے۔[۲۵]

حضرت علامہ نے ۱۹۱۶ء میں ایک مضمون بعنوان جمہوریتِ اسلام نیو ایرا اخبار میں لکھا تھا جس میں انھوں نے نطشے سے اس سلسلے میں اختلاف کرتے ہوئے یورپ کی جمہوریت کا بھی نقشہ پیش کیا تھا۔[۲۶]

جناب احمد علی خان درانی اپنے اس خیال کہ علامہ کے کلام میں جادو بیانی اور سحر انگیزی کے باوجود ملت کی بقائے دوام کے لیے صرف اور صرف جہدِ مسلسل کو انحطاطِ سکوت اور جمود سے نجات کا راستہ بتاتے ہیں کی تصدیق کے لیے علامہ کے اس مقالے کے اقتباس کا حوالہ دیا ہے جن سے جناب درانی[۲۷] کے احاطۂ مطالعہ کا پتا چلتا ہے جو صرف کلامِ اقبال کے آثار تک محدود نہیں تھا بلکہ علامہ کے افکار سے آگاہی کے لیے وہ ان کی دیگر تحریرات کا مطالعہ بھی کرتے تھے۔

جناب احمد علی خان نے مقالے میں جابجا علامہ کے اشعار کے حوالے دیے ہیں جو تحریر کی مناسبت سے بہترین انتخاب کا مرقع ہیں۔

اقبال ملت را بہ نیشہای قلمی خود از نواقص نفاق و بی مروتی کہ مایہ نکبت و ادبار است آگاہ ساختہ ابواب بہ پند و نصائح را گاہ از زبان طبیعت و گاہ از زبان طیور و گاہ از زبان احرام فلکی باز مینماید چنانچہ حالت نکبت و فلاکت جہاں ساکن و صامت را از زبان مہ گیتی فروش بتشبیہات دہشتناکی پیرایہ ذیل رسم میکند۔

شورہ بوم از نیش کژدم خار خار	مور او اژ در گز و عقرب شکار
صر صر او آتش دوزخ نژاد	زورق ابلیس را باد مراد
آتشے اندر ہوا غلطیدۂ	شعلۂ در شعلۂ پیچیدۂ
آتشے از دود بیچان تلخ پوش	آتشی تندر غوو دریا خروش
در کنارش مارھا اندر ستیز	مارھا یا کفچہ ھاے زھر ریز
شعلہ اش گیرندہ چون کلب عقور	ھولناک و زندہ سوز و مردہ نور

اے خدا چشم کبود و کور بہ
اے خدا این خاکدان بے نور بہ

ترجمہ: اقبال نے اپنے قلم کو ان نقائص سے جو قوم وملت کے ادبار وپستی کا باعث ہوئے ہیں مثلاً نفاق و بے مروتی وغیرہ۔ باز رکھا ہے اور پند و نصائح کا باب کبھی تو طیور کی زبانی اور کبھی اجرامِ فلکی کی زبان سے کھول دیا ہے۔ چنانچہ ایک جہانِ ساکت وصامت کے ادبار و فلاکت کو وہ چاند کی زبانی چند دہشتناک تشبیہوں کے وسیلے سے حسبِ ذیل انداز میں پیش کرتے ہیں:[۲۸]

یہ امر باعثِ مسرت ہے کہ علامہ کی زندگی ہی میں علامہ کے عالمگیر اسلامی سیاسی نظریئے کو پذیرائی ملی۔ معاصرین اقبال نے علامہ کی اس تڑپ کو محسوس کیا اور اس نظریہ کے ابلاغ و تشریح میں عالم اسلام کے گوشے گوشے سے آرا آنے لگیں۔ ملتِ افغان بھی اس نظریہ کے ادراک میں پیش پیش رہا۔ چنانچہ احمد علی خان نے اپنے مقالے میں اس فکری حوالے کی طرف یوں اشارہ کیا ہے:

اقبال در اول نظر انحطاط عالم اسلام را حس کرد۔ پستی ملت زبونی قوم مصائب امت زوال مفاخر اسلامی وسکوت قائدین طلسم خاموشی را درھم شکست طبع خدادادوی آہ ھائ سینہ سوز و نالہ ھای جانگا ھش را با حسن فصاحت و شور بلاغت بربستہ (نخست بزبان ہند باز بہ آہنگ فارس) بمشرق رسانید۔

عشق پامال خرد گشت و جہان دیگر شد
بود آیا کہ مرا رخصت آہے بخشند[۲۹]

ترجمہ: اقبال نے ایک نظر میں انحطاط عالمِ اسلامی کا احساس کر لیا اور پستی ملت، زبونی قوم مصائبِ امت، زوالِ مفاخر اسلامی اور قائدین کے مہر سکوت کو بھی توڑ دیا۔ ان کی خداداد طبیعت نے سینہ سوز آہوں اور جاں کاہ نالوں کو نہایت فصاحت و بلاغت کے ساتھ پہلے اردو اور پھر فارسی کے ذریعے تمام مشرق میں پہنچا دیا۔[۳۰]

جناب درانی صرف اس پر اکتفا نہیں کرتے بلکہ علامہ کے فکری درد و معنوی سوز کی مزید تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

در حقیقت نوادھای شعری اقبال جذبات زخم خوردہ جدون پرورش را بشغل سینہ کاوی از اعماق دل بر فراز سخن بر آوردہ تا نالہ ھائ بیتابی کہ در جگر و داستان غم آلودی کہ در نظر داردو انمودہ تمام عالم اسلامی را از نتائج نواقص امتیاز ملت و وطن (یعنی قیود ملی و نہایت مکانی) آگاہ نماید و سمند تخیلی ایشانرا بتازیانہ ھای عبرت از حدود جغرافیای رنگ و بو توحید مطلق و ذوق طلب رھسپار جادہ رفعت و منازل ارتقا و اعتلا بگر داند بنابرین خواہش دارد کہ افراد و اقوام پریشان در سلک واحد منسلک گر دیدہ برائی تمام عالم اسلامی یک قلب مشترک پدیدار آید۔

قلب ما از ہند و روم و شام نیست مرزبوم او بجز اسلام نیست
گردشے باید کہ گردون از ضمیر روزگار دوش من باز آرد اندر کسوت فردائے من
گر تو میخواہی مسلماں زیستن نیست ممکن جز بہ قرآں زیستن
دل بہ سلمائے عرب باید سپرد؟ تا دمد صبح حجاز از شام کُرد
اندکے از گرمی صحرا بخور بادۂ دیرینہ از خرما بخور[۳۱]

ترجمہ: اقبال نے نالہ ہائے بیتاب کو جو جگر میں رکے ہوئے تھے آزاد کر دیا اور اس داستانِ غم کو جو نظروں سے پوشیدہ تھی نمایاں کر دیا۔ انھوں نے عالم اسلامی کو امتیازِ ملت و وطن کے نقائص اور ان کے نتائج سے متنبہ کیا۔ اقبال حدود جغرافیائی اور امتیازِ رنگ و نسل کو ذوق طلب، توحید مطلق اور نیز مہذب اسلام کے ارتقا میں رکاوٹ پاتے ہیں اور اس بنا پر خواہش کرتے ہیں کہ تمام افراد و اقوامِ پریشان کو ایک ہی سلک میں منسلک ہونا چاہیے اور تمام عالمِ اسلامی کے لیے ایک ہی قلبِ مشترک ہونا چاہیئے۔[۳۲]

مقالے میں جا بجا علامہ کے اردو اشعار کا منظوم فارسی ترجمہ بھی دیکھنے کو ملتا ہے مثلاً:

سبق پھر پڑھ صداقت کا، عدالت کا، شجاعت کا
لیا جائے گا تجھ سے کام دنیا کی امامت کا[۳۳]

کا منظوم فارسی ترجمہ یوں کیا ہے:

بخوان از بر صداقت را عدالت را شجاعت را
کہ عالم باز می گیر د زتوکار امامت را[۳۴]

اس مقالے کی تحریر تک جاوید نامہ علامہ کی تازہ ترین شائع شدہ تصنیف تھی۔ جناب درانی لکھتے ہیں:

تذکرۂ جمیل (جاوید نامہ) کہ تازہ ترین تصنیف و آخرین اثر علامہ اقبال است در نظر داشتم تحت (تقریظ و انتقاد) بیاوریم ولی نظر بلزوم تذکرہ آں درین مقالہ بی مناسب نخواھد بود اگر یک نگاہ سرسری بہ آں معطوف شدہ درقید نگارش بیاید۔[۳۵]

اس کے بعد جاوید نامہ پر مختصر تقریظ لکھی ہے۔ اس تقریظ میں جاوید نامہ کے مختلف مشمولات کا اجمالی جائزہ پیش کیا گیا ہے جبکہ مجاز لکھنوی کے ترجمہ شدہ مقالے میں یہ حصہ شامل نہیں ہے اور مجلّہ کابل کے علاوہ صدیق رھپو کی افغانستان و اقبال میں یہ پوری تقریظ شامل ہے۔

درانی کا یہ مقالہ مجلّہ کابل کے مئی جون ۱۹۳۸ء کے شمارے میں دوبارہ شائع ہوا ہے جبکہ اس بار مقالے کا اختتام جاوید نامہ کی تقریظ کے بجائے علامہ کی بیماری اور سفر آخرت کے احوال پر ہوا ہے۔[۳۶]

مقالہ نمبر ۴:

تنزل و انحطاط اسلام

از محمد سکندر خان

۱۹۳۲ء میں مجلّہ کابل کی جانب سے ”انحطاط اسلام“ کے موضوع پر ایک تحریری مقابلہ ہوا تھا جس کے تحت پہلے مرحلے میں دو قصائد کو اول و دوم آنے پر انعامات دیے گئے

تھے۔ دوسرے مرحلے پر نثر میں لکھی گئی تحریرات کو شامل مقابلہ کیا گیا جس میں پہلے انعام کے حقدار محمد سکندر خان معلم دارالمعلمین کابل اور دوسرے کا آقائے رجب علی خان معلم مکتب حبیبیہ کابل کو ٹھہرایا گیا تھا۔

مجلّہ کابل نے دسمبر ۱۹۳۲ء میں جناب محمد سکندر خان کا مقالہ "تنزل و انحطاط اسلام" کو پورے اہتمام اور ان کی تصویر کے ساتھ شائع کیا۔ یہ مقالہ اگرچہ عنوان کے لحاظ سے براہِ راست تو علامہ اقبال سے متعلق نہیں ہے۔ لیکن معنوی اور موضوعی لحاظ سے علامہ کے فکری و معنوی احساسات کا آئینہ دار ہے۔ اس مقالے کو یہاں افغانستان میں مقالات اقبال کے مباحث میں شامل کرنے کا دوسرا سبب یہ ہے کہ اس مقالے میں علامہ کے دیے گئے اشعار کی بنا پر ۱۹۳۲ء تک افغانستان میں اقبال شناسی کا آسانی سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ اس وقت تک افغانستان میں علامہ کے افکار کو کتنی پذیرائی حاصل تھی اور شاید انھی قوی دلائل کی بنیاد پر اس مقالے کو اول انعام کا حقدار ٹھہرایا گیا تھا۔

اس مقالے کی ابتدا میں مسلمانوں کی مجموعی بدحالی، انحطاط اور زبوں حالی کا جائزہ لیا گیا ہے۔ اس کے مضمرات اور علل و اسباب کی نشاندہی کی گئی ہے۔ اس کی ایک خاص وجہ جہالت جبکہ ایک اور وجہ مسلمان ممالک کا طرزِ حکومت بتائی گئی ہے جن میں طرزِ شورائی کے بجائے غیر شورائی نظام رائج ہے۔ اسی بنا پر وہاں امر بالمعروف و نہی عن المنکر سے روگردانی کی وجہ سے وہ ممالک پراگندگی کے شکار ہیں اور وہاں عزت، غیرت، نافع اخلاق، اعمالِ صالحہ وغیرہ کا فقدان اور جہالت، افلاس، عادات قبیحہ کی فراوانی ہے۔ جناب سکندر خان لکھتے ہیں:

> باید دانست کہ تعلیمات و اصول قرآنی تاہنوز ہیچگاہ غلط و غیر صحیح نابت بالعکس در صحت قول و آیات قرآنی بسی شواہد و ثبوتہا وجود دارد لہٰذا الزام است اسلامیان من حیث القوم حالت موجودہ خود را بر مضامین و حکام قرآنی کی محک ہدایت است تحقیق و تفتیش نمایند کہ آیا سجیہ مسلمانان بحیثیت عمومی مطابق از اسلامیہ ہست یا تغیر یافتہ با تعلیمات قرآنی مناسبتی ندارد؟ قرآن شریف مسلمانان راسخ العقیدہ، را نمژدہ سلطنت و حکومت مفتخر گردانیدہ است صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کہ مسلمانان ثابت قدم و اعمال شان موافق محک قرآنی بودہ حکومت..... ترین و بزرگترین رادر عالم دارا بودند بعد از صحابہ کرام ہر قدر کہ مسلمین از

تعلیم قرآنی غفلت نمودند بہمان اندازہ در حکومت و ترقی دینوی شان ضعف پدید آمدہ او عزت و اقبال شان زوال پذیر گردید و ذلت و ادبار در تجسس مسلمانان بودہ بر ایشان استیلا یافت تاریخ سیزدہ و نیم صد سال برین مقال شاہد است کہ اسلامیان از منۂ مختلفہ ہنگامیکہ بر خلاف اوامر اسلامی اقداماتی بمودہ اند بر ایشان کامیانی ندادہ است۔[۳۷]

اس کے بعد محمد سکندر خان نے نامور اسلامی سکالر سید جمال الدین افغانی کے افکار کی طرف توجہ دیتے ہوئے لکھا ہے:

فیلسوف شہیر جمال الدین افغانی کہ نہ صرف عالم متبحر بلکہ از مابعد شرق بحساب میرفت در رسالہ رد نیچریت علت تنزل اسلام را ضعف عقائد قرار دادہ و چنین اظہار داشتہ ”چوں آداب واخلاق و دیانت محمدیہ از غالب نفوس مسلمانان بلمرہ زایل نشدہ لہٰذا بہزار نوع کوشش بعد از سالہای دراز اراضی شامیہ از دستِ (صلیبیون) گرفتہ چنگیزیان را بشرف اسلام مشرف کردند ولیکن نتواند کہ ان ضعف رابکلی زائل سازند و آن سلطہ و قوۃ خود رااعادہ نمایند زیرا آن نتیجۂ آن عقائد حقہ و خصال پسندیدہ بودہ و بعد از تطرق فساد اعادۂ آں عقاید متصرو ازین است کہ ارباب تاریخ ابتدائی انحطاط مسلمانان را از محاربۂ صلیب میگیرند کہ آغاز ضعف مسلمانان و تفرق آنہارااز شروع آن تعلیمات فاسدہ اراتہ بگیرند۔[۳۸]

اپنے انھی دلائل کے اثبات میں محمد سکندر خان نے حضرت علامہ کے ابیات کا حوالہ دیا ہے اور ساتھ ہی حضرت علامہ کو ترجمانِ حقیقت کے خطاب سے یاد کیا ہے:

”داکتر اقبال کہ ترجمان حقیقت است چنین مینویسد۔

لا الہ گوئی؟ بگو از روئے جان — تا ز اندام تو آید بوے جان
مہر و ماہ گردد زسوز لا الہ — دیدہ ام این سوز را در کوہ و کہ
ایں دو حرف لاالہ گفتار نیست — لا الہ جز تیغ بے زنہار نیست
با پشیزے دین و ملت را فروخت — ہم متاع خانہ و ہم خانہ سوخت
لا الہ اندر نمازش بود و نیست — نازہا اندر نیازش بود و نیست
نور در صوم و صلوٰۃ او نماند — جلوۂ در کائنات او نماند
آنکہ بود اللہ او را ساز و برگ — فتنۂ او حُبّ جان و ترس مرگ

رفت از او آن مستی و ذوق و سرور　　دین او اندر کتاب و او بگور
تاجہاد و حج نماند از واجبات　　رفت جان از پیکر صوم و صلوٰت
روح چون رفت از صلوٰۃ و از صیام　　فرد ناہموار و ملت بے نظام
سینہ ہا از گرمی قرآن تہی　　از چنین مردان چہ امید بہی

از خودی مرد مسلمان در گذشت
اے خضر دستی کہ آب از سرگذشت[۳۹]

اس مقالے میں جا بجا مختلف فارسی اشعار کے حوالے دیے گئے ہیں جبکہ سید جمال الدین افغانی کا ایک اور اقتباس نقل کرنے سے پہلے انھیں رئیس الاحرار کا خطاب دیا گیا ہے۔ جمال الدین افغانی اور حضرت علامہ کے افکار کی مطابقت کے حوالے سے اگر ایک طرف علامہ کے اشعار کے حوالے دیے ہیں اور دوسری طرف افغانی کے افکار کے حوالے دیے گئے ہیں۔

مقالہ نمبر ۵:

تقریظ بر مسافر

از سرور خان گویاؔ

۲۱/ اکتوبر تا ۲ نومبر ۱۹۳۳ء حضرت علامہ اور ان کے ہمسفر حضرات: اعلیٰ حضرت محمد نادر شاہ غازی کی دعوت پر افغانستان میں تعلیمی نظام کی مشاورت کے سلسلے میں وہاں تشریف لے گئے تھے۔ واپسی پر سید سلیمان ندویؔ نے اردو نثر میں سیر افغانستان قلمبند کی۔ جبکہ حضرت علامہ نے فارسی میں مثنوی مسافر تحریر کر کے طبع کرائی۔

مجلّہ کابل کے دسمبر ۱۹۳۴ء کے شمارے میں حضرت علامہ کی مثنوی "مسافر" پر تقریظ شائع ہوئی۔ مجلّہ میں تقریظ انجمن کی جانب سے دی گئی ہے جبکہ ڈاکٹر محمد ریاض مرحوم نے اس تقریظ کے نگارندہ کو سرور خان گویاؔ لکھا ہے۔[۴۰]

یہاں اس تقریظ کے مشمولات پر بحث مقصود ہے۔ تقریظ کا آغاز یوں ہوتا ہے:

آخریں اثر نفیس ستارۂ درخشانِ ہند و فاضل شہیرِ مشرق جناب علامہ دکتور سر محمد اقبال است که احساسات حقیقی جنابش رانسبت بمحبت عالم اسلام و رقت و افسوسیکه راجع بترقیات و عظمت از دست رفتۂ کشور اسلامی داشته وامیدها و آمالیکه مخصوصا برای استقبال مشعشه داین خاک پاک اسلامی دارند۔ جناب شانزاو ادار ساخته در ضمن مسافرت مختصر یکه چندی قبل باافغانستان فرموده بودند انرادر حدود چند صد بیت بر شتۂ نظم کشیدن اند۔

اقبال بزرگ اقبال سخن ور اقبال اسلام پرست رانه تنهاما از سبب انتشاد این رساله که از تحریک وجدان پاک و عواطف سرشار واحساس صادقانه و شریفانه که خاصۂ آنمرد بزرگ بوده وراجع بکشور وزمامداران لائق ماسروده اند تمجید میکنیم، بلکه مقام و منزلت اقبال در مشرق امروزی خاصه دنیای اسلام ہمچو آفتاب روشن است ه نور وفیوضات حضرتش ہمه مشرقیان رامستیز و مستفید میگرداند۔[41]

ترجمہ: (مسافر) ہندوستان کے تابندہ ستارے اور مشرق کے مشہور فاضل علامہ دکتور سر محمد اقبال کا عمدہ اثر ہے جو عالم اسلام کی عظمت رفتہ، ملتِ اسلامیہ کے ممالک کی مجموعی شان و شوکت، امید و توقعات سے متعلق علامہ کے حقیقی جذبات کا آئینہ دار ہے۔ مملکت افغانستان کی شان و شوکت اور مستقبل کے حوالے سے یہ وہ چند سو اشعار ہیں جو آپ نے کچھ عرصہ قبل سفر افغانستان کے دوران لکھے تھے۔ محمد اقبال، عظیم اقبال، شاعر اقبال اور اسلام دوست کے نہ صرف ہم اس رسالے کے بہت شکر گزار ہیں جو ان کی اپنی ضمیر اور پاک، صادقانہ، شریفانہ احساسات اور جذبات کا آئینہ دار ہے جو ہمارے مملکت اور اربابِ اختیار کے لیے بیان فرمائے بلکہ اقبال کا مقام اور مرتبہ آج کل مشرق میں بالعموم اور دنیائے اسلام میں بالخصوص اس آفتاب کی مانند ہے جس کے نور فیوضات سے اہلیانِ مشرق پوری طرح مستفید ہو رہے ہیں۔

اس تقریظ میں گویاؔ نے علامہ کو سعدی، حافظ، مولوی و بیدل کی قطار میں کھڑا کیا ہے:

امروز اگر ادبائی عالیمقامی از قبیل سعدی، حافظ، مولوی، بیدل آفتاب ھای بزرگی از افق کشور اسلام افول نموده اند ملل اسلام می باید بوجود اقبال خود را مسلی سازند اقبال امروز سخن را جان و حیات تازه بخشیده و آنہمه ھدایات اخلاقی و اجتماعی که مقرون بعرفۂ امروزۂ ملل اسلام

بودہ وایراد آں بہر واعظ و ناطق و سخن سنجی مشکل است، آفتاب بکمال مہارت وتردستی قوالب سخن یعنی سخن روح دار پر مغز، سخن مطبوع سخن مؤثر و جان پرور رانہہ و آمادہ میںمایند۔[۴۲]

ترجمہ: آج اگرچہ نامور ہستیاں جیسے سعدی، حافظ، مولوی اور بیدل اسلامی ممالک کے افق پر روشن آفتاب کی طرح چمکتی نظر آتی ہیں۔ ملتِ اسلامیہ کو اقبال کے وجود سے بھی استفادہ حاصل کرنا چاہیے۔ کیونکہ اقبال نے آج کے دور میں شاعری کو تازہ روح اور زندگی بخشی اور ان تمام اخلاقی اور معاشرتی عوامل کی جن سے اسلامی امہ دوچار ہے نشاندہی کی ان کی اصلاح اگرچہ مشکل ہے لیکن اقبال نے انتہائی مہارت کے ساتھ ان مواعظ کو شاعری کے قالب میں ڈھالا۔ شاعری کو روح مغز اور اثر عطا فرمایا۔

اس تقریظ میں علامہ کی شخصیت کی آفاقیت کی نشاندہی کی گئی ہے جس کی بنا پر انھیں عالمگیر شہرت نصیب ہوئی:

یکی از فضائل عمدہ وزرک علامۂ ممدوح کہ مارا بمدحش بی اختیار می نماید اینست کہ وی فضل و استعداد خود را مخصوص ہند نساختہ بلکہ از جملۂ فضلا و خدام بین المللی اسلامی بشمار میرود۔ این فاضل شہیر یک شورش حقیقی ہموارہ برائی سعادت گذشتہ و از دست رفتۂ عالم اسلام داشتہ و بہ تمام قوام موجودیت خود در محدد دور ہمنوائی وسنجیاں چارہ ھاہ برای عودت ترقی و عظمت اسلام می باشد۔[۴۳]

ترجمہ: علامہ کا ایک بڑا اور واضح وصف یہ ہے جس کی بنیاد پر ہم بے اختیار ان کی مدح کرنے پر مجبور ہو جاتے ہیں کہ انھوں نے اپنی سعی و استعداد کو ہندوستان کے لیے مخصوص نہیں کیا بلکہ اپنے آپ کو بین الاقوامی طور پر اسلامی فضلا اور خادمین کی صف میں کھڑا کر دیا۔ اس معروف فاضل نے ماضی میں عالمِ اسلام کی سعادتِ رفتہ کی بازیابی کے لیے ایک راہ متعین فرمائی اور اپنی تمام تر سعی مسلمانوں کی آئندہ ترقی اور اسلامی عظمت کے لیے وقف کی ہے۔

تقریظ کے آخر میں علامہ کی درازیِ عمر کے لیے دعا کی گئی ہے۔ ان کی عظیم شخصیت کے لیے احترامات وتشکرات بجالائے گئے ہیں اور اختتام پر مسافر کا انتخاب شائع کیا ہے۔

اس انتخاب میں اعلیٰحضرت محمد نادر شاہ غازی کے توصیفی ابیات، مسافر وارد می شود بہ شہر کابل و حاضر میشود بحضورت اعلیٰ حضرت شہید، بر مر از شہنشاہ باید خلا آشیاں 'بر مزار حضرت احمد شاہ بابا علیہ الرحمہ موسس ملت افغانیہ'' پیش کیے گئے ہیں۔

مقالہ نمبر ۶:

وفات اقبال شاعر و فیلسوف شہیر

از سید قاسم رشتیاؔ

حضرت علامہ کی وفات کی مناسبت سے مجلّہ کابل کا تعزیتی مقالہ جو مجلے کے خصوصی اقبال نمبر مئی جون ۱۹۳۸ء میں شائع ہوا۔ اس مقالے میں کابل میں منعقدہ پہلی تعزیتی کانفرنس کا حوالہ بھی ہے جو حضرت علامہ کو خراج تحسین پیش کرنے کے لیے علامہ کی وفات کے صرف ایک ہفتے بعد منعقد ہوا تھا۔ [۴۴]

اس مقالے کے مشمولات (متن مع ترجمہ) کو مقالہ ھٰذا کے باب چہارم ''افغانستان میں اقبال شناسی کا ارتقا'' کے ضمنی عنوان پہلا دور ۲۲/ اپریل ۱۹۳۸ء تا ۱۹۵۰ء میں شامل کیا گیا ہے۔ یہاں مزید اس مقالے کے مشمولات کا ذکر باعثِ طوالت و تکرار ہو گا۔

مقالہ نمبر ۷:

اقبال و افغانستان

از غلام جیلانی اعظمیؔ

حضرت علامہ کی وفات کے آٹھویں روز کابل میں جو تعزیتی کانفرنس منعقد ہوئی تھی۔ اس کانفرنس میں پڑھے گئے مقالات میں سے ایک مقالہ غلام جیلانی اعظمی کا مقالہ ''اقبال و افغانستان'' ہے جس کو بعد میں مجلّہ کابل نے مئی جون ۱۹۳۸ء کے خصوصی اقبال نمبر میں شائع کیا۔

اس مقالے میں اقبال کی افغانستان کے ساتھ عمومی محبت اور مراسم کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ مقالے کے آغاز میں علامہ کی عالمگیر شخصیت بالخصوص مشرق میں ان کی محبوبیت کا ذکر کیا گیا ہے۔ بعد میں جب افغانستان نے غازی امان اللہ خان کی سربراہی میں باقاعدہ طور پر اعلان استقلال کیا تو اس تاریخی کارنامے پر علامہ کے اظہار مسرت وشادمانی کا تذکرہ کیا گیا ہے۔

موقعیکہ افغانستان بتحصیل استقلال خود موفق گردید اقبال خود را غرق یک عالم سرور و افتخارات دید و با یک جہان مسرت و ابتہاج محافل متعدد شادمانی در منزل خود ترتیب میداد و بدوستان خود از موفقیت افغانستان تبریک میگفت و ہر جا افغانی را مصادف میشد چون جان عزیز دربر گرفتہ صمیمانہ و احترام کارانہ ازوی پذیرائی می نمود۔[۴۵]

ترجمہ: افغانستان کے حصولِ استقلال پر علامہ اقبال بے حد خوش اور پر افتخار تھے۔ انتہائی دلی جوش و مسرت سے اپنے گھر پر کئی محافل کا انعقاد کیا تھا اور اپنے احباب کو افغانستان کے استقلال پر مبارکباد پیش کی اور جہاں کہیں بھی کسی افغان سے ملے تو نہایت خلوص و احترام کے ساتھ ان کی پذیرائی کی۔

اعظمی لکھتے ہیں:

کسانیکہ از عواطف ذاتی و احساسات فطری اقبال نسبت بہ افغانستان واقف نبودند تصور می کردند کہ اقبال بلبلی است کہ از شاخسار گلشن افغانستان پرواز نمودہ و در چمن ہند رحل اقامت افگندہ و این ہمہ تمایل و تپایش او نسبت با افغانستان ناشی از علایق ذاتی و وحدت عرق و خون ملی است آری افکار نفیس و احساسات نجیب اقبال وی را در نظر یک افغان ہم جز افغان جلوہ نمیداد۔[۴۶]

ترجمہ: وہ لوگ جو افغانستان سے علامہ کی ذاتی دلچسپی اور فطری احساسات سے واقف نہیں وہ تصور کرتے ہیں کہ اقبال ایک بلبل ہے جو گلشنِ افغانستان کے شاخسار سے پرواز کر کے چمن ہند میں اقامت پذیر ہوا ہے۔ افغانستان سے ان کی تمام ذاتی تعلقات و دلچسپیوں کا باعث ان کی قومی فکرِ وحدت ہے۔ یقیناً علامہ کے نفیس ذاتی افکار اور بلند احساسات ایک افغان کی نگاہ میں افغانی جلوہ کی حد سے باہر نہیں۔

اعظمی نے تو علامہ کی فارسی شاعری کا سبب ان کے افغانستان سے عشق کو قرار دیا ہے:

اقبال در آثار قیمت داریکہ بہ زبان فارسی دارد غالبا از اظہار این عشق و علاقہ مندی نسبت بہ افغانستان خود داری نتوانستہ چنانچہ در اثر معروف خود پیام مشرق شہامت افغانان راستایش نمودہ میفرماید۔

ملتِ آوارۂ کوہ و دمن در رگ او خون شیر اں موج زن
زیرک و روئین تن و روشن جبین چشم او چون جرہ بازاں تیز بین

کذٰا موسیقی افغان رابایں طور میستاید:

بسی گذشت کہ در انتظار زخمہ وریست
چہ نغمہ ہا کہ نہ خون شد بہ ساز افغانی

و در جاي علایق سرشار خود رابہ ممالک اسلامیہ شرقی نشان دادہ میفرماید:

اگرچہ زادۂ ہندم فروغِ چشم من است
زخاکِ پاک بخارا و کابل و تبریز[۴۷]

اعظمی نے افغانستان کے استقلال پر علامہ کی دائمی مسرت کا ذکر آگے بڑھاتے ہوئے جاوید نامہ میں سید جمال الدین افغانی و سعید حلیم پاشاہ کے فلک عطارد پر پورے مکالمے کو مقالے کی زینت بنایا ہے۔ افغانستان میں سقوی انقلاب پر علامہ کی رنجیدگی کی طرف بھی مقالے میں اشارہ کیا گیا ہے۔

موقعیکہ افغانستان در سال ۱۳۰۷ دچار نفاق داخلی و گرفتار شورش خانگی گردید اقبال باپر و بال شکستہ در زاویہ آشیانۂ خویش باحال پر از حزن و ملال پسر میبرد۔ و بہ مصیبت افغانستان اشک حسرت می بارید، در طول آن مدت بدبختی ہر افغانیکہ اقبال را در ہند ملاقات کردہ وی راجز بحال حزن و غمگین و ریختن سیلاب اشک نہ دیدہ۔[۴۸]

ترجمہ: جب ۱۳۰۷ھ ش میں افغانستان داخلی خانہ جنگی کا شکار ہوا اقبال نے شکستہ بال و پر اور حزن و ملال سے اپنے آشیانہ کی طرف معنویت سے بھرپور سفر کیا۔ افغانستان کی مصیبت پر حسرت سے آنسو بہائے۔ اس دوران ہندوستان میں جو افغان علامہ سے ملا انھیں رنج، افسوس، غم اور آنسوؤں کے بغیر نہیں پایا۔

اعظمی کے مطابق اس دوران اقبال پوری مستعدی سے افغانستان کی امداد کے لیے سرگرمِ عمل رہے اور اپنے ہم وطنوں کے ایک بڑے گروہ سے اس صورتحال سے نمٹنے کے لیے چندہ اکٹھا کیا۔ مقالے میں افغانستان کے سقوی انقلاب کی دربدری کے دوران ایک طرف علامہ کے حزن و الم اور دوسری طرف اس ملک کی امداد اور تعاون کے پروگرام کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ اس دوران انھیں دوبارہ افغانستان میں اپنے ایک محبوب دوست اعلیٰحضرت محمد نادر شاہ کے افغانستان آنے اور سقوی انقلاب کے سقوط کا مژدہ سنایا جاتا ہے۔

پس از غایلۂ مصیبت افغانستان و نجات آن بدست حق پرست اعلیٰ حضرت شہریار شہید اقبال نشاط تازۂ پیدا کردہ و دوبارہ بچمن کامرانی پر و بال گشود نظر بانیکہ تحصیل استقلال وطن و بالآخر، نجات آن از اختلافات و خونریزی ھای داخلی بعزم مردانہ و شمشیر دلاورانہ اعلیٰ حضرت محمد نادر شاہ شہید صورت گرفتہ۔[۴۹]

افغانستان میں مصیبت سے نجات کے بعد عنانِ حکومت اعلیٰ حضرت محمد نادر خان غازی کے سپرد کیا جاتا ہے۔ اقبال نشاطِ تازہ پیدا کر کے دوبارہ چمن کامرانی کی طرف بال و پر کو پرواز کے لیے آمادہ کرتے ہیں۔

اقبال اپنی ایک تصویر کے ساتھ ۱۳۱۲ھ ش میں مجلّہ کابل کے لیے چند اشعار ارسال کرتے ہیں:

صبا بگوی بافغان کوہسار از من | بمنزلے رسد آن ملتیکہ خود نگر است
مرید پیر خراباتیان خودبین باش | نگاہ او ز عقاب گرسنہ تیز تر است
ضمیر تست کہ نقش زمانۂ تو کشد | نہ حرکتی فلک است زین نہ گردش قمر است
دگر بہ سلسلۂ کوہسار خود بنگر | کہ توکلیمی و صبح تجلی دیگر است[۵۰]

اعظمی دعویٰ کرتے ہیں کہ علامہ اقبال نے خود افغانستان آنے کی خواہش کا اظہار کیا تھا جس کے بعد انھیں افغان حکومت کی طرف سے دعوت دی گئی:

اقبال کہ قلب او در شورش خانمان پر انداز سال ۱۳۰۷ھ ش افغانستان خیلی خستہ و متاثر شدہ بود۔ پس از رفع آن بدبختی خواست تا یک بار سعادت ما بعد افغانستان را بچشم خود دیدہ و بزیارت نجات بخشندہ آن شہر بزیارت نجات بخشند، آن شہریار شہید مشرف شود لہٰذا این

عشق و آرزو از چندی بود کہ در کانون دماغ اقبال روشن شدہ و بدوستان و ارادت مندان افغان خود ہر وقت اظہار می نمود۔

حکومت متبوع ما کہ از ارادۂ مسافرت اقبال ملتفت شد مقدم اور گرامی دانستہ بہ آمدن افغانستان دعوتش فرمود آن مرحوم بلا درنگ بکمال میل قلبی باد و نفر فضلائی نامور ہندی رفقای خود علامہ سید سلیمان ندوی و فاضل مغفور سر راس مسود از طریق پشاور و جلال آباد وارد کابل گردید۔[۵۱]

ترجمہ: ۱۳۰۷ھ ش میں افغانستان کی شورش و بربادی کا اقبال کو دلی صدمہ ہوا تھا۔ لیکن ان بد بختوں کے بعد علامہ کو خواہش ہوئی کہ ایک بار اپنی آنکھوں سے افغانستان کی سعادت کا نظارہ کر سکیں۔ شہریار شہید سے مشرفِ ملاقات حاصل کریں لہٰذا یہی عشق و آرزو علامہ کے ذہن و دماغ پر حاوی رہی اور اس کا تذکرہ اپنے افغانی ارادت مندوں اور دوستوں سے کرتے رہے۔

چنانچہ ہماری حکومت کو علامہ کی اس خواہش کا پتا چلا اور انھیں افغانستان آنے کی باضابطہ دعوت دی جو انھوں نے بلا توقف قبول فرمالی اور اپنے دو ساتھیوں علامہ سید سلیمان ندوی اور سر راس مسعود کے ساتھ پشاور کے راستے جلال آباد و کابل تشریف لائے۔

مقالے کا اختتام علامہ کی انجمن ادبی کابل کی ضیافت میں تقریر کے حوالے پر ہوا ہے۔

مقالہ نمبر ۸:

اقبال (آریانا دائرۃ المعارف)

از عبد الرزاق فراھیؒ

افغان انسائیکلوپیڈیا ''آریانا دائرۃ المعارف'' کے لیے حضرت علامہ سے متعلق یہ مقالہ عبد الرزق فراھی کا تحریر کردہ ہے جو پہلے آریانا دائرۃ المعارف کے فارسی ایڈیشن اسد ۱۳۳۵ھ ش[۵۲] میں شائع ہوا اور بعد میں دائرۃ المعارف کے پشتو ایڈیشن جوزا ۱۳۴۳ھ ش میں شائع ہوا۔

انسائیکلوپیڈیا کے اصولوں کے تحت سب سے پہلے علامہ کا سوانحی تذکرہ کیا گیا ہے جس کے تحت علامہ کا سنۂ ولادت ۱۲۹۴ھ ق / ۱۲۵۴ھ ش / ۱۸۷۵ء لکھا گیا ہے۔[۵۳]

علامہ کے حصولِ علم کے مختلف مراحل کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ علامہ کا سفر افغانستان نومبر ۱۹۲۳ء میں بتایا گیا ہے جو کہ طباعتی غلطی ہے۔ علامہ نے افغانستان کا یہ سفر اکتوبر نومبر ۱۹۳۳ء میں کیا تھا۔ اس کے بعد آپ کے بعض فکری گوشوں کی نشاندہی کی گئی ہے۔ جس کے مطابق آپ اسلام اور مسلمانوں کے دلدادہ تھے:

داکتر اقبال یومتدین سړی وو او د اسلام او اسلامیانو سره ي ډیره مینه لرله- د شرقي ملتونو سره ییہم علاقه وه- د شرقي هیوادونو د شاته بیرته پاتی کیدلو په وجه ډیر غمجن وو- اوله دي له امله یي هځه کول او مخصوصا د اسلام د خواری او مخ په شا او تنلی توب په حال یي ډیر ژړل لکه چې ده په خپل یوه اثر په نامه د "ارمغانِ حجاز" د اسلام دستر مشربه دربار کې ویر او فغان کړی دی۔

مسلمان فاقه مست و ژنده پوش است زکارش جبریل اندر خروش است
بیا نقش دیگر ملت بریزیم که این ملت جهاں را بار دوش است[۵۴]

ترجمہ: اقبال ایک سچی شخصیت کے مالک تھے۔ اسلام اور مسلمانوں سے نہایت محبت کرتے تھے۔ مشرقی ملتوں سے ان کی دلچسپی اور مشرقی ممالک کی پسماندگی کا انھیں از حد افسوس تھا۔ اسلام کے تنزل اور مسائل کی وجہ سے ہمیشہ افسردہ رہتے تھے اور انھی حسرتوں کا اظہار انھوں نے اپنی ایک تصنیف ارمغانِ حجاز میں کیا ہے۔

اقبال نے مسلم لیگ کے پلیٹ فارم سے پاکستان کی جدوجہدِ آزادی میں بھرپور حصہ لیا۔ سیاسی حوالے سے علامہ کی شخصیت سے متعلق قائداعظم محمد علی جناح کا قول بھی نقل کیا ہے۔ ۱۹۳۰ء میں سر آغا خان کی سربراہی میں علامہ کے اس کانفرنس کے صدر منتخب ہونے کا حوالہ دیا گیا ہے۔

علامہ نے نظریہ پاکستان پیش کر کے ہندوستان کے مسلمانوں کے لیے ایک جدا مملکت کا تصور پیش کیا۔ علامہ افغانستان سے بھی محبت کرتے تھے۔ چنانچہ پیامِ مشرق میں احمد شاہ بابا کو افغان ملت کا مؤسس اور افغان ملت کو ایشیا کا دل قرار دیا ہے:

آسیا یک پیکر آب و گلِ است ملت افغان در آں پیکر دل است

از فساد او فساد آسیا　　در کشادِ او کشاد آسیا
تا دل آزاد است آزاد است تن　　ورنہ کاہی در رہ باد است تن[۵۵]

آریانادائرۃالمعارف علامہ کے موت کا سبب ملتِ اسلامی کا غم گردانتے ہیں۔اور لکھتے ہیں:

د هغه خفګان او تأثر لامله چې د داکتر اقبال د مشرق او په تیره د عالم اسلام د بیرته پاته کېدو په کښې درد لرو په آخر عمر کښې ورته ضعف پیدا شو او مخصوصاً په ۱۹۳۴ کال کښې ناجوړولو ورته مخه او کړه- اور ورځ په ورځ یې ناروغي ډیریدله خوځچې د۱۹۳۸ اپریل په ۲۱ د۱۳۱۷ ه ش د ثورله۲ سره سم۱۳۵۷ ه ق د سهار په پینځه نیمی بجود کلې ساه بندی په اثر په۶۲ کلنی کښې وفات شو۔[۵۶]

ترجمہ: اس پریشانی اور تأثر کی وجہ سے جو حضرت علامہ کو مشرق اور بالخصوص عالم اسلام کے پسماندگی سے ان کو لاحق تھی آخر عمر میں اقبال کے لیے باعثِ ضعف ثابت ہوا۔ اور خصوصاً ۱۹۳۴ء میں صحت گرنے لگی۔ دن بدن بیماری شدت اختیار کرتی رہی اور ۲۱، اپریل ۱۹۳۸ء بمطابق ۲ ثور ۱۳۱۷ھ ش/ ۱۳۵۷ھ ق صبح ساڑھے پانچ بجے وفات پائی۔

مقالے میں علامہ کی تصانیف کا ذکر سنۂ اشاعت کی ترتیب سے لیا گیا ہے۔ تصانیفِ اقبال کی تفصیل کے بعد علامہ کے چند فکری جہتوں پر مباحث موجود ہیں۔

۱- اقبال کے فلسفیانہ افکار:

اس ضمنی عنوان کے تحت علامہ کے فلسفیانہ افکار کا جائزہ لیا گیا ہے۔ برصغیر جو انگریز استعمار کے زیرِ تسلط رہا تھا اور جہاں کے افکار بھی غلامانہ ہو چکے تھے، اس میں ایک مردِ خود آگاہ نے صدا بلند کی۔

اے ہمالہ اے اٹک اے رود گنگ　　زیستن تا کے چنان بے آب و رنگ
شرق و غرب آزاد و ما نخچیر غیر　　خشت ما سرمایۂ تعمیر غیر
زندگانی بر مراد دیگران　　جاویدان مرگ است نے خواب گران[۵۷]

اقبال نے اگرچہ یورپی فلسفہ پڑھا تھا لیکن اس فلسفے سے بیزار ہو کر اسلامی فلسفے کے پرچار کا درس دیتے رہے۔

مے از میخانۂ مغرب چشیدم　　بجان من کہ درد سر خریدم
نشستم بانکویان فرنگی　　از آن بے سود تر روزے ندیدم[۵۸]

اس بحث میں ایک اور مقام پر مغربی تہذیب پر علامہ ؒ تنقید کی طرف یوں اشارہ کیا گیا ہے:

علم اشیا خاک مارا کیمیاست آه در افرنگ تاثیرش جداست
عقل و فکرش بے عیار خوب وزشت چشم او بے نم دل او سنگ و خشت
آه از افرنگ و از آئین او آه از اندیشۂ لا دین او[59]

مغربی طرزِ معاشرت و اندازِ فکر پر انتقادات کے بعد مقالے میں تصوف اور اسلامی تصوف اور ان سے اقبال کے تعلق پر ایک طویل بحث ہے۔ روح کی حقیقت، انسانی حیات، فلسفۂ موت اور اس موضوع سے متعلق ان کی اسرار و رموز کو زیرِ بحث لایا گیا ہے۔

اقبال پته خوله او چپتیا د قام مرګ بولي په هغه اولس کښې چې تبلیغ او موعظت نه وی هغه قام دده په نظر کښې دمرګ سره مخامخ دی څه زنګه چې اقبال د مولانئ روم په ژبه ځان ته داسې وائی:

ترجمہ: اقبال خاموشی کو اقوام کی موت سمجھتا ہے۔ وہ اقوام جو تبلیغ اور موعظت سے بے نیاز ہوتی ہیں۔ ان کے خیال میں موت سے دوچار ہو جاتی ہیں اور اقبال مولانائے روم کے زبان میں کہتے ہیں:

آتش ھستی بزم عالم بر فروز دیگران راھم زسوز خود بسوز
از نیستان ھمچو نے پیغام ده قیس را از قوم حی پیغام ده
ناله را انداز نو ایجاد کن بزم را از ھاے و ھوے آباد کن
خیز و جان نو بده هر زنده را از قم خود زنده تر کن زنده را
آشناے لذت گفتار شو اے درا اے کاروان بیدار شو

اقبال د حضرت جمال الدین افغانی د سوز و ګداز نه الهام واخیست او به ډیرو نارو سورو یې مسلمانان د درانده خوب نه راؤیښ کړه- د اسلامی او لسونو مرائی توب او غلامۍ د باچاهانو د استبداد او خود پرستۍ او د ملایانو د جاه طلبۍ په وجه بولی او داسې دائی:

اقبال نے حضرت جمال الدین افغانی کے سوز و گداز سے الہام لیا اور پُر سوز نعروں سے مسلم امہ کو خواب گراں سے بیدار کیا۔ اسلامی ممالک کی غلامی کا وجہ بادشاہوں کا استبدادی رویہ، خود پرستی اور علما کی جاہ طلبی ہے۔

آہ زان قومے کہ از پا بر فتاد — میر و سلطان زاد و درویشی نژاد
داستان اومپرس از من کہ من — چون بگویم آنچہ ناید در سخن
در گلویم گریہ ھا گردد گرہ — این قیامت اندرون سینہ بہ
مسلم این کشور از خود نا امید — عمر ہا شد با خدا مردے ندید
لاجرم از قوت دین بدظن است — کاروان خویش را خود رہزن است
از سہ قرن این امت خوار وزبون — زندہ بے سوز و سرور اندرون
پست فکر و دوں نہاد و کور ذوق — مکتب و ملاے او محروم شوق
زشتی اندیشہ او را خوار کرد — افتراق او را ز خود بیزار کرد
تا نداند از مقام و منزلش — مرد ذوق و انقلاب اندر دلش
طبع او بے صحبت مرد خبیر — خستہ و افسردہ و حق ناپذیر[۶۰]

اشتراکیت اور اقبال کے ضمنی عنوان میں اشتراکی فلسفہ، اشتراکی ممالک کے طبقاتی تضادات اور علامہ کے نظریات پر بحث کی گئی ہے۔

مقالہ نمبر ۹:

افغانستان و اقبال

از سرور خان گویاؔ

جناب سرور خان گویاؔ کا یہ مقالہ یومِ اقبال ۱۹۶۷ء کے خصوصی پروگرام منعقدہ کراچی کے لیے تحریر کیا گیا تھا۔ یہ مقالہ یعقوب توفیق کے مرتب کردہ مقالات یومِ اقبال (اقبال کونسل کراچی ۱۹۶۷ء) میں فارسی متن اور فاضل مشہدی کے اردو ترجمے کے ساتھ شائع ہوا ہے۔ اس محفل کے انعقاد کو گویاؔ نے ایک علمی سعادت قرار دیتے ہوئے لکھا تھا:

انعقاد انجمن برای یاد بود و ذکر آثار باافتخار زعیم شرق، عارف اسلام، شاعر خاور استاد و امام گویندگان فارسی وارد و علامہ اقبال در دلہا شوری و در جانہا تاثیری پدید می آورد کہ زبان و بیان آزادی آں عاجز ناتوان است۔[۶۱]

ترجمہ: ایسی محفل کا انعقاد جس میں رہنمائے شرق، عارف اسلام، شاعر مشرق، فارسی اور اردو کے سخن پردازی کے استاد اور امام علامہ اقبال کی یاد میں اور ان کی قابلِ فخر باقیات کے ذکر کرنے کا اہتمام کیا گیا ہو دلوں میں ایسا جذبہ اور روح میں ایسی تاثیر پیدا کرتا ہے کہ زبان و بیان اسے لفظوں میں ادا کرنے سے عاجز ہیں۔

گویاؔ کی چونکہ حضرت علامہ سے گہری دوستی اور ذاتی مراسم تھے۔ علمی عشق اور ادبی عقیدت سے مغلوب ہو کر علامہ کو نہ صرف خطابات سے سرفراز فرمایا بلکہ ان کی تعریف و توصیف میں اعتراف کی حدود کو پار کرتے ہوئے تعریف کی سرحدات سے بھی آگے نکل گئے ہیں۔

اقبال کوکب طالع، گویندۂ بزرگ، حکیم عصر، زبدۂ روزگار و ودیعۂ زمان و فرزند گیتی و شاعر بشریت و بیدار کنندۂ مشرق و دشمن استعمار و منادی آزادی و استقلال بود اقبال ستارہ فروزان بود کہ فروغ فلسفہ و دانش او بر جہاں اسلام می نافت و مقام او آثار او، قدرت قلم و قریحت او، عشق و شیدائی او فلسفہ و حکمت او بزرگترین و از آن است کہ باکلمات چند حق آن بزرگوار راتواں گذارد۔

بقول مولانائے بلخی:

یک جہاں خواہم بہ پہنائے فلک
تا بگویم وصف آں رشک ملک

دریں بہار کہ بگفتہ خود وی نجوم پرن از مرغزار رستہ زمین از بہاران چوں بال تذرو شدہ نگہ جز در لالہ و گل نہ پیچید و ھوا جز بر سبز و سنبل نہ غلتہ نواھای این مرغ بلند آشیان از کنگرۂ آسمان سخن بہ گوش ما میرسد۔ نواھای کہ تا دل باقی و جہان باقی تا عشق باقی و شعر باقی تا توحید باقی و اسلام باقیست پایندہ و جاودان خواہد بود وی رموز و اسرار ارتقائی بشریت رامی شناخت و بہ راز سعادت اسلام و ملل شرق آشنا بود۔ او شرقیان را بہ برادری و برابری و حریت و آزادی و بہ خداشناسی و خودشناسی ترغیب میکرد۔[۶۲]

ترجمہ: اقبال نصیب کا ستارہ، عظیم شاعر، دانائے عصر، خلاصۂ روزگار، عہد کی امانت، مادر گیتی کا ثبوت، بشریت کا شاعر، مشرق کو بیدار کرنے والا سامراج کا دشمن، آزادی اور استقلال کا نقیب تھا۔

اقبال ایک ایسا درخشندہ ستارہ تھا کہ اس کے فلسفے اور دانش کی روشنی اسلامی دنیا میں تنویر بکھیرتی رہی۔ اس کا مقام، اس کی باقیات، اس کے قلم کی طاقت و ندرت، اس کا عشق، شگفتگی، اس کا فلسفہ و حکمت اس قدر بے پایاں ہے کہ ہم چند لفظوں کے کوزے میں اس دریا کو بند نہیں کر سکتے۔ بقول مولانا بلخی:

یک جہاں خواہم بہ پہنائے فلک
تا بگویم وصف آن رشک ملک

(یہ تنگ سا جہاں نہیں) آسمان جتنی وسعت کا ایک جہاں چاہیئے تا کہ اس رشک افلاک کا وصف بیان کر سکوں۔

اس موسم بہار میں جس کی تعریف میں وہی ممدوح یوں رطب اللسان ہے کہ عقد ثریا مرغزار سے اُبھرا۔ زمیں تازگی بہار سے تدرو (چکور) کے پروں کی طرح خوش منظر ہے۔ آنکھ لالہ و گل کے سوا کہیں نہیں پڑتی۔ ہوا کی اٹھکیلیوں کو سبزہ و سنبل کا فرش میسر ہے۔

اس مرغ سے بلند آشیاں (یعنی اقبال) کی نوائیں آسمان سخن کے کنگروں سے ہمارے کانوں میں زمزمہ ریز ہوتی ہیں۔ نوائیں بھی ایسی کہ جب تک دل باقی ہے، یہ جہاں باقی ہے، عشق کا نام باقی ہے، شعر کا وجود باقی ہے، توحید کا کلمہ باقی اور اسلام باقی ہے۔ یہ بھی پائندہ و جاوداں رہیں گی۔ وہ ارتقائے بشریت کے رموز و اسرار کا جاننے والا تھا۔ وہ اسلام اور مشرق کی ملتوں کی خوش طالعی کے راز سے آشنا تھا۔ وہ اہلِ مشرق کو اخوت، مساوات، حریت، آزادی، خداشناسی اور خود آگہی کی ترغیب دیتا رہا۔

گویا سید جمال الدین افغانی کی پیروی میں علامہ کے عالمگیر اسلامی وحدت کے نظریئے کی طرف اشارہ کرتا ہے:

علامہ اقبال مانند استاد و پیشوای بزرگ خود سید جمال الدین افغانی بہ توحید مللِ اسلام عشق و سوز داشت ایران، ترک، افغان مسلمانان ہند عرب و تاتار در نگاہ وی گلہای بودند کہ از یک چمن رستہ و در یک بہار پرورده و از یک سر چشمہ آب خورده باشند گویندگان کلمۂ لا الہ الا اللہ و

جبین سایان وادی غیر زی زرع ام القرارا بہ یک راہ دعوت میکرد او عشق و بیخودی را بر خوردہ کارھای خرد ترجیح می نہاد او معتقد بعد تا مسلمانان ام الکتاب کہ عروۃ الوثقیٰ الٰہی است با ایمان غیر متزلزل و عقیدۂ کامل چنگ نزنند رستگار نخواہند شد۔[۶۳]

ترجمہ: علامہ اقبال اپنے استاد اور عظیم پیشوا سید جمال الدین افغانی کی طرح "پان اسلام ازم" کے عشق اور جذبے سے سرشار تھا۔ اس کی نظر میں ایرانی، ترک، افغان، ہندی، مسلمان، عرب اور تاتاری ایک ہی باغ ایک ہی بہار اور ایک ہی سرچشمے کے پروردہ پھول ہیں۔ وہ کلمہ لا الہ الا اللہ پڑھنے والوں اور مکے کی وادی غیر ذی زرع کی خاک پر پیشانیاں رکھنے والوں کو ایک ہی مسلک پر گامزن ہونے کی دعوت دیتا تھا۔ وہ عقل کی باریک بینیوں پر عشق و بے خودی کو ترجیح دیتا تھا۔ اس کا اعتقاد تھا کہ مسلمان جب تک ام الکتاب کو جو خدا کی مضبوط رسی ہے' سے غیر متزلزل ایمان اور کامل عقیدے کے ساتھ نہیں پکڑتے، ان کی نجات نہ ہو گی۔

سرور خان گویا کا یہ مقالہ ایک افغان ادیب کے ایسے گہرے اور سچے جذبات کا آئینہ دار ہے جو ان کے دل میں علامہ کے عشق، احترام اور پذیرائی کے لیے بے اختیار ان کے قلم سے نکلے ہیں۔ اس جذباتی تعلق کا حال آگے بھی دیکھیے:

ارادت ما بر اقبال علامہ ما بر آثار و گفتہ حای آں شاعر بی ھمال چنان است کہ ارادت ما بر سنائی و مولوی و جامی و سید جمال الدین افغانی۔ اقبال ما افغانہارا از صمیم قلب دوست میداشت بر درہ و دریای ما بر خارہ و خار ای ما بر کوہ و صحرای ما بر عرفان و ادبیات ما بر آثار و آبدات ما بر تاریخ و روایات ما چناں بہ عشق و محبت می دید کہ کسی بہ خانہ و آثار خویش نگاہ کند و بر افتخارات و بہ بقایای تاریخی خود ناز نماید عشق و محبت فرزندان افغان و زادگان کوھسار در دل وی سخت متمد کز و نہایت راسخ بود۔ از مناظر و مرایای زیبای کشور ما چنانکہ شعر او صاحب دلان ما وجد کردہ اند و لذت بردہ اند وی بہ ھمان اندازہ لذت ببرد و بہ شور می آمد و بر افتخارات و اعتلای کشور ما چنان کہ بزرگان ما متمتع میشدند خویش را متمتع و بر خود داری می پنداشت بر شادی ما شادی می شد و بر اندوہِ ما میگریست۔

حضرت علامہ پیرو و پیر انصار شاگرد دبستان استاد بزرگ سنائی غزنوی و مولانا جلال الدین بلخی و مولانا عبدالرحمٰن جامی هروی و سید جمال الدین افغانی و بالاخرہ یکی از مفاخر مشترک ما و ملت دوست ما پاکستان بود۔[۶۴]

ترجمہ: اقبال سے ہماری ارادت مندی اور اس شاعر یکتا کی تخلیقات کے ساتھ وابستگی اس طرح ہے جیسے سنائی مولوی جامی اور سید جمال الدین افغانی سے۔ اقبال ہم افغانوں کو صمیم قلب کے ساتھ دوست رکھتا تھا۔ ہمارے دروں اور دریاؤں کو، ہمارے پر خار جنگلوں اور چٹانوں کو، ہمارے پہاڑوں اور صحراؤں کو، ہماری عرفانیات اور ادبیات کو، ہمارے آثار اور باقیات کو، ہماری تاریخ اور روایات کو وہ ایسے لگاؤ سے دیکھتا تھا جیسے کوئی اپنے گھر بار کو دیکھے اور اپنے سرمایۂ افتخار اور تاریخی روایات پر پھولا نہ سمائے۔ فرزندانِ افغان اور کوہسار زادگان کا عشق اور ان کی محبت اس کے دل کے گوشے گوشے میں جاگزیں تھی۔ جس طرح ہمارے شاعر اور صاحبِ دل اپنی کشور حسین کے مناظر دلکش پر وجد کرتے اور لذتِ اندوز ہوتے ہیں عین اسی طرح اقبال بھی جھومتا اور نعرہ زن ہوتا تھا اور جس طرح ہمارے بزرگ ہماری ولایت کے افتخار و رفعت سے اپنی تیئں بہرہ مند سمجھتے تھے، اسی طرح وہ بھی اپنے آپ کو ان سے بہرہ ور سمجھتا تھا۔ اسے ہماری خوشی سے خوشی ہوئی اور ہمارے غموں پر وہ اشک ریز ہو جاتا تھا۔

حضرت علامہ بزرگ استاد سنائی غزنوی، جلال الدین بلخی، نورالدین جامی ہروی اور سید جمال الدین افغانی کے مکتب فکر کے طالب علم، پیر انصار کے پیرو اور بالاخر یہ کہ وہ ہمارے اور ہماری دوست ملت پاکستان کے مشترکہ افتخارات میں سے ایک تھے۔

گویاؔ کو یہ بھی احساس ہے کہ علامہ افغانوں سے بھی عشق کرتے تھے۔ افغانوں سے عقیدت اور محبت پر مشتمل ان کے کلام کے حوالے سے بحث کی گئی ہے۔ گویاؔ چونکہ سفر افغانستان کے دوران حکومت کی جانب سے علامہ اور ان کے شرکائے سفر کے پروٹوکول آفیسر تھے لہٰذا اس مقالے میں علامہ کے سفر افغانستان کے حوالے سے اپنے بعض دلچسپ مشاہدات بھی قلمبند کیے ہیں۔ گویاؔ لکھتے ہیں کہ اگرچہ علامہ نے اس سفر کی کیفیات مثنوی مسافر میں قلمبند کی تھیں۔ مگر ہم اس عظیم افغان شناس کو مسافر تصور نہیں کرتے تھے۔

ان کی وفات پر ہم افغانوں نے بے شمار آنسو بہائے۔ ہم نے سوگ منایا اور ہمارے خطیبوں نے خطابات کیے۔

مقالے کا اختتام بھی سرور خان گویاؔ کے علامہ سے جذباتی تعلق کا آئینہ دار ہے۔ اس میں علامہ کے مزار کے لیے افغانستان کی جانب سے بھیجا جانے والا مزارِ اقبال کے تعویذ کا تذکرہ بھی ہے۔

یاد اقبال در لواح صدور و صفحات قلوب ما چون نقش بر سنگ است نقشی کہ بہ گردش مہر وماہ و تطورِ لیل ونہار و سیر قرون واعصار در بنیاد استوار آن فتوری وارد نگردد۔

خلل بدید بود ہر بنا کہ می بینی
بجز بنای محبت کہ خالی از خلل است"[۶۵]

ترجمہ: اقبال کی یاد ہمارے سینوں کی لوح اور دلوں کے صفحات پر اسی طرح نقش ہے جیسے پتھر پر کوئی نقش بنا ہوا ہو یعنی ایسا نقش کہ جس کی مضبوط بنیادوں میں مہر وماہ کی گردش سے روز وشب کی توالی سے اور نہ صدیوں اور زمانوں کے گزرنے سے خلل آسکتا ہے۔ ہر بنیاد جو نظر آتی ہے اس میں ایک روز خلل آجائے گا لیکن نہیں آئے گا تو اس بنیاد میں جسے محبت سے استوار کیا گیا ہو۔

مقالہ نمبر ۱۰:

د خوشحال او اقبال د اشعارو ځنې مشترکه خواوی

(خوشحال اور اقبال کے اشعار کے چند مشترک پہلو)

از عبد اللہ بختانی خدمتگارؔ

عبد اللہ بختانی کا یہ مقالہ دراصل خوشحال خان خٹک کے ۲۸۶ ویں یومِ وفات کی مناسبت سے کابل میں منعقدہ پشتو ٹولنہ کے زیرِ اہتمام بین الاقوامی کانفرنس (از سوموار ۵، اگست ۱۹۶۶ء تا ۲۱، اگست ۱۹۶۶ء بمطابق جمعہ ۲۸، اسد ۱۳۴۵ھ ش بمطابق ۱۹، اگست ۱۹۶۶ء کو پیش کیا گیا تھا۔

اس مقالے میں حضرت علامہ کے فکر و فن پر صاحبِ سیف و قلم عظیم پشتو شاعر خوشحال خان خٹک کے اثرات کا جائزہ لیا گیا ہے۔ اس تقابلی جائزے میں ان دونوں حضرات کے مشترک فکری نکات کا تحقیقی جائزہ پیش کیا گیا ہے۔

مقالے کے آغاز میں خوشحال اور اقبال کے درج ذیل ابیات دیے گئے ہیں:

خوشحال:

دا رنگینی معنی چیری دی خوشحاله
چې را درومی لکه گل به بیاض ستا

ترجمہ: یہ رنگین معنی کہاں سے ہیں خوشحال؟ جو تیری بیاض سے پھول کی مہک کی طرح اُڑ رہے ہیں۔

اقبال:

برگ گل رنگین ز مضمون من است
مصرعِ من قطرۂ خون من است

قوموں کی مجموعی تشکیل میں شاعری کے کردار و اثرات کا جائزہ لیا گیا ہے۔ خوشحال اور اقبال کے محیط، ان کے سیاسی حالات کے اشتراک اور ان کی فکری تشکیل کے حوالے سے بختانی لکھتے ہیں:

خوشحال او اقبال دواړه د مسلمانانو په جامعه کښې را پا څیدلی دی او د هغو د پا څولو او ویښولو سندرې یې ویلی دی۔ دغه او لسونه نوی ژوند غواړی چې هغه یا د اسرافیل په شپیلۍ او یاد خوشحال او اقبال غوندې شاعرانو په نغمو او پیغورونو لاس ته راځی۔ خوشحال په داسی وخت کې سر او چتوی چې قوم یې د مغل د استعمار ترخه ساعتونه تیروی او اقبال د انګریز د اقتدار او استعمار په عصر کې غږ پورته کوی۔

خوشحال د خپل قوم د نجات د پاره د شرق د سیاسی ادبیاتو په تاریخ کې دلو مړی ځل دپاره د ملیت (نیشنلزم) نغمې غږوی او اقبال د شرق د آزادۍ د پاره د شرقی ملیت روح ژوندې کوی۔

ځه رنګه چې د اقبال او خوشحال د اولسونو ژوند او تاریخ تقریباً د مشابهو شرائط لاندې واقع شوی دی نو د دوا ړو په نغمو او آهنګو کې مشابه سُر او تال تر غوږه کیږي- اقبال تقریباً په هغه هم محیط کښې واقع دې چې هلته د خوشحال د ادبی مکتب زور او شور تیر شوې- نو ارو مرو شعر یوه منبع د خوشحال د تفکر نیزه ګڼلی شو-[۲۶]

ترجمہ: خوشحال اور اقبال دونوں مسلم معاشرے کے پیدا کردہ ہیں۔ دونوں نے اس معاشرے کی بیداری اور حرکت کے نغمے لکھے ہیں۔ یہ ملت حیات نو چاہتی ہے۔ جو یا تو اسرافیل کی صور سے یا خوشحال و اقبال جیسے شعرا کے نغمات کے طفیل ممکن ہے۔ خوشحال ایک ایسے دور میں سر بلند کرتے ہیں جب ان کی قوم مغل استعمار کے تلخ وقتوں کو گزار رہی ہوتی ہے اور اقبال انگریزی اقتدار کے استعمارانہ عصر میں صدا بلند کرتے ہیں۔

خوشحال اپنی قوم کی نجات کے لیے پہلی بار مشرقی ادبیات کی سیاسی تاریخ میں ملت (نیشنلزم) کے نغمے بلند کرتے ہیں اور اقبال مشرق کی آزادی کے لیے مشرقی ملت کو زندہ روح عطا کرتے ہیں۔ جس طرح خوشحال اور اقبال کے ہاں ملتوں کی حیات اور تاریخ ایک جیسی تھی اسی طرح دونوں کے نغمات میں مشابہت کی آہنگ سنائی دیتی ہے۔ اقبال تقریباً اسی خطے میں پیدا ہوئے جہاں خوشحال کا ادبی مکتب زور و شور سے گزرا تھا۔ لہٰذا اقبال کے فکر کے ایک گوشے پر خوشحال کے فکر کا اثر ناگزیر ہے۔

بختانی کو اس بات کا اعتراف ہے کہ اقبال پشتو تو نہیں جانتے تھے مگر پشتونوں کی تاریخ و ادب سے پوری طرح باخبر تھے کیونکہ ان کے اردو و فارسی کلام پر پشتونولی کے جلوے موجود ہیں۔ بالِ جبریل کے حاشیے کی رو سے خوشحال خان کے بارے میں اقبال کی آگاہی کا پتا چلتا ہے کہ انھوں نے خوشحال کے تراجم پڑھے تھے۔

اس مقالے کو چودہ ضمنی عنوانات میں تقسیم کیا گیا ہے۔

۱- شاعر کے نظریات، ۲- بلند ہمتی، ۳- بلند خیال، ۴- گہری فکر، ۵- غیرت اور مجاہدہ، ۶- آزادی سے عشق، ۷- ریاکاری کی مزاحمت، ۸- عام شکایت، ۹- باز (شاہین) دونوں شعرا کی مشترک علامت، ۱۰- خوشحال کا باز، ۱۱- اقبال کا شاہین، ۱۲- افغان

معاشرہ، ۱۳- اقبال کے اشعار میں خوشحال کا تذکرہ، ۱۴- اقبال کے اشعار میں خوشحال کا فکری اثر۔

ان موضوعات میں ہر موضوع پر مختصر تمہیدی نوٹ کے بعد پہلے خوشحال اور بعد میں اس موضوع سے متعلق اقبال کے ابیات دیے گئے ہیں۔ شاعر کی آئیڈیالوجی کے ذیلی عنوان کے تحت پہلے خوشحال کے درج ذیل ابیات دیے گئے ہیں:

رخنه ګرد ملك پرې مه ږده په خپل ملك کښې
په حکمت په زرو زور په لښکرونه
څو په تورو په توبريو په نيزو شی
سد چندان شی په تدبير په هنرونه[٦٧]

ترجمہ: ملک کا رخنہ گرد اپنے خطے میں مت چھوڑ جو حکمت، دولت اور قوت کے لشکروں سے براجمان ہونا چاہتا ہے۔ چند تو تلواروں کلہاڑوں اور نیزوں کا سہارا لیتے ہیں جبکہ سیکڑوں حکمت اور تدبیر کا راستہ لیے ہوئے ہیں۔

بې و تيغ له آبه نورې اوبه نشته
چې جنګجوی سر ساړه کا تېرونه
څو وانخلی له غليمه انتقام
مردنه خوب کا نه خواړه کا نه آرام
يا نيولی مخ مکې ته
يا مغلو و سره رزم
پښتانه چې نور څه فکر کا ناپوه دی
بې له تورې خلاصی نه شی په بل کار[٦٨]

تیغ کی آب کے سوا کوئی آب نہیں جو جنگ کے بعد دھڑ کو ٹھنڈا کر لیتے ہیں۔ جب تک مرد دشمن سے انتقام نہ لے نہ سوتے ہیں نہ کھاتے اور نہ آرام کرتے ہیں۔ (قید کے بعد یہ آرزو ہے) کہ یا تو مکے کا رُخ کروں یا مغلوں کے ساتھ نبرد آزما ہو جاؤں۔ پشتون اگر کسی اور

زاویے سے سوچتے ہیں تو یہ ان کی کوتاہ اندیشی ہے۔ تلوار کے علاوہ کسی اور شے سے نجات ناممکن ہے۔"

بختانی ان ابیات کے بعد حضرت علامہ کے درج ذیل ابیات کا حوالہ دیتے ہیں:

آدمیت زار نالید از فرنگ — زندگی ہنگامہ برچید از فرنگ
پس چہ باید کرد اے اقوام شرق؟ — باز روشن می شود ایامِ شرق
در ضمیرش انقلاب آمد پدید — شب گذشت و آفتاب آمد پدید
نقش نو اندر جہان باید نہاد — از کفن دزدان چہ امید کشاد؟
اھل حق را زندگی از قوت است — قوت ہر ملت از جمعیت است[۶۹]

بلند ہمتی کے تحت خوشحال کے درج ذیل ابیات دیے گئے ہیں:

طمع بلا ده اسیر بنده کا
بنه بنه سړی وی دا يي ګنده کا
ما ډیر لیدلی چې طمع نه لری
په پادشاهانو پوري خنده کیا
د منت دارو که مرم په کار مې نه دی
که علاج لره مې راشی مسیحا هم
بخت دې که طالع ده که دا خپله فقیری ده
خدایٔ مې شړی توره برابره د اطلس کړه[۷۰]

ترجمہ: طمع اور لالچ بری بلا ہے جو آزاد بندے کو غلام بناتی ہے۔ اسی نے اچھی ہستیوں کو برا بنایا ہے۔ میں نے کئی ایسے دیکھے ہیں جو لالچ سے بے نیاز ہیں اور بادشاہوں پر ہنستے ہیں۔ مجھے منت کی دوا نہیں چاہیے بے شک مر جاؤں خواہ میرے علاج کے لیے مسیحا کیوں نہ آئے۔ یہ بخت ہے یا قسمت یا کہ میری فقیری کہ پروردگار نے میری سیاہ چادر کو میرے لیے اطلس بنایا ہے۔

علامہ اقبال کے درج ذیل ابیات موضوع کی مناسبت سے دیے گئے ہیں:

من فقیرم بے نیازم مشربم این است و بس
مومیائے خواستن نتوان شکستن میتوان

ناز شہاں نمی کشم، زخم کرم نمی خورم
در نگر ای ہوس فریب ہمت این گدائی را
نہ شیخ شہر نہ شاعر نہ خرقہ پوش اقبال
فقیر راہ نشین است و دل غنی دارد[۷۱]

خوشحال:

هغه زر تر کاڼي لوټې لا بتردی
چې يې ومنډی په زمکه نه خرڅيږی
چې او به په ځای ايسارې شی خوساشی
صفايي يې هم په دا ده چه بهيږی[۷۲]

ترجمہ: وہ سونا پتھر یا ڈھیلے سے بدتر ہے جو زمین میں دبا کے رکھ دیا جاتا ہے لیکن پھر بِکتا نہیں۔ پانی جب ساکن رہتا ہے تو بدبودار بن جاتا ہے۔ اس کی صفائی اس کی حرکت کی مرہونِ منت ہے۔

اقبال:

اگر کردی نگہ بر پارۂ سنگ زفیض آرزوے تو گہر شد
بہ زر خود را مسنج اے بندۂ زر کہ زر از گوشۂ چشم تو زر شد[۷۳]

خوشحال:

د درويش برخه خوشی غم د هغو وی
چې په شمار د زرو ناست وی چون و چند کا

ترجمہ: درویش کا حصہ فقط ان لوگوں کی غمخواری ہے جو دولت کے شمار میں چون وچند سے دوچار ہوتے ہیں۔

اقبال:

مرد درویش کا سرمایہ ہے آزادی و مرگ!
ہے کسی اور کی خاطر یہ نصابِ زر و سیم!

خوشحال:

د سلیمان غونډې يې په زړګی کېږده
نه قارون غونډې يې ږده د زړه دننه

ترجمہ: سلیمان کی طرح مال و دولت دل کے اوپر رکھ، قارون کی مانند اس کو دل میں نہ چھپا۔

اقبال:

ضمیرِ پاک و نگاہِ بلند و مستیٔ شوق
نہ مال و دولتِ قارون، نہ فکر افلاطون!

بلند خیالی کے تحت خوشحال اور اقبال کے درج ذیل اشعار مقالے میں دیے گئے ہیں:

خوشحال:

که لوېِ و ته مې ګوری   ماه و خور زما پرچم دی
آسمانونه مې خیمې دی   پرې د ستورو و زینت تم دی
لامې لوړ باغونه نور دی   ککی باغ مې د ارم دی[۴۷]

ترجمہ: اگر میرے بلندی کو دیکھنا ہے تو ماہ و خور میرے پڑوس میں ہیں۔ آسمان میرا خیمہ ہے جس پر ستارے چمک رہے ہیں۔ میرے بلند تر باغ اور بھی ہیں اور باغِ تو میرا ایک چھوٹا سا گلشن ہے۔

اقبال:

بلند بال چنانم کہ بر سپہر برین
ہزار بار مرا نوریاں کمین کردند

پرے ہے چرخِ نیلی فام سے منزل مسلماں کی
ستارے جس کی گردِ راہ ہوں، وہ کارواں تو ہے

مقالے میں پہلے ذکر شدہ چودہ عنوانات کے تحت ان دونوں عظیم شعرا کے افکار میں مماثلت کا جائزہ پیش کیا گیا ہے۔

مقالہ نمبر ۱۱:

فلسفۂ اقبال

از پروفیسر ڈاکٹر غلام حسن مجددیؒ

پروفیسر ڈاکٹر غلام حسن مجددی (سربراہ شعبۂ ادبیات کابل یونیورسٹی) کا یہ مقالہ دراصل حضرت علامہ کے ستائیسویں یومِ وفات کی مناسبت سے کابل میں پاکستانی سفارتخانے میں منعقدہ تقریب میں سنایا گیا تھا۔ اس تقریب کی صدارت مشہور افغان اقبال شناس جناب خلیل اللہ خلیلی نے کی تھی۔ یہ مقالہ دو ماہی ادب کابل میں شائع ہوا تھا۔ بعد میں اقبال ریویو کے اپریل ۱۹۶۷ء کے شمارے میں شائع ہوا۔

مقالے کے پہلا پیراگراف میں علامہ کے تاریخ وفات اور حاضرین کے تشکرانہ کلمات بجالانے کے بعد دوسرا پیراگراف ذیل ہے:

علامہ اقبال یک فیلسوف مسلمان یک متفکر متدین و خداشناس، یک ادیب عارف و یک شاعر بشر دوست و محب آزادی است۔ اقبال بہ حضرت پیغمبر اسلام سید الانام عقیدت و اخلاص کاملی دارد و بہ علویت و حقانیت دین مبین اسلام از صمیم قلب گرویدہ است وی بنای فلسفۂ خویش را بر اصول و سیاسیات متن اسلامی استناد دادہ و انسان را بر تزکیۂ نفس، تصفیۂ ضمیر، تربیۂ خودی و تنصیف شخصیت ارشاد میکند۔[۷۵]

ترجمہ: اقبال ایک مسلمان فلسفی، ایک پہنچے ہوئے خداشناس مفکر، ایک عارف ادیب، ایک بشر دوست شاعر اور آزادی کے متوالے تھے۔ اقبال پیغمبر اسلام ﷺ سے انتہائی عقیدت و اخلاص رکھتے تھے۔ وہ دل کی گہرائیوں سے اسلام کی بالادستی اور اس دین مبین کے حقانیت کے ماننے والے تھے۔ اسی لیے انھوں نے اپنے فلسفے کی بنیاد اسلامی اصول اور اساسات پر رکھی اور انسان کو تزکیۂ نفس، تصفیہ ضمیر، پرورشِ خودی اور شخصیت کے نکھار کا درس دیا۔

جناب مجددی نے اپنے اس دعوے کے اثبات میں کہ علامہ نے اپنے فلسفے کی بنیاد اسلامی اصولوں پر رکھی تھی مزید دلائل دیے ہیں۔ علامہ کے کلام میں اسلامی فلسفیانہ نظریات مشرق و مغرب کے حکما سے اکتساب فیض کے بارے میں بحث کی ہے:

علامہ اقبال نہ تنہا بر اسرار و رموز متصوفین اسلام و سلوک ایشان بدرستی واقف است بلکہ راجع بہ جریانات فکری و فلسفۂ مشرق و مغرب در کتاب "پیام مشرق" خود در قسمت "نقش فرنگ" تبصرہ ھا نمودہ و افکار عارفانۂ خویش را نیز در برابر آنہا ابراز میدارد۔[۷۶]

ترجمہ: علامہ اقبال نہ صرف اسلامی متصوفین کے افکار اور تصوف کے اسرار و رموز سے واقفیت رکھتے تھے بلکہ مشرق و مغرب کے جاری فکری رجحانات پر بھی گہری نگاہ رکھتے تھے۔ اسی وجہ سے انھوں نے مشرق و مغرب کے حکما اور فلاسفہ کے عقائد و نظریات پر پیامِ مشرق کے حصہ "نقشِ فرنگ" میں اظہارِ خیال کیا۔ اور اس کے ضمن میں اپنے عارفانہ افکار کو بھی بقائے دوام بخشا۔

مقالے میں جا بجا علامہ کے اشعار کے حوالے دیے گئے ہیں۔ مثلاً فلسفۂ عشق کے حوالے سے درج ذیل اشعار نے جناب مجددی کے مقالے میں یہ حوالے پائے ہیں:

در بود و نبود من اندیشہ گمانہا داشت
از عشق ہویدا شد این نکتہ کہ ہستم من

الحق عشق کالون فلسفۂ علامہ اقبال را تشکیل میدھد:

ز شعر دلکش اقبال میتوان دریافت
کہ درس فلسفۂ میداد و عاشقی ورزید

و در ھمۂ افکار و اشعارش جذبۂ عشق و عاطفۂ سوز و گداز محسوس است و در پیامِ مشرق تحت عنوان "عشق" گوید:

عقلے کہ جہاں سوزد یک جلوۂ بیباکش
از عشق بیاموزد آئین جہان تابی
عشق است کہ در جانت ہر کیفیت انگیزد
از تاب و تب رومی تا حیرت فارابی

هر معنئ پیچیده در حرف نمی گنجد
یک لحظه بدل در شو شاید که تو دریابی

در همین مضمون در جاوید نامه گوید:

زندگی را شرع و آئین است عشق   اصل تهذیب است دین، دین است عشق
ظاهر او سوز ناک و آتشین   باطن او نور رب العالمین
از تب و تاب درونش علم و فن   از جنون ذو فنونش علم و فن
دین نگردد پخته بے آداب عشق   دین بگیر از صحبت ارباب عشق

در جائے دیگری در پیامِ مشرق فرماید:

بچشم عشق نگر تا سراغ او گیری   جهان بچشم خرد سیمیا و نیرنگ است
ز عشق درس عمل گیر و هر چه خواهی کن   که عشق جوهر هوش است و جان فرهنگ است[۷۷]

مقالے میں عشق کے بعد علامہ کے فلسفۂ خودی کا جائزہ لیا گیا ہے:

بعقیدۂ اقبال خودی نام مجموعۂ قوائی نهفته است که در هر فردی از افراد کائنات (چه ذی روح باشد و چه غیر ذی روح) وجود دارد بقاو استحکام پیکر هستی نیز مربوط به ظهور و انکشاف آثار خودی است طوریکه گوید:

پیکر هستی ز آثار خودی است   هر چه می بینی ز اسرار خودی است

وی معتقد است که انسان باید خویشتن را وا نماید و نیروی خفته و نهفته خود را بیدار و آشکار سازد۔

وانمود خویش را خوے خودی است
خفته در هر ذره نیروے خودی است

و در ارمغانِ حجاز خود چنین افاده میکند:

خودی را از وجود حق وجودے   خودی را از نمود حق نمودے
نمی دانم که این تابنده گوهر   کجا بودے اگر دریا نبودے

و نیز داستان عشق و محبت را در ضمن اسرار خودی چنین اظهار میدارد:

نقطۂ نورے که نام او خودی است   زیر خاک ما شرارِ زندگی است

از محبت میشود پاینده تر زنده تر سوزنده تر تابنده تر
فطرت او آتش اندوزد ز عشق عالم افروزی بیاموزد ز عشق

علامہ اقبال برای بقاو قوم خودی داشتن آرزوو تقویہ آنرا لازم میداند ویاس رانکوهش میکند۔ چنانچہ گوید:

آرزو ہنگامہ آرائے خودی موج بیتابے ز دریائے خودی
آرزو صید مقاصد را کمند دفتر افعال را شیرازہ بند
آرزو را در دل خود زندہ دار تانگردد مشت خاک تو مزار
آرزو جان جہان رنگ و بو است فطرت ہر شی امین آرزو است[۴۸]

مجددی نے اس کے بعد خودی کی تربیت اور تعامل کے لیے علامہ کے وضع کردہ درج ذیل تین اصولوں کا ذکر علامہ کے اشعار کے ساتھ کیا ہے۔ مرحلہ اول اطاعت، مرحلہ دوم ضبطِ نفس اور مرحلہ سوم نیابت الٰہی۔

مقالے میں سعی و جہدِ مسلسل اور علم و عمل کے حوالے سے مباحث ہیں۔ علامہ کے سفر افغانستان کے دوران غزنی کے حوالے سے علامہ کے اشعار دیے گئے ہیں۔ علامہ کے تقریباً تمام فارسی مجموعوں سے استفادہ کیا گیا ہے اور جا بجا ان مجموعوں کا مختصر تعارف بھی شامل مقالہ ہے۔

مقالے کے آخر میں علامہ کے افغانی مشاہیر سے عقیدت اور تعلق کا ذکر کیا گیا ہے۔ اعلیحضرت محمد نادر شاہ غازی کے ساتھ علامہ کے مراسم اور ان کے حضور علامہ کے منظوم کلام کا نمونہ دیا گیا ہے۔ محمد ظاہر شاہ کے نام علامہ کا منظوم کلام بھی دیا گیا ہے۔ اختتام درج ذیل کلمات پر کیا گیا ہے۔

دربارۂ مرحوم علامہ اقبال ممکن بود مطالب زیادی عرض کرد و در شرح هربیتی از آثار او صفحاتی نوشت۔ آنچہ ما بیان کردیم جست جستہ و بالاختصار بود و برائی علاقمندان همیشہ میسر است کہ از مطالعۂ آثار این ادیب ارجمند استفادہ ھای فراوانی بنماید و از خطوط بدیعی، تصوفی، عرفانی و فلسفی آہنابقدر کافی متمتع شوند۔[۴۹]

مقالہ نمبر ۱۲:

د علامه اقبال په باب

(علامہ اقبال کے بارے میں)

از پروفیسر عبدالشکور رشادؔ

پروفیسر عبدالشکور رشادؔ کا شمار افغانستان میں پشتو کے نامور مؤرخین، محققین، اساتذہ اور شعرا میں ہوتا ہے۔ آپ نے یہ مقالہ ۲ ثور ۱۳۴۶ھ ش کو کابل کے پاکستانی سفارتخانے میں منعقدہ یومِ اقبال کی تقریب میں پڑھا جو بعد میں کابل یونیورسٹی کے شعبۂ ادبیات کے دو ماہی رسالے وژمہ میں ۱۹۶۷ء کو شائع ہوا۔

مقالے کا آغاز بانگِ درا کے اس شعر سے کیا گیا ہے:

گلشنِ دہر میں اگر جوئے مئے سخن نہ ہو
پھول نہ ہو، کلی نہ ہو، سبزہ نہ ہو، چمن نہ ہو

چونکہ پروفیسر رشادؔ بنیادی طور پر مؤرخ ہیں سیالکوٹ کے تاریخی پس منظر کا جائزہ یوں لیتے ہیں:

تقریباً اته سوه کاله پخوا کله چې د غرج و غور او زابل و کابل میړنی د لاهور له سوبې څخه په جګو غاړو و درنې پښتونخواه ته راستیندل د افغاني توریالیو نامتو مشر غازی شهاب الدین محمد بن سام (۶۰۲ ه ق مړ) د پنجاب د بنایستي او سمسورې سیمې په شمال کوټ کې د چناب سیند جنوبي غاړې ته نژدې د "رچنا" په دوآبه کې د "سیال کوټ" په نامه د دیوې فوجي کلا تیره کښیښودله او د هغه وختند عادت سره سم ی د تیرې دا یښودلو په وخت کښې په یوه خالصانه عجز و نیاز د سیالکوټ له پاره د سیالو زامنو دعا و کړه او د هغه له پاره ي ساهو ژند له خدایه وغوښت۔

څو ورځې پس د غور شاهنشهي لښکرې له غازي سلطان شهاب الدین سره د پښتونخوالورې نه ترایرې شوې د سیالکوټ ودانې د مخزن افغاني په قول دیوه

سیال پښتانه جرنیل ملك ساهو لودی ته وسپار له شوه د سیالانو کوټ د ساهو میړنی په پام لرنه ودان شو او په دې توګه د افغانانو د سیالکوټ تاریخی رابطه منځ ته راغله۔[۸۰]

ترجمہ: تقریباً آٹھ سو سال پہلے جب غرج، غور، زابل اور کابل کے غیور لاہور کی فتح کے بعد فاتحانہ انداز میں پشتونخوا واپس لوٹ رہے تھے نامور افغان فاتح غازی شہاب الدین محمد بن سام متوفی ۶۰۲ھ ق نے پنجاب کے خوبصورت زرخیز خطے کے شمالی طرف دریائے چناب کے جنوبی کنارے "رچنا" کے دوآبہ میں سیال کوٹ نامی ایک فوجی قلعے کی بنیاد رکھی۔ اس وقت کی عادت کے مطابق سنگ بنیاد رکھتے ہوئے سیالکوٹ کے لیے بہترین فرزندوں کی عاجزانہ اور نیاز مندانہ دعا کی تھی۔ اس شہر کے باسیوں کے لیے پرسکوں زندگی کی دعا بھی کی۔

چند دنوں کے بعد غور کا شہنشاہی لشکر غازی شہاب الدین کے ساتھ پشتونخوا کی طرف واپس آیا۔ سیالکوٹ کا قلعہ بقول مخزنِ افغانی ایک معزز پشتون جرنیل ملک ساھو لودی کے حوالے کیا گیا۔ (سیال پشتو لفظ ہے معنی معزز گویا سیالکوٹ کا مطلب ہے معززین کا شہر) معززین کا یہ شہر معزز ساھو کی توجہ سے آباد ہوا اور اس طرح افغانوں کا سیالکوٹ کے ساتھ تاریخی رابطہ وجود میں آیا۔

عبد الشکور نے سیالکوٹ کے افتتاح کے وقت کی گئی دعا کے ایجاب کی طرف یوں اشارہ کیا ہے کہ سیالکوٹ کے حصے میں کئی نامور فرزند آئے:

د سیالکوټ لومړی نابغه زوی پیاو ړی سیال عالم اعلم العلماء عبدالحکیم (۱۰۶۷ه ق ومر،وو چې د تذکرۀ علمائی هند په وینا د ختیځ نامتو عارف مجدد الف ثانی شیخ احمد کابلی السرهندی (۹۷۱ه - ۱۰۳۴ه ق) به د پنجاب لمرباله او همعصر پښتون نومیالی او حق ویونکی شاعر خوشحال خان ختك (۱۰۲۲ - ۱۱۰۰ ه ق) به (چې د دستار نامی په شاهدی ي له علامه سره ثقافتی اړیکی درلودی) د دنیا او دین حکیم مانه۔

ددغه سیالکوټ بل د فخروړ زوی د اردو او پاړسی ژبو منلی شاعر او د شرق صوفی مفکر علامه محمد اقبال (۱۲۹۰ - ۱۳۵۷ه ق) دی چې نن ي دلته مونږ په

یاد سره راغونډ یو او دده د ادبی او فلسفی ارز ښت په درناوی سره هغه خپل زور تاریخی او ثقافتی اړیکی بیا تازه کوو۔[۸۱]

ترجمہ: سیالکوٹ کا پہلا نابغہ فرزند عالم اعلم العلماعبدالحکیم (متوفی ۱۰۶۷ھ ق) تھا جسے تذکرہ علمائے ہند کے مطابق مشرق کے مشہور عارف مجدد الف ثانی شیخ احمد کابلی سرھندی (۹۷۱ - ۱۰۳۴ھ ق) آفتابِ پنجاب کہتے تھے اور ان کے معاصر مشہور حق گو پشتون شاعر خوشحال خان خٹک (۱۰۲۲ - ۱۱۰۰ھ ق) انھیں دنیاودین کا حکیم مانتے تھے۔

اسی سیالکوٹ کے ایک اور قابلِ فکر فرزند اردو اور فارسی کے مانے ہوئے شاعر صوفی مشرق مفکر علامہ محمد اقبال (۱۲۹۰ - ۱۳۵۷ھ ق) تھے جن کی یاد منانے کے لیے ہم یہاں آج اکٹھے ہوئے ہیں۔ ان کے ادبی اور ثقافتی اعتراف کے ساتھ ہم اپنے پرانے تاریخی اور ثقافتی رابطوں کی یاد تازہ کر رہے ہیں۔

رشادؔ صاحب نے علامہ کی عالمگیر آفاقی شخصیت کے اعتراف کے حوالے سے ان کے چند ہم عصر مشاہیر کی آرا دی ہیں۔ جن میں پہلا منظوم اعتراف جالندھر کے ایک ککے زئی پشتون شاعر ملک الشعر اعلام قادر گرامی (متوفی ۱۳۴۵ھ ق) کا ہے:

در دیدۂ معنی نگھان حضرت اقبال
پیغمبری کہ دو پیمبر نتوان گفت

اس کے بعد اقبال اور گرامی کے بارے میں مرحوم استاد سعید نفیسی (متوفی ۱۳۸۶ھ ق) کا یہ تبصرہ ہے:

ترجمہ: ”اقبال اور گرامی کو فارسی شاعری میں وہ مقام حاصل ہے جس کو ہم اہلِ زبان قدر کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔“

اور ساتھ ہی ڈاکٹر یوسف حسین خان کی یہ رائے بھی نقل کی ہے کہ:

ترجمہ: ”اقبال ہی تھا جنھوں نے مشہور جرمن مفکر شاعر گوئٹے (۱۱۶۳-۱۲۴۸ھ ق) کی مانند اپنی شاعری کو ریالیزم، ایڈیالزم، رومانتیزم اور کلاسیزم کے رنگین امتزاج سے آشنا کیا۔“[۸۲]

رشادؔ صاحب لکھتے ہیں کہ اقبال کا ان تمام افراد کی کاوشوں کا اعتراف کرنا ضرور کسی خاص وجہ سے ہے اور یہ حصہ اقبال کی وہ لافانی شاعری ہے جو انھوں نے ایک متعین فکری نصب العین اور اہم نظریاتی بنیاد پر کی تھی۔ علامہ نے ادب کو زندگی کی رمز سے آشنا کیا۔ شاعری کو مشہور مشرقی اندازِ فکر سے مبرا کر کے زندگی اور کائنات کے اسرار و رموز کے انکشاف کا ذریعہ بنایا۔ اسی لیے تو انھوں نے کہا تھا:

مری نوائے پریشاں کو شاعری نہ سمجھ
کہ میں ہوں محرمِ رازِ درونِ میخانہ!

د دغې راز دانی او لطیف احساس برکت دې چې د علامه بالغ نظر د قام په غم کې شاعر ته دبینا ستر کې په سترگه گوری او رښیانی شاعران د قام په هر درد در دمن اود اولس په هره ژړ ژړانده گنې- دده دا نادره تشبیه په دې بیتونو کې اوگوری-[۸۳]

ترجمہ: اسی رازدانی اور لطیف احساس کی برکت ہے کہ علامہ کی بالغ نظر قوم کے غم میں شریک شاعر کو چشم بینا کی نگاہ سے دیکھتا ہے اور سچے شاعر ہر درد مند کے درد میں شریک اور ہر گریہ گر کے ساتھ محوِ گریہ ہوتے ہیں۔ ملاحظہ ہو علامہ کی یہ نادر تشبیہ:

محفلِ نظمِ حکومت، چہرۂ زیبائے قوم
شاعرِ رنگیں نوا ہے دیدۂ بینائے قوم

مبتلائے درد کوئی عضو ہو، روتی ہے آنکھ
کس قدر ہمدرد سارے جسم کی ہوتی ہے آنکھ[۸۴]

علامہ کے مختلف فکری گوشوں پر بحث کے بعد اختتام ذیل کے شعر پر کیا ہے:

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

مقالہ نمبر ۱۳:

د ختیځ ستر شاعر

(مشرق کا عظیم شاعر)

از سو بمن

حضرت علامہ کے صد سالہ جشنِ ولادت کی تقریبات کے سلسلے میں پاکستان کی طرح افغانستان میں بھی خاص تقاریب کا اہتمام کیا گیا تھا۔ یہ مقالہ بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے جو مجلّہ کابل کے مدیر جناب سو بمن نے اداریے کے طور پر پشتو زبان میں لکھا تھا اور مجلّہ کابل کے دسمبر جنوری ۷۷-۱۹۷۷ء کے شمارے میں شائع ہوا۔

مقالے کا آغاز درج ذیل ابیات سے کیا گیا ہے:

مذہب زندہ دلاں خواب پریشاں نیست
از ہمیں خاک جہاں دیگر ساختن است
آسیا یک پیکر آب و گل است
ملت افغاں در آں پیکر دل است

مقالے کی ابتدا آزادی و حریت کے حوالے سے حضرت علامہ کی مساعی کو خراج تحسین پیش کرنے سے کی گئی ہے۔ استعمار اور استثمار کے خلاف علامہ کی جد وجہد کو سراہا گیا ہے!

علامه محمد اقبال (۱۸۷۳- ۱۹۳۸ء) د ختیځې نړۍ هغه لوې مفکر او ستر شاعر دې چې په خپله پوهه او د خپلوا کۍ په مسته مینه يې د استعمار او استثمار د جرړود و یستلو دپاره عملاً د هند په نیمه وچه کې دنورو آزادۍ غښتونکو سره د استقلال بیرغ او چت کړ- دختیځ دې بشر دوست او په خپله خاوره مئین شخصیت د خپل هدف دپوره کیدو دپاره داسې ادبی او فلسفی افکار اقبال خپل اولس ته وړاندې کړل چې د هغو په لیدلو سره ولس رابېدار شو او نن يې په علمی شخصیت علمی غونډې کیږی- اقبال په خپل وخت او زمانه کښې د استعمار او استثمار پر ضد خپله مبارزه جاری وساتله- ده په دې لار کښې د مرګ تروروستۍ پورې خپلی

هڅې او کوښښ ته دوام ور کړ- د استعمار او استثمار د منځه وړلو په خلاف يې ډېر سخت شعرونه ووئيل او دبشر د خدمت دپاره يې ځانګړې ارزښنا کی مرغلرې په ادبي ښکلي اميل کښې وپيلې-[۸۵]

ترجمہ: علامہ محمد اقبال(۱۸۷۳ - ۱۹۳۸ء) دنیائے مشرق کے وہ عظیم مفکر اور بلند پایہ شاعر ہیں جنھوں نے مجموعی طور پر اپنے تدبر سے برصغیر کے دیگر حریت پسندوں کے ساتھ مل کر پرچم استقلال بلند رکھا۔ مشرق کے اس بشر دوست اور اپنی دھرتی سے محبت کرنے والی شخصیت نے اپنے ارادوں کی تکمیل کے لیے اپنی ملت کو ایسے ادبی اور فلسفیانہ افکار پیش کیے جن کے دیکھنے سے ان کی ملت ایسی بیدار ہوئی کہ آج ان کی علمی شخصیت پر سیمینار منعقد ہو رہے ہیں۔

اقبال نے اپنے زمانے میں استعمار اور استحصال کے خلاف اپنی جدوجہد کو جاری رکھا اور استحصالی قوتوں کو ختم کرنے اور عالمِ بشریت کی خدمت کے لیے نہایت قیمتی موتی ادبی ہار کے ساتھ مہارت سے پرو دیے۔

جناب سوہمن نے علامہ کے افکار پر افغان مشاہیر مفکرین کے افکار کے اثرات کا تذکرہ کیا ہے اور افغانستان کے ساتھ علامہ کے فکری اور قلبی تعلق کا بھی ذکر ملتا ہے۔ انھوں نے افغانوں کے ساتھ علامہ کی دلچسپیوں کا جائزہ لیا ہے:

دده په دغو ادبي شاهکارونود ګران هيواد افغانستان د وتليو او نوميالیو پوهانو دفکرونو ځلاند يې پلوشې لويدلي او پوره ترې اغيز من شوی دی- له ټولونه زيات د سنائي غزنوي مولانا جلال الدين بلخي، د پښتو ادب لوې اتل او دتورې د ميدان ميړني خوشحال خان خټك او نورالدين بن عبدالرحمٰن جامي ادبي، علمي، روحاني او فکري آثارونه يې پوره ګټه او علمي پانګه اخيستی دده او دده په ټولو آثارو کې داټکی جوت او روڼ ځاې لري-

د ختيځې نړۍ دې ځلاند ستوري دګران هيواد افغانستان سره خاصه اوځانګړې مينه درلودله- دده دا مينه د هغه له دې بيت نه چې د افغان ملت سره يې په وينه او مغزو کې اخښلې شوی وه ښه ځر ګنديدلی شي-[۸۶]

ترجمہ: آپ کے ان ادبی شاہکاروں پر افغانستان کے مشاہیر مفکرین کے منور اثرات مرتب ہوئے ہیں اور وہ کافی حد تک ان کے افکار سے مستفید ہوئے ہیں۔ سب سے زیادہ سنائی غزنوی، مولانا جلال الدین بلخی، پشتو ادب کے صاحبِ سیف و قلم خوشحال خان خٹک اور نورالدین بن عبدالرحمٰن جامی کے ادبی، علمی، روحانی اور فکری آثار سے علمی استفادہ کیا ہے۔ یہ اثرات ان کے تمام آثار پر چھائے ہوئے ہیں۔

مشرق کے اس تابندہ ستارے کی افغانستان کے ساتھ عشق و محبت مثالی تھی۔ افغان ملت کے ساتھ ان کی محبت اس بیت سے آشکارا ہے۔

آسیا یک پیکر آب و گل است
ملت افغان در آن پیکر دل است

سو ہمن نے اس مقالے میں ان علل و اسباب کا بھی جائزہ لیا ہے جن کی بنیاد پر علامہ افغانوں سے عشق رکھتے تھے:

د اقبال مینه د افغانانو سره له دې امله وه چې هغه ته دا ښکاره وه چې دا توریالی ملت هیڅکله د چا ظلم او تیري پر ځان نه مني او نه د تاریخ په اوږدو کښې د پردیو تر سلطې او استعمار لاندې راغلی دی- کله که پردیو پر دوی تجاوز کړی نو دهغوی د مقابلې دپاره دوی د جنګ ډګرته وروتلي او په ډېره میړانه ي په سرو وینو او د سر په قربانۍ او تش لاس داسې ملا ماتی سخته ماتی ور کړې ده چې بیا ي د آسیا د پیکر دې زړه ور زړه ته د شرمه پوره نه دی کتلي او تیټ سرونه په خپله مخه تللي-

د افغانانو توري میړانې او د خپلوا کۍ سره دې مینې او ساتنې مفکرې د اقبال په زړه کې ددې غیور ملت په باب خاصه علاقه پیاوړې کړې ده او دا علت وو چې دې لوې شاعر د هر وخت له پاره افغانان او ددوی تاریخی لرغونی خاوره په خپلو شعرونو او نورو آثارو کښې په درنښت سره یاد کړې- او ستائیلی دی- زمونږ ددې ټکی د ثبات دپاره د علامه اقبال د مسافر کوچنوټي اثر پوره مرسته کولائی شي- ده په دی واړه اثر کښې د افغان مل پادشاهان توریالی قهرمانان او د آسیا ددې سیمې د زړه ور اولس په تیره د پښتون ټبر هر اړخیزه کریکټیرونه په ډېره مینه یاد کړ دی او

د خپلې زياتې مينې له مخې د ګران هيواد ليدلوته راغلی دی۔ د علامه اقبال دلوړ شخصيت يادونه يوازې په څوټکو کې نه تر سره کيږي۔ دا ځکه دې هغه بشر دوست انسان وو چې د بشری ټولنې تر منځ ې مينه، وروری، عدالت او يووالی غوښت۔ ده خپلې انسانی انديښنې په ډيره مينه او وياړ سره ترتيب او منظمې کړې او په خوارخوښی سره ې دا نيکې هيلې د بشر د سعادت او هوساينی د پاره په ياد ګار پرېښودلی دی۔ ددې ټکی په يادولو سره مونږ په ډاګه وايو چې دې په خپل وخت کښې د هند د نيمی وچی د آزادۍ دلارې هغه ستر قدرت وو چې د اولس د بيدارۍ په لار کښې چا نه هيريدونکی، او نه ستړی کيدونکی هڅې تر سره کړی دی۔ په پای کښې مونږ د علامه اقبال دلوړ علمی فلسفی او ادبی مقام يادونه دده په دې بيت سره ختموو او د هغه روح تل ښاد غواړو۔

قبائے زندگانی چاک تاکے
چو موران زیستن در خاک تاکے[۸۷]

ترجمہ: اقبال کا افغانوں کے ساتھ عشق کا سبب یہ تھا کہ ان کو پتا تھا کہ یہ غیور ملت کبھی کسی کے ظلم کو برداشت نہیں کرتی اور نہ ایسی قوم کبھی تاریخ میں کسی کی غلام رہی ہے۔ جب کبھی کسی نے ان پر ظلم کرنے کی کوشش کی ہے ان سے نبرد آزمائی کے لیے افغان میدانِ جنگ میں اترے ہیں۔ نہایت بہادری کے ساتھ سروں کی قربانی دے کر دشمن کا مقابلہ کیا ہے۔ بے سر و سامانی اور وسائل سے محرومی کے باوجود دشمنوں کو عبرتناک شکست سے دوچار کیا ہے۔ دشمن نے پھر کبھی بھی آسیا کے اس دلاور دل کو شرم کے مارے نہیں دیکھا اور یہ جھکے ہوئے سروں کے ساتھ واپس چلے گئے ہیں۔

غیرت، بہادری اور آزادی کے اسی محبت نے اقبال کے دل میں اس بہادر ملت کے ساتھ عشق پیدا کیا۔ یہی سبب ہے کہ اس عظیم شاعر نے افغانوں کی تاریخی، ثقافتی اور بہادر سرزمین کو اپنے اشعار اور دیگر آثار میں جابجا یاد کیا ہے۔ ہمارے اس دعوے کا ثبوت علامہ کا مختصر شعری اثر مسافر ہے۔ اس اثر میں علامہ نے افغان ملت کے بادشاہوں، بہادروں اور

آسیا کے اس خطے کے بہادر پشتون قوم کے ہمہ جہت کردار کو نہایت احترام کے ساتھ یاد کیا ہے۔ انھوں نے انتہائی محبت کے ساتھ انھوں نے افغانستان کا سفر کیا۔

علامہ کے عظیم شخصیت کا تذکرہ چند الفاظ میں نہیں کہا جاسکتا اس لیے کہ اقبال وہ بشر دوست انسان تھے جنھوں نے انسانی معاشرے کے درمیان اخوت، بھائی چارے، عدالت اور وحدت کو فروغ دیا۔ انھو ں نے ان انسانی خدمات کو نہایت صمیمیت کے ساتھ ترتیب دیا ہے ان نیک خواہشات کو عالمِ انسانیت کی سعادت اور آرام کی خاطر یادگار چھوڑا ہے۔ اس نکتے کی یاد آوری کے ساتھ کہ انھوں نے ہندوستان کی آزادی کی خاطر گرانقدر خدمات انجام دی تھیں۔ ہم علامہ اقبال کے بلند علمی، فلسفی اور ادبی مقام کے اعتراف کے ساتھ یہ تحریر ان کے اسی بیت پر ختم کرتے ہیں ان کی روح شاد ہو۔

قبای زندگانی چاک تا کے
چو موران زیستن در خاک تا کے

مقالہ نمبر۱۴:

اقبال و افغانستان

از دکتور حق شناس

جناب ڈاکٹر حق شناس کا یہ مقالہ نہایت اہمیت کا حامل ہے اس لیے کہ یہ مقالہ آپ نے اس وقت لکھا جب افغانستان میں خونیں انقلاب کے بعد روسی فوجیں براجمان تھیں۔ ایک طرف سے کریملین کے سپاہی سمرقند و بخارا کی طرح غزنین و قندھار کو بھی کمیونزم کے حامی بنانے کے لیے اس سرزمین پر دندنا رہے تھے تو دوسری طرف بے سروسامان ملت کے غیور فرزندان نعرۂ لا الہ سے سرشار ہو کر کوہ و دمن میں جہاد فی سبیل اللہ میں مصروفِ عمل تھے۔ علامہ پر یہ مقالہ قوس ۱۳۶۰ھ ش بمطابق ۱۹۸۱ء میں شائع ہوا۔ لہٰذا یہ ایک فطری امر ہے کہ اس مقالے کے مشمولات پر جاری حالات کے گہرے نقوش ثبت ہوئے۔ آغاز میں تو

اقبال کی ان قلبی بے قراریوں اور فکری اضطرابوں کا ذکر کیا گیا ہے جن سے اقبال دوچار تھے اور جس کی بدولت انھوں نے رومی کی فکری خانقاہ میں پناہ لی:

سیری در مدارس فکری شرق و مطالعۂ اندیشہ ھا و اندوختہ ھای حکما و عرفا و فلاسفۂ اسلام تر در خاطرش را بہ آرامش کشانید و نور امیدی سراپایش را فرا گرفت و میسرش را ادامہ داد...... و وادی ھا و صحرہ ھارا در ھم نوردید ہر قدر پش میرفت نور و روشنای بیشتر می شد و نقش قدم ھائی کاروان ھارا ھمای تعدادی را در پھنۂ بیکران تصورات جلو حشمش مجسم می کرد کہ تشخیص و تمیز و انتخاب یکی از آن ھا برایش دشوار و متعسر مینمود۔ فریاد ھای نھانی و نالہ ھای شبانگاھی اش پردہ ھای یاس را از ھم درید و قافلہ سالار معرفت و خود آگاہی حضر مولانا جلال الدین بلخی رمز و راز سلوک را در گوشش فرا خواند و شمعی فرار اھش افروخت کہ در پرتو آن اقبال رہ و رسم بندگی و زندگی را آموخت و بہ جان رسید کہ اینک از زبان خودش مطالعہ میفرماید:

شب دل من مایل فریاد بود — خامشی از یاربم آباد بود
شکوہ آشوب غم دوران بدم — از تہی پیمانگی نالان بدم
این قدر نظارہ ام بیتاب شد — بال و پر بشکست وآخر خواب شد
روے خود بنمود پیر حق پرست — کو بحرف پہلوی قرآن نوشت
گفت اے دیوانۂ ارباب عشق — جرعۂ گیر از شراب ناب عشق
بر جگر ہنگامۂ محشر بزن — شیشہ بر سر، دیدہ بر نشتر بزن
تا بکے چون غنچہ می باشی خموش — نگہت خودرا چو گل ارزان فروش
در گرہ ھنگامہ داری چون سپند — محمل خود بر سر آتش بہ بند
چون جرس آخر زہر جزو بدن — نالۂ خاموش را بیرون فگن
آتش استی بزم عالم برفروز — دیگران راہم زسوز خود بسوز
از نیستان ھمچو نے پیغام دہ — قیس را از قوم حے پیغام دہ
نالہ را انداز نو ایجاد کن — بزم را از ہائے و ہو آباد کن
زین سخن آتش بہ پیراہن شدم — مثل نَے ہنگامہ آبستن شدم

چون نوا از تار خود برخاستم جنتے از بہر گوش آراستم[۸۸]

ڈاکٹر حق شناس کے بقول رومی نے اقبال کو مادی جہان سے بالاتر ہو کر روحانی و معنوی جہان میں مسرور و مست اور مخمور رہنے کا گُر بتایا:

مولانا بہ گونہ ای کہ اقبال بدان اشارہ می کند در خرمن ہستی و اندیشہ اش آتش زد و از گم گستگی و سرگستگی اش وارھانید و سر حقیقت را برایش باز گفت و بر حریم اسرارش رھنمای کرد۔ اقبال پس ازاین برخوردر روحانی دیگر شیفتۂ مولانا بلخ گردید وھمہ دشواری ھا و مشکلات فکری و فلسفی خود را در دانشگاہ اندیشۂ اول شدہ یافت و شوری در نہارش شعلہ ور گردید کہ آوریش کران تا کہ آن را فرا گرفت و نور و گرمی اش برروان ھا ذوق و مستی بخشید و بر پیکر افسوں شد گان استعمار روح تازہ دمید۔[۸۹]

تب اقبال کو عالمگیر فکر عطا ہوئی۔ مولانا سے تعلیمات روح و معرفت کا اکتساب حاصل کرنے کے بعد اقبال مشرق کو مخاطب کرنے کے قابل ہوئے:

اقبال نخستین وسوسہ ھای انقلاب و اثرات الہاماتی را کہ از روح و معرفت و افکار مولانا کسب می کند و اورا بہ ارشاد و رھنمائ مردم بہ قیام و آزادی خواھی برمی انگیز دھمہ جا در آثارش بخوبی منعکس کرداست کہ این است نمونہ آن:

پس چہ باید کرد اے اقوامِ شرق باز روشن میشود ایام شرق
در ضمیرش انقلاب آمد پدید شب گذشت و آفتاب آمد پدید
پیر رومی مرشد روشن ضمیر کاروان عشق و مستی را امیر
منزلش برتر ز ما و آفتاب خیمہ را از کہکشان سازد طناب
نور قرآن درمیان سینہ اش جام جم شرمندہ از آئینہ اش
از نے آن نے نواز پاک زاد باز شوری درنھاد من فتاد
گفت جانہا محرم اسرار شد خاور از خواب گراں بیدار شد[۹۰]

ڈاکٹر حق شناس لکھتے ہیں کہ حضرت علامہ کو اس غیور قوم یعنی ملتِ افاغنہ کے مجموعی خصائل عادات و اطوار کا بخوبی علم تھا۔ اسی وجہ سے جا بجا اپنے کلام میں اس کا جائزہ لیا ہے:

ملتِ آوارۂ کوہ و دمن در رگ او خون شیران موج زن

زیرک و روئین تن و روشن جبین — چشم او چون جرہ بازان تیز بین

قسمت خود از جہان نایافتہ — کوکب تقدیر او ناتافتہ

سرزمین کبک او شاہین مزاج — آہوے او گیرد از شیران خراج

در فضایش جرہ بازان تیز جنگ — لرزہ برتن از نہیب شان پلنگ

لیکن از بے مرکزی آشفتہ روز — بے نظام و ناتمام و نیم سوز[۹۱]

مقالے میں اقبال کے سفر افغانستان کی طرف بھی اشارہ کیا گیا ہے اور مثنوی "مسافر" کی روشنی میں کئی امور کا جائزہ لیا گیا ہے۔ مثلاً "اقبال در کابل" کابل سے متعلق علامہ کے اشعار اور ان اشعار پر حق شناس کا تبصرہ، "اقبال در غزنہ و بر تربت سنائی" غزنی اور حکیم سنائی سے متعلق ابیات، "اقبال بر ویرانہ ھا و خرابھای غزنہ" غزنی کے ویرانوں اور خرابوں میں علامہ کے کہے گئے اشعار کیفیات اور محسوسات اور ساتھ ہی غزنی کی تاریخ پر مختصر بحث، "اقبال اور قندھار" سے متعلق علامہ کے اشعار ہیں۔ اس کے علاوہ موجود جاری حالات کی تناظر میں اس امر پر افسوس کا اظہار ملتا ہے کہ کاش آج اقبال زندہ ہوتے تو دیکھتے کہ قندھار میں آنسوؤں اور خون کے بہنے کے علاوہ کچھ بھی نہیں:

دریغا کہ اقبال زندہ نیست تا می دید کہ دیگر در قندھار جز اشک و کون از انار و لالہ اثری نیست و آن کوی و برزن کہ وی برای عشق می ورزیدند و شیفتہ اش بود بدست بیدار گران خون آشام پیمان ورشو چہرہ در خاک کشیدہ است و جز سوگ و ماتم ذوق و حالی دیدہ نمیشود۔[۹۲]

اقبال بر تربت احمد شاہ۔ احمد شاہ بابا سے متعلق علامہ کے ابیات اور مقالہ نگار کا تبصرہ۔
اقبال و ظاہر شاہ ڈاکٹر حق شناس نے اس عنوان کے تحت ظاہر شاہ کے دورِ حکومت پر تنقید کی ہے اور لکھا ہے کہ اگر وہ افغانستان میں علامہ کے تعلیمات پر عمل پیرا ہوتے تو ہم آج ان مصائب و مشکلات سے دوچار نہیں ہوتے۔

مقالے کے آخر میں بحث کا نتیجہ نکالا گیا ہے اور علامہ کی ابیات میں کچھ ترمیم کر کے اس پیش گوئی کی طرف اشارہ کیا گیا ہے:

آسیا یک پیکر آب و گل است — ملت افغان در آن پیکر دل است

از حیات او حیات آسیا ست — از ممات او ممات آسیا است[۹۳]

روس کے ساتھ ساتھ ایشیا کی دیگر اقوام کو بالخصوص اور پوری دنیا کو بالعموم خبر دار کیا ہے کہ ایشیا کی سربلندی کا راز افغانستان کی سربلندی سے مشروط ہے اور علامہ کی پیشین گوئی کے مصداق پر یہاں کا فساد ایشیا میں فساد کا منبع ہے۔

مقالہ نمبر ۱۵:

بزرگداشت اقبال بزرگ

از دکتور سید خلیل اللہ ہاشمیان

یومِ اقبال کی مناسبت سے ڈاکٹر سید خلیل اللہ ہاشمیان کا یہ تحریر کردہ مقالہ بھی افغانستان میں جہاد کے دور کی یادگار ہے۔ خلیل اللہ ہاشمیان مشہور و معروف افغان اقبال شناس ہیں اور آپ نے علامہ کے فکر و فن سے گہرے اثرات قبول کیے ہیں۔

یہ مقالہ دوماہی قلم میں (اکتوبر نومبر ۱۹۸۷ء کو) شائع ہوا۔

اس طویل مقالے کے آغاز میں مختصراً فارسی شاعری کے مختلف مکاتبِ فکر کا جائزہ پیش کیا گیا ہے۔ جن میں مکتب ادبی خراسان (افغانستان ماوراالنہر و ایران)، مکتبِ ادبی عراق (اشعار فلسفی تصوفی و حماسی) اور مکتبِ ادبی ہند کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ حضرت علامہ کو اگرچہ مکتب ادبی ہند سے منسوب کیا گیا ہے تاہم ان کے مکتبِ ادبی خراسان اور مکتب ادبی عراق سے بھی تعلق بتایا گیا ہے۔ چنانچہ علامہ کے درج ذیل بیت کی روشنی میں ہاشمیان نے اپنے مقالے کو ترتیب دیا ہے:

آنچہ من در بزم شوق آوردہ ام دانی کہ چیست

یک چمن گل — یک نیستان نالہ — یک خمخانہ می[۹۴]

یراث مکتب ہند — میراث عرفان مولوی بلخی — میراث مکتبھای خراسان و عراق

"یک چمن گل" صد چمن گل چمنستان، خونِ رگِ گل وغیرہ ایسی سیکڑوں تراکیب و اصطلاحات اور بھی ہیں جو مکتب ہندی کی زینت بنے ہوئی ہیں۔ جس کے بہترین نمونے میرزا عبدالقادر بیدل کے اشعار میں بکثرت پائے جاتے ہیں۔ اقبال نے بھی یک چمن گل کی ترکیب

مکتب ہندی کی پیروی میں استعمال کی ہے۔ ''یک نیستان نالہ''۔ یہ اس نالے کا تذکرہ ہے جسے مولانا رومی نے آٹھ سو سال پہلے استعمال کیا تھا:

آتشست این بانگ بای و نیست باد
ہر کہ این آتش ندارد نیست باد
(رومیؔ)

اقبال کو چونکہ خداوند عالم نے چشم پر نور اور ''دید جان'' نصیب فرمائے تھے اس لیے جوش عشق اور درد اشتیاق کے نوا کو بلند کرتے ہیں:

روے خود بنمود پیر حق پرست — کو بحرف پہلوی قرآن نوشت
گفت اے دیوانۂ ارباب عشق — جرعۂ گیر از شراب ناب عشق
از نیستان ھمچو نے پیغام دہ — قیس را از قوم حی پیغام دہ
نالہ را انداز نو ایجاد کن — بزم را از ھاے و ھوے آباد کن
زین سخن آتش بہ پیراہن شدم — مثل نَے ہنگامہ آبستن شدم
گرہ از کار این ناکارہ واکرد — غبار رہ گذر را کیمیا کرد
نی آن نی نواز پاکبازی — مرا با عشق و مستی آشنا کرد[۹۵]

ہاشمیان لکھتے ہیں کہ اقبال نہ تو صوفی تھے اور نہ عارف بلکہ انھوں نے اپنے پیشوا مولانا بلخی صاحبِ مثنوی معنوی کی پیروی میں سب کچھ کہا ہے۔ چنانچہ اپنے استدلال کے لیے مثنوی کے چند اشعار پیش کرتے ہیں:

جملہ معشوق است و عاشق پردہ ای — زندہ معشوق است و عاشق مردہ ای
چون نباشد عشق را پروائے او — او چو مرغے ماند بے پروای او
پر و بال ما کمند عشق اوست — مو کشانش میکند تا کوئے دوست
من چگونہ ہوش دارم پیش و پس — چون نباشد نور یارم پیش و پس
نور او دریمن و یسر و تحت و فوق — بر سر و بر گردنم چون تاج و طوق[۹۶]

اقبال دل کو مرکز عشق قرار دیتے ہوئے مولانا کے ''نالۂ نے'' کو سنتے ہیں اور افلاطونی افسوس و اندیشہ کو رد کرتے ہوئے برملا کہتے ہیں:

راهب دیرینه افلاطون حکیم — از گروه گوسفندان قدیم
رخش او در ظلمت معقول گم — در کهستان وجود افگنده سُم
آنچنان افسون نامحسوس خورد — اعتبار از دست و چشم و گوش برد
گفت سرِ زندگی در مردن است — شمع را صد جلوه از افسردن است
عقل خود را برسرِ گردون رساند — عالم اسباب را افسانه خواند
کار او تحلیل اجزای حیات — قطع شاخ سرود رعنائی حیات
فکر افلاطون زیان را سود گفت — حکمت او بود را نابود گفت
فطرتش خوابید و خوابے آفرید — چشم هوش او سُرابے آفرید
منکر هنگامه موجود گشت — خالق اعیان نامشهود گشت
قوم ها از سُکر او مسموم گشت — خفت و از ذوق عمل محروم گشت[۹۷]

یک خمخانہ مئ: مکتب ادبی عراق کا استعارہ جو اقبال نے شعرا اور عرفا کی کیفیت شور و سوز کے لیے استعمال کیا ہے۔

عطا کن شور رومی سوز خسرو — عطا کن صدق و اخلاص سنائے
گہے شعر عراقی را بخوانم — گہے جامی زند آتش بجانم[۹۸]

میخانہ، خمخانہ: ساغر و مینا وغیرہ ادبی عرفانی علامات سنائی، رومی، سعدی اور حافظ کے افکار کے ذریعے فارسی ادبیات کے زینت بنے ہوئے ہیں۔ بقول حافظ شیرازی:

احوال شیخ و قاضی و شرب الیهود شان — کردم سوال صبحدم از پیر مے فروش
گفتا نگفت نیست سخن گرچه محرمے — درکش زبان و پرده نگه دار و مے بنوش[۹۹]

چھ سو سال بعد اقبال پیر مے فروش کے اسرار کا پردہ چاک کر کے موج مٹی کو کسوت و مینا کے ذریعے بیان کرتے ہیں:

تابکی چون غنچه می باشی خموش — نگهت خود را چو گل ارزان فروش
فاش گو اسرار پیر مے فروش — موج مے شو کسوت مینا بپوش[۱۰۰]

اس راہ کے راہی اقبال خواجہ حافظ شیرازی کے درج ذیل شعر کا جواب یوں دیتے ہیں:

حافظ:

مزرع سبز فلک دیدم و داس مہ نو
یا دم از کشتیم خویش آمد و ہنگامہ درو

اقبال:

تخم دیگر بکف آریم و بکاریم زنو
کانچہ کشیتم زخجلت نتوان کرد درو[۱۰۱]

مقالے میں ”ایمان اقبال“ کے ضمنی عنوان کے تحت علامہ کے مذہبی افکار کا جائزہ پیش کیا گیا ہے۔ استدلال کے طور پر جابجا علامہ کے اشعار کا حوالہ دیا گیا ہے:

در شبستان حرا خلوت گزید — قوم و آئین و حکومت آفرید
در جہان آئین نو آغاز کرد — مسند اقوام پیشین در نورد
از کلید دین دَرِ دنیا کشاد — ہمچو او بطنِ ام گیتی نزاد
در نگاہِ او یکے بالا و پست — با غلام خویش بر یک خوان نشست
امتیازاتِ نسب را پاک سوخت — آتش او این خس و خشاک سوخت[۱۰۲]

اسلام کے پنج بنا کے حوالے سے علامہ کے درج ذیل اشعار نقل کیے گئے ہیں:

لا الہ باشد صدفِ گوہر نماز — قلب مسلم را حج اصغر نماز
در کف مسلم مثال خنجر است — قاتل فحشا و بغی و منکر است
روزہ بر جوع و عطش شبخون زند — خیبر تن پرورے را بشکند
مومنان را فطرت افروز است حج — ہجرت آموز و وطن سوز است حج
حب دولت را فنا سازد زکوٰۃ — ھم مساوات آشنا سازد زکوٰۃ[۱۰۳]

اقبال ان صوفی و ملا کے خلاف ہیں جو تلاشِ حلوا میں لگے رہتے ہیں۔

دل ملا گرفتار غمے نیست — نگاہے ہست در چشمش نمے نیست
از آن بگریختم از مکتب او — کہ در ریگ حجازش زمزمے نیست[۱۰۴]

اس عنوان کے تحت طویل گفتگو کے بعد ہاشمیان کے مقالے کا عنوان ہے ”اقبال و زبان دری“ ھاشمیان نے پنجابی کے بجائے اردو کو اقبال کی مادری زبان بتایا ہے جو کہ ایک

علمی سہو ہے۔ انگریزی اور جرمن زبانیں ان کی تحصیلات کے زبانیں بتاتے ہیں البتہ اقبال کے عارفانہ آثار کی زبان "دری" بتاتے ہیں جو کہ بقول ہاشمیان اقبال کے لیے عطیہ خداوندی آہ صبحگاہی ہے:

با من آہ صبحگاہے دادہ اند   سطوتِ کوہے بہ کاہے دادہ اند

اقبال اس زبان میں خودی کے رموز بیان کرتے ہوئے خالقِ کائنات سے ہمکلام ہوتے ہیں:

عشق سوہان زد مرا آدم شدم   عالمِ کیف و کم عالم شدم
حرکت اعصاب گردون دیدہ ام   در رگ مہ گردش خون دیدہ ام[۱۰۵]

دری افغانوں کی زبان ہے اور اقبال اس کی اہمیت سے باخبر ہیں:

گرچہ ہندی در عذوبت شکر است   طرز گفتار دری شیرین تر است
فکر من از جلوہ اش مسحور گشت   خامۂ من شاخ نخل طور گشت

ہاشمیان نے اس دلچسپ حقیقت کی طرف اشارہ کیا ہے کہ اقبال اگرچہ فارسی کے بہترین سخنور تھے لیکن فارسی میں گفتگو کرنے سے قاصر تھے۔ ہاشمیان لکھتے ہیں کہ سرور خان گویاؔ نے مجھ بتایا تھا کہ علامہ جب ۱۹۳۳ء میں افغانستان تشریف لائے تھے تو افغان شخصیات اور ادبا سے اردو اور انگریزی میں بات چیت کرتے تھے۔ ایک دو بار تو میزبانوں نے ان سے فارسی میں گفتگو کرنے کی استدعا کی تھی۔ علامہ نے خضوع اور شرمندگی کے ساتھ معذرت کی۔ اگرچہ اس سفر میں علامہ نے سنائی، محمود غزنوی، احمد شاہ ابدالی کے مزارات اور خرقہ مبارکہ پر حاضری دی تھی اور اس سفر کا منظوم اثر مسافر فارسی ہی میں تحریر کردہ ہے۔[۱۰۶]

اقبال و افغانستان:

اس عنوان کے تحت ھاشمیان نے افغانستان سے علامہ کی مختلف دلچسپیوں کا ذکر کیا ہے۔ آزادی افغانستان کی جستجو اور ان سے قلبی تعلق کا ذکر کیا ہے:

مسلم ہندی چرا میدان گذاشت   ہمت او بوے کراری نداشت
مشت خاکش آنچناں گردیدہ سرد   گرمی آواز من کارے نکرد[۱۰۷]

ایک طرف اقبال کو اس مبارز ملت کی جغرافیائی موقعیت کی اہمیت کا پورا پورا احساس تھا تو دوسری طرف ہندوستان میں غلاموں کی شبِ ناتمام پر پریشان رہتے۔ اسلام، آزادی اور استعمار دشمنی کے حوالے سے علامہ افغانوں کے تمام کارناموں سے آگاہ ہیں۔ سید جمال الدین افغانی کے صادقانہ جذبات کو پیامِ افغان را ابملت روسیّہ بیان کر کے بعض حقائق کی طرف اشارہ بھی کرتے ہیں۔

مقالے کے آخر میں لکھا ہے کہ اقبال کے بارے میں جتنا بھی لکھوں بہت کم ہے۔ افغانستان میں ایک بار پھر یومِ اقبال منانے کے آرزو کا اظہار کیا گیا ہے۔ کابل یونیورسٹی کے اساتذہ کی جانب سے اپنے اس مقالے کو علامہ کے حضور نمائندگی کی حیثیت سے اہدا کیا ہے۔

پرداختن بانسان متعدی چون اقبال کہ ہر لحظہ حیات عقلانی خود را وقف تربیت ھمنوعان خود خاصہ بیداری ملت ھای مسلمان نمودہ باین مختصر نامیسرات و آہنگی در مورد اقبال ہر قدر سخن بگویم سخن مانند او نگفتہ ایم و چون ھمہ سخن را او خود گفتہ متعال مادر مقدمہ تمام است ولی بمنظور سھم گرفتن در روز اقبال کہ ہر سال در پاکستان تجلیل میشود و درافغانستان آزاد نیز برگرام میشد و من درآن زمان از زمرہ، استاذان پوھنتون کابل مقالاتی در سفارت پاکستان مقیم کابل خواندہ بودم اینک بہ نمائندگی استادان آوارۂ پوھنتون آزاد کابل این برگ سبز را میحث نمونہ ارادت مردم آزادۂ افغانستان با اقبال لاھوری و ھموطنانش تقدیم میدارم و برای ملت برادر پاکستان استحکام میانی اسلام وبقائے استقلال شانر امثلث مینمایم۔

موفق باد جہاد و مقاومت ملی مردمِ افغانستان

پائندہ باد افغانستان آزاد و مؤمن

جاودان باد رہبری اسلام[۱۰۸]

مقالہ نمبر ۱۶:

امروز زدائے فردا

از نائل لاجورد بنشہریؔ

نایل لاجورد بنشہری کا لکھا ہوا یہ مقالہ دقیق فلسفیانہ مباحث پر مشتمل ہے اور یہ مباحث فلسفۂ زمان اور فلسفۂ مستقبل سے عبارت ہیں۔ مقالے کا آغاز افغانستان میں جہاد کے

دوران جاری سفر کے حوالے سے جہدِ مسلسل اور آئندہ کے حوالے سے زمان کے بحرِ بیکراں میں غواصی کے اسرار ورموز سے کیا گیا ہے۔

من ھنوز میروم ھنوز دراھم سر منزل اقامت دور وناپیدا است شمعی درامواج بیکرانہ سیاسی درآن دور دستھای دور میلرزد نمی دانم کہ آتشی کاروان رفتہ است میابہ سپیدہ ھای بامداد "فردا" نزدیک می شویم اما در افق مینگرم ھنوز نشانۂ از "رسیدن" وبارقہ از منزل ھویدا نیست۔ ھر قدم میروم ھنوز کہ ھنوز است خودرادر امروزی یابم وچون غواصی از دست رفتہ ای در امروز شناورم "فردائ" کہ خواھد آمد ھنوز سربزانوی ادبیت غیب خوابیدہ است و ھنوز در سرمدیت زیباوخاموش مکتوم است گوئ ھرکز "بیدار" نخواھد شد ونخواھد آمد۔[۱۰۹]

اس طویل اور دقیق فلسفیانہ بحث کے دوران فلسفۂ امروز اور فلسفۂ فردا کو مختلف زاویوں سے پرکھا گیا ہے۔ اس فلسفے کی باریکیوں پر عالمانہ اور فلسفیانہ انداز میں روشنی ڈالی گئی ہے۔ انسانی حیات کے نشیب و فراز پر فلسفۂ امروز و فردا سے مرتب ہونے والے اثرات کا جائزہ لیا گیا ہے۔ مقالہ نگار نے موضوع کے نکات کے استدلال میں مشاہیر مفکرین مشرق کے افکار سے جابجا استفادہ کیا ہے۔ اس سلسلے میں سب سے پہلا حوالہ خواجہ حافظ شیرازی کا دیا گیا ہے:

بیا تا گل بر افشانیم و مے در ساغر اندازیم
فلک را سقف بشگانیم و طرح نو در اندازیم[۱۱۰]

نایل لاجورد بنشھری نے موضوع سے متعلق مولوی، عطار اور سنائی کے افکار کو شامل مقالہ کیا ہے۔ یوں ان مشاہیر مفکرین کے تذکرے کے ساتھ ہی علامہ کے افکار کو بھی زینت موضوع بنایا گیا ہے۔

آری، این شاعر نگر ایںھای بزرگ ھمچون اقبال ھیجانات آتشین ھیچ اثری جز کینہ با امروز برای پیروزی فردانیا فریدہ است۔ دشمنی و تضاد این دو برانگیختہ خدا باوضع موجود و مناسبت متداوم آن ناتشی از بیدار دلی درد و فھمیدن پیکرانہ ایشان از ضلالت وعمق آگاہی امروز و زیبائی و فضائل عالی فرداھا میدا میکرد کہ ھیچ وسوسہ عزیزی و شیطانی نتوانستہ است جلو مبارزات مسلم ایشان راعلیہ امروز درجھت فردا سرکند بناحماسہ بزرگ این روح ھای عظیم

آنست کہ اتمامی ذرات اشراقی و عرفانی و آثار شان را بیداری روشنائی و مبارزہ علیہ امروز برای ساختن جامعۂ فرداو فرداھا تشکیل می دہد۔

حافظ شیرازی چون مولوی و مولوی چون سنائی وسنائی چون اقبال واقبال چون......رنج نامہ در جہت محکومیت امروز و رھائی از حصار ''روزمرہ گی'' امروز تقدیم جامعہ انسانی کردہ اند کہ بعنوان گنجینہ تجارب فرہنگی ومبارزاتی و بعنوان دستاور درنج و مجموعہ بینظیر ''طرح نو'' ''فردا'' برای ھمہ نسلھائیکہ علیہ امروز در تداوم تاریخ مبارزہ مینماید و مبرای فردا شکوھمند آزادی تلاش می ورزند می تواند دستور العمل کارو مبارزۂ راھکشا قرار گیرد۔[۱۱۱]

اس مقالے میں اگر ایک طرف مستقبل کے بارے میں مشاہیر مفکرین کے افکار کا تقابلی جائزہ پیش کیا گیا ہے تو دوسری طرف موضوع سے متعلق علامہ کے افکار کا ایک عالمانہ جائزہ بھی لیا گیا ہے جو عمیق نظر اور علمی استدلال کا مظہر ہے۔ علامہ حال کو مستقبل کی کلید گردانتے ہیں۔ حال کی کامیابیاں، کامرانیاں اور سعادت کو مستقبل کی سرخروئی کا منبع قرار دیتے ہیں۔

اقبال این فرزند فردا کہ حضور امروزی دارد و متولد امروز است بحساب فردا و نبغ فردا زندگی می کند او تبلور درخشان سیمای ''آئندہ'' در ''حال'' است و تجسم جامعۂ رشید فردا در امروز نگوں بخت و ذلیل جاکہ او نسل فرد او قامت افراختہ ای ''آئندہ'' در حصار متروک و خفقان انگیز ''حال'' است در اعتقاد او ھیچکس جز ''او'' در ساختن و باز آفریدن فردا ھمسوول نیست کہ باچنین تعبیر عظمت حالت ''کار'' برای فرد او تعہد ''نسل انسان'' در برابر جامعۂ نوین را نمائش میدہد اصولا او فرزند فرداو فراھاست واو فرزند صحرا و صحراھاست بینش او در محدودۂ امکان و در عرصۂ حیات جز تغیر و تحول نمی شناسد وروی این باور عمیق تحول و حرکت را مظہر حضور ہستی وناموس ازلی برای حیات و وجود می فھمد و دلیل بقاو استمرار وجود می شناسد از دید گاہ او تاریخ فلسفی انسان ھمان با حرکت و پویائی آغاز می شود او در جوہر ہستی و در نھاد و ژرخاکی حیات بوجود مبدأ تحول و منشا حرکت و ایمان دارد۔[۱۱۲]

اسی حرکت ہی کی بنیاد پر اقوام کامرانیوں کی منازل طے کرتی ہیں۔ اور جاودانی و سرفرازی کے اعلیٰ مقامات پر جلوہ افروز ہوتی ہیں۔ یہ امر الٰہی بھی ہے اور منشائے ایزدی بھی۔

عشق بہ حرکت را محوریت ہستہ ای کائنات می فہمد و اصل موج بودن را قاعدہ کلی ووجہ مشترک برای مطالعۂ خصلت ھای ذاتی وجوھری تمامی پدیدہ ھاو نمود ھامی یابد۔ فلسفہ اوحاوی طرح بزرگ در یک ناپذیری و استمرار حرکت ابدی بہ "الی اللہ المصیر" است و توقف و درنگ نمی پذیرد او لحظۂ توقف ھستی رامتساوی با مرگ و نیستی می انگارد۔

آری اقبال بنیاد باور منظر ھای فلسفی خود را بر بنای تحول فناپذیر اعمار می کند و محور تغیر و حرکت رادلیل ابقاواحیای جامعہ می بیند۔ [۱۱۳]

اقبال کی فلسفیانہ نگاہ میں اثبات اور اثبات میں تغیر بھی فلسفیانہ امروز و فردا کے زمرے میں آتا ہے۔ فاضل مقالہ نگار لکھتے ہیں:

دید گاھای فلسفی اقبال در کلیت حال تنھا بہ اثبات "ثبات اصل تغیر" نھی می شود و دیگر عالم ممکن راصحنہ تغیر مستمر و تحول ابدی می یابد۔ علی الیحال نگوش فلسفی اقبال در اعمار تفکر فرھنگی و تغیر بنای بنگھای سلبی و اجتماعی او حیثیت ماحتہ محوری دارد کہ ناگزیر جہان و ھستی راموجود "ھر لحظۂ شوندہ" واسیر "صیرورت" دائی می فھمد۔ [۱۱۴]

علامہ کائنات کی اس دیدگاہ میں آدمی ہی کو حرکت، فلسفۂ زمان، فلسفۂ مکان، فلسفۂ عشق، فلسفۂ امروز اور فلسفۂ فرداوغیرہ کا مرکزی کردار تصور کرتا ہے۔ وہ ان تمام فلسفوں سے وابستہ کیفیات اور محسوسات، حقائق اور اسرار و رموز کو انسان ہی سے وابستہ بتاتے ہیں:

اقبال آدمی را مجموعۂ بینظیر ھیاھوھا، ھیجانھا و سازھا و آھنگھامی انگارد کہ باعبور از معتبر تحول و تکامل ھمشگی سبوی "شدن" و "رشد" در حرکت و بیقرار یست، دائرۃ المعارف شناخت اقبال "آدمیت" آدمی راموج شتاب آلود "گذشتن" و "رفتن" می فھمد کہ اگر بیقراری و اضطراب و حرکت را از و حذف کنند بہ مبدای حیوانی خود باز میگیرد و سقوط می کند۔ و آنجا کہ میگوید:

موج زخود رفتۂ تیز خرامید و گفت
ھستم اگر میروم گر نروم نیستم [۱۱۵]

مقالہ نمبر۱۷:

افغانستان در آئینہ قرآن

از احمد جان امینی

احمد جان امینی کے اس مقالے کا عنوان اگرچہ افغانستان در آئینہ قرآن ہے لیکن اس مقالے میں جابجا قرآن و احادیث کے علاوہ صرف اور صرف علامہ کے اشعار و افکار سے استفادہ کیا گیا ہے۔ اسی بنیاد پر ہم اس مقالے کو شامل کر رہے ہیں۔ یہ مقالہ دو ماہی قلم (فروری مارچ ۱۹۹۲ء) میں شائع ہوا ہے۔

مقالے کا آغاز علامہ کی اس رباعی سے ہوا ہے:

عرب از سرشک خونم ہمہ لالہ زار بادا عجم رمیدہ بورا نفسم بھار بادا
تپش است زندگانی تپش است جاودانی ہمہ ذرہ ہاے خاکم دل بے قرار بادا[۱۱۶]

مقالے کی ابتدا میں کائنات کی تشکیل اور اس میں انسانی زندگی کے ارتقا سے متعلق بحث کی گئی ہے۔ اس خاکی سرزمین پر اقوام اور ملتوں کے آغاز تہذیب، تمدن اور شاندار ترقی کے مختلف ارتقائی مدارج کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ افغانستان کے تذکرے کے ساتھ ہی اس مملکت کی تاریخی جغرافیائی اہمیت کا ذکر ملتا ہے اور ساتھ ہی علامہ کے اشعار دیے ہیں:

حال با تحلیل مشخص از موقعیت فرد۔ اجتماع و پدیدہ ھای طبیعی بسراغ کشور و مردم خودمان افغانستان قھرمان و مسلمان می بر آیم می بینم افغانستان ظاہر اُمواضع کوچک بشکل مشت گرہ خوردۂ رامینماید کہ در خریطہ و اطلس ھای جھان قرار گرفتہ است اما مطالعہ و اوجاع بہ متون تاریخی این خطہ در ھر مقطع از زمان این رانشان میدھد کہ خصوصیت تسلیم ناپذیری جنگ و درھم کوبیدن متجاوزین طاغوطیان و افکار ناساز گار و ناسالم حاکم برزمان خصوصیات فطری این سامان بودہ و پیوستہ پیشگام نہفت ھای مترقی و آزادی بخش جھان بودہ است کہ باین کتلۂ کوچک معنویت و کیفیت بخصوص بخشیدہ است کہ چون قلۂ شامخ تبارز و وچون نگین در عرشہ اطلس جھان تلؤلؤ میکند۔

حضرت علامہ اقبال لاہوری شاعر و صوفی باکرامت اسلام و مشرق نقش افغانستان را در آسیا چہ موزون تحلیل و پیشگوی کردہ است۔

آسیا یک پیکر آب و گل است ملتِ افغان درآن پیکر دل است
از فسادِ او فسادِ آسیا در کشادِ او کشادِ آسیا[۱۱۷]

چونکہ یہ مقالہ افغانستان میں روسی مداخلت کے دوران لکھا گیا ہے لہٰذا مقالہ نگار کے اندازِ تحریر پر اس وقت کے حالات کے مطابق جذبۂ جہاد غالب نظر آتا ہے۔ افغانوں کے حقِ خود ارادیت کی بحالی اور افغانستان کی خود مختاری ان کی اولین ترجیح ہے۔ اس بنیاد پر ایک بار پھر علامہ کے اشعار سے استدلال بھی پیش کرتے ہیں:

گویا حقیقتاً محدودۂ جغرافیائی این کشور حرم سرای آزادگان و باشندگانی آن پاسداران امین بوده اند کہ در طول تاریخ بہ جنایت کاران متجاوزین و بیگانگان ولجام گسیختگان فرصت و اجازۂ آن را نداده اند کہ پای کثیف و جنایت کرشاں حریم پاک این خطۂ آزادگان مسلمان راملوث سازد حضرت اقبال صاحب باز ھم در لابلدی اشعارش شخصیت ھا و حتی حیوانات افغانستان را چنین تشریح و تشبیہہ نموده است۔

خیبر از مردان حق بیگانہ نیست در دل او صد ہزار افسانہ ایست
سرزمین کبک رو شاہین مزاج آھوے او گیرد از شیران خراج
در فضائش جرہ بازان تیز چنگ لرزہ بر تن از نہیب شان پلنگ[۱۱۸]

مقالے میں افغانستان پر روسی مداخلت کی نہ صرف مذمت کی گئی ہے بلکہ متجاوز قوتوں کو اپنے عبرتناک انجام سے بھی خبردار کیا گیا ہے اور واقعی حالات نے یہ سچ ثابت کر دیا کہ افغانستان پر حملے کے بعد کمیونزم کا انہدام ظہور پذیر ہوا۔ روسی ایسے شکست سے دوچار ہوئے کہ صفحۂ ہستی سے U.S.S.R کے نقوش مٹ گئے۔

اولین و آخرین مورد نبوده است کہ ملت مسلمان افغانستان بانیروی ایمان و عقیدہ در قرن بسیت امپراطوری روسیۂ متجاوز ھم پیماناں آن را در میدان نظامی سیاسی و فکری شکست و چرخ تمدن جھان را بہ سود مسلمین و آزادی خواھاں پیش بردہ و ریکارد جدیدی را در تاریخ معاصر برقرار نموده است بلکہ این ملت با ایمان در ھر مقطع از زمان و در ھر شرائط ناھموار علمبردار نھفت ھائ مترقی بوده است چنانچہ بہ شواھد تاریخ بیرق جھان کشائ اسکندر مقدونی در تعرض بہ ھمین خاک مابزمین افتید و از پیشروی بعدی باز ماند۔

طلسم جھان کشائی و انسان کشی چنگیز خان مغل در تعرض قرن ششم ھجری بدست ھمین پد ران قھرمان ماشکست۔

امپراطوری جھان کشائی انگلیس کہ باصطلاح آفتاب در نھای افقھای آن جای غروب ند اشت در قرن ۱۹، ۲۰ در زمین ماغروب کرد۔

و اینکہ این ملت و این زمین پیوستہ علمبر دار نھضت ھائی اسلامی و سمبول آزادگی بودہ است بی گمان نصرت الٰہی فطرت مسلمہ این اولاد ھائی آدمؑ بودہ است۔ ملت ما بر صبر و استقامت و توصل بہ کلمۂ توحید و قربانی جگر گوشہ ھا و عزیزان و نثار خون پاک خویش در طول انقلاب اسلامی و مقاومت علیہ امپراطوری خون آشام روسیہ شوروی آیہ ھائی قرآنی و احادیث نبوی ﷺ را تفسیر و ترجمہ عملی و واقعی نمودہ اند۔[119]

موضوع کی مناسبت سے مجاہد اسلام سید قطب شہید کا قول پیش کرتے ہیں۔ جابجا جہاد، ہجرت اور صبر و استقامت کے بارے میں قرآنی آیات کا حوالہ دیتے ہیں۔ روسی آتشی طاقت کو آتش نمرود سے تشبیہہ دیتے ہیں۔ اور خلیل کی ایمانی قوت کی طاقت سے لیس افغانی ملت کو نویدِ کامرانی سناتے ہوئے ایک بار پھر علامہ کے کلام کی طرف رجوع کرتے ہیں:

با آنکہ در آتشکدہ ھای نمرودی زمان روسیہ از شش جھت مورد اذیت و آلام قرار میگرفت بہ رجوع بہ بارگاہ خدا مردانہ استقامت کردند و یکبار دیگر این ملت ابراھیمی داستان ھائی ابراھیم خلیل را در عصر ما زندہ و مجسم ساخت و سنگر اسلام را حفظ نمود مولانا اقبال می فرماید:

زمانہ باز بر افروخت آتش نمرود　　کہ آشکار شود جوہر مسلمانی
در آبہ سجدہ و یاری ز خسروان مطلب　　کہ روز فقر نیاگان ما چنین کردند[120]

افغانوں کو اپنے دشمن کے مقابلے میں وسائل کے لحاظ سے کمزوری کے دلدل سے نکال کر ایمان کی دولت سے مالا مال گردانتے ہیں اور یہی مسلمان کا طرۂ امتیاز ہے کہ وہ دوسروں کے آگے سر کو خم نہیں کرتا۔

در قیام و روند مبارزاتی تان ھمچون خداشناسان سست عنصر و اندوہ ناک نباشد و این ایۂ کریمہ را پیوستہ بخاطر بیاورید۔ وَ لَنْ يَّجْعَلَ اللّٰهُ لِلْكٰفِرِيْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ سَبِيْلًا ﴿١٤١﴾
(القرآن، النساء ۴:۱۴۱)

(وہر گز نگر داند خداوند کافران رابر مومنان راھی برای غلبہ) واگر در سنگر حجرہ وضف وھر کجائی قرار دارید باز مزمہ این اشعار مولانا اقبال لاہوری وجدان وشعور حلیم خویش را بیدار وبرقص می آورید:

مسلمانے کہ داند رمز دیں را نساید پیش خلق اللہ جبیں را
اگر گردون بکام او نگردد بکام خود بگرداند زمیں را[۱۲۱]

مقالے کا اختتام اسلام کی بالادستی اور کمیونزم کے انہدام کی امید، دعا اور یقین کے الفاظ پر کیا گیا ہے۔

مقالہ نمبر ۱۸:

ساعتی در خدمت علامہ اقبال

از سید قاسم رشتیاؔ

سید قاسم رشتیاؔ کا شمار افغانستان کے مشاہیر اہلِ قلم، پیشہ ور سیاست دانوں اور مقتدر خواص میں ہوتا ہے۔ آپ کو نہ صرف کابل میں علامہ کی میزبانی کا شرف حاصل رہا بلکہ لاہور میں بھی علامہ سے ملاقات ہوئی تھی۔ اس آخری ملاقات کے احوال پر مشتمل رشتیاؔ کا یہ مقالہ ہفت روزہ وفا میں شائع ہوا (۱۱ جدی ۱۳۵۷ھ ش)۔

اس مقالے کے آغاز میں علامہ کے ۱۹۳۳ء کے سفر افغانستان کا ذکر کیا گیا ہے:

علامہ اقبال در خزان ۱۹۳۳ء بہ معیت دو تن دگر از دانشمندان ھندی سید سلیمان ندوی و سر راس مسعود بنا بہ دعوت افغانستان از کابل و چند شھر دیگر افغانستان دیدن نمود کہ خاطرات این سفر دلچسپ او در مجموعۂ بہ نام "مسافر" در قالب شعر در اوردہ شدہ است واز ھر حیثیت قابل خواندن است۔[۱۲۲]

ترجمہ: ۱۹۳۳ء کے خزاں میں علامہ اقبال دو دیگر ہندی زعما سید سلیمان ندوی اور سر راس مسعود کے ساتھ افغان حکومت کی دعوت پر یہاں تشریف لائے۔ کابل اور چند دیگر شہروں کی سیاحت کی۔ اس سفر کی یادوں کو اشعار کے قالب میں ڈھال کر مجموعہ مسافر رقم کیا جو کہ ہر اعتبار سے پڑھنے کے قابل ہے۔

قاسم رشتیاؔ لکھتے ہیں کہ اس زمانے میں وہ انجمن ادبی کابل کے ممبر تھے۔ انھوں نے علامہ سے ملنے کے علاوہ اس سفر کی غرض وغایت پر مزید تفصیلات دی ہیں:

من در آن زمان در جملۂ اعضائ انجمن ادبی کابل بودم و از حسن اتفاق در ھئیت پذیرائی این مھمانان عالی قدر نیز اشتراک داشتم۔ سفر آنھا اساساً بہ غرض مشورہ دربارہ چگونہ گی تاسیس اولین پوھنتون افغانستان بود کہ از آرزوھائ اعلیٰ حضرت محمد نادر شاہ بہ شمار میرفت چنانچہ پوھنځئ اول آن رابہ نام فاکولتۂ طب قبلاً تاسیس کردہ بودند ولی اندکی پس از بازگشت دانشمندان بلند پایہ ھندی کہ ھریک در رشتۂ خود مقام برجستہ رادر کشور خود حایز بودند اعلیٰ حضرت نادر شاہ بہ شہادت رسید و پروگرام تاسیس پوھنتون تا چندین سال بہ تصویق افتاد۔[۱۲۳]

ترجمہ: میں اس زمانے میں انجمن ادبی کابل کارکن تھا۔ اور خوش قسمتی سے ان معزز مہمانوں کی پذیرائی کرنے والے وفد میں شامل تھا۔ یہ سفر دراصل اس مشاورت کے سلسلے میں تھا جو اعلیٰ حضرت کی آرزو کے مطابق تھی کہ کس طرح افغانستان میں پہلی یونیورسٹی کی ابتدا کی جائے۔ چنانچہ اس سلسلے میں ابتدائی ادارہ فاکولتۂ طب کے نام سے کھولا گیا لیکن ان دانش مندوں جن میں سے ہر ایک اپنے میدان میں ممتاز حیثیت کے مالک تھے، کے جانے کے تھوڑے ہی عرصے بعد اعلیٰ حضرت محمد نادر شاہ شہید ہوگئے اور کابل یونیورسٹی کے قیام کا منصوبہ چند سال تک التوا میں پڑا رہا۔

اس تمہیدی نوٹ کے بعد رشتیاؔ نے ۱۹۳۵ء میں اپنے سفر لاہور اور وہاں حضرت علامہ سے ملاقات کا ذکر نہایت شدومد سے کیا ہے:

در سال ۱۹۳۵ء من بہ معیت مادرم کہ مریض بود برای بار اول بہ شبہ قارہ مسافرت نمودم و تداوی مادرم در لاھور صورت میگرفت در خلال مدت سہ ماھی کہ در آن شھر بہ سر میبردم تا یک اندازہ لسان اردو را یاد گرفتم کہ برای محاورۂ عادی کافی بود در ھمین بین بہ فکر افتادم تا از علامہ اقبال کہ در کابل بہ حضور شان معرفی شدہ بودم دیدن نمایم سراغ منزل شان را گرفتہ یک روز بہ انجار فتم منزل علامہ اقبال از عمارات یک کوچک روی پایہ چوبی نصب شدہ بود کہ روی آن این عبارت سادہ خواندہ میشد "محمد اقبال وکیل دعویٰ"۔ زنگ دروازہ رافشار

دادم شخصی بہ دروازہ ظاہر شد پرسید چہ میخواھی کارت خود را کہ در زیر نام آرزوی خود را برای ملاقات علامہ بہ قلم نوشتہ بودم برایش دادم کمی بعد برگشتہ مرا بہ داخل عمارت رھنمائی کرد۔

ترجمہ: ۱۹۳۵ء میں، میں نے اپنی والدہ محترمہ جو کہ بیمار تھی کے ساتھ پہلی بار برصغیر کا سفر کیا۔ والدہ کے علاج کے لیے لاہور گیا۔ وہاں اپنے تین ماہ کے قیام کے دوران میں نے تھوڑی سی اردو بھی سیکھ لی جو کہ روزمرہ بول چال کے لیے کافی تھی۔ اس دوران میں نے سوچا کہ علامہ اقبال جن سے کابل میں تعارف ہوا تھا سے ملاقات کر لوں۔ ان کے گھر کا پتا معلوم کیا۔ علامہ کا نو تعمیر شدہ مکان لاہور شہر کے ایک رہائشی علاقے میں واقع تھا۔ دروازے کے تختے پر ان کے نام کا ایک سادہ سا لوحہ لگا تھا۔ جس پر یہ تحریر درج تھی: محمد اقبال وکیل دعویٰ (ایڈوکیٹ)۔ دروازے کی گھنٹی بجائی ایک شخص باہر آیا۔ آنے کا غرض پوچھی۔ میں نے اپنے تعارفی کارڈ پر نام کے نیچے علامہ سے ملاقات کی آرزو لکھ کر ان کو دی۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ شخص باہر آیا میری رہنمائی کرتے ہوئے مجھے اندر لے گیا۔

رشتیاؔ نے علامہ سے اپنی اس ملاقات کے پہلے تاثر کو یوں محفوظ کیا ہے:

علامہ اقبال کہ در یک اطاق سادہ وبی جوابہ روی بستر افتادہ بود بہ دیدن من روی بستر نشت و با من مصافحہ کرد از ین کہ از یک جوان افغان در منزل خود پذیرائی مینماید اظہار خوشنودی نمود۔ صحبت ما بہ زبان اردو البتہ از طرف من بہ صورت شکستہ و ابتدای ادامہ یافت علامہ با تبسم تشویق آمیز فرمود "اگر نمی دانستم کہ افغان استید فکر میکردم با یک کشمیری صحبت میکنم از این لطف و حسن نظر شان تشکر کردم۔

ترجمہ: علامہ اقبال چونکہ ایک سادہ سے کمرے میں بستر پر لیٹے ہوئے تھے۔ مجھے دیکھتے ہی بستر پر بیٹھ گئے۔ مجھ سے مصافحہ کیا۔ اپنے مکان میں ایک نوجوان افغان کی آمد پر مسرت کا اظہار کیا۔ ہماری گفتگو اردو زبان میں ہوئی۔ البتہ میری طرف سے گفتگو کا آغاز شکستہ اور ٹوٹی پھوٹی اردو میں ہوا۔ میری حوصلہ افزئی فرماتے ہوئے علامہ نے مسکرا کر کہا اگر میں یہ نہ جانتا کہ تو ایک افغان ہے تو میرا خیال ہوتا کہ ایک کشمیری سے گفتگو کر رہا ہوں۔ ان کے اس حسنِ ظن سے میں نے ان کا شکریہ ادا کیا۔

علامہ کے ساتھ رشتیاؔ کی گفتگو کا موضوع کیا تھا، اس کا جواب رشتیاؔ کے مقالے میں موجود ہے:

بعد سخن را جانب افغانستان دور دادہ گفت من از اول جوانی بہ افغانستان عشق و علاقہ خاصی داشتم طبیعت کوہستانی و مردم آزادہ و تاریخ پر ماجرای آن مرا بیش از ھر کشور دگر بہ سوی افغانستان جلب میکرد رجال بزرگ شمشیر و قلم را کہ ازاین سرزمین مرد خیز برخاستہ بہ حیثیت پیشوایان خود محسوب مینمودم محمود غزنوی شیر شاہ سوری و احمد شاہ درانی ھمیشہ قھرمان خیالی من بودہ اند درحالی کہ مولانای بلخی وسنائی غزنوی وسید جمال الدین افغانی را مرشدان راہ طریقت خود میدانم در دورۂ معاصر جنگھائی بیدریغ مردم آفغانستان بر ضد امپریالیزم انگلیس بہ خاطر دفاع از آزادی شان تازمان حصولِ استقلال کامل این کشور الھام بخش اکثر سرودھائی من میباشد بزرگ مردان مانند غازی امان اللہ خان و افکار روشن و آرزوھای والای او برای آزادی و سربلندی مشرق زمین در قلب من ھموارہ جایگاہ بلندی دارد مسرورم کہ یک فرزند والا گہر دگر افغان اعلیٰ حضرت محمد نادر شاہ را ھم شخصاً کمی بیش از شھادت شان زیارت کردم خلاصہ من شیفتہ کشور شما و دوستدار مردمان نجیب آن میباشم و برایم مایۂ خوشی است کہ در این شامگاہ زندگانی بار دیگر بہ دیدار یک جوان افغانی نایل گردیدم تا احساسات درونی و عشق و علاقہ عمیق قلبی خود را توسط او بہ مردم باجوھر افغانستان برسانم۔[۱۲۴]

ترجمہ: اس کے بعد علامہ نے موضوع افغانستان کی طرف موڑ کر فرمایا: میں ابتدائے جوانی ہی سے افغانستان کے ساتھ انتہائی عشق اور تعلق رکھتا ہوں۔ افغانوں کا کوہستانی مزاج اور حریت پسندی اور ان کی ماجرائی تاریخ نے میری توجہ مملکتِ افغانستان کی طرف مبذول کرائی۔ اس مردم خیز سرزمین کے اربابِ قلم کو میں اپنے لیے رہنما تصور کرتا ہوں۔ محمود غزنوی، شیر شاہ سوری اور احمد شاہ درانی میرے خیالات کے ہیرو رہے۔ مولانا بلخی، سنائی، غزنوی اور سید جمال الدین افغانی کو راہ طریقت میں اپنے مرشد گردانتا ہوں۔ موجودہ حالات میں انگریز استعمار کے مقابلے میں افغانوں کی بے دریغ جنگیں مادرِ وطن کے دفاع اور حصولِ استقلال تک ان کی جدوجہد حریت میرے اکثر منظومات کے لیے الہام بخش ثابت ہوئے۔ اس سرزمین کے باہمت مرد میرے لیے قابلِ احترام ہیں۔ جیسے: غازی امان اللہ خان آزادی اور سربلندئ مشرق کے لیے بلند مقام کے حامل ہیں۔ اور خوش ہوں کہ ایک اور قابلِ قدر افغان فرزند اعلیٰ حضرت محمد نادر شاہ سے ان کی شہادت سے تھوڑے ہی عرصہ پہلے بذاتِ خود شرفِ ملاقات حاصل کر چکا ہوں۔ مختصر یہ کہ میں آپ کی مملکت کا شیدائی اور آپ کے

غیور عوام کا مداح ہوں اور یہ امر بھی میرے لیے باعثِ مسرت ہے کہ زندگی کی ان آخری شاموں میں ایک بار پھر ایک افغان نوجوان سے ملاقات کر رہا ہوں تاکہ اپنے اندرونی احساسات، اپنا عشق و محبت اور گہری دلی وابستگی اس جوان کے ذریعے افغانستان اور ان کے باسیوں تک پہنچا سکوں۔

ایک طرف عاشقِ افغانستان اپنے معشوق مملکت کے باسیوں کے لیے یہ الفاظ ادا کر رہا تھا اور دوسری طرف ایک جوان افغان اپنے محسن و مربی کی ان باتوں کو سننے کے لیے ہمہ تن گوش تھا۔

علامہ اقبال این جملات صمیمانہ را در حالی کہ ھر دم صرفہ گلویش را میگرفت یکی بعد دگر با لحن پر ھیجانی یکایک ادا میکرد و من سراپا سکوت و محو گفتار سر گوش مانند این مرد بزرگ بودم و تنھا سر خود را بہ علامت اظھار امتنان شور میدادم این کہ گفتار بلند بالای او بہ پایان رسید مثل این کہ از عوالم دگری بہ زمین فرمود آمدہ باشد با نگاہ پرسش آمیزی بہ من نگرسیتہ گفت ببخشید انقدر از دیدن شما حظ بردم و بہ بیان احساسات و اندیشہ ھای درونی خود مشغول گردیدم کہ فراموش کردم بپرسم شما چای ھندی را میپسندید یا بہ چای انگلیسی عادت دارید۔

من بدون تامل جواب دادم کہ چای ھندی را میپسندم بہ زودی ملازم سینی چای را مقابلم قرار داد من در حالی کہ ھنوز گفتار محبت آمیز و خوش ایند او در ذھنم طنین انداز بود خواستم یک قاشق کلان بورہ را بہ پیالۂ چامی بریزم کہ صدای علامہ بہ گوشم رسید کہ میگوید احتیاط کنید این شکر نیست نمک است و بعد با تبسم معنی داری بہ من نگرستہ افزود اکنون دانستم کہ شما بہ چای ھندی اشنا نیستید اجازہ بدھید برای تان چائی انگلیسی فرمائش بدھم از این پیش آمد ناراحت شدم اما علامہ اقبال کہ ضمناً چای بہ اصطلاح انگلیسی را فرمائش دادہ بودہ۔[۱۲۵]

ترجمہ: "علامہ اقبال یہ عقیدت مندانہ جملے ایک ایسی حالت میں ادا کرتے رہے جب ان کے گلے اور سینے میں تکلیف بھی تھی اور اس وجہ سے ان کی آواز بھی لرز جاتی مگر وہ یہ جملے مسلسل ادا کرتے رہے اور میں سراپا خاموش اس مردِ دانا کی اس گفتگو میں ڈوبا رہا اور صرف عقیدتاً اور تشکراً سر ہلاتا رہا یہاں تک کہ ان کی بلند و بالا اور گراں قدر گفتگو پایۂ تکمیل تک پہنچی۔ ایسے جیسے کسی اور عالم سے اس زمین پر آئے۔ دفعتاً مجھے سوالیہ نظروں سے دیکھ کر پوچھا۔ معاف کیجئے گا آپ کے آنے کی اس قدر خوشی ہوئی کہ اپنے خیالات اور اندرونی

کیفیات کے بیان نے مجھے اس قدر مصروف رکھا کہ آپ سے پوچھوں آپ ہندی چائے پسند کریں گے یا انگریزی۔ میں نے توقف کیے بغیر کہا میں ہندی چائے پسند کرتا ہوں۔ ملازم نے جلدی سے چائے میرے سامنے رکھ دی۔ میں ابھی تک ان کی محبت آمیز گفتگو کے اثر میں اس قدر محو رہا اور چاہا کہ ایک بڑا چمچہ چینی اپنی چائے میں ڈالوں، علامہ سمجھ گئے اور کہا کہ احتیاط کریں۔ یہ چینی نہیں نمک ہے اور معنی خیز انداز میں مسکرا کر کہا کہ اب میں سمجھ گیا کہ تو ابھی تک ہندی چائے سے آشنا نہیں۔ اجازت دیجیے کہ آپ کے لیے انگریزی چائے کا آرڈر دے دوں۔ مجھے ان کو دوبارہ تکلیف دینے کی کوفت ہوئی۔ علامہ نے بہ اصطلاح انگریزی چائے کا آرڈر دے کر موضوع بدل دیا۔ علامہ نے رشتیاؔ سے افغانستان میں ان کی زیادہ پڑھی جانے والی کتب کے بارے میں پوچھا۔ آخر میں رشتیاؔ کو آٹوگراف کے طور پر درج ذیل رباعی ان کی نوٹ بک میں لکھ کر دی:

ز انجم تا بہ انجم صد جہان بود — خرد ہر جا کہ پرزد آسماں بود
و لیکن چو بہ خود نگریستم من — کراں بیکراں درمن نہاں بود[۱۲۶]

مقالہ نمبر ۱۹:

قلب آسیا گذر گاہ و نظر گاہ

علامہ اقبال

از سر محقق عبد اللہ بختانی خدمتگار

عبد اللہ بختانی خدمتگار پشتو و فارسی کے ممتاز شاعر، محقق اور مؤرخ ہیں۔ آپ نے افغانستان میں علامہ کے فن و شخصیت پر پہلی با قاعدہ تالیف ترتیب دی تھی۔ اس کے علاوہ فارسی میں منظوم خراجِ تحسین اور دیگر مقالات کے ساتھ فارسی میں یہ مقالہ بھی لکھا۔ یہ مقالہ ویسے تو ہفت روزہ وفا (۱۰ جدی ۱۳۷۶ھ ش) میں شائع ہوا لیکن آپ نے اس کو کابل کے خیر خانہ میں ۲۰ سرطان ۱۳۷۴ھ ش بمطابق ۱۱ جولائی ۱۹۹۵ء لکھا تھا۔

مقالے کا آغاز علامہ کے ابیات، تراکیب، مفاہیم اور اصطلاحات کی ترتیب سے مزین ہے:

زندگی سالھادر کعبہ وبتخانہ نالید تاازبزم عشق دانای رازبرون آمدرموزبیخودی رابی پردہ گفت اسرار خودی رافاش ساخت مغزقرآن برداشت زبورعجمش نامید بابانگِ دراپیامِ مشرق راباز گفت۔

پس چہ باید کرد اے اقوام شرق[۱۲۷]

ترجمہ: زندگی مدتوں تک کعبہ و بتخانے میں روتی رہی کہ بزمِ عشق سے ایک دانائے راز باہر آیا۔ انھوں نے خودی کے اسرار کو فاش کیا۔ قرآن کی روح سے آگاہی کو زبورِ عجم سے موسوم کیابانگِ دراسے "اہلِ مشرق" کو "پیام" دیااور کہاکہ اے "اقوامِ مشرق" اب کیا کرناچاہیے۔

مقالے میں اقبال کی اس دنیامیں آمد کو عالمِ انسانی کے لیے باعثِ سعادت قرار دیا:

ستارہ اقبال درشب تیرہ و تار درجہان مشرق درخشید۔ بر مغرب نیزپر توافگند گویاستارۂ بخت انسان ونور انسانیت بود نوری بہ سان عاطفۂ انسانی۔ باری این کوکب درخشان از افق مشرق مھین ما طالع گردید دانای راز راز دارماشد۔ آں کہ مشرق و غرب رانیک میدانیست واز سرشت سرگذشت ملل آگاہ بود، شیشۂ ناموس عالم دربغل داشت ہر کہ پاکج میکوشید ھر منکری راباد ستانش تغیر دہد۔ باایمان راسخ قلم بہ دست میگرفت دم را باقلم یار میساخت۔ برانچہ منکراست انگشت میگذاشت حرفِ حق رابیہراس میگفت چیزی رادردل نگہ نمیداشت دمیکوشید کہ تا درجہ...... الایمان تنزل نکند او بود کہ باخطرناکترین منکرات زمین وزمانش ازمیدازقبیل استعمار استثمار نادانی بزدلی گمراھی وبیراھی۔[۱۲۸]

ترجمہ: اقبال کاستارہ فلکِ مشرق کی تاریکیوں میں اس طرح چمکاکہ اس کاپر تومغرب میں بھی جلوہ گزیں رہا۔ گویاًیہ ستارہ انسانی سعادت اور انسانیت کے لیے نور کی وجہ بنا۔ انسانی وجدان پراس روشن ستارے کے گہرے اثرات مرتب ہوئے اور یہ سعادت ہماری مملکت کے حصے میں بھی آئی۔ یہ دانائے راز ہماراراز دار بنا۔ مشرق و مغرب کا یہ بہی خواہ ملتوں کے آغاز و انجام سے باخبر عالمی عزت کا شیشہ بغل میں لیے آیا۔ جس نے بھی کج روی کا مظاہرہ کیاتو اقبال نے خونِ دل کاپیالہ پیا۔ اقبال نے ہر منکر کو راہِ راست پر لانے کی کوشش کی۔ روح کو قلم سے آشناکیا۔ ہر منکر پر تنقید کی اور حرفِ حق کو بلاخوف بیان فرمایا۔ کسی چیز کو دل میں پنہاں نہیں رکھااور حتی الامکان کوشش کی کہ ایمان کو زوال نصیب نہ ہو کیونکہ وہ زمین اور

زمان کے خطرناک ترین دور میں جی رہا تھا۔ اور وہ استعمار، استشمار کی نادانی، بزدلی، گمراہی اور بے راہی کا دور تھا۔

جناب بختانی اس دور میں اقبال کی آمد کو علم و ادب اور سیاست حال، ماضی اور مستقبل کے لیے خوش بختی کا باعث گردانتے ہیں۔ اقبال نے پیرِ مغرب جرمن نکتہ داں گوئٹے کے جواب میں پیامِ مشرق لکھی۔ بختانی نے افغانستان کے بادشاہ اعلیٰ حضرت غازی امان اللہ خان کے نام اس کتاب کے انتساب کو قابلِ تحسین اقدام قرار دیا۔

بلی علامہ محمد اقبال نور خورشید آسماں علم ادب و سیاست، کہ ماضی، حال وآئیندہ امم را بابیان تند' شیرین وروشن درمیان میگذاشت سخنوری کہ بہ جواب پیرِ مغرب نکتہ داں المانی گویتہ پیامِ مشرق را سرودہ واین ھدیہ ارجناکش راہ پادشاہ افغانستان اعلیٰ حضرت امان اللہ خان پیشکش نمود ودر مقدمہ تصویر عین امت اسلامی راچنین کشید:

دیدۂ اے خسرو کیوان جناب ۔ آفتاب ما توارت بالحجاب
ابطحی در دشت خویش از راہ رفت ۔ از دم او سوز الا اللہ رفت
مصریان افتادہ در گرداب نیل ۔ سست رگ تورانیاں ژندہ پیل
ال عثمان در شکنج روزگار ۔ مشرق و مغرب زخونش لالہ زار
عشق را آئین سلمانی نماند ۔ خاک ایران ماند و ایرانی نماند
سوز و ساز زندگی رفت از گلش ۔ آن کہن آتش فسرد اندر دلش
مسلم ہندی شکم را بندۂ ۔ خود فروشی دل ز دیں برکندۂ[۱۲۹]

جناب بختانی حضرت علامہ کے مادی اقدار سے بالاتر معنوی شخصیت سے کافی متاثر دکھائی دیتے ہیں۔ ان کے نظریات کو سراہتے ہوئے ان کے نژادی نسلی قیودات کے فلسفے سے بالاتری کو تحسین پیش کرتے ہیں:

شاعر مسلمان ھندی وترکی حجازی، ومصری، ایرانی وتورانی را باصراحت انتقاد کرد ناتوانیھای مادی معنوی و روانی شان را تشخیص داد قانونمندی ناتوانیھا دریافت آن را عمومیت بخشید و انتقادش را خلاصہ کرد۔

درمسلمان شأن محبوبی نماند ۔ خالد و فاروق و ایوبی نماند

مگر در همین فضا خطاب شاه ملت ما راستود

اے ترا فطرت ضمیرِ پاک داد — از غم دین سینۂ صد چاک داد
تازه کن آئین صدیق و عمر — چون صبا بہ لالۂ صحرا گذر[۱۳۰]

بختانی اس کی تائید کرتے ہیں کہ حضرت علامہ نے پشتونوں کی پسماندگی کی علت نادانائی، ناداری اور جہالت قرار دے کر درست تشخیص کی ہے اور شاہ افغانستان کو مشورہ دیا ہے کہ اس غیور ملت کے کوہساروں کے مکینوں کو زیورِ تعلیم سے آراستہ کر دیں۔

گویا حکیم مشرق مشخص ساخت کہ علت الملل پسمانیهای ملت افغان ناداری و نادانی است و بہ شاہ کشور مشورہ داد کہ برای تهذیب این ملت غیور علم را از سینۂ احرار و ثروت را از سینہ کهسار مینهش برگیرد۔[۱۳۱]

بختانی صاحب اگرچہ تحقیق کے اسرار و رموز سے آگاہ ہیں اور سر محقق کے علمی رتبے تک پہنچ چکے ہیں لیکن اس کے باوجود چونکہ وہ بنیادی طور پر ایک شاعر ہیں اس لیے وہ علامہ کے سفر افغانستان (۱۹۳۳ء) کو ایک شاعرانہ احساس کے ساتھ پرکھتے ہیں۔ اس مقالے میں سفر افغانستان کا جائزہ اگرچہ ایک اپنے شاعرانہ انداز سے پیش کیا ہے تو دوسری طرف جابجا علامہ کی شعری کیفیات کو بھی پیش کرنے کی کوشش کی ہے:

بلی شاید در آرزوی سیر و گلگشت کهسار ما نیز بود تا در اکتوبر ۱۹۳۳ء هفتاد و دو سال قبل از امروز چون صبا بر لالۂ صحرا خرامید در درہ خیبر باور هایش را بہ تداعی گرفت و باز دریافت۔

خیبر از مردان حق بیگانہ نیست — در ضمیرش صد هزار افسانہ ایست
جاده کم دیدم ازو پیچیده تر — یاوه گردد در خم و پیچش نظر[۱۳۲]
.... — ....

بختانی صاحب نے علامہ کے اس براہِ راست سفر کے علاوہ اس دلچسپ روحانی و تخیلی سفر کا ذکر بھی کیا ہے جس میں علامہ کا روحانی مرشد بلخی آگے آگے ہیں اور مرید ہندی سراپا حیرت سراپا عقیدت ان کے پیچھے پیچھے اس حیرت کدے کے اسرار و رموز کا مشاہدہ کرتے ہیں:

شاعر سفر دگری نیز دارد دوان عروج روحانی و یا سفر تخلیلی وسیت بہ اوج جهان، کیهان و فراتر از اسمانها اقبال در اثر جاودان خویش مثنوی جاوید نامہ داستان سفر شاعرانہ اش را با بداعت

تام به سر رسانیده است او در عالم خیال به سیر سیاحت و سفر دور و درازی پرداخته و در جریان سیر به عالم بالا توانسته است با ارواح بزرگان دین و دولت اسلامی گفت و شنود هائی داشته باشد۔
تعجب نباید کرد شاعر در این سفر خیالی خویشتن راه زنده او دنامیده و رومی یعنی مولانا جلال الدین بلخی را مرشد رهبر و رهنمائی سفرش معرفی کرده است۔[۱۳۳]

پھر بختانی کا مقصد اپنے موضوع سے متعلق افغان شخصیات سے علامہ کی ملاقاتوں کا تذکرہ ہے۔ پہلے فلک عطارد پر سید جمال الدین افغانی کا حال ہے جو سعید حلیم پاشا کا امام بنا ہے۔ قصر سلاطین میں ابدالی سے ملاقات کی دلچسپ روداد کو بیان کیا گیا ہے۔

مقالے کے آخر میں افغانستان کے حالات کے پیشِ نظر علامہ کی اس پیش گوئی کی طرف اشارہ کیا گیا ہے جس میں افغانستان کی آبادی ایشیا کی آبادی اور افغانستان کی بربادی ایشیا کی بربادی سے تعبیر کی گئی ہے۔ بختانی نے جہانِ عالم بالخصوص اقوامِ ایشیا سے اس عظیم فلسفی کی اس پیش گوئی سے عبرت حاصل کرنے کی اپیل کی ہے۔

مقالہ نمبر ۲۰:

اقبال د خوشحال رښتینی مینه وال

(اقبال خوشحال کا حقیقی شیدائی)

از محمد آصف صمیمؔ

جناب محمد آصف صمیمؔ کا یہ مقالہ اقبال کی خوشحال سے عقیدت، محبت اور ان کے اثرات سے متعلق ہے جو مجلّہ سپیدہ میں ۱۳۷۸ھ ش ۱۹۹۹ء میں شائع ہوا۔

مقالے کا آغاز اقوامِ عالم میں مشاہیر کے ابدی و آفاقی احسانات سے متعلق ہے اور پشتون معاشرے میں خوشحال خان کی خدمات کی تعریف سے مشتق ہے:

د نړۍ ولسونه په خپل تاریخ کښې څنې داسې ستهی او میړونه لری چې د مرګ ټکی ورته څوك پر خوله نه راوړی خوزمانه پر ولسونو د داسې میړو په ښښنه کښې پیالی

نیولی او موتھی کری لاس (بخل) کاراخلی چې ددغسې ناویاتو لورو نویوه بیلګه هم
د پښتنی افغانی او انسان نړۍ مفکر او مبلغ خوشحال ختټك ده۔[۱۳۴]

ترجمہ: اقوامِ عالم کی تاریخ میں بعض ایسی ہستیاں ہوتی ہیں جن کے لیے موت کا لفظ استعمال کرنا کسی کے بس کی بات نہیں ہوتی۔ مگر زمانہ پھر بھی ان ہستیوں کے اعتراف و کمال کی تحسین کے لیے بخل سے کام لیتا ہے۔ اس طرح کی نامور ہستیوں میں ایک پشتون افغانی اور انسانی معاشرے کا مفکر و مبلغ خوشحال خان خٹک ہے۔

اپنے اس دعوے کے ثبوت میں فاضل مقالہ نگار نے خوشحال خان کے مختلف کارناموں پر روشنی ڈالی ہے اور ساتھ ساتھ ان کے کلام کی روشنی میں ان کے مختلف افکار کا جائزہ لیا ہے۔ مغلوں کے خلاف ان کی نبرد آزمائی، افغانوں کو متحد و متفق کرانا، حریت، غیرت اور استقلال کے پرچم کو سربلند رکھنا خوشحال خان کے مقاصد میں شامل تھا۔

مقالہ نگار نے پوھاند عبدالشکور رشادؔ کے مقالے سے براہِ راست استفادہ کیا ہے جن کے مباحث پر پہلے تحقیق کی جاچکی ہے اور نبوغ اور ذہانت کے اعلیٰ اوصاف کی زنجیر کی کڑیوں کا سلسلہ خوشحال سے شروع کرکے مولانا عبدالحکیم سیالکوٹی اور پھر حضرت علامہ سے ملایا۔ خوشحال خان خٹک اور علامہ کے زمانے کے سیاسی ماحول کے اشتراک کے نکات کی طرف اشارہ کیا گیا ہے:

علامه اقبال دا سې مهال سترګې غړولی چې د خوشحال خان د عصر په څیر پښتانه مسلمانان د ګورګانی شکیلا ګګرو و د نارو او په بټیو کښې ورتیده د علامه د سر راهسکولو پر وخت هم اسلامی ملت او د نیمی وچې مسلمانان د پیرنګی زور واکیو د تیری او بلوسی په سیخانو کښې پیدلی وو- علامه د غوبلوسو او پیرنګی مریتیوبه د مسلمانان د ژغورنی لپاره د درملنی په فکر کښې وو-او درملنه یې دا ګڼله چې دنړۍ مسلمانان د توحید په مزبوته رسۍ منګولې ولګوی او بیاد توحیدی و خپراوی لپاره د خدمت او ژمنی ملا وتړی-[۱۳۵]

ترجمہ: علامہ اقبال نے ایک ایسے دور میں آنکھ کھولی جب خوشحال خان خٹک کے دور کے مانند پشتون اور مسلمان گورگانی استعمار گروں کے ظلم و جبر کی بھٹیوں میں بھن رہے تھے۔

علامہ فرنگی استعمار کے خلاف مسلمانوں کے احیا کے لیے ہر وقت متفکر رہتے تھے۔ مسلمانوں کا علاج ان کے خیال میں صرف اور صرف توحید کی رسی کو مضبوطی سے پکڑنے کی صورت میں ممکن تھا کہ مسلمان متحد ہونے کے بعد توحید کی اشاعت اور اسلام کی خدمت و حفاظت کے لیے کوشاں رہے۔

مقالے میں جابجا حضرت علامہ کے اشعار کا حوالہ دیتے ہوئے ان کے منظوم پشتو تراجم کی طرف بھی رجوع کیا گیا ہے۔ شیر محمد مینوشؔ کا منظوم پشتو ترجمہ ضربِ کلیم، ضربِ کلیم از سید محمد تقویم الحق کاکاخیل، پس چہ باید کرد از سید محمد تقویم الحق کاکاخیل، جاوید نامہ از امیر حمزہ شینواری، بالِ جبریل از قاضی عبدالحلیم اثرؔ، پلوشی (بالِ جبریل) از عبداللہ جان اسیرؔ۔

متذکرہ بالا حضرات کے منظوم تراجم سے استفادہ کیا گیا ہے۔

مقالہ نگار لکھتے ہیں کہ علامہ نے خوشحال کے خیالات و افکار سے شناسائی ان سو منظومات کے ذریعے حاصل کی تھی جس کا انگریزی ترجمہ ۱۸۶۲ء میں لندن سے شائع ہوا تھا۔ تب ان کے فن و شخصیت سے متاثر ہو کر علامہ نے ۱۹۲۸ء میں حیدر آباد دکن کے ''اسلامی کلچر'' کے سہ ماہی رسالے میں Khushal Khan Khattak, the Afghan Warrior Poet کے عنوان سے شائع کیا۔

علامه دراورېتې د غورځباړولیو نظمونو په لوستو دومره اغیز من شوچې په "اسلامی فرهنگ" کښې په دغه خپره شوی لیکنه کښې ي د افغانستان له پوهنی وزیر نه غوستنه و کړه چې یو افغان پوهمن او څېړونکی د خوشحال د شاعرۍ او نقادانه افکار و تر څېړنې وروسته د خوشحال پر ادبی او علمی کارنامو باندې یو کاب لیکلوته و ګوماری- د اعلی حضرت غازی امان الله خان له حکومت نه دد غسې غوښتنې لامل دا وو چې هغه د نیمی وچې د مسلمانانو په زړونو کښې ځان ته ځایٔ درلود او یو ټول منلی مسلمان واکمن ي ګڼه او ترې هیله من ووچې له پیرنګی مریتیوبه به ي د همده متې راوباسی۔[۱۳۶]

ترجمہ: علامہ راورٹی کے ان منظوم تراجم سے اس قدر متاثر ہوا کہ " اسلامک کلچر" کے اپنے مقالے میں افغانستان کے وزیر معارف سے اپیل کی کہ کسی افغان سکالر، محقق اور عالم کو خوشحال خان خٹک کے نقادانہ افکار پر تحقیق اور ان کے ادبی اور علمی کارناموں پر کتاب لکھنے کا علمی فریضہ سونپیے۔ اعلیٰ حضرت امان اللہ خان کی حکومت سے اس طرح کی اپیل کی وجہ یہ تھی کہ برصغیر کے مسلمانوں کے دلوں میں امان اللہ خان کے لیے انتہائی عقیدت موجود تھی۔ اور انھیں ایک متفقہ مسلمان حکمران تصور کرتے تھے اور تمام مسلمان ان سے توقع رکھتے تھے کہ وہ انگریز کی غلامی سے نجات دلائیں گے۔

مقالے میں جابجا حضرت علامہ کے مقالے کے حوالے دیے گئے ہیں۔ جن میں خوشحال خان کی علمی ادبی اور جرأت مندانہ شخصیت کا جائزہ مختلف حوالوں سے لیا ہے اور ساتھ ہی جابجا علامہ کے افکار پر خوشحال کے اثرات کا بھی تقابلی جائزہ پیش کیا گیا ہے۔

خوشحال:

چې څرګنده سربازي کاندي په تورو
زه خوشحال خټک تر هسې هنر جارشم

ترجمہ: جو تلوار پر سربازی کا ہنر جانتا ہے میں خوشحال اس پر قربان ہوں۔

اقبال:

وہی ہے بندہ حُر جس کی ضرب ہے کاری
نہ وہ کہ حرب ہے جس کی تمام عیاری!

خوشحال:

لکه باز په لوې لوې ښکار زما نظروی
نه چې ګرځی کونګ نیی باد خورك یم

ترجمہ: باز کی طرح بڑے بڑے شکار پر میری نظر مرکوز ہے۔ میں کوئی کمزور پرندہ نہیں جو گذربسر پر گزارا کرتا ہے۔

اقبال:

نگاہِ عشق دلِ زندہ کی تلاش میں ہے!
شکارِ مُردہ سزاوارِ شاہباز نہیں

خوشحال:

دسړي چې فرشته وی هم شیطان وی
که سړی و خپل عمل ته نگران شی
یو په بد عمل کې ځی تحت الثری ته
بل په ښه عمل د پاسه د آسمان شی
که دوزخ لره ځوك بیایي که جنت له
بله نه وینم په منځ کښې خپل اعمال دی[۱۳۷]

ترجمہ: اگر کوئی اپنے عمل کا نگران بن جائے تو اس کی بدولت وہ فرشتہ یا شیطان بن جاتا ہے۔ کوئی بد عمل کی وجہ سے تحت الثریٰ چلا جاتا ہے اور کوئی بہتر عمل کی وجہ سے آسمان پر پہنچ جاتا ہے۔ عمل کسی کو جنت لے جاتا ہے کسی کو دوزخ۔ ان کے درمیان اپنے اعمال کے علاوہ کوئی چیز نہیں۔

اقبال:

عمل سے زندگی بنتی ہے جنت بھی جہنم بھی
یہ خاکی اپنی فطرت میں نہ نوری ہے نہ ناری ہے

مقالے کے اختتام میں مأخذات کی تفصیل دی گئی ہے جن کی تعداد ۱۵ ہے۔ متذکرہ منظوم تراجم کے علاوہ مقالہ نگار کے مأخذات میں درج ذیل کتب شامل ہیں۔ کلیات خوشحال خان ختك ۲ جلد، فراق نامه، ګام په ګام له خوشحال سره، پښتنانه د علامه اقبال په نظر کښې، خوشحال او اقبال، خوشحال او اقبال، تقویم تاریخی، شاعر اسلام[۱۳۸] وغیرہ۔

مآخذات باب ہفتم:

۱ افغانستان و اقبال، ص ۱ تا ۲۱
۲ اقبالیات کا تنقیدی جائزہ، ص ۴۴
۳ اقبال کی صحبت میں، ص ۱۸۳
۴ اقبال ممدوح عالم، ص ۲۸۴ - ۳۰۵
۵ آثار اردوی اقبال، جلد۱، ص ۸
۶ افغانستان و اقبال، ص ۱
۷ ایضاً، ص۲ - ۳
۸ ایضاً، ص۳
۹ ایضاً، ص۱۲
۱۰ ایضاً، ص۱۳
۱۱ ایضاً، ص۱۵
۱۲ ایضاً، ص ۱۵
۱۳ ایضاً، ص۱۷
۱۴ مجلّہ کابل، ۲۲مارچ۱۹۳۱ء، ص ۱۹
۱۵ ایضاً، ص ۱۹ - ۲۰
۱۶ ایضاً، جون ۱۹۳۲ء، ص ۱۲
۱۷ اقبال ممدوح عالم، ص ۴۳۹
۱۸ مجلّہ کابل، جون ۱۹۳۲ء، ص ۱۲
۱۹ افغانستان و اقبال، ص ۳۸
۲۰ اقبال ممدوح عالم، ص ۴۴۰
۲۱ مجلّہ کابل، جون ۱۹۳۲ء، ص ۱۲
۲۲ ایضاً، ص ۱۶
۲۳ اقبال ممدوح عالم، ص ۴۴۴
۲۴ مجلّہ کابل، شمارہ جون ۱۹۳۲ء، ص ۱۶

۲۵ اقبال ممدوح عالم، ص ۴۴۴ - ۴۴۵
۲۶ نیرنگ خیال، طبع ثانی، ص ۲۳۳، مقالہ پیامِ مشرق (از ڈاکٹر نکلسن)
۲۷ مجلّہ کابل، جون ۱۹۳۲ء، ص ۱۸
۲۸ اقبال ممدوح عالم، ص ۴۴۶
۲۹ مجلّہ کابل، جون ۱۹۳۲ء، ص ۱۹
۳۰ اقبال ممدوح عالم ، ص ۴۴۷
۳۱ مجلّہ کابل، جون ۱۹۳۲ء، ص ۱۹
۳۲ اقبال ممدوح عالم، ص ۴۴۸
۳۳ بانگِ درا، ص ۲۷۰
۳۴ مجلّہ کابل، شمارہ جون ۱۹۳۲ء، ص ۲۰
۳۵ ایضاً، ص ۲۱
۳۶ مجلّہ کابل شمارہ مئی جون ۱۹۳۸ء، ص ۵۹
۳۷ مجلّہ کابل، شمارہ دسمبر ۱۹۳۲ء، ص ۱۲
۳۸ ایضاً، ص ۱۲ - ۱۳
۳۹ ایضاً، ص ۱۳
۴۰ اقبال ممدوح عالم، ص ۲۸۹
۴۱ مجلّہ کابل، ۲۳ دسمبر ۱۹۳۴ء، ص ۸۴
۴۲ ایضاً، ص ۸۵
۴۳ مجلّہ کابل، ص ۸۵
۴۴ مجلّہ کابل، مئی جون ۱۹۳۸ء، ص ۷۸
۴۵ ایضاً، ص ۸۳
۴۶ ایضاً، ص ۸۳
۴۷ ایضاً، ص ۸۳ - ۸۴
۴۸ مجلّہ کابل، مئی جون ۱۹۳۸ء، ص ۸۴
۴۹ ایضاً، ص ۸۴
۵۰ ایضاً، ص ۸۵

۵۱ ایضاً، ص ۸۵
۵۲ آریانا دائرۃ المعارف، فارسی، جلد ۳، ص ۶۷۲ - ۶۸۱
۵۳ آریانا دائرۃ المعارف، پشتو، جلد ۳، ص ۹۱۴
۵۴ ایضاً، ص ۹۱۴
۵۵ ایضاً، ص ۹۱۵
۵۶ ایضاً، ص ۹۱۵
۵۷ ایضاً، ص ۹۱۵
۵۸ ایضاً، ص ۹۱۵
۵۹ ایضاً، ص ۹۱۵
۶۰ ایضاً، ص ۹۲۱
۶۱ مقالات یومِ اقبال، ص ۲۷
۶۲ ایضاً، ص ۲۷
۶۳ ایضاً، ص ۲۸
۶۴ ایضاً، ص ۲۸
۶۵ مقالات یومِ اقبال، ص ۳۱
۶۶ ننگیالی پښتون، ص ۴۶ - ۴۷
۶۷ ایضاً، ص ۴۸
۶۸ ایضاً، ص ۴۸
۶۹ ایضاً، ص ۴۸ - ۴۹
۷۰ ننگیالی پښتون، ص ۴۹
۷۱ ایضاً، ص ۴۹
۷۲ ایضاً، ص ۵۰
۷۳ ایضاً، ص ۵۰
۷۴ ایضاً، ص ۵۱
۷۵ اقبال ریویو، اپریل ۱۹۶۷ء، ص ۱۶۵
۷۶ ایضاً، ص ۱۶۶

۷۷ ایضاً، ص ۱۶۶
۷۸ ایضاً، ص۱۶۷
۷۹ ایضاً، ص۱۷۰
۸۰ دوه میاشتنی وږمه، کابل ۱۹۶۷ء، ص ۱۱ - ۱۲
۸۱ ایضاً، ص ۱۲
۸۲ ایضاً، ص ۱۳
۸۳ ایضاً، ص ۱۴
۸۴ ایضاً، ص ۱۵
۸۵ مجلّہ کابل، دسمبر جنوری ۸ - ۱۹۷۷ء، ص ۲
۸۶ ایضاً، ص ۲
۸۷ مجلّہ کابل، دسمبر ۸ - ۱۹۷۷ء، ص ۳ - ۴
۸۸ مجلّہ میثاق خون، سال دوم، شمارہ ۱۳، قوس ۱۳۶۰ھ ش، ص ۱۸
۸۹ ایضاً، ص ۱۸
۹۰ ایضاً، ص ۱۹
۹۱ ایضاً، ص ۱۹
۹۲ مجلّہ میثاق خون، سال دوم، شمارہ ۱۳، قوس ۱۳۶۰ھ ش، ص ۲۱
۹۳ ایضاً، ص ۲۲
۹۴ مجلّہ قلم، اکتوبر نومبر ۱۹۸۷ء، ص ۵۰
۹۵ ایضاً، ص ۵۱
۹۶ ایضاً، ص ۵۲
۹۷ ایضاً، ص ۵۳ - ۵۴
۹۸ ایضاً، ص ۵۴
۹۹ ایضاً، ص ۵۵
۱۰۰ ایضاً، ص ۵۶
۱۰۱ ایضاً، ص ۵۶
۱۰۲ ایضاً، ص ۵۷

۱۰۳ ایضاً، ص۵۸

۱۰۴ ایضاً، ص۵۹

۱۰۵ ایضاً، ص۶۴

۱۰۶ ایضاً، ص۶۶

۱۰۷ ایضاً، ص۶۷

۱۰۸ ایضاً، ص۷۲

۱۰۹ مجلّہ میثاق خون، جوزا سرطان ۱۳۶۶ھ ش، ص ۱۸

۱۱۰ ایضاً، ص۲۰

۱۱۱ ایضاً، ص۲۱

۱۱۲ ایضاً، ص۲۲

۱۱۳ ایضاً، ص ۲۲

۱۱۴ مجلّہ میثاق خون، جوزا سرطان ۱۳۶۶ھ ش، ص۲۳

۱۱۵ ایضاً، ص ۲۳

۱۱۶ دوماہی قلم، فروری مارچ ۱۹۹۲ء، ص ۲۲

۱۱۷ ایضاً، ص۲۴

۱۱۸ ایضاً، ص۲۵

۱۱۹ ایضاً، ص۲۶

۱۲۰ ایضاً، ص۲۷

۱۲۱ ایضاً، ص۲۹

۱۲۲ ہفت روزہ وفا، ۱۱ جدی ۱۳۷۵ھ ش، ص ۴

۱۲۳ ایضاً، ص۴

۱۲۴ ایضاً، ص ۴

۱۲۵ ایضاً، ص ۴ - ۲۱

۱۲۶ ایضاً، ص۲۱

۱۲۷ ہفت روزہ وفا، ۱۰ جدی ۱۳۷۶ھ ش، ص ۱۳

۱۲۸ ایضاً، ص۱۳

۱۲۹ ایضاً، ص ۱۳
۱۳۰ ایضاً، ص ۱۳
۱۳۱ ہفت روزہ وفا، ۱۰ اجدی ۱۳۷۶ھ ش، ص ۱۳
۱۳۲ ایضاً، ص ۱۳
۱۳۳ ایضاً، ص۱۸
۱۳۴ مجلّہ سپیدہ شمارہ یازدھم ۱۳۷۸ھ ش، ص ۴
۱۳۵ ایضاً، ص۵
۱۳۶ مجلّہ سپیدہ شمارہ یازدھم ۱۳۷۸ھ ش، ص۶
۱۳۷ ایضاً، ص۸
۱۳۸ ایضاً، ص۹

کتابیات

(الف): اردو

۱- محمد اقبال علامہ، بانگِ درا، شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور، ۱۹۸۹ء

۲- محمد اقبال علامہ، بالِ جبریل، شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور، ۱۹۹۱ء

۳- محمد اقبال علامہ، ضربِ کلیم، شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور، ۱۹۹۲ء

۴- محمد اقبال علامہ، ارمغانِ حجاز، شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور، سنہ ندارد

۵- ابوالحسن علی ندوی، نقوشِ اقبال، اردو ترجمہ شمس تبریز خان، مجلس نشریات اسلام، کراچی، ۱۹۸۳ء

۶- احمد میاں قاضی اختر جوناگڑی، اقبالیات کا تنقیدی جائزہ، اقبال اکادمی، کراچی، ۱۹۵۵ء

۷- اختر راهی، اقبال سید سلیمان ندوی کی نظر میں، بزم اقبال، لاہور، ۱۹۷۸ء

۸- اقبال احمد صدیقی، علامہ محمد اقبال: تقریریں، تحریریں اور بیانات، اقبال اکادمی پاکستان، لاہور، ۱۹۹۹ء

۹- اکرام اللہ شاہد، اقبال اور افغانستان، ادارہ اشاعت مدارالعلوم مردان نومبر ۲۰۰۲ء

۱۰- اللہ بخش یوسفی، سرحد اور جدوجہدِ آزادی، مرکزی اردو بورڈ، لاہور، ۱۹۶۸ء

۱۱- انعام الحق کوثر ڈاکٹر، علامہ اقبال اور بلوچستان، اقبال اکادمی، لاہور / سیرت اکادمی کوئٹہ، طبع ثانی،۱۹۹۸ء
۱۲- ایم سلطانہ بخش ڈاکٹر، اردو میں اصولِ تحقیق، جلد۱، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد، طبع دوم،۱۹۸۹ء
۱۳- ایم سلطانہ بخش ڈاکٹر، اردو میں اصولِ تحقیق، جلد۲، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد،طبعدوم،۱۹۸۹ء
۱۴- دائرۃ المعارف اسلامیہ، جلد۲، دانش گاہ، پنجاب لاہور، ۱۹۷۱ء
۱۵- دائرۃ المعارف اسلامیہ، جلد۷، دانش گاہ، پنجاب لاہور، ۱۹۷۱ء
۱۶- دائرۃ المعارف اسلامیہ، جلد۹، دانش گاہ، پنجاب لاہور، ۱۹۷۲ء
۱۷- دائرۃ المعارف اسلامیہ، جلد۱۱، دانش گاہ، پنجاب لاہور، ۱۹۷۲ء
۱۸- سلیم اختر ڈاکٹر،اقبال ممدوح عالم، بزمِ اقبال، لاہور، ۱۹۷۷ء
۱۹- سلیم اختر ڈاکٹر، ایران میں اقبال شناسی، سنگِ میل پبلیکیشنز، لاہور، ۱۹۸۳ء
۲۰- سلیمان ندوی سید، سیر افغانستان، شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور، سنہ ندارد
۲۱- صبا لکھنوی، اقبال اور بھوپال، اقبال اکادمی، پاکستان لاہور، طبع سوم، ۲۰۰۰ء
۲۲- ضیاء الدین لاہوری، جوہر تقویم، ادارہ ثقافت اسلامیہ، لاہور، ۱۹۹۴ء
۲۳- طاہر تونسوی، اقبال اور عظیم شخصیات، تخلیق مرکز، لاہور، ۱۹۷۹ء
۲۴- طاہر فاروقی پروفیسر، سیرت اقبال، قومی کتب خانہ لاہور، طبع سوم، ستمبر ۱۹۴۹ء
۲۵- عبدالحمید عرفانی ڈاکٹر خواجہ، اقبال ایرانیوں کی نظر میں، اقبال اکادمی، پاکستان کراچی، ۱۹۵۷ء
۲۶- عبدالسلام خورشید ڈاکٹر، سرگذشت اقبال، اقبال اکادمی پاکستان لاہور، طبع دوم، ۱۹۹۶ء
۲۷- عبدالسلام ندوی مولانا، اقبال کامل، نیشنل بک فاؤنڈیشن، اسلام آباد، ۱۹۸۶ء

۲۸- عبدالسلام ندوی مولانا، حکمائے اسلام، جلد ۲، نیشنل بک فاؤنڈیشن، اسلام آباد، ۱۹۸۹ء
۲۹- عبدالسلام ندوی مولانا، امام رازی، نیشنل بک فاؤنڈیشن، اسلام آباد، ۱۹۹۳ء
۳۰- عبدالصمد میر، اقبال اور افغان، یونیورسٹی بک ایجنسی پشاور، ۱۹۹۰ء
۳۱- عبدالقدوس ہاشمی، تقویم تاریخی، ادارہ تحقیقات اسلامی، اسلام آباد، طبع دوم ۱۹۸۷ء
۳۲- عطاءاللہ شیخ و محمد اشرف، مرتبین، اقبال نامہ، جلد ۱، لاہور، ۱۹۴۵ء
۳۳- عطاءاللہ شیخ و محمد اشرف، مرتبین، اقبال نامہ، جلد ۲، لاہور، ۱۹۴۵ء
۳۴- لطیف احمد خان شیروانی، مرتب، حرفِ اقبال، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد، سنہ ندارد
۳۵- محمد اکرام چغتائی، اقبال افغان اور افغانستان، سنگ میل پبلی کیشنز لاہور ۲۰۰۴ء
۳۶- محمد حسین خان، افغان بادشاہ، مطبوعہ فیروز پرنٹنگ ورکس ۱۱۹ سرکلر روڈ لاہور سنہ ندارد۔
۳۷- محمد حمزہ فاروقی، اقبال کا سیاسی سفر، بزمِ اقبال، لاہور، ۱۹۹۲ء
۳۸- محمد حمزہ فاروقی، سفر نامہ اقبال، اقبال اکادمی، پاکستان لاہور، ۱۹۹۸ء
۳۹- محمد خالد ابوالنصر، تقویم ہجری و عیسوی، انجمن ترقی اردو، پاکستان کراچی، ۱۹۷۴ء
۴۰- محمد ریاض ڈاکٹر پروفیسر، مکتوبات و خطباتِ رومی، اقبال اکادمی پاکستان، لاہور، ۱۹۸۸ء
۴۱- محمد عبداللہ چغتائی ڈاکٹر، اقبال کی صحبت میں، مجلس ترقی ادب لاہور، ۱۹۷۷ء

۴۲- محمد عبداللہ چغتائی ڈاکٹر، روایات اقبال، اقبال اکادمی پاکستان، لاہور، طبع ثانی، ۱۹۸۹ء

۴۳- محمد عبداللہ قریشی، روح مکاتیب اقبال، اقبال اکادمی پاکستان، لاہور، ۱۹۷۷ء

۴۴- مصطفی کمال پاشا، فتح افغانستان، جنگ پبلیکیشنز، لاہور، ۱۹۹۲ء

۴۵- میکمن لیفٹننٹ جنرل سر، افغانستان دارا سے امان اللہ تک، ترجمہ ریاض صدیقی، یونائیٹڈ پرنٹرز کوئٹہ، ۱۹۸۷ء

۴۶- نعمت اللہ ہروی، تاریخ خان جہانی و مخزن افغانی، ترجمہ ڈاکٹر محمد شیر حسین، اردو سائنس بورڈ لاہور، ۱۹۸۲ء

۴۷- وحید الدین خان سید فقیر، روزگار فقیر جلد دوم، لائن آرٹ پریس، کراچی، بار دوم، ۱۹۶۵ء

(ب): پشتو کتب

۴۸- آریا دائره المعارف، پښتو، دريم ټوك، د آريانا دائره المعارف، ټولنه دولتی مطبع، کابل، ۱۳۳۷ه ش

۴۹- آریانا دائرة المعارف، پښتو، شپږم ټوك، مطبع دولتی، کابل افغانستان، ۱۳۵۵ه ش.

۵۰- آریانا دائرة المعارف، پښتو، اووم ټوك، مطبع دولتی، کابل افغانستان، ۱۳۵۵ه ش.

۵۱- احمد صمیم، د شاعر فریاد، د کوتې چاپ، ۱۳۳۷ه ش.

۵۲- حبیب الله رفیع، پښتو کتاب ښود، بهقی کاب خپرولو مؤسسه، کابل ۱۳۵۶ه ش.

۵۳- حبیب الله رفیع پښتو پانګه، جلد۲، پښتو ټولنه دولتی مطبع، کابل، ۱۳۵۶ ه ش.

۵۴- حبیب الله رفیع، د وړمو نخښې د جهاد ادبی کتاب ښود، د افغانستان د اوسنی ادبیاتو د پرمختیا ټولنه، ۱۳۶۹ ه ش.

۵۵- حبیب الله رفیع، دوړموبهیر، جهادی خپرونې، پېښود، ۱۳۶۹ه ش.

۵۶- خوشحال خان خټك، کلیات، جلد ۱، د افغانستان د علومو اکادمی، کابل، ۱۳۵۸ ه ش.

۵۷- د افغانستان کالنی، ۱۳۳۹-۳۸ ه ش، عمومی مطبع، کابل، ۱۳۳۹ه ش.

۵۸- د افغانستان کالنی، ۱۳۴۳-۴۲ ه ش، دولتی مطبع، کابل، ۱۳۴۳ ه ش.

۵۹- د افغانستان کالنی، ۱۳۵۰ه ش، دولتی مطبع، کابل، ۱۳۴۳ ه ش.

۶۰- د افغانستان کالنی، ۱۳۵۳-۵۲ ه ش، دولتی مطبع، کابل، ۱۳۵۳ ه ش.

۶۱- راز محمد ویش، پشتو کتاب شود پشتو ټولنه کابل، ۱۳۳۷ ه ش.

۶۲- زرین انځور، د افغانستان د ژور نالیزم مخکښان، دولتی مطبع، کابل، ۱۳۶۵ ه ش/ ۱۹۸۷ء زلمی هیواد مل مرتب. د حمزه بابا یاد. دولتی مطبع کابل، ۱۳۶۶ ه ش.

۶۳- زلمی هیواد مل سر محقق، په هند کښې د پښتو ژبې دودی او ایجاد پړاؤنه، طبع دوم شرکت پریس، لاهور، ۱۳۷۳ه ش.

۶۴- سرفراز خان خټك، خوشحال نامه، تدوین و تحقیق زلمی هیواد مل وزارت اقوام و قبائل افغانستان، کابل، ۱۳۶۵ ه ش.

۶۵- سعید افغانی، دکتور، د شرق نابغه، وزارت اطلاعات و کلتور، بهقی کتاب خپرولو مؤسسه، کابل، ۱۳۵۵ ه ش.

۶۶- سیلاب صافی، خیبر، دولتی مطبع، کابل، ۱۳۴۷ه ش.

۶۷- شهزاده زیارن محقق و مهتمم، پښتو ښیرنې، جلد ۱، د افغانستان د علومو اکادمی، کابل، ۱۳۶۷ ه ش.

۶۸- شهزاده زیارن محقق و مهتمم، پښتو ليکوالي پېژندنه، جلد۲، د افغانستان د علومو اکادمی، کابل، ۱۳۶۷ ه ش.

۶۹- شیر علی زمانی، تیر وختونه، دانش کتابتون، پېښور، ۱۹۹۹ء.

۷۰- صالح محمد صالح، دارغند د خپوژبه، پښتویون، نیویارك، ۱۳۸۰ه ش/ ۲۰۰۱ء.

۷۱- عبدالباری شهرت ننګیال، د افغان مجاهد آواز، پېښور، ۱۳۵۹ه ش.

۷۲- عبدالباری شهرت ننګیال، وینه په قلم کښې، د افغان د جهادی څېړنو مرکز، پېښور، ۱۳۶۸ ه ش.

۷۳- عبدالحئی حبیبی علامه، د افغانستان پېښلیك، د بیهقی کتاب خپرولو مؤسسه، کابل، ۱۳۵۳ ه ش.

۷۴- عبدالرؤف بینوا، خوشحال خان خټك څه وائی، پښتو ټولنه، کابل، ۱۳۲۹ ه ش.

۷۵- عبدالرؤف بینوا، اوسنی لیکوال، جلد۱، دولتی مطبع کابل، ۱۳۴۰ ه ش.

۷۶- عبدالرؤف بینوا، اوسنی لیکوال، جلد۲، دولتی مطبع کابل، ۱۳۴۱ ه ش.

۷۷- عبدالرؤف بینوا، اوسنی لیکوال، جلد۳، دولتی مطبع کابل، ۱۳۴۶ ه ش.

۷۸- عبدالرؤف بینوا، ژ بارړه ګیانجلی د رابندر ناته ټاګور، د ادبیاتو د پوهنځی د پښتو څانګه، کابل، ۱۳۵۴ ه ش.

۷۹- عبدالرؤف بینوا، د افغانستان نومیالی، جلد۳، وزارت اطلاعات و کلتور، آمریت ترقی پښتو، کابل، ۱۳۵۴ ه ش.

۸۰- عبدالرؤف بینوا، آریائی پښتو پارسی ویرنی، د افغانستان د علومو اکادمی، ۱۳۶۲ ه ش.

۸۱- عبدالکریم پتنګ مهتمم، د پښتو ټولنې تاریخچه، پښتو ټولنه دولتی مطبع، کابل، ۱۳۵۶ ه ش.

۸۲- عبدالله بختانی خدمتګار، پښتانه د علامه اقبال په نظر کښې، پښتو ټولنه کابل، ۱۳۳۵ ه ش.

۸۳- عبدالله بختانی خدمتګار، پښتانه شعرا، جلد ۴، د افغانستان د علومو اکادمی د پښتو ټولنی انسټیټیوټ کابل، ۱۳۵۷ ه ش.

۸۴- عبدالله بختانی خدمتګار، پښتانه شعرا، جلد۵، د افغانستان د علومو اکادمی د پښتو ټولنی انسټیټیوټ کابل، ۱۹۸۸ء.

۸۵- عبدالله بختانی خدمتګار، ویرنی، دانش کتابخانه، پېښور، ۲۰۰۳ء.

۸۶- ګل باچا الفت، ملی قهرمان، ریاست مستقل قبائل کابل، جوزا ۱۳۴۴ ه ش.

۸۷- لال پاچا ازمون، رښتینی خدمتګار، مطبوعه، پېښور، ۱۳۸۲ ه ش.

۸۸- محمد ابراهیم ستوده او احمد ضیا مدرسی، خوشحال خان خټك د مطبوعاتو په هنداره کی دولتی مطبع کابل ۱۳۵۸ ه ش.

۸۹ محمد اسماعیل یون پوهیالی، پښتو کتاب ښود، دانش کتابتون، پېښور، ۱۳۷۶ ه ش.

۹۰- محمد اکبر معتمد، ننګیالی پښتون، پښتو ټولنه، کابل، ۱۳۴۵ ه ش/ ۱۹۶۶ء.

۹۱- محمد داؤد وفا، ستوری د آداب په آسمان کښې، دانش کتابتون، پېښور، ۱۳۷۹ ه ش.

۹۲- محمد شیرین سنگری مهتمم، توریالی پښتون، پښتو ټولنه، کابل، ۱۳۵۰ ه ش / ۱۹۷۱ء.

۹۳- محمد ولی زلمی، د قندهار مشاهیر، حبیب الله، حمد الله، صحافان، ارگ بازار قندهار، طبع دوم، ۱۳۶۸ ه ش.

۹۴- محمد هوتك، پټه خزانه، تصحیح تحشیه او تعلق عبدالحئی حبیبی، پښتو ټولنه، کابل، ۱۳۲۳ ه ش / ۱۹۴۴ء.

۹۵- محی الدین هاشمی، د افغانستان مشاهیر، جلد۲، داریك گرځنده کتابونو اداره، پېښور، ۱۳۷۹ ه ش.

۹۶- محی الدین هاشمی، د افغانستان مشاهیر، جلد۳، داریك گرځنده کتابونو اداره، پېښور، ۱۳۷۹ ه ش.

(ج): فارسی کتب:

۹۷- محمد اقبال علامہ، اسرار خودی، شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور، طبع چہاردہم، ۱۹۹۰ء

۹۸- محمد اقبال علامہ، رموزِ بیخودی، شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور، طبع چہاردہم، ۱۹۹۰ء

۹۹- محمد اقبال علامہ، پیامِ مشرق، شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور، نوزدہم، ۱۹۸۹ء

۱۰۰- محمد اقبال علامہ، زبورعجم، شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور، یازدہم، ۱۹۸۹ء

۱۰۱- محمد اقبال علامہ، جاوید نامه، شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور، یازدہم، اگست ۱۹۸۶ء

۱۰۲- محمد اقبال علامہ، مثنوی پس چه باید کرد اے اقوامِ شرق مع مسافر، شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور، طبع نہم، ۱۹۸۵ء

۱۰۳- محمد اقبال علامہ، ارمغانِ حجاز، شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور، طبع پانزدہم، ۱۹۹۱ء

۱۰۴- آریانا دائرۃ المعارف، فارسی، جلد۳، انجمن آریانا دائرۃ المعارف افغانستان، مطبع عمومی، کابل، ۱۳۳۵ھ ش

۱۰۵- اسد اللہ محقق، علامہ اقبال در ادب فارسی و فرہنگ افغانستان، مرکز تحقیقات فارسی ایران و پاکستان اسلام آباد ۱۳۸۴ھ ش ۲۰۰۵ء

۱۰۶- امین اللہ دریحؒ، افغانستان در قرن بیستم، انجمن نشراتی دانش، پشاور، ۱۳۷۹ھ ش / ۲۰۰۳ء

۱۰۷- بہاء الدین اورنگ، یادنامہ اقبال، خانہ فرہنگ ایران، لاہور، ۱۳۵۷ھ ش

۱۰۸- حسین وفا سلجوقیؒ، علامہ صلاح الدین سلجوقیؒ، سلسلہ نشرات اتحادیہ ژورنالستان، مطبع دولتی، کابل، ۱۳۶۶ھ ش

۱۰۹- خال محمد خستہ، عبدالشکور حمید زادہ، عتیق اللہ خواجہ زادہ، گلچین از آثار و شرح حال محمد ابراہیم خلیل، چاپ لالہ زار تہران، ۱۳۴۱ھ ش

۱۱۰- خلیل اللہ خلیلی استاد، آثار ہرات، جلد۳، مطبعہ فخریہ سلجوقی، چارباغ، ہرات، قوس ۱۳۱۰ھ ش

۱۱۱- خلیل اللہ خلیلی استاد، سلطنت غزنویان، مطبع عمومی، کابل، ۱۳۳۳ھ ش

۱۱۲- خلیل اللہ خلیلی استاد، کلیات خلیل اللہ خلیلی، بکوشش عبدالحیؒ خراسانی، نشر بلخ تہران، ۱۳۷۸ھ ش

۱۱۳- خلیل اللہ خلیلی یار آشنا، پیش گفتار و حواشی، عارف نوشاہی کتابخانہ استاد خلیل اللہ خلیلی انستیتوت شرقشناسی و میراث خطی اکادمی علوم جمہوری تاجیکستان دوشنبہ ۱۳۸۹ھ ش / ۲۰۱۰ء

۱۱۴- زلمی ھیوادملؒ، فرہنگ زبان و ادبیات، پشتو، جلد۲، انتشارات کمیتہ دولتی مطبع دولتی، کابل، ۱۳۶۵ھ ش

۱۱۵- زلمی هیواد ملؔ، رشد زبان و ادب دری در گستره، فرہنگی پشتو زبانان اتحادیه نوسیندگان، افغانستان، آزاد، پشاور، ۱۹۹۷ء

۱۱۶- سرور ہمایون پوھنوال، حکیم سنائی و جهان بینی او، وزارت اطلاعات و کلتور مؤسسہ انتشارات بیہقی، کابل، ۱۳۵۶ھ ش

۱۱۷- سعید۔ ڈاکٹر، اکسیر خودی جوہر پیام علامه اقبال، انجمن حمایت از انکشافات اجتماعی مطبع فجر کابل ۱۳۸۹ھ ش ۲۰۱۰ء

۱۱۸- صدیق رهپو، افغانستان و اقبال، وزارت اطلاعات و کلتور مؤسسہ انتشارات بیہقی، کابل ۱۳۵۶ھ ش / ۱۹۷۷ء

۱۱۹- عبدالحنان مینہ پالؔ، تپش قلب آسیا، کتابخانہ دانش، پشاور، ۱۳۷۷ھ ش

۱۲۰- عبدالحئ حبیبیؔ علامہ، افغانستان بعد از اسلام، انجمن تاریخ افغانستان، کابل، ۱۳۴۵ھ ش

۱۲۱- عبدالحئ حبیبیؔ علامہ، تاریخ مختصر افغانستان، سازمان مہاجرین مسلمان افغانستان، ۱۹۸۹ء

۱۲۲- عبدالحئ حبیبیؔ علامہ، درد دل و پیامِ عصر، مرکز تحقیقات علامہ حبیبی ادارہ خدمات کلتوری، افغانستان، ۲۰۰۰ء

۱۲۳- عبدالرؤف خان رفیقی، سیر اقبال شناسی در افغانستان، اقبال اکادمی پاکستان لاہور ۲۰۰۴ء

۱۲۴- عبداللہ بختانی خدمتگار، ترنم دل، کتابخانہ دانش، پشاور، ۲۰۰۲ء

۱۲۵- عبدالہادی داویؔ، آثار اردوی اقبال، جلد ۱، وزارت اطلاعات و کلتور، مؤسسہ نشرات بیہقی، کابل، ۱۳۵۶ھ ش

۱۲۶- عبدالہادی داویؔ، آثار اردوی اقبال، جلد ۲، وزارت اطلاعات و کلتور، مؤسسہ نشرات بیہقی، کابل، ۱۳۵۶ھ ش

۱۲۷- علی اصغر بشیر، مرتب، کلیات اشعار حکیم سنائی غزنوی، وزارت اطلاعات وکلتور، مؤسسہ نشرات بیہقی، کابل، ۱۳۵۶ھ ش

۱۲۸- غلام محمد غبار میر، تاریخ ادبیات افغانستان، کتابخانہ آرش، پشاور، طبع دوم، ۱۳۷۸ھ ش

۱۲۹- محمد بن حسین بیہقی خواجہ ابوالفضل، تاریخ بیہقی، تصحیح دکتور علی اکبر فیاض، مطبع دولتی، کابل، ۱۳۶۴ھ ش

۱۳۰- محمد حسین نہفت، مرتب گزیدہ اشعار سنائی، وزارت اطلاعات و کلتور مؤسسہ نشرات بیہقی، کابل، ۱۳۵۶ھ ش

۱۳۱- محمد رضا شیخ، ریاض الوداع غزنہ، انجمن تاریخ افغانستان مطبع دولتی، کابل، ۱۳۴۶ھ ش

۱۳۲- محمد صدیق فرہنگ، افغانستان در پنج قرن آخر، جلد اول، قسمت دوم مؤسسہ مطبوعاتی اسماعلیان قم ایران، چاپ جدید، ۱۳۷۱ھ ش

۱۳۳- محمد قوی کوشان، مرتب خاطرات سیاسی سید قاسم رشتیاؔ، (۱۳۱۱ھ ش، ۱۹۳۲ء / ۱۳۷۱ھ ش، ۱۹۹۲ء)، کتابخانہ دانش، پشاور، سنہ ندارد

۱۳۴- محی الدین ہاشمیؔ، مشاہیر افغانستان، جلد ۲، مترجم ادبیار، کتابخانہ سیار اریک، پشاور، ۱۳۷۹ھ ش

۱۳۵- نعمت حسینی، سیماھا و آورھا، جلد ۱، مطبع دولتی، کابل، ۱۳۶۷ھ ش

۱۳۶- ہارون خپلؔ، آفرید ھای مہجور علامہ حبیبی، اکادمی علوم افغانستان، کابل، ۱۳۶۷ھ ش / ۱۹۸۸ء

(د): رسائل، مجلات:

۱۳۷- آریانا ماہنامہ فارسی انجمن تاریخ افغانستان کابل میزان قوس ۱۳۵۶ھ ش

۱۳۸- آریانا ماہنامہ فارسی انجمن تاریخ افغانستان وکابل دورہ ۴ شمارہ مسلسل ۲۶۸

۱۳۹- آریانا ماہنامہ (فارسی)، انجمن تاریخ افغانستان، کابل، ستمبر، ۱۳۷۶ھ ش
۱۴۰- ادب، دوماہی، کابل (فارسی و پشتو)، جون جولائی ۱۹۶۵ء
۱۴۱- ادب دوماہی کابل (فارسی و پشتو) میزان قوس ۱۳۵۶ھ ش
۱۴۲- ادب، دوماہی، کابل (فارسی و پشتو)، ۲۲/جون ۱۹۹۸ء
۱۴۳- ادب، دوماہی، کابل (فارسی و پشتو)، ۲۳/جولائی ۱۹۹۸ء
۱۴۴- ادب، دوماہی، کابل (فارسی و پشتو)، ۲۳/اگست ۱۹۹۸ء
۱۴۵- ادب، دوماہی، کابل (فارسی و پشتو)، ۲۳/ستمبر ۱۹۹۸ء
۱۴۶- ادب، دوماہی، کابل (فارسی و پشتو)، ۲۳/اکتوبر ۱۹۹۸ء
۱۴۷- افغانستان، سہ ماہی (پشتو و فارسی)، سرطان ۱۳۷۵ھ ش
۱۴۸- افغانستان، سہ ماہی (پشتو و فارسی)، جولائی ۱۹۹۶ء
۱۴۹- اقبال ریویو، (اردو)، اقبال اکادمی پاکستان، کراچی، اپریل ۱۹۶۷ء
۱۵۰- اقبال ریویو، (اردو)، اقبال اکادمی پاکستان، کراچی، اپریل ۱۹۶۸ء
۱۵۱- اقبال ریویو، (اردو)، اقبال اکادمی پاکستان، کراچی، جنوری ۱۹۷۶ء
۱۵۲- اوقاف، ماہنامہ، کابل، (پشتو و فارسی)، ادارہ عالی اوقاف، کابل، صفر المظفر، ۱۳۹۲ھ ش
۱۵۳- بیان، دوماہی (پشتو و فارسی)، پشاور، اپریل ۲۰۰۲ء
۱۵۴- پشتو (ماہنامہ) پشتو اکیڈیمی پشاور یونیورسٹی، دسمبر ۱۹۸۲ء
۱۵۵- پشتو، (ماہنامہ) پشتو اکیڈیمی پشاور یونیورسٹی، ستمبر ۱۹۸۴ء
۱۵۶- پیامِ حق، (ماہنامہ) کابل پشتو و فارسی ریاست مطبوعات، ۲۲/مارچ ۱۹۵۹ء
۱۵۷- پیامِ حق، اپریل ۱۹۵۹ء
۱۵۸- پیامِ حق، مئی ۱۹۵۹ء

۱۵۹- دانش (سہ ماہی)(فارسی، اردو)رانیرنی فرہنگی جمہوری اسلامی ایران، اسلام آباد، زمستان، ۱۳۶۶ھ ش
۱۶۰- دانش سہ ماہی (فارسی اردو) رانیرنی فرہنگی جمہوری اسلامی ایران اسلام آباد شمارہ ۵۷-۵۸- ۱۳۷۸ھ ش
۱۶۱- د شہید پیغام، ماہنامہ، (پشتو فارسی)، کمیتہ فرہنگی، اتحاد اسلامی مجاہدین افغانستان، عقرب ۱۳۶۱ھ ش
۱۶۲- د شہید پیغام، دلو ۱۳۶۹ھ ش
۱۶۳- د شہید پیغام، شعبان، ۱۴۰۳ھ ش
۱۶۴- د شهید زیرې، جمیعت اسلامی مجاہدین، افغانستان، میزان ۱۳۶۰ھ ش
۱۶۵- د شهید زیرې، صفر المظفر ربیع الاول، ۱۴۰۲ھ ق
۱۶۶- سپیدہ (ماہنامہ) کابل مرکز فرہنگی عرفان، ۱۳۷۸ھ ش
۱۶۷- سپیدې (سہ ماہی)، پشتو وفارسی، اسد ۱۳۶۳ھ ش
۱۶۸- سپیدې، عقرب ۱۳۶۳ھ ش
۱۶۹- سپیدې، جون ۱۹۸۵ء
۱۷۰- سیمای شہید (دو ماہی)، فارسی، حزب اسلامی افغانستان، میزان عقرب، ۱۳۶۰ھ ش
۱۷۱- شفق، (دوماہی) (پشتو فارسی) کمیتہ فرہنگی حزب اسلامی، افغانستان، دلو حوت ۱۳۵۹ھ ش
۱۷۲- شفق، حمل ثور ۱۳۶۰ھ ش
۱۷۳- شفق، جوزا سرطان، ۱۳۶۰ھ ش
۱۷۴- شفق، قوس جدی، ۱۳۶۰ھ ش
۱۷۵- شفق، جوزا ۱۳۶۵ھ ش

۱۷۶- شفق، سال دوم، شمارہ اول دوم، ۱۳۶۵ھ ش

۱۷۷- عرفان، کابل (فارسی) فوق العادہ، شمارہ ۵ / اسد ۱۳۴۷ھ ش

۱۷۸- قلم، (دوماہی)، (پشتو فارسی)، د افغانستان د جهادی څیړونو مرکز، پېښور، اپریل مئی ۱۹۸۷ء

۱۷۹- قلم، عقرب ۱۳۶۶ھ ش

۱۸۰- قلم، اپریل مئی ۱۹۸۸ء

۱۸۱- قلم، فروری مارچ ۱۹۸۹ء

۱۸۲- قلم، جون جولائی ۱۹۸۹ء

۱۸۳- قلم، اگست ستمبر ۱۹۸۹ء

۱۸۴- قلم، عقرب قوس ۱۳۶۹ھ ش

۱۸۵- قلم، دلو حوت ۱۳۷۰ھ ش

۱۸۶- کابل، (ماہنامہ) (پشتو فارسی)، مطبع دولتی، کابل، ۵/ مارچ ۱۹۳۱ء

۱۸۷- کابل، ۲۲/ جون ۱۹۳۲ء

۱۸۸- کابل، ۲۲/ اگست ۱۹۳۲ء

۱۸۹- کابل، عقرب ۱۳۱۲ھ ش

۱۹۰- کابل، ۲۲/ دسمبر ۱۹۳۳ء

۱۹۱- کابل، ۲۱/ جنوری ۱۹۳۴ء

۱۹۲- کابل، ۲۰ فروری ۱۹۳۴ء

۱۹۳- کابل، ۲۳/ دسمبر ۱۹۳۴ء

۱۹۴- کابل، ۲۲/ مارچ ۱۹۳۵ء

۱۹۵- کابل، ۲۱/ اپریل ۱۹۳۵ء

۱۹۶- کابل، ۲۳ مئی ۱۹۳۵ء

۱۹۷- کابل، جنوری فروری ۱۹۳۷ء

۱۹۸- کابل، اگست ستمبر ۱۹۳۷ء

۱۹۹- کابل، مئی جون ۱۹۳۸ء

۲۰۰- کابل، ستمبر اکتوبر ۱۹۳۹ء

۲۰۱- کابل، فروری ۱۹۴۰ء

۲۰۲- کابل، دلو ۱۳۲۳ھ ش

۲۰۳- کابل، نومبر دسمبر ۱۹۷۷ء

۲۰۴- کابل، دسمبر جنوری ۸-۱۹۷۷ء

۲۰۵- کابل، سالنامہ، (پشتو فارسی) مطبع دولتی کابل، ۱۱-۱۳۱۲ھ ش

۲۰۶- کابل، سالنامہ، ۱۳۱۳-۱۳۱۴ھ ش

۲۰۷- کابل، سالنامہ، ۱۳۱۷ھ ش

۲۰۸- کابل، سالنامہ، ۱۳۱۸ھ ش

۲۰۹- کندھار ماہنامہ شمارہ مسلسل ۱۸۲۲ ادارہ طلوع افغان کندھار جولائی ۱۹۴۵ء

۲۱۰- کندہار، ماہنامہ، ادارہ طلوع افغان، قندھار، جنوری فروری ۱۹۶۶ء

۲۱۱- ''لمر'' کابل قوس ۱۳۵۰ھ ش

۲۱۲- منبع الجہاد، ماہنامہ (پشتو فارسی)، مجاہدین افغانستان، اسد سنبلہ ۱۳۷۰ھ ش

۲۱۳- منبع الجہاد، ماہنامہ، میزان ۱۳۷۰ھ ش

۲۱۴- منبع الجہاد، عقرب قوس، ۱۳۷۰ھ ش

۲۱۵- میثاقِ خون، ماہنامہ (پشتو فارسی)، جمعیت اسلامی افغانستان، جوزا سرطان ۱۳۶۶ھ ش

۲۱۶- نقوش (اردو)، اقبال نمبر ۲، ادارہ فروغ اردو، لاہور، دسمبر ۱۹۷۷ء

۲۱۷- نیرنگِ خیال (اردو)، اقبال نمبر، ادارہ فروغ اردو، لاہور، طبع ثانی، نومبر ۱۹۷۷ء

۲۱۸- وږمه، ماہنامہ (پشتو)، کابل یونیورسٹی پوهنځئ، ادبیات، ۱۹۶۷ء
۲۱۹- ہجرت، ماہنامہ (اردو)، کلچرل کمیٹی اتحاد اسلامی مجاہدین، افغانستان، جنوری ۱۹۸۳ء
۲۲۰- ہجرت، فروری مارچ، ۱۹۸۴ء
۲۲۱- The WUFA Incidental Issue1, July / August 1994, The (Writer Union of Free Afgahanistan (WUFA.

(و): اخبارات:

۲۲۲- ''افغانان''، ہفت روزہ، (پشتو و فارسی)، ۹- ۶- ۱۳۷۹ھ ش
۲۲۳- ''افغانان''، ۲۴ عقرب ۱۳۷۹ھ ش
۲۲۴- ''چٹان''، (اردو)، ہفت روزہ، ۱۸ فروری ۱۹۷۴ء
۲۲۵- ''د جہاد ہنداره''، ہفت روزہ (پشتو فارسی)، ۱۰ میزان ۱۳۷۰ھ ش
۲۲۶- ''د جہاد ہنداره''، یکم عقرب ۱۳۷۰ھ ش
۲۲۷- ''شہادت''، ہفت روزہ، (پشتو و فارسی)، عقرب ۱۳۶۶ھ ش
۲۲۸- ''قلب آسیا''، (پشتو و فارسی)، سرطان ۱۳۶۴ھ ش
۲۲۹- ''وفا''، ہفت روزہ، (پشتو و فارسی)، ۱۰ جدی ۱۳۷۳ھ ش
۲۳۰- ''وفا''، ۱۱ جدی ۱۳۷۵ھ ش
۲۳۱- ''وفا''، ۱۰ جدی، ۱۳۷۶ھ ش

(ھ): غیر مطبوعہ کتب:

۲۳۲- عبدالرؤف رفیقی، شکرستان روہ پشتونوں کی فارسی شاعری
۲۳۳- بہار جانان ملا جانان کاکڑ قندھاری

(خ): غیر مطبوعہ مقالات:

۲۳۴- اکرام اللہ شاہدؔ، اقبال اور افغانستان، مقالہ ایم فل، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد، ۱۹۹۸ء

۲۳۵- عبدالرؤف رفیقی، پشتو شاعری پر اقبال کے اثرات، مقالہ ایم فل، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد، ۲۰۰۰ء

(و): مکتوبات:

۲۳۶- مکتوب احمد صمیمؔ، بنام مقالہ نگار، محررہ ۵/ستمبر ۱۹۹۸ء

(ز): انٹرویو:

۲۳۷- خوشی محمد مرحوم کے صاحبزادے حاجی اللہ دتہ باوا مرحوم سے انٹرویو، ۶/اگست ۱۹۹۶ء

۲۳۸- پروفیسر خاطر غزنوی کے ساتھ مقالہ نگار کا انٹرویو، ۲۹/اپریل ۲۰۰۳ء، بمقام دفتر صدر شعبہ اردو پشاور یونیورسٹی

جدول نمبر ۱:

حضرت علامہ سے ملاقات کرنے والے افغان ادبا، شعرا اور دانشور

نمبر شمار	نام ملاقات کنندہ	تاریخ ملاقات	مقام ملاقات	مقصدِ ملاقات	مآخذ	کیفیت
		۱–	شہزادہ احمد علی خان	ہزہائی نس شاہ ولی خان کے استقبال کے موقع پر علامہ سے ملاقات	انقلاب لاہور ۸/دسمبر ۱۹۲۹ء	فاتح کابل کا پرجوش استقبال
		(۲) ۹/جنوری ۱۹۳۰ء	نیڈو ہوٹل لاہور	شہزادہ اسد اللہ کی طرف سے دعوت چائے	انقلاب لاہور ۱۱/جنوری ۱۹۳۰ء	غازی امان اللہ خان کے بھائی کی طرف سے لاہور کے معززین شہر کو چائے کی ضیافت
		(۳) ۹/اکتوبر ۱۹۳۰ء	لاہور ریلوے اسٹیشن	شہزادہ محمد ظاہر خان کا استقبال	انقلاب لاہور ۱۱/اکتوبر ۱۹۳۰ء	
		(۴) ۲۸/اکتوبر ۱۹۳۳ء تا یکم/نومبر ۱۹۳۳ء	کابل ہوٹل کابل	انجمن ادبی کابل کی ضیافت	مجلّہ کابل ۲۲/جون ۱۹۳۲ء و ۲۲/دسمبر ۱۹۳۳ء	اسلامیہ کالج لاہور کے فارغ التحصیل اور انجمن ادبی کابل کے روح رواں
۲–	سرور خان گویاؔ	۲۴ تا ۲۸/اکتوبر نومبر ۱۹۳۳ء	سفر افغانستان کے دوران	کابل غزنی قندھار	سیر افغانستان، ص ۷	سفر افغانستان کے دوران افغان حکومت کا پروٹوکول آفیسر
۳–	علامہ صلاح الدین سلجوقیؔ	۱۱/ستمبر ۱۹۳۱ء	افغان کونسل خانہ بمبئی	یورپ جاتے ہوئے قیام	خطوطِ اقبال، ص ۲۰۴	
		۲۴/تا ۲۸/اکتوبر ۱۹۳۳ء	افغان کونسل خانہ بمبئی	تیسری گول میز کانفرنس جاتے ہوئے قیام	اقبال کی صحبت میں، ص ۲۶۷	

		۲۴ر تا ۲۸ر اکتوبر ۱۹۳۳ء	کابل	اقبال کا سفر افغانستان	اقبال کی صحبت میں، ص ۳۷۷	
		۸ر مارچ ۱۹۳۵	افغان کونسل خانہ دہلی	بھوپال جاتے ہوئے قیام	مکتوباتِ اقبال، ص ۲۶۲	
		۱۵ جون ۱۹۳۵ء	لاہور	علامہ کی رفیقۂ حیات کی تعزیت	اقبال نامہ، جلد ۱، ص ۳۶۴	
		مارچ ۱۹۳۸ء	افغان کونسل خانہ دہلی	بھوپال سے واپسی پر قیام	مکتوباتِ اقبال، ص ۳۲۵	
۴-	عبدالحیٔ حبیبی	یکم ر نومبر ۱۹۳۳ء	قندھار	سفر افغانستان	سیر افغانستان، ص ۴۹	حبیبی اس وقت قندھار کے "افغان" رسالہ کے مدیر تھے
۵-	غلام جیلانی اعظمی	۲۸ر اکتوبر ۱۹۳۳ء	کابل	انجمن ادبی کابل کی ضیافت	مجلّہ کابل ۲۲ر جون ۱۹۳۲ء	اعظمی اس وقت انجمن ادبی کابل کے معاون تھے۔
۶-	ملک الشعراء قاری عبداللہ	۲۸ر اکتوبر ۱۹۳۳ء	کابل	ایضاً	ایضاً	خیر مقدمی فارسی منظوم اشعار سنائے
۷-	سید محمد قاسم رشتیا	۲۸ر اکتوبر ۱۹۳۳ء	کابل	انجمن ادبی کابل کی ضیافت	"وفا" ۱۱ جدی ۱۳۷۵ھ ش	
		۱۹۳۵ء	لاہور	والدہ کے علاج کے سلسلے میں کابل سے لاہور آمد	ایضاً	
۸-	خلیل اللہ خلیلی	۲۴ تا ۲۷ر اکتوبر ۱۹۳۳ء	کابل	اقبال کا سفر افغانستان	مجلّہ دانش زمستان ۱۳۶۶ھ ش، ص ۲۵	

جدول نمبر ۲:

اقبال سے ملاقات کرنے والے افغان خواص، زعما، اربابِ اختیار اور دیگر حضرات

نمبر شمار	نام ملاقات کنندہ	تاریخ ملاقات	مقام ملاقات	مقصدِ ملاقات	ماٰخذ	کیفیت
۱-	نادر خان جنرل (نادر شاہ)	۲۸ فروری ۱۹۲۹ء	ریلوے سٹیشن لاہور	سقوی انقلاب کے بعد افغانستان جاتے ہوئے علامہ کا سفر افغانستان	اقبال اور عظیم شخصیات ص ۱۶۵	اقبال نے افغانستان کی تعمیر نو کے لیے پانچ ہزار روپے کا عطیہ پیش کیا۔
		۲۴-۲۷/ اکتوبر ۱۹۳۳ء	کابل		اقبال ریویو اپریل ۱۹۶۷ء، ص ۳۹	جنرل نادر کی اقتدا میں نمازِ عصر ادا کی ۲۷/ اکتوبر نمازِ جمعہ جنرل نادر کے ساتھ پل خشتی مسجد میں ادا کی۔
۲-	اعلیٰ حضرت محمد ظاہر خان	۱۵/ جولائی ۱۹۲۴ء	نیڈو ہوٹل لاہور	والد اعلیٰ حضرت محمد نادر خاں کی ساتھ پیرس جاتے ہوئے	اقبال، افغان، افغانستان ۱۹	اس وقت محمد ظاہر خان کی عمر تقریباً دس سال تھی۔
		۹/ اکتوبر ۱۹۳۰ء	لاہور	ریلوے سٹیشن پر شاندار استقبال	انقلاب لاہور ۱۱/ اکتوبر ۱۹۳۰ء	
		۲۴ تا ۲۸/ اکتوبر ۱۹۳۳ء	کابل	علامہ کا سفر افغانستان	----	
۳-	سردار شاہ ولی خان فاتح کابل اعلیٰ حضرت محمد نادر شاہ کے بھائی	جمعہ ۶/ دسمبر ۱۹۲۹ء	لاہور	اقبال کی قیادت میں مسلمانانِ لاہور کا استقبال	اقبال اور افغانستان، ص ۱۳۱	
۴-	سردار گل محمد خان سابق سفیر افغانستان	۱۷/ نومبر ۱۹۲۹ء	لاہور	خان سعادت علی خاں رئیس اعظم لاہور فنانشل سیکرٹری افغانستان ہلال احمر فنڈ کی	انقلاب ۱۹/ نومبر ۱۹۲۹ء	

				طرف سے دعوت چائے		
۵-	شہزادہ اسد اللہ خان برادر غازی امان اللہ خان	۹/ جنوری ۱۹۳۰ء	نیڈو ہوٹل لاہور	شہزادہ اسد اللہ خاں کی طرف سے دعوت چائے	انقلاب ۱۱/ جنوری ۱۹۳۰ء	
۶-	سردار محمد نعیم خان برادر زادہ اعلیٰ حضرت محمد نادر خان	۹/ جنوری ۱۹۳۰ء	نیڈو ہوٹل لاہور	شہزادہ اسد اللہ خاں کی طرف سے دعوت چائے	انقلاب ۱۱/ جنوری ۱۹۳۰ء	
۷-	ہدایت اللہ خان سفیر اعلیٰ افغانستان در ہند	۲۸/ جنوری ۱۹۳۰ء	رہائش گاہ اقبال لاہور	دہلی سے لاہور تشریف لائے	اقبال افغان، افغانستان ۹۳	رات کے کھانے کا اہتمام حضرت علامہ کے گھر ہوا تھا۔
۸-	محمد فاضل میر منشی قونصل خانہ افغانستان	۲۸/ جنوری ۱۹۳۰ء	رہائش گاہ اقبال لاہور	دہلی سے سفیر افغانستان کے ساتھ لاہور آئے تھے	اقبال افغان، افغانستان ۹۳	
۹-	شہزادہ صالح محمد خان	۹/ اکتوبر ۱۹۳۰ء	لاہور	بمبئی سے پشاور جاتے ہوئے لاہور میں قیام	اقبال افغان، افغانستان ۹۹	
۱۰-	شہزادہ محمد یوسف خان	"	"	" "	" "	
۱۱-	سردار عبد الرحمان محمد زکی	"	"	" "	" "	
۱۲-	سردار احمد علی خان وزیر مختار دولت افغانیہ انگلستان	۱۶/ اکتوبر ۱۹۳۱ء	انگلستان	سالگرہ تاج پوشی محمد نادر شاہ غازی	سفر نامہ اقبال، ص ۵۴	
۱۳-	امیر امان اللہ خان غازی	۲۵/ نومبر ۱۹۳۱ء	روم	انقلاب افغانستان کے بارے میں گفتگو	سفر نامہ اقبال، ص ۱۴۵	
		۲۷/ نومبر ۱۹۳۱ء	روم	ایضاً	ایضا، ص ۱۴۵	
۱۴-	سردار عنایت اللہ خان اعلیٰ حضرت امان اللہ خان	۲۵/ نومبر ۱۹۳۱ء	روم	گول میز کانفرنس سے واپسی پر	ایضا، ص ۱۴۵	

	کا بھائی مقیم ایران					
۱۵-	عبدالوہاب طرازی ولد سردار محمود طرازی امان اللہ خان کا سالا	ایضاً	ایضاً	ایضاً	ایضاً، ص ۱۴۵	
۱۶-	سردار ہاشم خان صدرِ اعظم افغانستان	۲۶/ اکتوبر ۱۹۳۳ء	کابل	ایضاً	ایضاً، ص ۴۱	ہاشم خان نے عشائیہ دیا اور ۲۸/ اکتوبر کو دوبارہ مہمانوں سے ملنے گئے۔
۱۷-	سردار فیض محمد خان وزیر خارجہ	۲۳ تا ۲۸/ اکتوبر ۱۹۳۳ء	کابل	ایضاً	ایضاً، ص ۴۱	کئی ملاقاتیں۔ آپ نے علامہ کی بعض رباعیات کا منظوم فارسی ترجمہ بھی کیا ہے۔
۱۸-	فضل عمر نور المشائخ ملا شور بازار	جمعہ ۲۷/ اکتوبر ۱۹۳۳ء	کابل	ایضاً	ایضاً، ص ۴۲	پہلی ملاقات لاہور میں بھی ہوئی تھی۔
۱۹-	اللہ نواز خان وزیر فوائد عامہ	ایضاً	کابل	ایضاً	ایضاً، ص ۴۲-۴۳	
۲۰-	مولانا سیف الرحمٰن	ایضاً	کابل	ایضاً	ایضاً، ص ۴۳	
۲۱-	مولانا محمد میاں منصور انصاری مؤلف علمائے ہند کا شاندار ماضی	ایضاً	کابل	ایضاً	ایضاً، ص ۴۳	
۲۲-	مولانا بشیر صدر جماعت مجاہدین	ایضاً	کابل	ایضاً	ایضاً، ص ۴۳	

۲۳-	شاہ محمود خان وزیرِ جنگ	۲۸/ اکتوبر ۱۹۳۳ء	کابل	ایضاً	ایضاً، ص ۴۳	
۲۴-	سردار احمد خان وزیر دربار	۲۹/ اکتوبر ۱۹۳۳ء	کابل	ایضاً	ایضاً، ص ۴۷	شام کی دعوت ۲۶/ اکتوبر کو سردار ہاشم خان کی ضیافت میں بھی موجود تھے۔ (سیر افغانستان، ص ۷)
۲۵-	میر شمس الدین سابق ناظم انجمن حمایت اسلام	ایضاً	کابل	ایضاً	ایضاً، ص ۴۸	
۲۶-	ملا قربان	۳۰/ اکتوبر ۱۹۳۳ء	غزنی	ایضاً	ایضاً، ص ۴۸	غزنی کی قدیم خانقاہوں کا ماہر حضرت داتا گنج بخش کے والد کا مزار بتانے والا
۲۷-	گورنر قندھار	یکم/ نومبر ۱۹۳۳ء	قندھار	ایضاً	ایضاً، ص ۵۰	
۲۸-	شہزادہ اسد اللہ خان کمانڈر افواج شاہی	۲۶/ اکتوبر ۱۹۳۳ء	کابل	ایضاً	سیر افغانستان، ص ۷	امیر امان اللہ خان کے سوتیلے بھائی۔ سردار ہاشم خان کے عشائیے میں موجود تھے۔
۲۹-	میر عطا محمد خان صدر مجلس عیاں	ایضاً	کابل	ایضاً	سیر افغانستان، ص ۷	
۳۰-	شاہ جی سید عبد اللہ نائب سالار	۲۷/ اکتوبر ۱۹۳۳ء	کابل	ایضاً	ایضاً، ص ۱۰	
۳۱-	مقبول الحق غازی پوری	ایضاً	کابل	ایضاً	ایضاً، ص ۱۰	

جدول نمبر ۳:

افغانستان کے پشتون اقبال شناس

نمبر شمار	نام	ولدیت	پیدائش: تاریخ	پیدائش: مقام	وفات: تاریخ	وفات: مقام	تصانیف	اقبالیاتی خدمت	کیفیت
۱	حبیب اللہ رفیعؔ	مولانا نصر اللہ نقشبند	۱۳۶۴ھ ق	صوبہ وردگ	حیات ہیں۔		سوانح میں ملاحظہ ہو	اقبال سے متاثر و منظوم خراجِ تحسین	
۲	خلیل اللہ خلیلیؔ	محمد حسین خان	نومبر ۱۹۰۷ء	باغ جہاں آرا کابل	۴ر مئی ۱۹۸۷ء	اسلام آباد	ایضاً	بار آشنا کتاب۔ چھ منظوم خراج	پشاور میں دفن ہیں۔
۳	سرور خاں گویا	اعتماد الدولہ عبد القدوس خان	--	--	--	--	ایضاً	افغانستان میں بانی اقبال شناسوں میں ہے	سفر افغانستان کے دوران علامہ کے پروٹوکول آفیسر
۴	عبد الباری شہرت ننگیالؔ	-	۱۳۳۷ھ ش	وردگ چک	حیات ہیں۔		ایضاً	سیر افغانستان کا پشتو ترجمہ و منظوم خراجِ تحسین	
۵	عبد الحئی حبیبیؔ	ملا عبد الحق کاکڑ	۱۲۸۹ھ ش	قندھار	۱۹۸۴ء	کابل	ایضاً	اقبال سے ملاقات۔ دردِ دل و پیامِ عصر علامہ کے زیر اثر لکھا ہے۔	
۶	عبد الرحمٰن پژواکؔ	قاضی عبد اللہ خان	۱۲۹۷ھ ش	غزنی	-	پشاور	ایضاً	اقبال سے کافی متاثر ہیں۔	

۷	عبدالرؤف بینواؔ	عبدالحق علیزئی	۱۲۹۲ھ ش	قندھار	۱۹۸۵ء	نیوجرسی امریکہ	ایضاً	مثنوی مسافر کا منظوم پشتو ترجمہ	
۸	عبداللہ بختانیؔ	ملا آغا جان	۱۳۰۵ھ ش	سرخ رود ننگرہار	حیات ہیں		ایضاً	پښتانه علامه اقبال په نظر کښې، خوشحال اور اقبال کا تقابلی جائزہ، قلبِ آسیا گزرگاہ و نظر گاہ، علامہ اقبال۔به استقبال اقبال (فارسی نظم)	افغانستان میں اقبال پر پہلی پشتو کتاب
۹	عبدالہادی داویؔ	عبدالاحد خان	۱۳۱۳ھ ق (۱۸۹۵ء)	باغ علی مردان کابل	۱۴۰۲ھ ق (۱۹۸۲ء)	کابل	ایضاً	آثار اردوی اقبال دو جلد	افغانستان میں اقبال پر پہلی فارسی کتاب علامہ کے اردو کلام کا فارسی منظوم ترجمہ
۱۰	عزیز الدین وکیلیؔ	–	–	–	حیات ہیں۔		ایضاً	اقبال کی رباعیات خطاطی کیں	
۱۱	غلام دستگیر مہمندؔ	–	–	–	–	–	–	۱۹۳۸ء میں اقبال کا فارسی مرثیہ لکھا	
۱۲	قیام الدین خادمؔ	ملا حسام الدین	۱۳۲۵ھ ق	ننگرہار	۱۳۹۹ھ ق	کابل	ایضاً	۱۹۳۸ء میں اقبال کا پشتو مرثیہ لکھا، اقبال کے فارسی تراجم کیے۔	
۱۳	گل باچا الفتؔ	سید باچا	۱۲۸۸ھ ش (۱۹۰۹ء)	عزیز خان کچ لغمان	۲۸ قوس ۱۳۵۶ھ ش	کابل	ایضاً	ایضاً	
۱۴	محمد رحیم الہامؔ	فضل الدین مومند	۱۳۱۰ھ ش	رشیخور کابل	–	–	ایضاً	اقبال کی مثنوی مسافر کا جواب لکھا	
۱۵	محمد صادق فطرت ناشناسؔ	–	–	قندھار	حیات ہیں۔	–	ایضاً	اقبال کی کئی اردو و فارسی نظموں کو موسیقی میں گایا	

جدول نمبر ۴:

افغانستان کے فارسی گو اقبال شناس

نمبر شمار	نام	ولدیت	پیدائش: تاریخ	پیدائش: مقام	وفات: تاریخ	وفات: مقام	تصانیف	اقبالیاتی خدمت	کیفیت
۱	دکتر اسد اللہ محقق		۱۳۳۹ھ ش	--	--	--	علامہ اقبال در ادب فارسی و فرھنگ افغانستان	افغانستان میں اقبال پر پہلی ڈاکٹریٹ کرنے والے سکالر	یونیورسٹی آف ماڈرن لینگو نجز اسلام آباد ۲۰۰۴ء
۲	حیدری وجودی	--	--	--	--	--	علامہ پر ۴ مقالات	۲۰۰۴ء فاکواند شرعیات دانش گاہ بلخ میں استاد	
۳	رحمت اللہ منطقی	--	--	بلخ	--	--	علامہ کو فارسی میں منظوم خراج تحسین	۲۰۰۴ء میں کابل میں نشرات دادستانی کے رئیس	
۴	ڈاکٹر سعید	--	--	--	--	--	اکسیر خودی جوہر پیام علامہ اقبال	علامہ کے پیام خودی کی تحقیقی و تنقیدی تشریح میں مشکل کتاب	مطبوعہ جون ۲۰۱۰ء
۵	صدیق رہپو	محمد حسین طرازی	۱۵ حوت ۱۳۲۱ھ	کوچہ شور بازار	-		ایضاً	افغانستان و اقبال	اقبال کے صد سالہ

			ش	کابل				(تالیف)	تقریبات کے موقع پر کابل سے شائع ہوئی۔
۶	صلاح الدین سلجوقی	مفتی سراج الدین سلجوقی	۱۳۱۳ھ ق (۱۸۹۶ء)	گاذر گاہ ہرات	۱۶ جوزا/ ۱۳۴۹ھ ش (۶/ جون ۱۹۷۰ء)	دارالامان کابل	ایضاً	حضرت علامہ کا دوست	دفن شہدائے صالحین کابل
۷	صوفی عبدالحق بیتاب	ملا عبدالاحد عطار	۱۳۰۶ھ ق	گذر قصاب کابل	۲۰ حوت ۱۳۴۷ھ ش (۱۱/ مارچ ۱۹۶۹ء)	کابل	ایضاً	منظوم خراج تحسین	اقبال کو علامہ مشرق کا خطاب
۸	ملک الشعراء قاری عبداللہ	حافظ قطب الدین	۱۲۸۸ھ ق (۱۸۷۰ء)	کابل	۱۹۴۵ء	کابل	ایضاً	اقبال کا خیر مقدم اور مرثیہ	اقبال سے ملاقات
۹	عزیز اللہ مجددی	--	--	کشم بدخشان	--	--	--	علامہ کو فارسی میں منظوم خراج تحسین	۲۰۰۴ء میں افغان وزارت عدلیہ میں قضا کے رئیس
۱۰	غلام جیلانی اعظمی	خوشدل خان	۱۳۱۶ھ ش	کابل	۲۶ قوس ۱۳۳۴ء	کابل	ایضاً	اقبال و افغانستان پر پہلا مقالہ	
۱۱	غلام حسن مجددی پروفیسر							اقبال پر مقالات	اقبال ڈے کابل ۱۹۶۷ء میں سنائے گئے

۱۲	غلام ربانی ادیب	--	--	--	--	--	--	علامہ کو فارسی میں منظوم خراج تحسین	پنجاب یونیورسٹی کے فارغ التحصیل
۱۳	غلام رضا مائل ہرویؔ	۱۳۰۱ھ ش	ہرات				قفنوس و دیگر	اقبال کو منظوم خراجِ تحسین	
۱۴	محمد ابراہیم خلیلؔ	میرزا افضل احمد	۱۳۱۴ھ ش	گذر قاضی فیض اللہ کابل			سوانح میں ملاحظہ ہو۔	اقبال کو منظوم خراجِ تحسین	
۱۵	سید محمد قاسم رشتیاؔ							اقبال سے کابل ولاہور میں ملاقاتیں	اقبال پر مقالات
۱۶	میر بہادر واصفی	--	۱۳۱۵ھ ش	بدخشان	--	--	کلیلہ و دمنہ وسعید انداز لقمان حکیم	علامہ کو منظوم خراج تحسین	

جدول نمبر ۵:

مجلّہ کابل کی اقبالیاتی خدمات

					سال وشمارہ		صفحہ نمبر		
نمبر شمار	عنوان	از	نثر / نظم	سنہ اشاعت	سال	شمارہ	از	تا	کیفیت
۱	دکتور اقبال	سرور خان گویاؔ	نثر	۱۵حوت ۱۳۱۰ھ ش / ۵/مارچ ۱۹۳۱ء	۱	۱۰	۱۹	۲۳	افغانستان میں اقبال پر دوسری تحریر
۲	علامہ اقبال	احمد علی خان درانی	نثر	یکم سرطان ۱۳۱۱ھ ش / ۲۲/جون ۱۹۳۲ء	۲	۱	۱۲	۲۰	
۳	پیامِ بملت کوہسار	علامہ ڈاکٹر اقبال	نظم	ایضاً	۲	۱	۱۰	–	حضرت علامہ کی اپنی تحریر سے مجلّہ کابل کو ارسال کردہ نظم۔
۴	افغان و ایران	علامہ ڈاکٹر اقبال	نظم	یکم سنبلہ ۱۳۱۱ھ ش / ۲۲/اگست ۱۹۳۲ء	۲	۳	۱۷	–	جاوید نامہ کے آں سوے افلاک میں ابدالی کے ضمنی عنوان کے اشعار
۵	ملت افغان	علامہ ڈاکٹر اقبال	نظم	ایضاً	۲	۳	۳۷	–	
۶	تنزل و انحطاط اسلام	محمد سکندر خان معلم	نثر	یکم جدی ۱۳۱۱ھ ش / ۲۲/دسمبر ۱۹۳۲ء	۲	۷	۳۲		
۷	ورود معارف ہند	انجمن	نثر	عقرب ۱۳۱۲ھ ش	۳	۵			اقبال اور انکے ہم سفرانِ افغانستان کی خیر مقدمی و خوش تہنیتی خبر۔
۸	افغانستان از نقطۂ نظر فضلائے ہندوستان	انجمن	نثر	یکم جدی ۱۳۱۲ھ ش /	۳	۷	۸۱	۸۲	

				۲۲/دسمبر ۱۹۳۳ء					
	سواد بیانیہ رئیس انجمن ادبی	انجمن	نثر	ایضاً	۳	۷	۸۳	۸۴	
	خیر مقدم	قاری عبداللہ	نظم	ایضاً	۳	۷	۸۵	۸۶	
	ترجمہ نطق	سرراس مسعود	نثر	ایضاً	۳	۷	۸۷	–	
	ترجمہ نطق	سید سلیمان ندویؔ	نثر	ایضاً	۳	۷	۸۸	۹۱	
	ترجمہ نطق	علامہ سر محمد اقبال	نثر	ایضاً	۳	۷	۹۲	۹۴	
۹	قطرات سرشک دربار گاہ محمود سنائی یا برخرابہ زار شہرستان غزنی	عبدالحئی حبیبیؔ	نظم	دلو ۱۳۱۳ھ ش/۲۱/جنوری ۱۹۳۴ء			۶۵	۷۱	
۱۰	تقریظ بر مسافر	انجمن ادبی کابل سرور خان گویاؔ	نثر	یکم جدی ۱۳۱۳ھ ش/ ۲۳/دسمبر ۱۹۳۴ء	۴	۷	۸۴	۸۹	ڈاکٹر ریاض نے اس مضمون کا نگارندہ سرور خان گویاؔ بتایا ہے۔ ممدوح عالم ص ۲۸۹
۱۱	افغانستان یک نظر اجمالی	تقریظ از علامہ سر محمد اقبال	نثر	اول حمل ۱۳۱۴ھ ش/ ۲۲/مارچ ۱۹۳۵ء	۴	۱۰	۸۶	۹۰	افغانستان سے متعلق مولانا جمال الدین احمد خان کی تالیف کا دیباچہ
۱۲	ساقی نامہ کے پہلے تیرہ ابیات	ڈاکٹر علامہ محمد اقبال	نظم	ثور ۱۳۱۴ھ ش/ ۲۲/اپریل ۱۹۳۵ء					پیامِ مشرق کے ابیات
۱۳	فہرست مندرجات دورہ چہارم افغانستان یک نظر اجمالی		نظم	نظم بہاریہ جوزالہ ۱۳۱۴ھ ش/ مئی ۱۹۳۵ء	۳	۴			
۱۴	پیامِ مشرق کی نظم زندگی کا منظوم پشتو ترجمہ	پشتو ترجمہ قیام الدین خادمؔ	نظم	جنوری فروری ۱۹۳۷ء				۱۰۸۹	حیاتِ اقبال میں پشتو میں اقبال کا پہلا منظوم ترجمہ

۱۵	وفات داکتر اقبال شاعر و فیلسوف شہیر	سید قاسم رشتیا	نثر	جوزا ۱۳۱۷ھ ش / مئی جون ۱۹۳۸ء	۸	۳	۷۸	–	علامہ کی وفات اور کابل میں پہلی تعزیتی تقریب کی رپورٹ
۱۶	اقبال	احمد علی خان درانی	نثر	جوزا ۱۳۱۷ھ ش / مئی جون ۱۹۳۸ء	۸	۳	۷۹	۸۲	نمبر شمار ۱۶ تا ۲۲ - ۲۸/ اپریل ۱۹۳۸ء / ۸ ثور ۱۳۱۷ھ ش کو کابل میں حضرت علامہ کی وفات کے مناسبت سے تعزیتی پروگرام میں سنائے گئے۔
۱۷	قصیدہ در مرثیہ فیلسوف وطن خواہ پروفیسر اقبال غفر اللہ	ملک الشعراء قاری عبداللہ	نظم	ایضاً	۸	۳	۹۴	–	
۱۸	اقبال و افغانستان	غلام جیلانی اعظمی	نثر	ایضاً	۸	۳	۸۳	۸۵	
۱۹	منتخباتِ اشعار اقبال	سرور خان گویا	نظم	ایضاً	۸	۳	۸۶	۹۱	
۲۰	د اقبال پہ وفات (پشتو)	قیام الدین خادم	نظم	ایضاً	۸	۳	۹۲	–	پشتو میں حضرت علامہ کا مرثیہ
۲۱	د اقبال ویر (پشتو)	گل باچا الفت	نظم	جوزاء، ۱۳۱۷ھ ش، مئی جون ۱۹۳۸ء	۸	۳	۹۲	–	پشتو میں حضرت علامہ کا مرثیہ
۲۲	رثائی اقبال (فارسی)	غلام دستگیر خان مہمند	نظم	ایضاً	۸	۳	۹۳	–	علامہ کا فارسی مرثیہ
۲۳	خودی در نظر اقبال	مترجم قیام الدین خادم	نثر	میزان ۱۳۱۸ھ ش / ستمبر اکتوبر ۱۹۳۹ء	۹	۷	۲۲	۴۰	ڈاکٹر سید عابد حسین کے اردو مقالے کا فارسی ترجمہ
۲۴	خطاب بہ او قیانوس	علامہ اقبال مرحوم	نظم	دلو ۱۳۲۳ھ ش	۱۴	۱۰	آخر		سید جمال الدین افغانی کے جسدِ خاکی

									کی کابل منتقلی کی مناسبت سے
۲۵	صدر افغانستان کا پیام جمہور رئیس	محمد داؤد خان	نثر	قوس ۱۳۵۶ھ ش / نومبر دسمبر ۱۹۷۷ء	۹	۱	-		حضرت علامہ کی صد سالہ تقریبات کے حوالے سے
۲۶	دختیځ ستر شاعر	سوبمن	نثر	مرغومی ۱۳۵۶ھ ش / دسمبر جنوری ۸-۱۹۷۷ء	۱۰	۱	۳		علامہ کی صد سالہ تقریبات کے حوالے سے مجلّہ کابل کا اداریہ

جدول نمبر ۶:

دیگر مطبوعات کی اقبالیاتی خدمات (نثری)

نمبر شمار	عنوان	نگارندہ	اخبار جریدہ	نثر / نظم	سنہ اشاعت	سال وشمارہ		صفحہ نمبر		کیفیت
						سال	شمارہ	از	تا	
۱	پیامِ مشرق	پروفیسر عبدالہادی خان داویؔ	اخبار امان افغان کابل	نثر		-	۹ تا ۱۷	-	-	افغانستان میں علامہ کی کتاب پر پہلا باقاعدہ تبصرہ صدیق رھپو کی تالیف افغانستان میں اقبال میں شامل، ص ۱ تا ۳۷
۲	وفات (علامہ اقبال) (فارسی)		اخبار اصلاح کابل	نثر	۴ ثور یکشنبہ ۱۳۱۷ھ ش	-	-	-	-	ایضاً ص ۷۳ تا ۷۶
۳	وفات (علامہ اقبال) (فارسی)	-	اخبار انیس کابل	نثر	۱۴ ثور چارشنبہ ۱۳۱۷ھ ش	-	-	-	-	ایضاً
۴	پہ ځان ویساد علامہ اقبال پہ نظر کی (پشتو)	عبداللہ بختانیؔ	مجلّہ زیری کابل	نثر	۱۳۳۱ھ ش	-	۲۹-۳۰	-	-	ریشتنی خدمتگار، ص ۱۳۶
۵	اقبال (پشتو / فارسی)	عبدالرزاق فراھی	آریانا دائرۃ المعارف	نثر	اسد ۱۳۳۵ھ ش جلد ۳ (فارسی) جوزا ۱۳۳۷ھ ش (پشتو)	-	جلد ۳	فارسی ۶۷۲ پشتو ۹۱۴	۶۸۱ ۹۲۱	
۶	فلسفۂ اقبال (فارسی)	پروفیسر غلام حسن	دوماہی ادب کابل	نثر	اپریل جون ۱۹۶۵ء	-	-	۳	۸	اقبال ممدوح عالم، ص ۲۸۸

		مجددی								
۷	یادبود علامہ اقبال (فارسی)	پروفیسر غلام حسن مجددی	دوماہی ادب کابل	نثر	جون جولائی ۱۹۶۵ء	–	–	۳۰	۳۸	اقبال ممدوح عالم، ص۲۸۸
۸	خودی و اقبال	پروفیسر غلام حسن مجددی	دوماہی ادب کابل	نثر	۱۳۴۰ھ ش	–	آخر	۱	۲	
۹	اقبال او قندھار	–	مجلّہ کندھار	نثر	جنوری فروری ۱۹۶۶ء	۶	۱۰-۱۱	۶	۷	
۱۰	د علامہ اقبال پہ باب (پشتو)	پروفیسر عبدالشکور رشادؔ	مجلّہ ورمہ کابل	نثر	۱۹۶۷ء	–	–	۱۱-۱۵		
۱۱	خودی و بیخودی در اندیشۂ اقبال (فارسی)	عبدالحیٔ حبیبیؔ	–	–	۱۳۵۶ھ ش/۱۹۷۷ء	–	–	–	–	پشتو، پشاور ستمبر ۱۹۸۴ء، ص ۲۷
۱۲	اقبال شخصیتی علمی ادب و فکری جھان	عبدالسلام عظیمی	دوماہی ادب کابل	نثر	میزان قوس ۱۳۵۶ھ ش	–	–			
۱۳	معنی عشق نزد اقبال	دکتر روان فرھادی	آریانا کابل	نثر	میزان قوس ۱۳۵۶ھ ش	۳۵	۳			
۱۴	جلوہ ھای سبز آزادی در بندگی نامہ علامہ اقبال	آقای حیدری وجودی	ماہنامہ مدنی کابل	نثر	اسد ۱۳۵۶ھ ش	۲	۲			
۱۵	اقبال و افغانستان (فارسی)	دکتور حق شناس	مجلّہ میثاق خون	نثر	قوس ۱۳۶۰ھ ش	۲	۱۳	۱۷	۲۲	
۱۶	برگزاشت اقبال بزرگ (فارسی)	دکتور خلیل اللہ ہاشمیان	مجلّہ قلم	نثر	میزان ۱۳۶۶ھ ش/نومبر ۱۹۸۷ء	۲	۴	۴۸	۷۲	

۱۷	امروز برای فردا (فارسی)	نائل لاجورد پھنشہری	مجلّہ میثاقِ خون	نثر	جوزا ۱۳۶۶ھ ش	۳۳	۱۸	۲۴		
۱۸	اتحاد بین المسلمین (پشتو)	پروفیسر عبدالرؤف نوشہروی	مجلّہ قلم	نثر	سرطان ۱۳۶۸ھ ش / جون جولائی ۱۹۸۹ء	۱	۲	۱۱	۱۴	
۱۹	افغانستان در آئینہ قرآن (فارسی)	احمد جان ایمنی	مجلّہ قلم	نثر	حوت ۱۳۷۰ھ ش / فروری مارچ ۱۹۹۲ء	۶	۳	۲۲	۳۰	
۲۰	اسرار خودی و رموز بیخودی از دیدگاہ اقبال	آقای حیدری وجودی	جریدہ مجاہد	نثر	۱۳۷۲ھ ش	۳	۷	۲۰	۲۷	
۲۱	ساعتی در خدمت علامہ اقبال (فارسی)	سید قاسم رشتیا	اخبار وفا	نثر	۱۱ جدی ۱۳۷۵ھ ش	-	-	-	-	
۲۲	قلب آسیا گزرگاہ و نزگاہ علامہ اقبال (فارسی)	عبداللہ بختانی	اخبار وفا	نثر	۱۰ جدی ۱۳۷۶ھ ش	-	-	-	-	
۲۳	اقبال د خوشحال رشتنی مینہ وال (پشتو)	عبداللہ بختانی	مجلّہ سپیدہ کابل	نثر	۱۹۹۹ء	-	-	۴-۹		

جدول نمبر ۷ (الف):

افغانستان میں اقبال کو منظوم خراجِ تحسین (فارسی)

نمبر شمار	نظم	شاعر	مطبوعہ	سنہ اشاعت	سال و شمارہ: سال	شمارہ	صفحہ نمبر: از	تا	کیفیت
۱	خیر مقدم	ملک الشعراء قاری عبداللہ	مجلّہ کابل	یکم جدی ۱۳۱۲ھ ش / ۲۲ر دسمبر ۱۹۳۳ء	۳	۷	۸۵	۸۶	اکتوبر ۱۹۳۳ء کابل میں حضرت علامہ کے حضور سنایا گیا۔
۲	مرثیہ اقبال	ایضاً	ایضاً	جوزا ۱۳۱۷ھ ش / مئی جون ۱۹۳۸ء	۸	۳	۹۴	–	
۳	رثائی اقبال	غلام دستگیر خان مہمند	ایضاً	ایضاً	۸	۳	۹۳	–	
۴	بیاد علامہ محمد اقبال	محمد ابراہیم خلیل	پشتانہ دعلامہ اقبال پہ نظر کی	۱۳۳۵ھ ش	–	–	۶۷	–	۱۳۳۱ھ ش کابل کے شعبہ مطبوعات میں یوم اقبال کی تقریب میں سنائی گئی۔
۵	علامہ مشرق	عبدالحق بیتاب	ایضاً	ایضاً	–	–	۶۵		
۶	بیادِ اقبال	مائل ہروی	افغانستان واقبال	۱۳۵۶ھ ش / ۱۹۷۷ء	–				
۷	خطاب بہ اقبال	عبدالہادی داوی	سالنامہ کابل	۵۹ / ۱۳۵۸ھ ش		۴۶-۴۵	۱۰۰۸		
۸	جواب مسافر	دکتور محمد رحیم الہام	اخبار وفا	۱۱ جدی ۱۳۷۵ھ ش	–	–	–	–	
۹	بہ پیشگاہ علامہ دکتور محمد اقبال	ایضاً	ایضاً	ایضاً	–		۵۰	۵۲	

۱۰	آموزگار بزرگ بر مزار اقبال	خلیل اللہ خلیلی	کلیات استاد خلیل اللہ خلیلی		–	–	۱۵۳	۱۵۴	
۱۱	کعبہ و اقبال	ایضاً	ایضاً		–	–	۱۸۲	۱۸۳	
۱۲	بر آرامگاہ عارف مشرق علامہ اقبال لاہور	ایضاً	ایضاً	ایضاً	–	–	۳۸۲	۳۸۳	
۱۳	غزل حکیم مشرق علامہ اقبال	ایضاً	ایضاً		–	–	۵۸۰	–	
۱۴	دمی با اقبال	ایضاً	ایضاً		–	–	۵۸۴	۵۸۵	
۱۵	امام مشرق و شاعرِ مشرق	عبدالحیٔ حبیبی	درد دل و پیامِ عصر	۱۳۷۹ھ ش / ۲۰۰۰ء	–	–	۱۰۸	۱۱۰	
۱۶	علامہ اقبال مرحوم	ایضاً	ایضاً	ایضاً	–	–	۱۱۳	–	
۱۷	با استقبال اقبال	سر محقق عبداللہ بختانی	ترنم دل	جدی ۱۳۸۱ھ ش	–	–	۶۹	۷۲	
۱۸	اقبال لاہور	میر بھادر واصفی	علامہ اقبال در ادب فارسی و فرھنگ افغانستان	۱۳۸۳ھ ش / ۲۰۰۵ء			۱۸۹	۱۹۰	
۱۹	علامہ اقبال	غلام ربانی ادیب	" "	" "			۱۹۰		
۲۰	علامہ اقبال	عزیز اللہ مجددی	" "	" "			۱۹۱		
۲۱	چوں بحر بیکراں علامہ اقبال	استاد رحمد اللہ منطقی	" "	" "			۱۹۱	۱۹۲	

جدول نمبر ۷ (ب):

افغانستان میں اقبال کو منظوم خراجِ تحسین (پشتو)

نمبر شمار	نظم	شاعر	مطبوعہ	سنہ اشاعت	سال وشمارہ		صفحہ نمبر		کیفیت
					سال	شمارہ	از	تا	
۱	د اقبال پہ وفات	قیام الدین خادمؔ	مجلّہ کابل	جوزا ۱۳۱۷ھ ش / مئی جون ۱۹۳۸ء	۸	۳	۹۱		
۲	د اقبال ویر	گل باچا الفتؔ	مجلّہ کابل	ایضاً	۸	۳	۹۲	۹۳	
۳	د اقبال پہ مزار	عبدالباری شہرت ننگیالؔ	د افغان مجاہد آواز	۱۳۵۹ھ ش	–	–	۳۶	–	
۴	د آسیارہ	حبیب اللہ رفیعؔ	ماہنامہ پشتو پشاور	دسمبر ۱۹۸۲ء			۷	–	

جدول نمبر ۸:

علامہ کا سفر افغانستان

نمبر شمار	بمؤرخہ	بروز	مقام	خاص خاص پروگرام	مآخذ
۱	۴/ اگست ۱۹۲۰ء	بدھ	لاہور	مولوی صالح محمد کو کابل جانے کے امکان سے متعلق خواہش کا اظہار	روح مکاتیب اقبال، ص ۴۰۵
۲	۴/ نومبر ۱۹۳۲ء	جمعہ	لاہور	سعید نفیسی (مشہور ایرانی سکالر) کے نام مکتوب میں سفر افغانستان کا تذکرہ	ایضاً، ص ۲۰۴
۳	۱۰/ ستمبر ۱۹۳۳ء	اتوار	لاہور	سید سلیمان ندوی کے نام سفر افغانستان کی تیاری سے متعلق مکتوب	اقبال سید سلیمان ندوی کی نظر میں، ص ۲۰۴
۴	۱۷/ ستمبر ۱۹۳۳ء	اتوار	لاہور	ایضاً	ایضاً، ص ۲۰۵، ۲۰۶
۵	۱۱/ اکتوبر ۱۹۳۳ء	بدھ	لاہور	ایضاً	روح مکاتیب اقبال، ص ۴۷۵
۶	۱۳/ اکتوبر ۱۹۳۳ء	جمعہ	لاہور	ایضاً	ایضاً، ص ۴۷۶
۷	۱۴/ اکتوبر ۱۹۳۳ء	ہفتہ	لاہور	ایضاً	ایضاً، ص ۴۷۷
۸	۱۵/ اکتوبر ۱۹۳۳ء	اتوار	لاہور	ایضاً	اقبال سید سلیمان ندوی کی نظر میں، ص ۲۰۷
۹	۱۷/ اکتوبر ۱۹۳۳ء	منگل	لاہور	حضرت علامہ اور سر راس مسعود کو پاسپورٹ ملے	ایضاً، ص ۲۴۷
۱۰	۱۸/ اکتوبر ۱۹۳۳ء	بدھ	لاہور	سید سلیمان ندوی کے نام سفر افغانستان کی تیاری سے متعلق مکتوب	روح مکاتیب اقبال، ص ۴۷۸
۱۱	۱۹/ اکتوبر ۱۹۳۳ء	جمعرات	لاہور	ایضاً	اقبال سید سلیمان ندوی کی نظر میں، ص ۲۰۷
۱۲	۱۹/ اکتوبر ۱۹۳۳ء	جمعرات	لاہور	پروفیسر محمود شیرانی کے نام مکتوب میں سفر افغانستان کا تذکرہ	روح مکاتیب اقبال، ص ۴۷۸
۱۳	۱۹/ اکتوبر ۱۹۳۳ء	جمعرات	لاہور	مجوزہ افغان یونیورسٹی سے متعلق اخباری بیان کی اشاعت	حرفِ اقبال، ص ۲۰۲
۱۴	۲۰/ اکتوبر ۱۹۳۳ء	جمعہ	لاہور / پشاور	پروفیسر ہادی حسن، سر راس مسعود اور بیرسٹر غلام رسول خان کے ساتھ لاہور سے	اقبال ریویو، جنوری ۱۹۷۶ء، ص ۳۸

				روانگی۔ڈین ہوٹل پشاور میں قیام	
۱۵	۲۱/اکتوبر ۱۹۳۳ء	ہفتہ	پشاور / جلال آباد	پشاور سے روانگی، رات جلال آباد میں قیام	سرگذشت اقبال، ص ۳۴۸
۱۶	۲۲/اکتوبر ۱۹۳۳ء	اتوار	جلال آباد / کابل	جلال آباد سے روانگی، کابل آمد	ایضاً
۱۷	۲۳ تا ۲۵/اکتوبر ۱۹۳۳ء	سوموار تا بدھ	کابل	تعلیمی مشورت کے چند اجلاس، افغانستان میں جنرل نادر خان سے پہلی ملاقات	اقبال سید سلیمان ندوی کی نظر میں، ص ۲۵۰
۱۸	۲۶/اکتوبر ۱۹۳۳ء	جمعرات	کابل	سردار ہاشم خان صدرِ اعظم افغانستان کی شبینہ ضیافت	ایضاً، ص ۲۵۳
۱۹	۲۷/اکتوبر ۱۹۳۳ء	جمعہ	کابل	-جنرل نادر خان کے ساتھ کابل کے جامع مسجد پل خشتی میں نمازِ جمعہ کی ادائیگی	ایضاً، ص ۲۴۵ تا ۲۵۸
				-چینی ترکستان کے وفد اور نور المشائخ فضل عمر مجددی سے ملاقاتیں	
				-برصغیر کے مسلمانوں کی جانب سے کھانے کا انتظام	
۲۰	۲۸/اکتوبر ۱۹۳۳ء	ہفتہ	کابل	-صدرِ اعظم افغانستان سردار ہاشم خان سے ملاقات۔وزیر جنگ سردار شاہ محمود خان کی دعوتِ چائے	اقبال سید سلیمان ندویؒ کی نظر میں، ص ۲۵۸ تا ۲۶۵
				-انجمن ادبی کابل کی جانب سے کابل ہوٹل میں رات کی ضیافت کا پروگرام	
۲۱	۲۹/اکتوبر ۱۹۳۳ء	اتوار	کابل	باغِ بابر میں مزارِ بابر پر حاضری۔اعلیٰ حضرت محمد نادر شاہ غازی سے آخری ملاقات، رات مختلف شخصیات سے ملاقاتیں	اقبال سید سلیمان ندوی کی نظر میں، ص ۲۶۵
۲۲	۳۰/اکتوبر ۱۹۳۳ء	سوموار	کابل / غزنی	کابل سے روانگی۔غزنی آمد۔حکیم سنائی غزنوی، سلطان محمود غزنوی، حضرت علی ہجویری کے والد ماجد عثمان الہجویریؒ اور لائے خوار (مجذوب غزنوی) کے مزارات پر حاضری	ایضاً، ص ۲۶۶ تا ۲۶۷

۲۳	۳۱؍اکتوبر ۱۹۳۳ء	منگل	غزنی / مقر (قدیم بہق)	غزنی سے روانگی۔ مقر (پرانے بہق) میں ابوالفضل بیہقی اور ابوالنصر مشکانی کے مزارات کا دیدار۔ رات قلات میں قیام	ایضا، ص ۲۶۸ و سیر افغانستان، ص ۳۱
۲۴	یکم؍نومبر ۱۹۳۳ء	بدھ	قلات / قندھار	قلات سے روانگی۔ قندھار آمد۔ افغان سکالر عبدالحئ حبیبی، گورنر قندھار اور معززین شہر سے ملاقاتیں، خرقہ مقدسہ کی زیارت، احمد شاہ ابدالی اور باباولی قندھاری کے مزارات پر حاضری، چہل زینہ کی سیر	سیر افغانستان، ص ۳۰ تا ۳۶ و اقبال سید سلیمان ندوی کی نظر میں، ص ۲۶۹ – ۲۷۱
۲۵	۲؍نومبر ۱۹۳۳ء	جمعرات	قندھار / چمن / کوئٹہ	صبح قندھار سے روانگی۔ چمن آمد۔ معززین شہر اور اپنے پرانے ہندو کلاس فیلو سے ملاقاتیں۔ شام کو چمن سے روانگی۔ درہ خوجک میں سید سلیمان ندوی کے ساتھ اپنی قرآن فہمی پر گفتگو۔ کوئٹہ آمد	ایضاً و علامہ اور بلوچستان، ص ۴۳
۲۶	۳؍نومبر ۱۹۳۳ء	جمعہ	کوئٹہ	کوئٹہ سے بذریعہ ریل براستہ ملتان لاہور روانگی (رات کوئٹہ میں قیام ڈاک بنگلہ میں رہا)	اقبال سید سلیمان ندوی کی نظر میں، ص ۲۷۳
۲۷	۶؍نومبر ۱۹۳۳ء	سوموار	لاہور	اپنے ہم سفروں کی ایماء پر اپنے دورۂ افغانستان سے متعلق اخباری بیان	حرفِ اقبال، ص ۲۰۴

جدول نمبر ۹ (الف):

افغانستان میں اقبالیاتی کتب

نمبر شمار	نام	مولف	زبان	سنہ اشاعت	ادارہ اشاعت	تعداد صفحات	کیفیت
۱	پښتانہ د علامہ اقبال پہ نظر کښې	عبداللہ بختانی	پشتو	۱۳۳۵ھ ش	پشتوٹولنہ کابل	۶۸	
۲	آثار اردوی اقبال جلد اول	عبدالہادی داوی	فارسی	۱۳۵۶ھ ش / ۱۹۷۷ء	وزارت اطلاعات وکلتور مؤسسہ انتشارات بیہقی کابل	۱۳۶	
	آثار اردوی اقبال جلد دوم	عبدالہادی داوی	فارسی	۱۳۵۶ھ ش / ۱۹۷۷ء	ایضاً	۱۰۲	
۳	افغانستان واقبال	صدیق رھپو	فارسی	۱۳۵۶ھ ش / ۱۹۷۷ء	ایضاً	۷۸	
۴	یار آشنا	خلیل اللہ خلیلی	فارسی	۱۹۸۲ء	جمعیت اسلامی افغانستان	۸۰	
	یار آشنا (بار دوم) پیش گفتار وحواشی عارف نوشاہی	خلیل اللہ خلیلی	فارسی	۱۳۸۹ھ ش / ۲۰۱۰ء	کتابخانہ استاد خلیل اللہ خلیلی انستیتوت شرقشناسی ومیراث فرہنگی اکادمی علوم جمہوری تاجکستان دوشنبہ	۱۶۴	
۵	از سنائی تا مولانا واقبال	--	فارسی	۱۳۵۶ھ ش / ۱۹۷۷ء	کابل یونیورسٹی نشرات پوھنزی		
۶	لالہ ریختہ	عبدالہادی داوی	فارسی	غیر مطبوعہ	--	--	علامہ کے اردو کلام کا پہلا باضابطہ فارسی منظوم ترجمہ ۳ر دسمبر ۱۹۷۷ء
۷	معنی عشق نزد علامہ اقبال	ڈاکٹر روان فرہادی	فارسی	۱۳۵۶ھ ش / ۱۹۷۷ء	--	--	ریڈیو افغانستان کابل کے آڈیٹوریم

							میں علامہ سے متعلق منعقدہ
۸	افغانستان از زبان علامہ اقبال	م۔ لمر احسان	فارسی	۱۳۷۶ھ ش	مرکز انتشارات صبور پشاور	--	سمینار کے مقالات
۹	علامہ اقبال در ادب فارسی و فرھنگ افغانستان	ڈاکٹر اسد اللہ محقق	فارسی	۱۳۸۴ھ ش / ۲۰۰۵ء	مرکز تحقیقات فارسی ایران و پاکستان اسلام آباد	۳۴۵	ڈاکٹر اسد اللہ محقق کی ڈاکٹریٹ کا مقالہ
۱۰	اکسیر خودی جوھر پیام علامہ اقبال	ڈاکٹر سعید	فارسی	۱۳۸۹ھ ش / ۲۰۱۰ء	انجمن حمایت از انکشاف اجتماعی مطبوعہ فجر کابل	۱۸۸	

جدول نمبر ۹ (ب):

افغانستان سے باہر افغانستان میں اقبال شناسی کے اہم مصادر

نمبر شمار	نام	مولف	زبان	سنہ اشاعت	ادارہ اشاعت	تعداد صفحات	کیفیت
۱	اقبال اور افغان	میر عبدالصمد	اردو	۱۹۹۰ء	یونیورسٹی بک ایجنسی پشاور		
۲	اقبال اور افغانستان	اکرام اللہ شاھد	اردو	نومبر ۲۰۰۲ء	ادارہ اشاعت مدرالعلوم مرادی	۲۸۱	اکرام اللہ شاہد کے ایم فل کا مقالہ
۳	سیر اقبال شناسی در افغانستان	عبدالروف رفیقی	فارسی	۲۰۰۴ء	اقبال اکادمی پاکستان لاہور	۲۶۴	افغانستان میں علامہ فارسی مقالات
۴	اقبال اور پشتو شاعری	عبدالروف رفیقی	پشتو	۲۰۰۴ء	اقبال اکادمی پاکستان لاہور		عبدالرؤف رفیقی کے مقالہ ایم فل کے چند ابواب
۵	اقبال، افغان اور افغانستان	محمد اکرام چغتائی	اردو	۲۰۰۴ء	سنگ میل پبلی کیشنز لاہور	۱۰۵۶	
۶	افغانستان میں اقبال شناسی کی روایت	ڈاکٹر عبدالروف رفیقی	اردو	۲۰۱۱ء	اقبال اکادمی پاکستان لاہور		ڈاکٹر عبدالرؤف رفیقی کی ڈاکٹریٹ کا مقالہ مع اضافہ
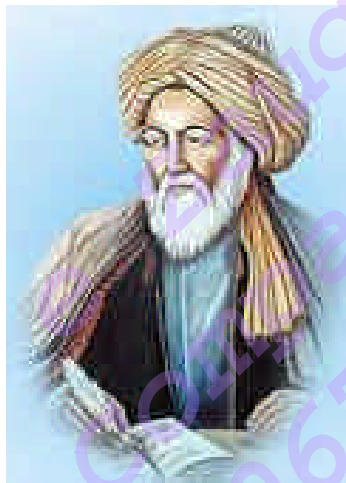
حکیم سنائی غزنوی

احمد شاہ ابدالی

غازی امان اللہ خان

اعلیٰ حضرت محمد نادر شاہ غازی

ہز ہائی نس مارشل شاہ ولی خان

المتوکل علی اللہ محمد ظاہر شاہ

عبدالہادی داوی پریشان

صلاح الدین سلجوقی

حضرت علامہ اور ان کے رفقا کے اعزاز میں انجمن ادبی کابل کی جانب سے باغ بابر میں ضیافت

باغ بابر کابل ۲۸ اکتوبر ۱۹۳۳ء شام ساڑھے سات بجے شب

انجمن ادبی کابل کی وہ ضیافت جس میں ملک الشعرا قاری عبداللہ نے ان مہمانوں کا منظوم استقبال کیا

حضرت علامہ اقبال، سید سلیمان ندوی اور سر راس مسعود کابل اکتوبر ۱۹۳۳ء

افغانستان کے سابق صدر محمد داود خان شہید کا ریڈیو افغانستان کابل سے ان کے ہاتھ کی تحریر کردہ پہلی نشری تقریر میں حضرت علامہ کے زبور عجم کا شعر
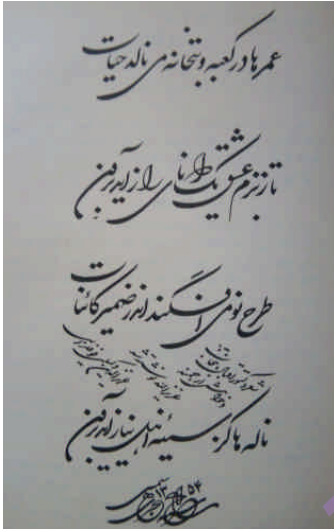
عزیز الدین وکیلی پوپلزای خطاط ہفت قلمی افغانستان کا خطاطی کردہ کلام اقبال

حضرت علامہ کی وفات پر مجلہ کابل کا خصوصی اقبال نمبر بابت ماہ مئی ۱۹۳۸ء

مجلہ کابل میں شائع ہونے والا کلام اقبال بہ قلم اقبال پیام اقبال بملت کوہسار محررہ ۲۴ مارچ ۱۹۳۲ لاہور مطبوعہ مجلہ کابل ۲۲ جون ۱۹۳۲ء، اول سرطان ۱۳۱۱ھ ش

کابل میں افغانستان کی وزارت اطلاعات وثقافت کی عظیم الشان عمارت پر آیت قرانی اور قومی ترانہ کے درمیان حضرت علامہ کا شعر

منظوم پشتوترجمہ ازعبد الباری جہانی سابق وزیر اطلاعات وثقافت وشاعر قومی ترانہ افغانستان

شہزادہ احمد علی خان درانی

سرور خان گویا

ملک الشعرا قاری عبداللہ

علامہ عبدالحیؑ حبیبی

خلیل اللہ خلیلی

خال محمد خستہ

پروفیسر غلام حسن مجددی

قیام الدین خادم

گل باچا الفت
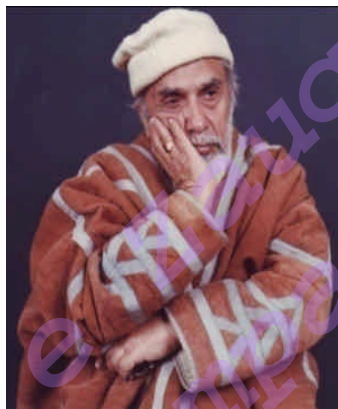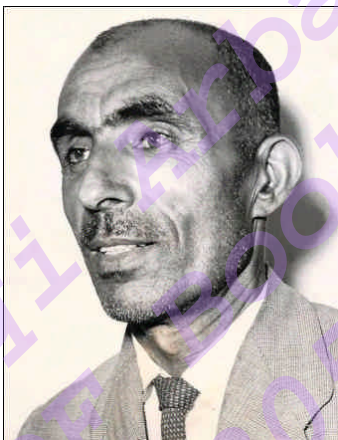
عبدالروف بینوا

سید محمد قاسم رشتیا

علامہ عبدالشکور رشاد

عبد الرحمان پژواک

سرمحقق عبد اللہ بختانی خدمتگار
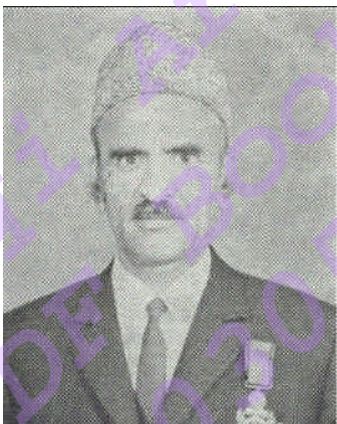
ڈاکٹر خلیل اللہ ہاشمیان سید

عزیزالدین وکیلی پوپلزای خطاط ہفت قلمی افغانستان

حبیب اللہ رفیع

احمد صمیم

محمد آصف صمیم

عبدالباری شہرت ننگیال